اللؤلؤ المکنون

جلد نہم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- عمرۃ القضاء اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا مقدس مرحلہ
- سفیرِ نبوی کی شہادت اور معرکۂ موتہ
- فتح مکہ اور کفار کے لیے عام معافی کا انقلابی اعلانِ رسالت
- غزوہ حنین اور غزوۂ طائف کے فروغ اسلام میں دُور رس اثرات
- غزوۂ تبوک کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا شاندار غلبہ
- سیدنا خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور خانوادۂ حاتم طائی کا قبولِ اسلام

دارالسلام
DARUSSALAM

دارالسلام
ریسرچ سنٹر

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 9

اللؤلؤ المکنون
سیرت انسائیکلوپیڈیا
علی صاحبہا الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرسَلنٰكَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِينَ

اورہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

جلد 9

- سفیرِ نبوی کی شہادت اور معرکۂ موتہ
- فتح مکہ اور کفار کے لیے عام معافی کا انقلابی اعلانِ رسالت
- غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف کے فروغ اسلام میں دور رس اثرات
- غزوۂ تبوک کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا شاندار غلبہ
- سیدنا خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور خانوادۂ حاتم طائی کا قبولِ اسلام

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

عمرۃ القضاء کے بعد سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح۔ غزوۂ موتہ میں دو لاکھ رومیوں کے خلاف تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانبازی۔ فتح مکہ اور ہوازن وثقیف کے خلاف ایمان افروز معرکے اور روم کو پسپا کرنے والا غزوۂ تبوک۔ نیز بہت سے دیگر اہم واقعات اس جلد کے موضوعات ہیں۔

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالرافع
(گرافک ڈیزائنر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

محمد شعیب
(السٹریٹر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • التعلیٰ فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422
جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 • مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121
الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 • خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 • قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • [illegible] فون: 001 416 4186619

لندن • [illegible] فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • [illegible]: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • [illegible] فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • [illegible] فون: 0091 22 2373 4180
• [illegible] فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • [illegible] فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دار الکتاب فون: 0094 115 358712 • [illegible] فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس: 042 373 540 72
www.darussalampk.com
اردو بازار: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 358 926 10
گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، بیک سی پلازہ لبرٹی گول چکر گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50
مین مارکیٹ: بالمقابل فیصل بینک، 1 ای مین مارکیٹ گلبرگ فون: 0092 42 357 882 67
ٹاؤن شپ: پیکو روڈ ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 0092 42 351 242 30

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ دین سنٹر فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- اے گلیکسی آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) 2 جڑانوالہ روڈ فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية جزء ٩ . / مكتبة دارالسلام- الرياض، ١٤٣٦ هـ
ص: ٥٩١ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ١-٣٥٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (اللغة اردو)
١. السيرة النبوية ٢. الشمائل المحمدية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩   ١٤٣٦/٦٨٠٤

رقم الإيداع: ١٤٣٦/٦٨٠٤
ردمك: ١-٣٥٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

اللّٰھم صل علی

محمد

وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم

وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید

اللّٰھم بارک علی محمد وعلی آل محمد

کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم

انک حمید مجید

صحیح البخاري : 3370 صحیح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذات اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذات اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



مضامین

باب ۔۳

فتح مکہ

باب: 5

غزوہ طائف

عمرة القضاء سے سریۂ موتہ تک کے واقعات

اس عرصے میں نبی اکرم [illegible] کے خون کے پیاسے دشمن بھی بے ساختہ پکار
[illegible] آپ یقیناً [illegible] سریۂ موتہ

میں اللہ کے دشمنوں کو ان کی جارحیت کا

دندان شکن جواب دے دیا گیا

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا

فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا

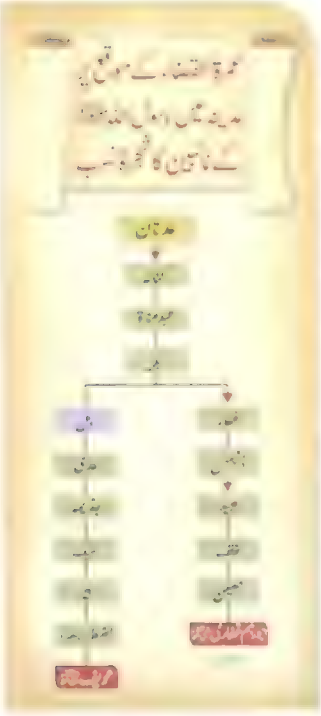
"بلاشبہ یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم حالت امن میں اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور بالضرور داخل ہو گے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہو گے، پس اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، تو اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔" (الفتح 48:27)

اس باب میں

آپ پڑھیں گے کہ سریۂ موتہ میں تین لاکھ زرہ پوش کفار سے ٹکرا جانے والے صرف تین ہزار بے سر و سامان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جرأت و بسالت اور ناقابل تسخیر عزیمت کا ثبوت دے رہے تھے۔ اس سریے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ زبردست حکمت عملی بھی پوشیدہ ہے کہ اسلام دبنے والا نہیں بلکہ پورے عالم میں سرفراز ہونے والا دین ہے۔ اسی موقع پر آپ ﷺ کے نامزد کردہ تین سپہ سالار اور نو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور سیدنا خالد بن ولید کی حکمت عملی اور تیغ بے دریغ نے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح سے ہمکنار کیا۔ اسی باب میں رسالت مآب ﷺ کے عمرۃ القضاء کا ایمان افروز تذکرہ ہے جس میں مشرکین مکہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے: ''اے محمد! (ﷺ) آپ یقیناً نیکی اور وفا کا مرقع ہیں۔'' اس عمرے کے سفر کا ایک مسرت بخش واقعہ یہ ہے کہ آپ نے سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ قریش کے دو نامور شہسوار عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کا قبول اسلام بھی اس باب کی زینت ہے۔

عمرۃ القضاء

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے شدید محبت کرتے تھے۔ آپ ہجرت کے بعد سے ابھی تک بیت اللہ کی زیارت اور طواف نہیں کر سکے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو خواب میں بیت اللہ کی زیارت کی بشارت عطا فرمائی تو آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرے کے لیے مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ یہ سفر بعد ازاں صلح حدیبیہ پر منتج ہوا جس میں دس سالہ صلح کے معاہدے کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ آپ اس سال کے بجائے اگلے سال عمرے کے لیے آئیں گے اور تین دن مکہ میں قیام کرنے کے بعد لوٹ جائیں گے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔[1] اب حسب معاہدہ وہ وقت آ گیا تھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف فرمائیں۔ ذیل میں عمرۃ القضاء کے اس مبارک سفر کو بیان کیا گیا ہے۔



امام المغازی ابن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خیبر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ربیع الاول، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، رمضان اور شوال کے مہینوں میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے مختلف سرایا بھیجے ـــــ جن کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں ـــــ پھر آپ ﷺ ذوالقعدہ میں عمرۃ القضاء کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ وہی مہینہ تھا جس میں گزشتہ سال مشرکین نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر مدینہ منورہ میں عُوَیف بن اضبط دیلی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور واقدی کے بقول آپ نے ابو رہم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا۔[2] اس عمرے کو عمرۃ القصاص کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ مشرکین مکہ نے 6ھ میں حرمت والے مہینے ذوالقعدہ میں رسول اللہ ﷺ کو عمرہ ادا کرنے سے

1 دیکھیے [illegible] 28/8. 2 شرح الزرقانی علی المواهب 314/3، الطبقات لابن سعد 120/2

روک دیا تھا تو آپ ان سے قصاص لیتے ہوئے اگلے سال 7 ھ کے حرمت والے مہینے ذوالقعدہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول اسی واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ﴾ (البقرۃ 2: 194)

''(تم پر) ماہ حرام (کی پابندی) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں۔''[1]

عکرمہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز ضحاک، سدی، قتادہ، مقسم، ربیع بن انس اور عطاء وغیرہ ائمہ تفسیر رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ جب 6 ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے تشریف لے گئے اور مشرکوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا تو یہ ذوالقعدہ، حرمت کا مہینہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں، لہٰذا آپ ﷺ اور مسلمان اگلے سال تشریف لائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں سے بدلہ لے لیا اور اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔[2]

مکہ روانگی

ذوالقعدہ 7 ھ میں امام کائنات محمد ﷺ اپنے ان جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جو حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا گیا۔ قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے گئے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد ساٹھ اونٹ تھی۔ آپ نے تلبیہ کہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تلبیہ کہا۔ ذرا تصور کیجیے کہ وہ کیا خوش جمال منظر ہوگا جب محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تلبیے کی صدائے دل نواز سے دشت وجبل گونج اٹھے ہوں گے۔ یہ عظیم الشان قافلہ جب مرالظہران کے قریب پہنچا تو آپ نے گھڑ سوار دستے اور اسلحے کے ساتھ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے روانہ فرما دیا۔ مشرکین نے جب انھیں دیکھا تو وہ بے حد مرعوب ہو گئے۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید اب رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ آور ہوں گے اور آپ نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد توڑ دیا ہے۔ انھوں نے اہل مکہ کو اس کی خبر دی مگر رسول اللہ ﷺ نے مرالظہران پر پڑاؤ ڈال دیا تھا جہاں سے حرم کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ آپ نے کمانیں، نیزے، تیر اور دیگر اسلحہ بطن یاجج بھیج دیا اور آپ مکہ مکرمہ کی طرف تلواریں نیاموں میں ڈال کر روانہ ہوئے جیسا کہ قریش کے ساتھ شرائط معاہدہ میں طے ہوا تھا۔ ابھی آپ رستے ہی میں تھے کہ قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ اس نے آ کر کہا: اے محمد (ﷺ)! ہم نے تو آپ کو کبھی عہد شکنی کرتے نہیں دیکھا۔ آپ حرم میں اسلحے کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ آپ نے تو شرط مانی تھی کہ آپ صرف نیام میں بند تلواریں لے کر آئیں گے۔

---

1 [illegible] 502/2، [illegible] 12/4 2 [illegible] 194/2

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''ہم مکہ میں اسی طرح (معاہدے کے مطابق) داخل ہوں گے۔'' اسلحہ ہم نے ''یاَجَجْ'' بھیج دیا ہے۔ اس نے کہا: یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو نیکی اور وفاداری کی خوبیوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ اور سرکردہ مشرکین کا خروج

سرداران قریش رات کو شدید غم، غصے اور کینے کی وجہ سے مکہ سے باہر نکل گئے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ دیکھ سکیں جب کہ مکہ کے دیگر مرد، عورتیں اور بچے رستوں اور گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے لگے۔ سرکار دو عالم ﷺ اس شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ آپ کے آگے آگے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ قربانی کے جانوروں کو مقام ذی طویٰ کی طرف بھیج دیا گیا۔ آپ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار تھے جس کو آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال بھی سواری کا شرف بخشا تھا۔[1] سیدنا عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھام رکھی تھی اور وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

بِاسْمِ الَّذِي لَا دِينَ إِلَّا دِينُهْ   بِاسْمِ الَّذِي مُحَمَّدٌ رَسُولُهْ

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ   اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَأْوِيلِهِ

كَمَا ضَرَبْنَاكُمْ عَلٰى تَنْزِيلِهِ   ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ

وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ   قَدْ أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِي تَنْزِيلِهِ

فِي صُحُفٍ تُتْلٰى عَلٰى رَسُولِهِ   بِأَنَّ خَيْرَ الْقَتْلِ فِي سَبِيلِهِ

يَا رَبِّ إِنِّي مُؤْمِنٌ بِقِيلِهِ

''اس ذات پاک کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین نہیں۔ اس ذات اقدس کے نام سے، سیدنا محمد ﷺ جس کے رسول ہیں۔ اے کافروں کے بیٹو! نبی ﷺ کا رستہ چھوڑ دو۔ آج آپ کے حکم کے مطابق ہم تمھیں ماریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے مطابق ہم نے تمھیں ضرب لگائی تھی۔ تمھیں ایسی کاری ضرب لگائیں گے جس سے سر تن سے جدا ہو جائیں گے۔ ایسی ضرب جو دوست سے دوست کو بھلا دے گی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں یہ نازل فرمایا ہے۔ (یعنی) ایسے صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جاتے ہیں کہ بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہوتا ہے۔ اے اللہ! میں اس کے فرمان پر ایمان رکھتا ہوں۔''[2]

1 [illegible] 187/2، 188، دلائل النبوة للبيهقي 321/4 2 مختصر جامع الترمذي 2847، سنن النسائي 2876، 2896، صحيح ابن حبان: 4521، البداية والنهاية: 229,228/4.

طواف میں رمل کی مشروعیت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ تشریف لائے تو یثرب کے بخار کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اور وہاں انھیں ناموافق آب و ہوا کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس لیے مشرکین نے کہا کہ تمھارے پاس ایسے لوگ آرہے ہیں جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور وہاں انھیں برے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مشرکین حجر کی جانب بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات سے نبی ﷺ کو مطلع فرما دیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دے دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکر تیز رفتاری کے ساتھ کندھے ہلا ہلا کر لگائیں تاکہ مشرکین ان کی طاقت وقوت کا مشاہدہ کر لیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعمیل ارشاد میں تین چکر اسی انداز سے لگائے۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ دونوں رکنوں کے درمیان عام چال چلیں کیونکہ وہاں انھیں مشرکین دیکھ نہیں سکتے تھے۔ نبی ﷺ نے بربنائے شفقت تمام چکروں میں رمل کا حکم نہیں دیا۔ مشرکین نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس متحرک انداز سے طواف کرتے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ ان لوگوں کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، حالانکہ وہ تو فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم 4 ذوالقعدہ کی صبح مکہ تشریف لائے۔ مشرکین نے کہا کہ تمھارے پاس ایسے لوگ آرہے ہیں جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکر رمل کے ساتھ لگائیں۔ آپ ﷺ نے شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے طواف کے تمام چکروں میں رمل کا حکم نہیں دیا۔[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب سال امن میں تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا: ''ارْمُلُوا'' ''رمل کرو۔'' آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ مشرکین مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ مشرکین اس وقت کوہ قعیقعان کی طرف بیٹھے ہوئے تھے۔[3] اسی طرح آپ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی اسی لیے کی کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں۔[4] ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں ٹھیک حسب معاہدہ تشریف لائے۔ جب آپ ﷺ نے تین دن تک قیام فرما لیا تو مشرکین نے کہا کہ اب آپ واپس تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔[5]

---

[1] مسند احمد 1/294، 295. [2] صحیح البخاری 1602 و 4256، صحیح مسلم 1266. [3] صحیح البخاری 4257. [4] صحیح البخاري: 1649. [5] صحیح البخاري: 2701.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ میمونہ ؓ سے شادی

رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے متعلقہ دینی احکام و مسائل امت تک پہنچانے، مختلف قبائل کو اسلام سے روشناس کرانے اور دیگر کئی مقاصد کے لیے متعدد شادیاں کیں۔ اس طرح آپ کے حرم میں داخل ہونے والی خوش نصیب خواتین میں سیدہ میمونہ ؓ بھی شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر ذوالقعدہ 7 ھ میں ان سے نکاح کیا۔ ان کا نام برہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے تبدیل کر کے میمونہ رکھا۔[1]

سیدہ میمونہ ؓ کے خاوند ابو رہم بن عبدالعزیٰ بن عبدود قرشی عامری فوت ہو گئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شادی کی خواہش کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جعفر ؓ کی معرفت انھیں شادی کا پیغام دیا۔ جب انھیں رسالت مآب ﷺ کا یہ پیغام ملا، اس وقت وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ ان کی زبان سے بے اختیار نکلا: ''یہ اونٹ اور اس کی سوار اللہ اور اس کے رسول کے لیے حاضر ہے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (الاحزاب 50:33)

''اور (ہم نے آپ کے لیے) مومن عورت بھی (حلال کی)، اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ (وقف) کر دے، اگر نبی چاہے تو اس سے نکاح کر لے، یہ (اجازت) مومنوں کے علاوہ خاص آپ کے لیے ہے، یقیناً ہم جانتے ہیں جو کچھ ہم نے ان (مومنوں) پر ان کی بیویوں اور جن (لونڈیوں) کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہوتے ہیں، (ان) کے بارے میں فرض کیا ہے، (آپ کے لیے ازواج کی یہ حلت اس لیے ہے) کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

---

1 الطبقات لابن سعد: 132/8، 137 2 السیرۃ لابن ہشام 296/4، الطبقات لابن سعد 137/8

سیدہ میمونہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی بنایا اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے کا اختیار دے دیا۔ لہٰذا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے 400 اور ابن سعد کے مطابق 500 درہم حق مہر کے ساتھ ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہونے والی آخری خاتون ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شادی نہیں کی۔ شادی کے وقت آپ حالت احرام میں تھے یا عمرے کی ادائیگی سے فارغ ہو چکے تھے؟ اس کے بارے میں درج ذیل تین اقوال ہیں:

1 ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور پیغام رساں ابو رافع رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے سے حلال ہونے کے بعد شادی کی تھی، نیز سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور جمہور اہل علم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

2 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں شادی کی تھی۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، اہل کوفہ اور اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے۔[1]

3 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی حالتِ احرام سے پہلے کی تھی۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان متعدد صحیح روایات کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہے۔ کچھ فقہاء نے ان باہم مخالف روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ آپ نے حالت احرام میں سیدہ میمونہ سے نکاح کیا، پھر عمرے کی ادائیگی کے بعد حدود حرم سے باہر جا کر ان سے خلوت کی۔ اور کچھ دوسرے فقہاء نے یہ گتھی اس طرح سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے احرام باندھنے سے قبل ان سے شادی کی۔ لیکن شادی کا معاملہ احرام باندھنے کے بعد مشہور ہوا۔ اس لیے آپ کی شادی کی تفصیل بیان کرنے والوں کو شبہ ہو گیا کہ آپ نے حالت احرام میں شادی کی ہے۔

علامہ ابن اسحاق کی درج ذیل روایت کی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان علماء کے موقف کو زیادہ واضح قرار دیا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ نے حالت احرام میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، لیکن ان کے ساتھ خلوت عمرے کی ادائیگی کے بعد، حدود حرم سے نکل کر مقام سرف پر کی۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی موقف ہے۔[4]

علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں: (عمرۃ القضاء کے موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں (حسب معاہدہ) تین دن ٹھہرے۔ جب تیسرا دن ہوا تو حویطب بن عبدالعزیٰ کچھ قریشی لوگوں کے ہمراہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ کی مدت اقامت پوری ہو گئی ہے، لہٰذا اب آپ چلے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا:

«وما عليكم لو تركتموني فأعرست بين أظهركم وصنعنا لكم طعاما فحضرتموه»

''اگر تم ہمیں مکہ ہی میں شب زفاف گزارنے کی مہلت دے دو تو کیا حرج ہے۔ ہم تمھارے لیے (ولیمے

1 دیکھیے صحیح البخاری، 9/208. 2 الطبقات لابن سعد 3/373، 374. 3 الإصابۃ 8/332، 333. 4 السیرۃ لابن إسحاق 2/502، 503.

کا) کھانا تیار کروائیں گے۔ تم بھی اس (دعوت) میں حاضر ہونا (اور کھانا کھانا)۔"

وہ کہنے لگے: ہمیں آپ کی دعوت کی ضرورت نہیں، بس آپ اب چلے جائیں۔ لہٰذا آپ (اپنے صحابہ کے ساتھ) مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔ آپ نے اپنے خادم ابو رافع کو ام المؤمنین سیدہ میمونہ ؓ کی دیکھ بھال اور انھیں ساتھ لانے کے لیے پیچھے چھوڑا۔ جب آپ نے سرف پہنچ کر پڑاؤ کیا تو وہ بھی ام المؤمنین سیدہ میمونہ ؓ کو لے کر آگئے۔ مقام سرف پر آپ نے سیدہ میمونہ ؓ سے خلوت فرمائی۔ پھر آپ ذوالحجہ میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔[1]

سیدہ میمونہ ؓ کی وفات

سیدہ میمونہ ؓ، یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں 61ھ میں اسی یا اکاسی برس کی عمر میں وفات پا گئیں۔ ازواجِ مطہرات میں آپ سب سے آخر میں فوت ہوئیں۔

آپ کی نماز جنازہ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ نے پڑھائی۔ لوگ جب جنازہ اٹھانے لگے تو سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ نے انھیں فرمایا: "جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو زور زور سے حرکت نہ دینا بلکہ آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ جنازہ لے کر چلنا۔"[2]

جنازہ قبر پر پہنچا تو سیدنا ابن عباس ؓ خود قبر میں اترے۔ انھوں نے عبدالرحمان بن خالد بن ولید، یزید بن اصم اور عبیداللہ خولانی کی مدد سے سیدہ میمونہ ؓ کی نعش کو قبر میں اتارا۔

سیدہ میمونہ ؓ کی وفات اسی جگہ ہوئی جہاں ان کی شادی ہوئی تھی۔ عمرۃ القضاء سے واپسی پر مقام سرف میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا اور جس خیمے میں آپ نے ان کے ساتھ خلوت فرمائی تھی، عین اسی جگہ پر ان کی قبر بنائی گئی۔[3]

سیدہ میمونہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے علم و عمل کی جو تربیت حاصل کی، اسے 76 علمی موتیوں کی صورت میں امت کے حوالے کیا۔[4] محدثین عظام، فقہائے کرام اور علمائے امت نے ان علمی جواہرات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور ان سے بے شمار دینی مسائل کا استنباط کیا ہے۔ خواتین کے مخصوص مسائل اور ازدواجی زندگی کی الجھی راہنمائی میں ان کی بیان کردہ احادیث گراں مایہ سرمایہ ہیں۔

[1] صحیح البخاري: 4258، وصحیح مسلم: 1410. [2] صحیح البخاري: 5067. [3] الطبقات لابن سعد: 140/8، الإصابة: 324/8. [4] جوامع السیرة، ص: 278.

سیدہ عمارہ بنت حمزہ ؓا کی کفالت

رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو سیدنا حمزہ ؓ کی بیٹی نے پیچھے سے آوازیں دینا شروع کر دیں: چچا جان! چچا جان! سیدنا علی ؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فاطمہ ؓا سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو۔



(کیونکہ سیدنا حمزہ ؓ نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے) سیدہ فاطمہ ؓا نے اسے اٹھالیا، پھر اس بچی کے بارے میں علی ؓ، زید ؓ اور جعفر ؓ میں چپقلش ہوگئی۔ سیدنا علی ؓ نے کہا کہ میں نے اسے پکڑا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ سیدنا جعفر ؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ سیدنا زید ؓ نے کہا: یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچی کا اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ”خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے۔“ آپ نے سیدنا علی ؓ سے فرمایا: «أَنْتَ مِنِّي وَ أَنَا مِنْكَ» ”تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔“ جعفر ؓ سے کہا: «أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي» ”تم خلق اور خُلق میں مجھ سے مشابہ ہو۔“ اور زید ؓ سے فرمایا: «أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا» ”تم ہمارے بھائی اور مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو۔“[1]

واقدی نے اس قصے کو بروایت ابن عباس ؓ اس طرح بیان کیا ہے کہ عمارہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب اور ان کی ماں سلمٰی بنت عمیس ؓا مکہ میں تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو سیدنا علی ؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اپنے چچا کی بیٹی کو مشرکین کے ہاں بحیثیت یتیم کیوں رہنے دیں! نبی ﷺ نے انھیں مکہ سے

[1] صحیح البخاري: 4251.

نکالنے سے منع نہیں فرمایا، اس لیے سیدنا علی ؓ نے انھیں مکہ سے نکال لیا تو اس کے بارے میں زید بن حارثہ ؓ نے بات کی کیونکہ وہ سیدنا حمزہ ؓ کے وصی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مہاجرین میں مواخات قائم فرمائی تو ان دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا، اس لیے انھوں نے کہا کہ اس بچی کا زیادہ حق دار میں ہوں کیونکہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ سیدنا جعفر ؓ نے یہ بات سنی تو کہا کہ خالہ ماں ہوتی ہے، اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میرے گھر میں ہے، اس لیے میں اس بچی کا زیادہ حق دار ہوں۔ سیدنا علی ؓ نے کہا کہ تم اس کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو میرے چچا کی بیٹی ہے، مشرکین مکہ کے ہاں سے اسے میں نکال کر لایا ہوں، لہٰذا تمھاری نسبت میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ ان حضرات کی یہ باتیں سن کر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَمَّا الْحُكْمُ بَيْنَكُمْ، أَمَّا أَنْتَ يَا زَيْدُ فَمَوْلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا عَلِيُّ فَأَخِي وَصَاحِبِي، وَأَمَّا أَنْتَ يَا جَعْفَرُ فَشَبِيهُ خَلْقِي وَخُلُقِي، وَأَنْتَ يَا جَعْفَرُ أَحَقُّ بِهَا، تَحْتَكَ خَالَتُهَا، وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا عَلٰى عَمَّتِهَا»

''تمھارا فیصلہ میں کرتا ہوں، زید! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مولیٰ ہو۔ علی! تم میرے بھائی اور ساتھی ہو۔ جعفر! تم خلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو۔ جعفر! تم اس کے زیادہ حق دار ہو کیونکہ اس کی خالہ تمھارے حبالۂ عقد میں ہے، کسی عورت کا کسی شخص سے اس کے گھر میں اس کی خالہ یا پھوپھی ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔''

آپ ﷺ نے فیصلہ فرما دیا کہ جعفر اس بچی کو اپنی کفالت میں لے لیں۔

سیدنا جعفر ؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: آپ اس لڑکی سے شادی کرلیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں اس سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس لڑکی سے سلمہ بن ابی سلمہ ؓ کی شادی کرادی اور فرمایا: ''سلمہ! کیا میں نے تمھارے احسان کا بدلہ دے نہیں دیا؟''[1] آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ یہ وہی تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اپنی والدہ ام سلمہ ؓ سے شادی کرائی تھی۔ اپنے بھائی عمر بن ابی سلمہ ؓ سے بڑے ہونے کی وجہ سے یہ اپنی والدہ کے ولی تھے۔[2]

1 المغازي للواقدي 191/2، دلائل النبوة للبيهقي 339/4، 340. 2 السيرة لابن هشام 294/4، الطبقات لابن سعد 92/8.

سریہ ابن ابی العوجاء سُلَمی

رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر ذوالحجہ 7 ھ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ مدینہ منورہ میں واپسی کے بعد آپ نے ابو لیلیٰ سفیان بن ابی العوجاء سُلَمی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس آدمیوں کا دستہ بنو سُلیم کی طرف بھیجا۔ بنو سُلیم کا ایک جاسوس بھی ان کے ساتھ تھا۔ جب یہ دستہ مدینہ سے روانہ ہوا تو اس جاسوس نے نہایت عجلت سے اپنی قوم کے پاس پہنچ کر ساری اطلاع دے دی۔ انھوں نے مقابلے کے لیے بہت سے لوگ جمع کر لیے۔ جب سفیان بن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ اپنے دستے کو لے کر ان کے پاس پہنچے تو انھیں جنگ کے لیے تیار پایا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس جماعت کو دیکھا تو انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے دعوتِ حق قبول کرنے کی بجائے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور کہا کہ جس دین کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ کچھ دیر تک وہ تیر اندازی کرتے رہے اور ان کے پاس مسلسل امداد آتی رہی۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی شدید مقابلہ کیا حتی کہ ان میں سے اکثر نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔ انھوں نے شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے۔ بعد ازاں یہ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ یکم صفر 8 ہجری کو مدینہ منورہ واپس آ گئے۔[1]

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی 4/341، 342، [illegible] 2/193، البدایۃ والنہایۃ 4/236.



بنی سُلیم کی شاخ الجبر کا علاقہ (محافظہ قلوہ)

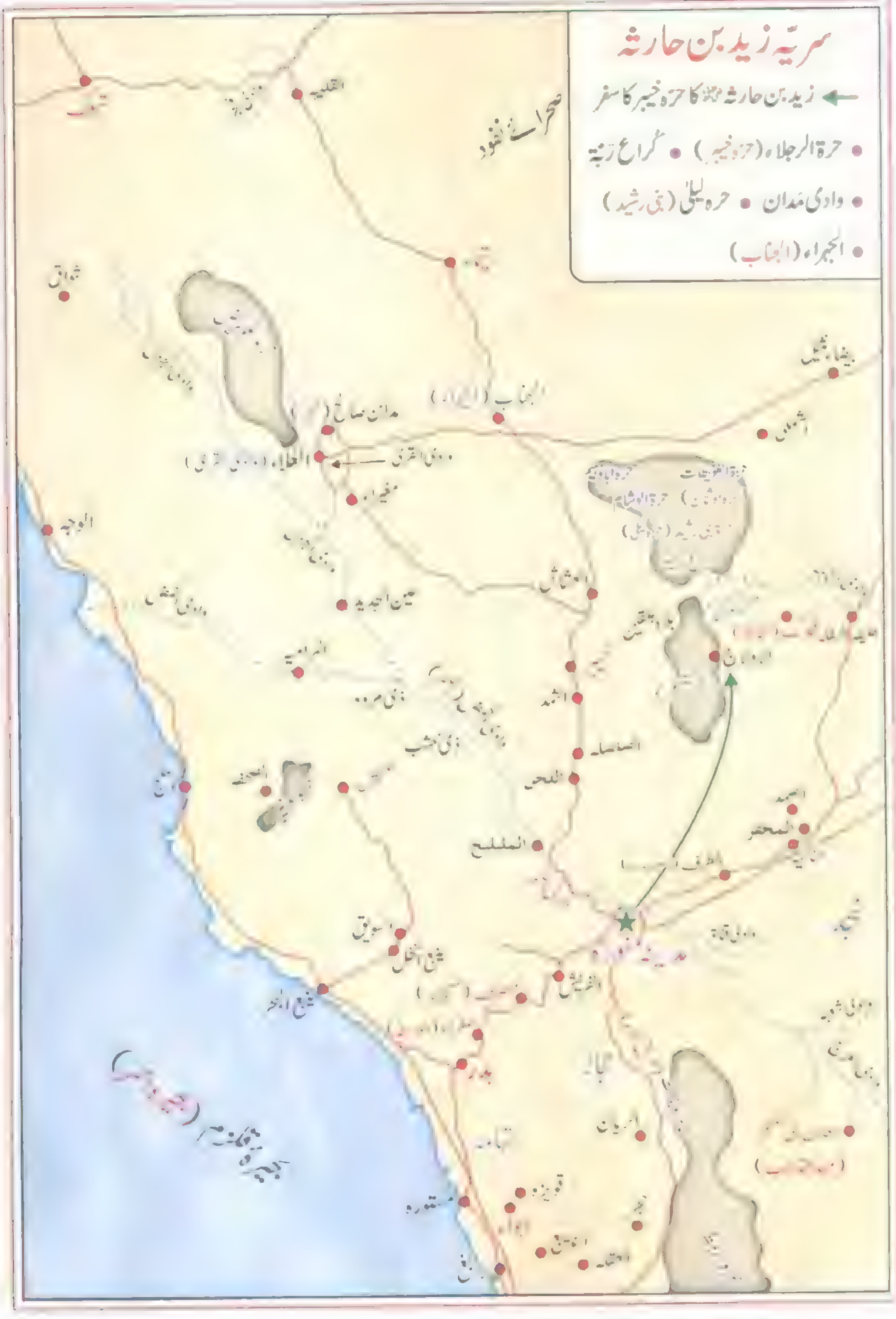
سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ اس سریے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جذام قبیلے کے سردار رفاعہ بن زید رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رفاعہ نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں امان نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔ وہ یہ خط لے کر اپنی قوم کے لوگوں میں واپس گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان کی دعوت پر بہت سے افراد مسلمان ہو گئے۔ اس واقعے کو تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ سیدنا دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ رومی بادشاہ قیصر کو رسول اللہ ﷺ کا مکتوب مبارک پہنچا کر واپس آئے۔ واپسی پر جذام قبیلے کے علاقے سے ان کا گزر ہوا۔ رومی فرمانروا قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی بڑی عزت و تکریم کی تھی اور انھیں قیمتی تحائف اور شاہی پوشاک دے کر رخصت کیا تھا۔ جب یہ جذام قبیلے سے گزر رہے تھے تو جذام قبیلے کے خاندان الضُّلَیع کے دو ڈاکوؤں نے انھیں لوٹ لیا۔ الہنید بن عوص اور اس کے بیٹے عوص نے ان کا سارا ساز و سامان چھین لیا۔ صرف ایک بوسیدہ چادر ان کے جسم پر باقی رہنے دی۔ اس سانحے کی خبر جناب رفاعہ بن زید اور ان کے ساتھ مسلمان ہونے والے جذامی افراد کو ملی تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی مدد کو پہنچے۔ انھوں نے الہنید اور اس کے خاندان پر ہلہ بول دیا اور بڑی تگ و دو کے بعد سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا سامان واپس لینے میں کامیاب ہوئے۔

دشمن کے خلاف چال پوشیدہ رہنی چاہیے

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے سفر کی رپورٹ پیش کی۔ ساتھ ہی الہنید اور اس کے بیٹے کی بدمعاشی کا تذکرہ بھی کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان فتنہ پرور لوگوں کی تادیب کے لیے اسلامی لشکر روانہ کیا جانا چاہیے تاکہ یہ ڈاکو آئندہ کسی اور مسلمان مسافر کو تنگ کرنے سے باز رہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پانچ سو مجاہدین کا لشکر جرار روانہ کیا۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ یہ لشکر بنو عذرہ کے ایک گائیڈ کی راہنمائی میں اپنی مہم پر روانہ


سریہ زید بن حارثہ
زید بن حارثہ ؓ کا حرۃ خیبر کا سفر
حرۃ الرجلاء (حرۃ خیبر)
کُراع رَبّہ
وادی مدان
حرہ لیلٰی (بنی رشید)
الجمراء (الجناب)
صحرائے نفود
مدائن صالح
العلاء
عین الجدید
الملیلح
الاشمد
الصویق
ینبع النخل
ینبع البحر
بدر
نجد

ہو گیا۔ اس مہم کو خفیہ اور دشمن کو بے خبر رکھنے کے لیے یہ لشکر رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ کر آرام کرتا رہا۔

جب سیدنا رفاعہ بن زید رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی لے کر اپنے قبیلے میں آئے تھے تو غطفان، وائل، سلامان اور سعد بن ہذیم کے خاندان حرۃ الرجلاء میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کے لیے جمع ہو گئے۔ سیدنا رفاعہ بن زید کراع ربہ نامی جگہ پر رہائش پذیر تھے، انھیں ان قبائل کی سرگرمیوں کا کچھ علم نہ تھا۔

بنو عذرہ کا گائیڈ مسلمانوں کو دوران شب سفر کراتا ہوا صبح کے وقت ان قبائل کے پاس لے آیا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے سیدنا زید بن حارثہ ؓ کی کمان میں الہنید اور اس کے خاندان پر حملہ کر دیا۔ الہنید، اس کا بیٹا اور بنی احنف کے دو افراد مارے گئے، ایک آدمی بنو ضبیب سے بھی مارا گیا۔ مسلمانوں نے ان کے مویشی بھی اپنے قبضے میں لے لیے۔ ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور ایک سو قیدی مسلمانوں کی تحویل میں آ گئے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

مدمقابل کی جانچ پرکھ ضروری ہے

جب بنو ضبیب کو سیدنا زید بن حارثہ ؓ کے حملے کی خبر ملی تو وہ سیدنا زید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسان بن ملہ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عرض کی: بے شک ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ (پھر یہ لشکر کشی کیسی ہے؟)

سیدنا زید ؓ نے فرمایا: اگر تم مسلمان ہو چکے ہو تو ام القرآن (سورت فاتحہ) پڑھ کر سناؤ۔ حسان نے ام القرآن پڑھ کر سنا دی۔ تو سیدنا زید ؓ نے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ اب مزید کوئی کارروائی نہ کرے اور اس خاندان کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے علاقے پر لشکر کشی سے منع کیا ہے۔ البتہ جو غداری کے مرتکب ہوں گے، ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ یہ اعلان تو کر دیا گیا مگر قیدیوں کو رہا نہ کیا گیا، نہ مال غنیمت واپس کیا گیا، لہٰذا یہ لوگ وہاں سے اٹھے اور رات کے وقت رفاعہ بن زید کے پاس جا پہنچے اور اسے کہنے لگے: ”تم ادھر بکریوں کے دودھ سے لطف اندوز ہو رہے ہو جبکہ جذام قبیلے کی عورتیں قیدی بنالی گئی ہیں۔ تمھارے خط نے انھیں مروا دیا۔“

سیدنا رفاعہ بن زید کو اس ساری صورت حال کا علم ہوا تو وہ اسی وقت ابو زید بن عمرو کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور معززین علاقہ بھی تھے۔ یہ وفد تین راتوں کا مسلسل سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا رفاعہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا مکتوب گرامی ہے جس کے تحت ہمیں امان حاصل ہے۔ لیکن اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور ہمارے خاندان پر حملہ کر دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے وہ خط پڑھوا کر سنا، ساری صورت حال سے آگاہی حاصل کی۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ مارے گئے ہیں، اب ان کا کیا کیا جائے؟'' ابو زید بن عمرو نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے قیدی آزاد کر دیے جائیں اور جو لوگ مارے گئے ہیں، میں ان کا خون معاف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کو سراہا اور فرمایا: ''ابو زید! تم نے بالکل صحیح بات کی ہے۔'' ان لوگوں نے پھر گزارش کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ کسی صحابی کو روانہ کیجیے جو ہمارے قیدی اور ہمارے اموال ہمیں واپس دلا دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو حکم دیا: ''علی! جاؤ اور ان لوگوں کو مال اور اہل و عیال واپس دلا دو۔'' سیدنا علی ؓ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! زید بن حارثہ ؓ کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی نشانی عطا فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے سیدنا علی ؓ کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا اور بطور نشانی اپنی تلوار عطا فرمائی۔

ارشاد رسول ﷺ پر مال غنیمت واپس دے دیا

سیدنا علی ؓ نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس سواری نہیں ہے۔ بنو جذام نے سیدنا علی ؓ کو ثعلبہ بن عمرو کے اونٹ پر سوار کر دیا۔ یہ وفد واپس مڑا تو راستے میں انھیں سیدنا زید بن حارثہ ؓ کا سفیر ملا جو رسول اللہ ﷺ کو لشکر کی کامیابی کی خوشخبری دینے جا رہا تھا۔ اس کا نام رافع بن مکیث الجہنی تھا۔ سیدنا علی ؓ نے اسے اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اس کی اونٹنی وفد کو واپس کر دی کیونکہ وہ مال غنیمت میں سے لی گئی تھی۔ یہ وفد سیدنا زید بن حارثہ ؓ سے فیفاء الفحلتین کے مقام پر ملا۔ سیدنا علی ؓ نے نبی کریم ﷺ کا حکم نامہ سیدنا زید بن حارثہ کو سنایا اور بطور نشانی آپ ﷺ کی تلوار بھی پیش کی۔ سیدنا زید ؓ نے فوراً مجاہدین کو جمع کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ان کے گوش گزار کیا۔ پھر مجاہدین کو حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی قیدی یا مال ہے، وہ فوراً واپس کر دے۔ تمام مجاہدین نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام ساز و سامان اور قیدی واپس کر دیے حتی کہ اونٹوں کے کجاووں کے نیچے سے گدے تک نکال کر واپس دے دیے۔

سیدنا مخحش الدیلی ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اس سریے میں موجود تھا۔ ہر مجاہد کو سات اونٹ یا ستر بکریاں ملی تھیں۔ کسی کو ایک لونڈی اور کسی کو دو لونڈیاں بھی دی گئی تھیں۔ لیکن جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا حکم سنا تو ہر مجاہد نے ایک ایک چیز بلا تاخیر واپس کر دی۔

یقیناً صحابۂ کرام ؓ کی اطاعت و جاں نثاری بے مثال تھی۔[1]

1 السيرة لابن هشام: 4/260-264، المغازي للواقدي: 2/53-56.

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نجاشی کے ہاتھ پر قبول اسلام

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اسلام سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ میں بدر میں مشرکین کے ساتھ تھا لیکن بچ گیا۔ پھر احد میں بھی مشرکین کے ساتھ پہنچا اور نجات پا گیا۔ پھر خندق میں بھی مشرکین ہی کے ساتھ تھا اور جان بچانے میں کامیاب رہا۔ آخر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں کب تک پیٹھ پھیرتا اور جنگ کرتا رہوں گا، اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) قریش پر ضرور غالب آجائیں گے۔ میں ''وہط'' میں اپنے مال کے پاس چلا گیا اور لوگوں سے میل جول کم کر دیا۔ جب حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، رسول اللہ ﷺ صلح کے بعد مدینہ تشریف لے گئے اور قریش مکہ واپس آگئے تو میں نے کہا: محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کے ساتھ لازماً مکہ میں داخل ہوں گے لیکن میرے لیے مکہ میں کوئی ٹھکانا ہے نہ طائف میں، لہذا یہاں سے نکل جانے سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ میں ابھی تک اسلام سے دور ہی تھا، میں کہتا تھا کہ اگر سارا قریش بھی مسلمان ہو جائے تب بھی میں مسلمان نہیں ہوں گا، چنانچہ میں مکہ آیا، اپنی قوم کے لوگوں کو جمع کیا، وہ میری رائے کو بہت اہمیت دیتے اور میری بات توجہ سے سنتے تھے، پیش آمدہ حالات و واقعات کی کروٹوں میں میری بات تسلیم کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میرے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: ''آپ صائب الرائے ہیں، ہمارے بہت بڑے سردار ہیں اور ہم سب کے لیے باعث خیر و برکت ہیں۔'' میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد (ﷺ) تمام امور و معاملات پر تیزی سے چھائے جا رہے ہیں، ان حالات میں میری ایک رائے ہے۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: ''ہم نجاشی سے مل جائیں اور اسی کے پاس رہیں۔ اگر محمد (ﷺ) غالب آگئے تو ہم تو نجاشی کے


قصبہ وہط (نزد طائف)

پاس ہوں گے۔ ہمیں نجاشی کے ماتحت ہونا محمد (ﷺ) کے ماتحت ہونے کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ اگر قریش غالب آ گئے تو قریش تو ہمارے بارے میں جانتے ہی ہیں کہ ہم کون ہیں۔'' میری قوم کے لوگوں نے کہا'' یہ بہت اچھی رائے ہے۔'' میں نے اپنے لوگوں سے کہا'' نجاشی کے لیے تحائف جمع کرو۔'' نجاشی کو ہمارے علاقے کے چمڑے کا تحفہ بہت پسند تھا، لہٰذا ہم نے اس کے لیے بہت سی کھالیں جمع کیں، پھر ہم مکہ سے چل دیے اور نجاشی کے پاس پہنچ گئے۔

اللہ کی قسم! ہم نجاشی کے پاس ہی تھے کہ وہاں عمرو بن امیہ ضمری ؓ بھی آ گئے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ نے ایک خط دے کر بھیجا تھا جس میں آپ ﷺ نے نجاشی کو لکھا تھا کہ وہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان ؓ کی آپ سے شادی کر دے۔



عمرو، نجاشی کے پاس آئے اور اس سے ملاقات کر کے باہر چلے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو یہ عمرو بن امیہ آئے ہیں۔ اگر میں نجاشی کے پاس جا کر اس سے یہ سوال کروں کہ اس شخص کو میرے حوالے کر دو اور وہ میرے سپرد کر دے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس سے قریش کو بہت خوشی ہوگی کیونکہ میں محمد (ﷺ) کے سفیر کو قتل کر کے قریش کا بدلہ لے چکا ہوں گا۔ چنانچہ میں نے نجاشی کے پاس جا کر اسے سجدہ کیا۔ اس نے کہا'' میرے دوست خوش آمدید! کیا اپنے علاقے سے میرے لیے کوئی تحفہ لائے ہو؟'' میں نے جواب دیا'' بادشاہ سلامت! میں آپ کے لیے بہت سی کھالوں کا تحفہ لایا ہوں۔'' پھر وہ تحفہ میں نے اسے پیش کیا تو اسے بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے کچھ کھالیں اپنے جرنیلوں میں بھی تقسیم کر دیں، پھر حکم دیا کہ تمام کھالوں کو توشہ خانے میں داخل کر دیا جائے، ان کی تعداد لکھ لی جائے اور ان کی خوب حفاظت کی جائے۔

میں نے بادشاہ کی طبیعت خوشگوار دیکھی تو کہا: بادشاہ سلامت! میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے، وہ ابھی آپ کے پاس سے نکل کر گیا ہے، وہ ہمارے اس دشمن کا سفیر ہے جس نے ہمیں تباہ کر دیا ہے اور ہمارے سرداروں اور بہترین لوگوں کو قتل کر دیا ہے، لہٰذا اس شخص کو میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔

بادشاہ میری یہ بات سن کر بہت ناراض ہوا، اس نے میری ناک پر ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری ناک توڑ دی ہے۔ میرے نتھنوں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ میں اپنے کپڑوں سے خون صاف کرنے لگا۔ مجھے اس قدر ذلت و ندامت ہوئی کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں نجاشی کے خوف کی وجہ سے اس میں سما جاتا۔

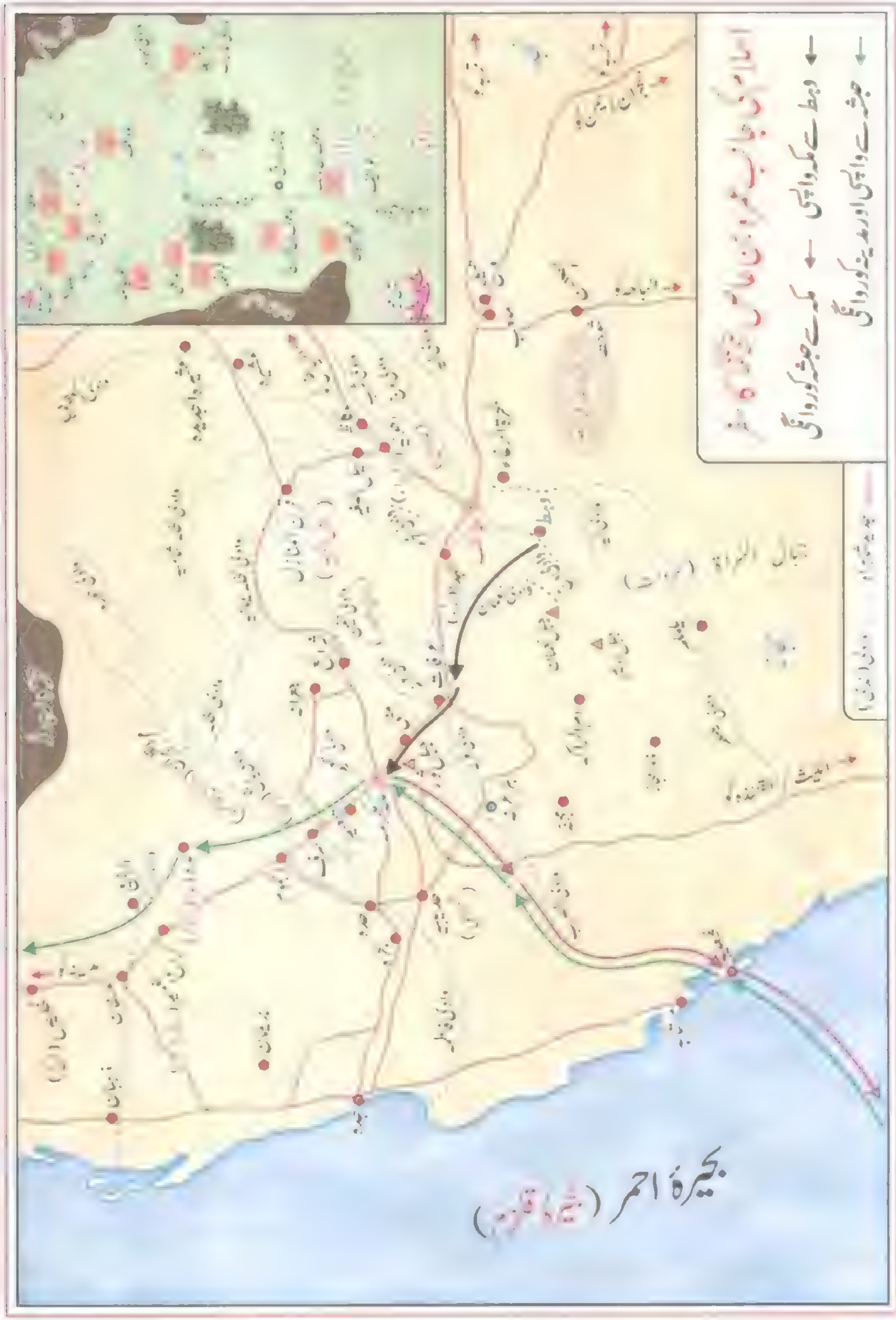
میں نے کہا:'' بادشاہ سلامت! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس بات کو ناپسند کریں گے تو میں آپ سے ہرگز یہ

مطالبہ نہ کرتا۔" اس نے جواب دیا: "عمرو! تو مجھ سے اس رسول کے سفیر کو مانگتا ہے جن پر وہ عظیم فرشتہ نازل ہوتا ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا کرتا تھا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس بھی آیا کرتا تھا اور اس لیے مانگتا ہے کہ تو اسے قتل کر دے؟" عمرو کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے میرے دل کی کایا پلٹ دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ عرب و عجم نے حق کو پہچان لیا ہے اور تو حق کی مخالفت کر رہا ہے؟ میں نے کہا: بادشاہ سلامت! کیا آپ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: "عمرو! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ میری بات مانو، ان کی اتباع اختیار کرلو۔ اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں، وہ یقیناً اپنے مخالفین پر اسی طرح غالب آجائیں گے جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور اس کے لشکروں پر غالب آگئے تھے۔" میں نے کہا: کیا آپ مجھ سے ان کے لیے اسلام کی بیعت لے لیں گے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ بڑھا کر مجھ سے اسلام کی بیعت لے لی۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ دھونے کا برتن منگوایا، میرا خون دھویا اور مجھے نئے کپڑے پہنائے کیونکہ میرے کپڑے خون آلود ہو چکے تھے۔ پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس آگیا۔ وہ مجھے نجاشی کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے پوچھا: کیا آپ کو اپنا مقصد حاصل ہو گیا؟ میں نے جواب دیا: "میں نے پہلی ہی بار بات کرنے کو مناسب نہیں سمجھا، اس لیے میں دوبارہ ان کے پاس جا کر بات کروں گا۔" انھوں نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ تمھاری رائے ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کرلی گویا میں اپنا کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔

بندرگاہ (جدہ)



اپنے ساتھیوں سے علیحدگی اختیار کر کے میں بندرگاہ پر آگیا۔ وہاں میں نے ایک کشتی دیکھی۔ وہ سامان سے بھری ہوئی تھی۔ میں بھی کشتی میں سوار ہو گیا حتی کہ اس نے مجھے حجاز کی بندرگاہ شعیبہ میں پہنچا دیا۔ میں کشتی سے باہر نکلا تو میرے پاس رقم موجود تھی۔ میں نے ایک اونٹ خریدا۔ پھر مدینہ کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔ مرالظہران سے ہوتے ہوئے میں ہدہ پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے آگے آگے دو شخص منزل مقصود کی طرف جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک خیمے کے اندر ہے اور دوسرے نے دونوں سواریوں کو پکڑا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ خالد بن ولید تھے۔ میں نے ان سے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "میں محمد (ﷺ) کے پاس جا رہا ہوں، لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور کوئی قابل ذکر شخص باقی نہیں رہا۔ اگر میں نے اسلام قبول نہ کیا تو ہماری گردنوں کو اس طرح پکڑ لیا جائے گا جیسے گوہ کو اس کے غار سے پکڑ لیا جاتا ہے۔" میں نے کہا: "اللہ کی قسم! میں بھی محمد (ﷺ) کے پاس جا رہا



ہوں، میرا ارادہ بھی یہی ہے کہ اسلام قبول کر لوں۔‘‘

ہماری گفتگو سن کر عثمان بن طلحہ بھی اپنے خیمے سے نکل آئے۔ انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا۔ ہم سب نے مل کر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، پھر ہم اکٹھے سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ میں اس آدمی کی بات کبھی نہیں بھول سکوں گا جس سے ہماری ملاقات ابی عنبہ کے کنویں کے پاس ہوئی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: اے نفع اٹھانے والے!! اے نفع اٹھانے والے!! اے نفع اٹھانے والے!!! ہم نے اس کی اس بات سے نیک فال لی اور بہت خوش ہوئے، پھر اس نے ہماری طرف دیکھا، میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ ان دونوں کو دے کر مکہ نے اپنے سالار دے دیے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ میری اور خالد بن ولید کی طرف تھا۔

وہ تیزی سے بھاگ کر مسجد کی طرف چلا گیا۔ میں نے گمان کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی خوشخبری سنائی ہے۔ میرا گمان صحیح ثابت ہوا۔ ہم نے مقام حرہ[1] میں اپنے اونٹوں کو بٹھایا، اچھے اچھے کپڑے پہنے، پھر عصر کی اذان ہوگئی۔ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کا چہرۂ اقدس چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے مسلمان بھی ہمارے مشرف بہ اسلام ہونے کی وجہ سے بے پناہ مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ خالد بن ولید آگے بڑھے اور انھوں نے رحمت کائنات ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت کی۔ پھر میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس طرح آپ ﷺ کے آگے بیٹھا کہ شرم و حیا کے مارے نگاہ بھی اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں نے اس شرط پر بیعت کی کہ میرے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اسلام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔‘‘ اللہ کی قسم! جب سے ہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے پیش آمدہ امور و معاملات میں کسی کو میرے اور خالد بن ولید کے ہم پلہ نہیں سمجھا۔ ابوبکر ﷜ کے نزدیک بھی ہمیں یہی مقام و مرتبہ حاصل تھا، عمر ﷜ کے ہاں بھی میری یہی قدر و منزلت تھی۔[2]

عمرو بن عاص ﷜ کی وصیت

سیدنا عمرو بن عاص ﷜ نے امام الانبیاء ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے سے قبل اپنے گناہوں کی معافی کی جو شرط عائد کی، اس کا ذکر صحیح مسلم کی اس روایت میں بھی ہے جو عبدالرحمن بن شماسہ مہری سے اس طرح مروی ہے کہ ہم سیدنا عمرو بن عاص ﷜ کے پاس حاضر ہوئے، وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے

[1] یہاں حرہ سے مراد حرہ قبا ہے۔ یہ (مکہ کی جانب سے) مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے آتا ہے۔ معجم البلدان: 2/248۔ [2] البداية والنهاية: 4/236-238.

اور انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا۔ ان کے بیٹے نے کہا: ابا جان! کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ بشارت نہیں سنائی تھی؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ خوشخبری نہیں سنائی تھی؟ انھوں نے اپنا رخ ہماری طرف کیا اور فرمایا: سب سے افضل چیز جو ہم شمار کرتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ مجھ پر تین طرح کے حالات گزرے ہیں۔ ایک حالت وہ تھی کہ کسی کو مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے بغض نہ تھا اور اس سے بڑھ کر مجھے کوئی بات پسند نہ تھی کہ میں چھپ کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دوں۔ اگر میں اس حالت میں فوت ہو جاتا تو میں اہل دوزخ میں سے ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں نور اسلام ڈال دیا تو میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ جب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟» ''عمرو! کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا: میں ایک شرط عائد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: «تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟» ''تمھاری کیا شرط ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟»

''عمرو! تمھیں معلوم نہیں کہ اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج سے بھی سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

یہ وہ حالت تھی کہ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہ تھا اور آپ ﷺ سے زیادہ میری آنکھوں میں کسی کا احترام نہ تھا۔ میں فرط ادب و احترام کے باعث آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر مجھ سے آپ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا جائے تو میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھا ہی نہیں۔ اس حالت میں اگر میں فوت ہو جاتا تو امید تھی کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا، پھر ہم کچھ چیزوں کے والی بنے، معلوم نہیں کہ ان معاملات میں میرا کیا حال ہے، پس جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی ہو نہ آگ، جب تم مجھے دفن کرنے لگو تو مجھ پر اچھی طرح مٹی ڈال دینا اور پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمھارے ساتھ مانوس رہوں اور دیکھوں کہ میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔[1]

[1] صحیح مسلم: 121.

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ اس طرح سنایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے لیے خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور مجھے رشد و خیر اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ میں محمد ﷺ کے خلاف تمام جنگوں میں شریک ہوا، ہر جنگ سے واپسی کے بعد میں یہی سوچا کرتا تھا کہ میرا طرزِ عمل غلط ہے کیونکہ محمد ﷺ ایک نہ ایک دن ضرور غالب آجائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ تشریف لائے تو میں مشرکین کے ساتھ آیا تھا۔ میں نے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عسفان میں دیکھا تھا۔ میں آپ کے سامنے کھڑا تھا۔ آپ نے ہمارے سامنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز ظہر پڑھائی۔ ہم نے اس وقت حملہ کر دینے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنایا، اسی میں خیر اور بھلائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ہمارے ارادے کا علم ہو چکا تھا، اسی وجہ سے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز عصر نماز خوف کے طور پر پڑھائی۔ اس سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص کی حفاظت کی جا رہی ہے، اس لیے ہم ایک طرف ہو گئے۔ آپ بھی ہمارے لشکر کے سامنے سے ہٹ کر دائیں طرف ہو گئے۔ جب قریش نے حدیبیہ میں آپ سے صلح کر لی اور قریش واپس جانے لگے تو میں نے اپنے جی میں کہا: بھلا اب کون سی چیز باقی رہ گئی ہے؟ اب میں کہاں جاؤں؟ کیا نجاشی کے پاس جاؤں؟ اس نے تو محمد (ﷺ) کی اتباع کر لی ہے اور آپ کے اصحاب اس کے پاس پر امن طور پر رہ رہے ہیں۔ تو کیا میں ہرقل کے پاس چلا جاؤں؟ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے دین کو چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت کے دامن میں پناہ لے لوں اور اس طرح عجمیوں کے تابع ہو کر رہوں، یا باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ اپنے گھر ہی میں رہوں؟



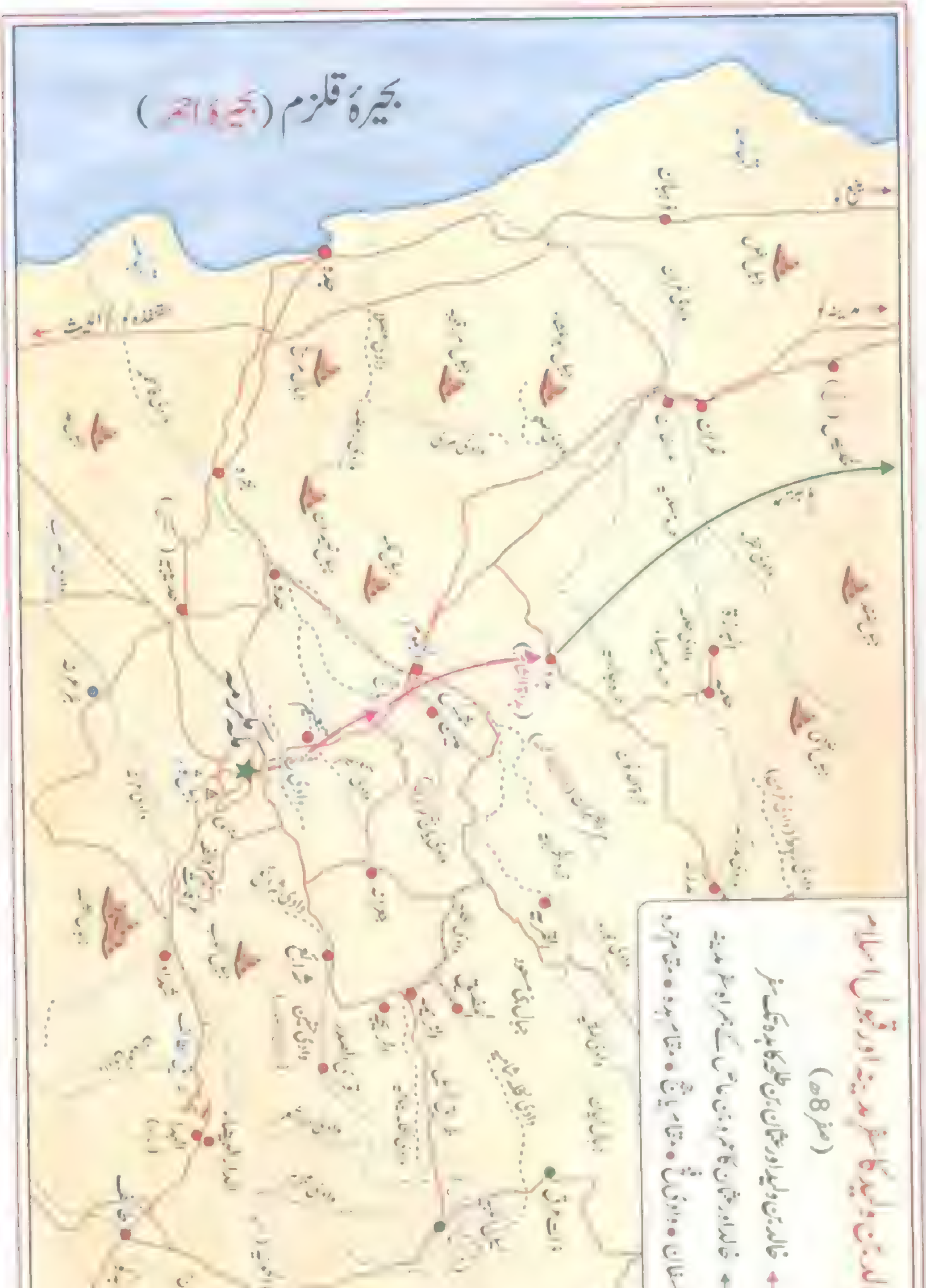
پھر وہ وقت آیا کہ رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ میں داخل ہوئے

تو میں مکہ سے باہر چلا گیا۔ میرا بھائی ولید بن ولید اس موقع پر نبی ﷺ کے ساتھ ہی مکہ میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے تلاش کیا، میں اسے نہ مل سکا کیونکہ میں مکہ میں موجود ہی نہیں تھا۔ پھر میرے بھائی نے مجھے یہ خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اما بعد: میں نے تمھاری اس سے زیادہ تعجب انگیز بات کوئی نہیں دیکھی کہ تم اسلام سے دور بھاگ رہے ہو، حالانکہ تم بہت عقل مند ہو۔ کیا اسلام جیسے دین سے کوئی شخص جاہل رہ سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمھارے بارے میں پوچھا تھا کہ خالد کہاں گئے؟ میں نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس جیسا شخص اسلام سے جاہل نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی جدوجہد اور اپنی تلوار کی دھار مسلمانوں کے ساتھ شامل کر دے تو اس کے لیے بہت بہتر ہوگا اور ہم اسے دوسرے لوگوں سے مقدم قرار دیں گے۔''

بھائی جان! تم جس بات سے اب تک محروم ہو، اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ تم نے بہت سے اچھے مواقع ضائع کر دیے ہیں۔''

جب میرے بھائی کا یہ خط مجھے ملا تو اسے پڑھنے کے بعد میں مدینہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس خط نے اسلام سے میری رغبت میں اضافہ کر دیا۔ مجھے یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں پوچھا ہے۔ میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ میں تنگ اور سخت قحط زدہ علاقوں سے نکل کر بے حد وسیع اور سرسبز و شاداب علاقوں میں چلا گیا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ محض خواب و خیال کی بات ہے۔ بعد میں جب میں مدینہ آیا تو میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا۔ انھوں نے یہ خواب سن کر فرمایا: ''تم جس وسیع اور سرسبز و شاداب علاقے میں گئے ہو، اس سے مراد دین اسلام ہے جسے قبول کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تمھیں توفیق عطا فرما دی ہے۔ تنگ اور قحط زدہ علاقے سے مراد شرک ہے جس میں تم مبتلا تھے۔'' جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کا ارادہ کیا تو سوچا کہ دربار رسالت میں حاضری کے لیے کس شخص کو ساتھ لے کر جاؤں۔ میری صفوان بن امیہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا: ابو وہب! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت تک پہنچ گئے ہیں۔ ہم بہت تھوڑے رہ گئے ہیں، محمد (ﷺ) عرب و عجم پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہم بھی محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اتباع کر لیں تو آپ کا شرف ہمارے لیے بھی بہت بڑا شرف ہے۔ لیکن اس نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: ''اگر ساری دنیا بھی محمد کی پیروکار ہو جائے تب بھی میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔'' اس کے بعد ہم الگ الگ ہو گئے، میں نے اپنے طور پر یہی سمجھا کہ یہ شخص اتنی شدت کا مظاہرہ اس لیے کر رہا ہے کہ غزوۂ بدر میں اس کا بھائی اور باپ قتل ہو گئے تھے۔


بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)

اس کے بعد میں نے عکرمہ بن ابی جہل سے ملاقات کی اور ان سے بھی یہی گفتگو کی جو میں نے صفوان بن امیہ سے کی تھی۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم میرے بارے میں کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اس نے یقین دلایا کہ میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ پھر میں اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں سے کہا کہ میری سواری تیار کر دو۔ میں اپنی سواری لے کر نکلا تو میری عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا یہ میرا دوست ہے۔ مجھے اس سے اپنے معاملے کا ذکر کرنا چاہیے لیکن مجھے اس کے وہ آباء یاد آ گئے جو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے، لہٰذا میں نے اس سے بھی گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد مجھے خیال آیا کہ اب لیت ولعل کیسی، میں تو ابھی ابھی روانہ ہونے والا ہوں، چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے عثمان بن طلحہ سے کہا کہ ہماری مثال تو اس لومڑی جیسی ہے جو اپنے بھٹ میں ہو اور جب اس بھٹ میں پانی کے ڈول گرا دیے جائیں تو وہ باہر نکل آتی ہے، پھر میں نے ان سے بھی وہی گفتگو کی جو اپنے پہلے دو ساتھیوں سے کر چکا تھا۔ انھوں نے فوراً جواب دیا کہ میں بھی کل جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، میری سواری ''وادیِ فخ''[1] میں ہے، ہم نے مقام یأجج پر ملنے کا وعدہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے پہنچ گئے تو میرا انتظار کرنا اور اگر میں پہلے پہنچ گیا تو میں تمھارا انتظار کروں گا۔ ہم رات بھر سفر کرتے رہے اور طلوع فجر سے پہلے یأجج پر اکٹھے ہو گئے۔ سفر کرتے کرتے

[1] وادیِ فخ مکہ کی ایک وادی کا نام ہے۔ (معجم البلدان: 854/3)



وادیِ فخ اور جبل اذخر (نزد مکہ مکرمہ)

جب ہم مقام ہدہ پر پہنچے تو ہماری عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا: ساتھیو! خوش آمدید! ہم نے کہا آپ کو بھی خوش آمدید! انھوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: آپ بتائیں، آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا: تم بتاؤ تمھارا کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے جواب دیا: ''ہم تو دائرہ اسلام میں داخل ہو کر محمد ﷺ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔'' انھوں نے کہا: میں بھی اسی مقصد کے لیے محو سفر ہوں۔ چنانچہ ہم نے اکٹھے سفر جاری رکھا حتی کہ مدینہ میں داخل ہو گئے۔ ہم نے مقام حرہ میں اپنی سواریاں بٹھا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ آپ بہت خوش تھے۔ میں نے بہترین لباس زیب تن کیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے چل پڑا۔ رستے میں میرا بھائی ملا۔ اس نے کہا: جلدی کرو، رسول اللہ ﷺ کو تمھاری آمد کی خبر مل چکی ہے، وہ تمھاری آمد سے بہت خوش ہیں اور تمھارا انتظار فرما رہے ہیں۔ ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ پھر مجھے آپ کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ مجھے دیکھ کر تبسم فرمانے لگے۔ میں نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے نہایت مسرت کے ساتھ مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

میں نے عرض کیا: ''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگے آجاؤ۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تمھیں ہدایت سے نوازا ہے۔ تمھاری عقل سے مجھے یہی امید تھی کہ وہ تمھیں خیر اور بھلائی قبول کرنے پر آمادہ کر گی۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے دیکھا ہے کہ میں آپ کی مخالفت اور حق سے عناد رکھتے ہوئے مختلف مواقع پر موجود رہا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے گناہ معاف فرما دے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اے اللہ! خالد بن ولید کے ان تمام افعال کو معاف فرما دے جو اس نے تیرے رستے سے روکنے کے لیے کیے تھے۔'' خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر عثمان اور عمرو آگے بڑھے اور انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ہم صفر 8 ھ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ میرے اسلام لانے کے بعد درپیش جنگی حالات و حوادث میں جتنی اہمیت مجھے دیتے تھے، اتنی اہمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی نہیں دیتے تھے۔[1]

[1] المغازی للواقدی 2/196-198، دلائل النبوۃ للبیہقی 4/349-352، البدایۃ والنہایۃ 4/238-240

سریۂ شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ

عمر بن حکم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چوبیس مجاہدین ہوازن کی طرف روانہ فرمائے جو مقام السّیِّ میں رہتے تھے جو معدن بنی سُلیم (مہد الذہب) کے پیچھے رکبہ کی جانب واقع ہے۔ السّیِّ دراصل مکہ سے بصرہ جانے والی شاہرہ (درب زبیدہ) پر واقع ایک جنگل تھا۔ ذات عرق اور وجرہ کے درمیان جہاں چور پناہ لیا کرتے تھے۔ مکہ سے السّیِّ کا فاصلہ تین مراحل (تقریباً 100 کلومیٹر) کا ہے۔[1] وہاں انتہائی شریر اور فسادی لوگوں کا ایک جتھا تھا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ ان پر حملہ کرو۔ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں یہ مجاہدین روانہ ہو گئے۔ یہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ صبح کے وقت یہ مجاہدین مطلوبہ مقام پر جا پہنچے اور ہوازن کے شریروں پر حملہ آور ہو گئے۔ یہ لوگ مجاہدین اسلام کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور اپنا بہت سا اسلحہ، مویشی اور سازو سامان چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ شجاع اسدی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ مالِ غنیمت جمع کرو۔ انھوں نے بہت سے اونٹ اور بکریاں جمع کر لیں اور ان سب کو ہانک کر مدینہ لے آئے، بعد ازاں ان مجاہدین میں سے ہر ایک کو پندرہ پندرہ اونٹ عطا کیے گئے۔[2]



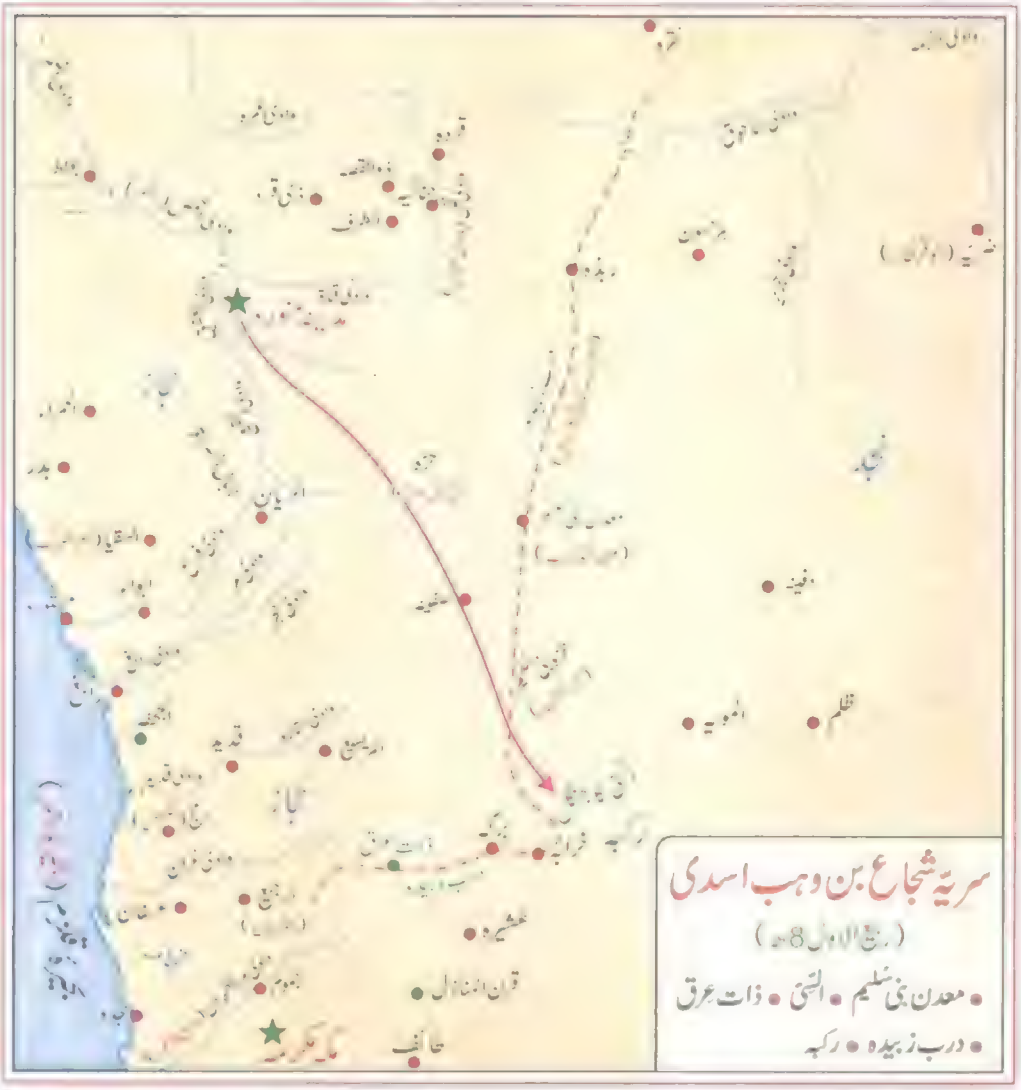
عمر بن حکم کے علاوہ دیگر راویوں کا خیال ہے کہ اس سریے میں قیدی بھی ہاتھ آئے تھے۔ امیر سریہ نے ان میں سے ایک خوب صورت باندی کو اپنے لیے منتخب کر لیا، پھر ان قیدیوں کے اہل خانہ مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے امیر سریہ سے ان قیدیوں کو واپس بھیج دینے کے بارے میں مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! انھیں واپس بھیج دیجیے، البتہ انھوں نے اس باندی کو جو ان کے پاس تھی، اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اہل خانہ کے پاس واپس چلی جائے مگر اس نے انھی کے پاس رہنے

1 طبقات ابن سعد 127/2، معجم البلدان 301/3۔ 2 المغازی للواقدی 203/2، دلائل النبوۃ للبیہقی 353/4

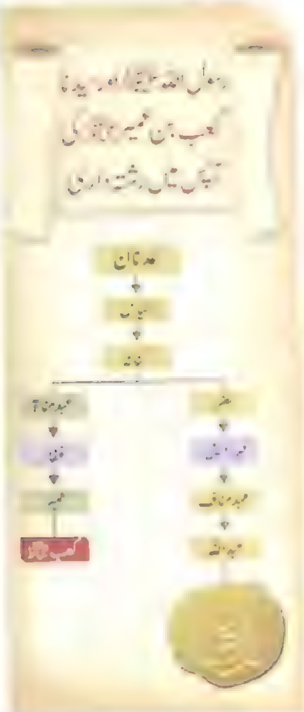
کو ترجیح دی۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہو سکتا ہے جو صحیحین میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک سریہ بھیجا، میں بھی اس میں شامل تھا۔ ہمیں غنیمت کے مال میں بہت سے اونٹ ملے حتی کہ ہم میں سے ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے مزید لطف و کرم فرمایا کہ سب مجاہدین کو مزید ایک ایک اونٹ عطا فرمایا۔ اس طرح ہر مجاہد کے حصے میں تیرہ تیرہ اونٹ آئے۔[2]

1 البدایة والنہایة 240/4 2 البدایة والنہایة 240/4، صحیح البخاری 3134، صحیح مسلم 1749



سریہ کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ



رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پندرہ افراد پر مشتمل ایک سریہ وادی القریٰ کے قریب بنوقضاعہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ اسی طرح پوشیدگی سے سفر کرتے کرتے یہ مجاہدین وادی القریٰ کے آگے مقام ذات اطلاح میں دشمن کے قریب پہنچ گئے لیکن ایک جاسوس نے انھیں دیکھ لیا اور ان کے دشمنوں کو بتا دیا کہ ان کی تعداد بہت قلیل ہے، چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور ایک کے سوا انھوں نے تمام مجاہدین کو شہید کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ایک اور دستہ روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ دشمن اس علاقے کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا گیا ہے تو آپ نے یہ ارادہ ترک فرما دیا۔ یہ ربیع الاول 8 ھ کا واقعہ ہے۔[1]

[1] المغازي للواقدي :202/2، الطبقات لابن سعد :128,127/2، السيرة لابن هشام : 269/4.

العلا کے قریب وادی القریٰ کا ایک منظر




بحیرہ روم
القدس
اردن
معان
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
سیناء
مدین
تبوک
سعودی عرب
مصر
بحیرہ احمر
سرایا ذات اطلاح وذات السلاسل
سریہ ذات اطلاح (ربیع الاول 8ھ)
(کعب بن عمیر غفاری ؓ)
سریہ ذات السلاسل (جمادی الآخرہ 8ھ)

سریہ مُوتہ

لفظ مُوتہ

موتہ میم کے ضمہ، واؤ کے سکون اور ہمزہ کے بغیر ہے۔ اسے اکثر راویوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ مبرد نے بھی اسے پورے وثوق کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے، جب کہ بعض ائمہ لغت نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ ثعلب، جوہری اور ابن فارس کی رائے بھی یہی ہے۔ صاحب ''الواقی'' نے دونوں صورتیں درج کی ہیں۔ حدیث مبارک میں جس موتہ سے پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے اور اس کے معنی جنون کے بیان کیے گئے ہیں، وہ لفظ بلاشبہ ہمزہ کے بغیر ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ بلقاء (اردن) کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔[1] یہ علاقہ معان سے اردن کے دارالحکومت عمان جاتے ہوئے دائیں ہاتھ الکرک کے 12 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔

سریہ موتہ کا اصل سبب

رسول اللہ ﷺ نے یہ سریہ جمادی الاولیٰ 8 ھ میں روانہ فرمایا تھا۔[2] اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے رومی بادشاہ ہرقل یا حاکم بصریٰ کے نام نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا۔ حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ یہ نامہ مبارک لے کر جا رہے تھے۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں روکا۔ شرحبیل قیصر روم کی طرف سے اس علاقے (بلقاء) کا حاکم تھا۔ اس نے سیدنا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو، شاید تم محمد (ﷺ) کے سفیروں میں سے ہو؟ حارث رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی کہ ہاں، میں محمد رسول اللہ ﷺ کا سفیر ہوں۔ یہ

[1] مراصد الاطلاع: 1330/3، معجم البلدان: 220/5. [2] فتح الباري: 639/7

بصریٰ (شام) کے کھنڈر



قلعہ الکرک (اردن)

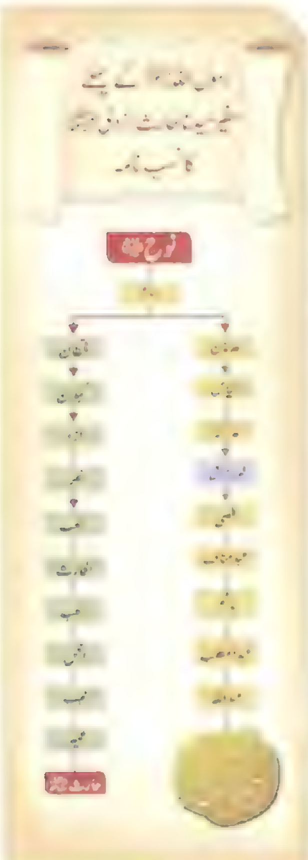


معان شہر (اردن)



بات سُن کر اُس بد بخت نے انھیں رسیوں سے جکڑ کر شہید کر دیا۔

یہ اپنی نوعیت کا پہلا سانحہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیروں میں سے حارث رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ کو جب اس الم انگیز واقعے کا علم ہوا تو آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ اس دور میں بھی بین الاقوامی دستور یہی تھا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس جارحیت کی سزا دینے کے لیے تین ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے موتہ کی طرف روانہ فرما دیا۔ آپ ﷺ نے اس سریے کا امیر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور تاکید کی:



«زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ أَمِيرُ النَّاسِ، فَإِنْ قُتِلَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَجَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَإِنْ أُصِيبَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ، فَإِنْ أُصِيبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلْيَرْتَضِ الْمُسْلِمُونَ بَيْنَهُمْ رَجُلًا فَلْيَجْعَلُوهُ عَلَيْهِمْ»

''زید بن حارثہ لوگوں کے امیر ہیں، اگر زید شہید ہو جائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے۔ اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ اگر عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان باہمی رضامندی سے کسی شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔''[1]

سرورِ کائنات ﷺ کی نصیحتیں

رسول اللہ ﷺ نے سفید رنگ کا ایک پرچم تیار کروا کر، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور مجاہدین کو رخصت کرتے ہوئے تاکید فرمائی کہ جہاں حارث بن عمیر کو قتل کیا گیا ہے، وہیں پہنچو۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَبِمَنْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، اغْزُوا بِسْمِ اللّٰهِ فَقَاتِلُوا عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ بِالشَّامِ، وَسَتَجِدُونَ فِيهِمْ رِجَالًا فِي الصَّوَامِعِ مُعْتَزِلِينَ فَلَا تَعَرَّضُوا لَهُمْ، وَلَا تَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَغِيرًا وَلَا كَبِيرًا فَانِيًا، وَلَا تَقْطَعُوا

1 مسند أحمد 204، المغازي للواقدي 205/2-205، الطبقات لابن سعد 128/2



شَجَرَةً وَلَا تَهْدِمُوا بِنَاءً

’’میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور تمھارے ساتھ جو مسلمان ہیں، ان سب کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آگے بڑھو اور شام کی سرزمین پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں سے جنگ کرو۔ تمھیں وہاں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ (بھی) ملیں گے جو دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، ان سے مت لڑنا۔ کسی بچے، بوڑھے اور عورت پر تلوار نہ اٹھانا، درخت کاٹنا نہ عمارتوں کو مسمار کرنا۔‘‘[1]

شام کی طرف روانگی

جب لشکر تیار ہو کر روانہ ہونے لگا تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے نہایت ایمان افروز جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! میں دنیا کی محبت یا تم لوگوں سے فراق کی وجہ سے نہیں رو رہا، میں تو اس خوف سے رو رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے جس میں جہنم کا ذکر ہے:

﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ [مريم 19:71]

’’اور تم میں سے جو بھی ہے وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ آپ کے رب کے ذمے ایک طے شدہ امر واجب ہے۔‘‘

مجھے معلوم نہیں کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد واپسی کیسے ہوگی؟ مسلمانوں نے انھیں الوداع کرتے ہوئے کہا: ’’اللہ تعالیٰ تمھارا ساتھ دے، دشمن کو تم سے دفع دور کرے اور تمھیں صحیح سلامت واپس لائے۔‘‘

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

لٰكِنَّنِي أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً   وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

’’لیکن میں تو اللہ رحمان سے مغفرت کا اور اس بات کا سوالی ہوں کہ وہ مجھے شمشیر سے ایسی ضرب کاری کی توفیق عطا فرمائے جو (دشمن کے خون کے) چھینٹے اڑا دے۔‘‘

أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً   بِحَرْبَةٍ تُنْفِذُ الْأَحْشَاءَ الْكَبِدَا

[1] السيرة الحلبية: 787/2.

''یا کسی خون کے پیاسے نیزہ باز کے ہاتھوں نیزے کی ایسی ضرب کا سوال کرتا ہوں جو انتڑیوں اور جگر کے پار ہو جائے۔''

حتى يقال إذا مروا على جدثي   أرشده الله من غاز وقد رشدا

''حتی کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس غازی کا بھلا کرے جو راہِ راست پر تھا۔''[1]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ الوداعی ملاقات کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اس موقع پر آپ ﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

فثبت الله ما آتاك من حسن   تثبيت موسى ونصرا كالذي نصروا

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حسن و خوبی عطا فرمائی ہے، اسے ثابت و سلامت رکھے جس طرح اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ثابت رکھا اور آپ کو بھی فتح و نصرت سے اسی طرح سرفراز فرمائے جس طرح ان کی مدد کی گئی تھی۔''

إني تفرست فيك الخير نافلة   الله يعلم أني ثابت البصر

''میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو خیر اور بھلائی عطا کی گئی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میری نظر بالکل ٹھیک ہے۔''

أنت الرسول فمن يحرم نوافله   والوجه منه فقد أزرى به القدر

''آپ سچے رسول ہیں اور آپ کے عطیات اور توجہات سے وہی محروم رہ سکتا ہے جو تقدیر کا پیٹا ہو۔''

بعدازاں لشکر اسلام سوئے منزل روانہ ہو گیا۔ سرورِ کائنات ﷺ لشکر کو الوداع کر کے واپس تشریف لے گئے، تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

خلف السلام على امرئ ودعته   في النخل خير مشيع وخليل

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو اس ہستی پر جسے میں نے نخلستان میں الوداع کہا ہے جو بہترین الوداع کہنے والے اور بہترین دوست ہیں۔''[2]

دعاؤں، نصیحتوں اور سوز و گداز کی اس مبارک فضا میں لشکر اسلام سوئے منزل روانہ ہوا۔ مسلمانوں نے سرزمین

[1] السيرة لابن هشام: 16،15/4. [2] السيرة لابن هشام: 16/4.



شام (اردن) میں پہنچ کر "معان" نامی ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ہرقل بلقاء کے علاقے مآب میں رومیوں کے ایک لاکھ جنگجوؤں کے لشکر جرار کے ساتھ پہنچ چکا ہے۔ اس کے علاوہ عرب کے نصرانی قبائل لخم، جذام، بلقین، بہراء، بلی اور بنو بکر کے ایک لاکھ سپاہی بھی ہرقل کے لشکر میں آکر شامل ہو گئے ہیں جن کی قیادت قبیلہ بلی کا ایک شخص مالک بن زافلہ کر رہا تھا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا پرجوش خطاب

مسلمانوں کو جب اس سنگین صورت حال کا علم ہوا تو انھوں نے پیش قدمی روک دی۔ انھوں نے دو راتیں "معان" میں بسر کیں اور درپیش صورتحال پر غور وفکر کرتے رہے۔ ایک رائے یہ تھی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمن کی تعداد کے بارے میں تحریری اطلاع دیں اور عرض کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مزید کمک بھیج دیں یا اندریں حالات ہمیں جو بھی حکم دیں، ہم اس کی تعمیل کریں۔ اضطراب کی اس کیفیت میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے مجاہدین اسلام سے پرجوش خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! اللہ کی قسم! آپ اسی مقصد سے دامن بچا رہے ہیں جس کی خاطر آپ وطن سے نکلے تھے۔ مومن کا مطلوب و مقصود صرف شہادت ہے۔ ہم مشرکوں سے قوت یا کثرت کے بل پر نہیں لڑتے بلکہ ہم




مآب (اردن) کی ایک وادی

تو صرف اس دین کے بل بوتے پر لڑتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے، لہٰذا قدم اٹھاؤ اور آگے بڑھتے چلو۔ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک خیر ضرور حاصل ہوگی، فتح و نصرت یا شہادت!''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ایمان پرور خطاب سنا تو کہا: اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ اس کے بعد غیرت ایمانی سے سرشار لشکر اسلام دشمن سے مقابلے کے لیے آگے چل پڑا۔

پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

جَلَبْنَا الْخَيْلَ مِنْ أَجَإٍ وَفَرْعٍ تُغَرُّ مِنَ الْحَشِيشِ لَهَا الْعُكُومُ

''ہم ان گھوڑوں کو اجأ پہاڑ اور مقام فرع سے آگے لے آئے ہیں، جنھیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد گھاس کھلائی جاتی ہے اور جن پر ساز و سامان بھی لدا ہوتا ہے۔''

حذوناها مِنَ الصَّوَّانِ سِبْتًا أَزَلَّ كَأَنَّ صَفْحَتَهُ أَدِيمُ

''ہم نے انھیں ایسے ملائم پتھر کے جوتے (نعل) پہنائے ہیں جس کی سطح چمڑے جیسی ہے۔''

أَقَامَتْ لَيْلَتَيْنِ عَلَى مَعَانٍ فَأُعْقِبَ بَعْدَ فَتْرَتِهَا جُمُومُ

''جو مقام معان پر دو راتیں ٹھہرے رہے، اس طرح کمزوری کے بعد انھیں قوت جمع کرنے اور چست و چاق ہونے کا موقع دیا گیا تھا۔''

فَرُحْنَا وَالْجِيَادُ مُسَوَّمَاتٌ تَنَفَّسُ فِي مَنَاخِرِهَا السَّمُومُ

''ہم روانہ ہوئے تو گھوڑے بھی یوں چل رہے تھے کہ ان کے نتھنوں سے گرم ہوا نکل رہی تھی۔''

فلا و ابي ماب لناتينها وَإِنْ كَانَتْ بِهَا عَرَبٌ وَرُومُ

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم مآب ضرور جائیں گے، چاہے وہاں عربوں اور رومیوں کا کتنا ہی بڑا لشکر موجود ہو۔''

فَعَبَّأْنَا أَعِنَّتَهَا فَجَاءَتْ عَوَابِسَ وَالْغُبَارُ لَهَا بَرِيمُ

''ہم نے ان کی لگامیں اس طرح بنی ہیں کہ وہ بہت سخت ہوگئی ہیں اور غبار ان کے لیے پٹی کا کام دے رہا ہے۔''

بِذِي لَجَبٍ كَأَنَّ الْبِيضَ فِيهِ إِذَا بَرَزَتْ قَوَانِسُهَا النُّجُومُ

''یہ گھوڑے اس لشکر کے ساتھ ہیں جو ایسے لوہے میں ڈوبا ہوا ہے جس کا اوپر کا حصہ ستاروں کی طرح چمک

رہا ہے۔"

فَرَاضِيَةُ الْمَعِيشَةِ طَلَّقْتُهَا أَسِنَّتُهَا فَتَنْكِحُ أَوْ تَئِيمُ

"ہمارے نیزوں نے پسندیدہ زندگی کو طلاق دے دی ہے۔ اب چاہے یہ نکاح کر لے یا شوہر کے بغیر رہے۔"[1]

تاریخِ عالم کی عجیب و غریب جنگ

ابن اسحاق نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پرورش پا رہا تھا۔ آپ اس سفر میں مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ آپ نے اپنی سواری پر سامان کے پیچھے مجھے بٹھا دیا۔ سفر جاری تھا کہ ایک رات میں نے آپ کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

إِذَا أَدَّيْتِنِي وَحَمَلْتِ رَحْلِي مَسِيرَةَ أَرْبَعٍ بَعْدَ الْحِسَاءِ

"اے میری اونٹنی! جب تو مجھے آگے پہنچا دے اور احساء کے بعد چار دن کی مسافت تک میرا سامان لے جائے۔"

فَشَأْنُكِ أَنْعُمٌ وَخَلَاكِ ذَمٌّ وَلَا أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي وَرَائِي

"تو تو آزاد ہو کر خوش و خرم رہے، ہر برائی تجھ سے دور ہو جائے اور میں اپنے پیچھے اپنے گھر والوں میں کبھی واپس نہ جاؤں۔"

وَجَاءَ الْمُسْلِمُونَ وَغَادَرُونِي بِأَرْضِ الشَّامِ مُشْتَهَى الثَّوَاءِ

"مسلمان میرے ساتھ آئیں اور مجھے ارض شام میں چھوڑ جائیں، یہ رہنے کے لیے اچھی پسندیدہ جگہ ہے۔"

وَرَدَّكِ كُلُّ ذِي نَسَبٍ قَرِيبٍ إِلَى الرَّحْمٰنِ مُنْقَطِعَ الْإِخَاءِ

"ہر قریبی نسب والا جس کی مجھ سے اخوت (قرابتداری) ختم ہونے والی ہے، تجھے رحمان کے سپرد کر دے۔"

هُنَالِكَ لَا أُبَالِي طَلْعَ بَعْلٍ وَلَا نَخْلٍ أَسَافِلُهَا رِوَاءُ

"اس کے بعد مجھے ایسی کسی کھیتی کی کوئی پروا نہیں جو سیرابی سے بے نیاز ہو (جو جڑوں سے تری حاصل کرتی ہو) نہ کھجور کے کسی ایسے درخت کی کوئی پروا ہے جس کی جڑیں پانی سے لبریز ہوں۔"

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے آپ کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا تو میں رو پڑا۔ آپ نے مجھے کوڑا مارا اور کہا: اے بچے! اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دے اور تم سواری پر بیٹھ کر واپس چلے جاؤ تو اس میں کیا حرج ہے؟[2]

1 السيرة لابن هشام 4/16-18 2 السيرة لابن هشام 4/18، 19، البداية والنهاية 6/418

مسلمانوں کی پیش قدمی اور دو سالاروں کی شہادت

اسلامی لشکر "بلقاء" کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔ انھوں نے بلقاء کی ایک بستی "مشارف" میں رومیوں اور عربوں پر مشتمل ہرقل کا لشکر دیکھا۔ دشمن بہت قریب آچکا تھا۔ مسلمانوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے بستی "موتہ" میں پڑاؤ ڈال دیا اور دشمن سے جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہوگئے۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو متعین کیا گیا۔ پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوگئے اور باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔ یہ تاریخ عالم کی انتہائی نادر اور عجیب و غریب جنگ تھی۔ اسلام کے صرف تین ہزار سربکف فرزند 2 لاکھ کے لشکر کفار سے ٹکرا گئے۔

دونوں لشکروں میں بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ پرچم ہاتھ میں تھامے لشکر اسلام کی قیادت کر رہے تھے۔ وہ اسی حالت میں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق پرچم سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ وہ اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کر رہے تھے کہ انھوں نے اچانک گھوڑے سے اتر کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ مسلمانوں میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ وہ پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے میدان جنگ میں اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹیں۔ انھوں نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ دشمن اس گھوڑے پر قبضہ کرکے اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ کر پائے۔



غازیانِ موتہ کا مقامِ شہادت

اسی واقعے سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو حیوان کو اس وجہ سے قتل کرنا جائز قرار دیتے ہیں کہ دشمن اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایسی لاغر بکریوں کے بارے میں جو لشکر کے ساتھ نہ چل سکیں اور یہ اندیشہ ہو کہ دشمن انھیں پکڑ کر ان سے فائدہ اٹھائے گا فرمایا ہے کہ انھیں ذبح کر دیا اور جلا دیا جائے۔[1]

علامہ سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایسے معاملے میں کسی نے بھی سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے اختلاف نہیں کیا جو اس بات کے جواز کی دلیل ہے۔ حدیث میں حیوان کو عبث مارنے کی جو ممانعت ہے، اس کا اس مخصوص صورت حال سے کوئی تعلق نہیں۔[2]

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ انھوں نے پرچم اپنے دائیں ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ دشمن نے ان کے دائیں ہاتھ پر وار کیا، وہ کٹ گیا تو انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ سے تھام لیا۔ دشمن نے اسے

1 البداية والنهاية 244/4 2 الروض الأنف 126/4

بھی کاٹ دیا تو انھوں نے اسے اپنے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ وہ جام شہادت نوش فرمانے تک جیتے جی انھوں نے پرچم اسلام کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ شہادت تک انھوں نے عمر عزیز کی صرف تینتیس بہاریں ہی دیکھی تھیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رومی نے تلوار کے وار سے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے تھے۔ کٹنے والے دونوں بازوؤں کے عوض اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت میں دو پر عطا فرما دیے جن کے ذریعے از کر وہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو پرچم عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے ہوئے میدان میں کود پڑے:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسِي لَتَنْزِلَنَّهْ لَتَنْزِلِنَّ أَوْ لَتُكْرَهِنَّهْ

''اے نفس! تجھے قسم ہے، تو ضرور (میدان میں) اترے گا، ضرور اترے گا یا اترنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔''

إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّةْ مَالِي أَرَاكِ تَكْرَهِينَ الْجَنَّةْ

''جب لوگ جمع ہو کر چیخ پکار کر رہے ہوں تو پھر میں یہ کیوں دیکھتا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کرتا ہے۔''

قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّةْ هَلْ أَنْتِ إِلَّا نُطْفَةٌ فِي شَنَّةْ

''تو جس صورت حال سے مطمئن تھا، وہ بہت طویل ہو گئی ہے، حالانکہ تو ایک بوسیدہ مشکیزے میں پانی کی ایک بوند کے مانند ہے۔''

انھوں نے یہ بھی کہا:

يَا نَفْسُ إِلَّا تُقْتَلِي تَمُوتِي هَذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ

''اے نفس! اگر تو (اب) قتل نہ ہوا تو (آخر ایک نہ ایک دن) مر جائے گا۔ یہ تو وہ موت ہے جو تیری تقدیر میں لکھی جا چکی ہے۔''

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيتِ إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

''تو نے جس چیز کی تمنا کی ہے، وہ تجھے مل گئی ہے۔ اگر تو ان دونوں (زید و جعفر) جیسا کارنامہ انجام دے تو یقیناً تو ہدایت پا جائے گا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب گھوڑے سے اترے تو ان کا ایک چچا زاد گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی لے

1 السيرة لابن هشام: 21,20/4.

آیا اور کہنے لگا: بھائی جان! لو یہ گوشت کھاؤ اور اس کے ذریعے اپنی پشت مضبوط کر لو۔ ان دنوں آپ نے بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ انھوں نے یہ ہڈی لے لی اور دانتوں سے کاٹ کر گوشت کھانا شروع کر دیا، پھر اچانک ایک طرف سے لوگوں کے ہجوم کی آواز سنی تو کہنے لگے: ارے! تم ابھی تک اس دنیا میں موجود ہو؟ پھر انھوں نے ہڈی پھینک دی، تلوار اٹھائی اور دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ وہ دیر تک شجاعت و بسالت کے جوہر دکھاتے رہے حتی کہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ [1]

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بنو عجلان سے تعلق رکھنے والے شہسوار ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ [2] نے پرچم تھام لیا اور کہا: مسلمانو! اپنے میں سے ایک شخص کو امیر منتخب کر لو۔ انھوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ انھوں نے امارت قبول کرنے سے معذرت کر دی تو لوگوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنا لیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر پرچم سنبھال لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود ثابت بن اقرم ہی نے پرچم ان کے حوالے کر دیا اور کہا کہ جنگ کے اصول و قواعد آپ مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنھیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ [3]

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی بے مثال حکمت عملی

جب سب لوگوں نے متفق ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنا لیا تو انھوں نے پرچم تھام لیا اور شجاعت و استقلال سے جنگ لڑنے اور دشمن کی پیش قدمی روکنے لگے، آخر لڑتے لڑتے دونوں لشکر پیچھے ہٹ گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین پر زبردست حملہ کیا اور انھیں شکست دے دی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھال لیا تو انھوں نے دشمن پر ہولناک حملہ کیا جس کے نتیجے میں جنگ کا پانسا پلٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ توفیق عطا فرما دی کہ وہ جس مشرک کو جس طرح چاہتے تھے، اسی طرح تہ تیغ کرنے لگے اور فتح و نصرت سے سرفراز ہو گئے۔ [4]

صورت حال کی اس اچانک تبدیلی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی چالوں کے نہایت ماہر جرنیل تھے۔ انھوں نے راتوں رات جنگی حکمت عملی بدل دی اور صبح ہوتے ہی لشکر کے اگلے حصے کو پیچھے اور پچھلے حصے کو آگے تعینات کر دیا۔ اسی طرح دائیں حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو دائیں طرف منتقل کر دیا، یعنی

1 السیرة لابن ہشام 21/4 2 یہ ثابت بن اقرم بن ثعلبہ بن عدی بن عجلان بلوی انصاری ہیں، جو 11 یا 12 ھ میں شہید ہوئے۔ بعض کتب میں ثابت بن ارقم لکھا ہوا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ 3 المغازی للواقدی 212/2 4 الطبقات لابن سعد 129/2

سارے لشکر کی ترتیب بدل ڈالی۔ اس تبدیلی کا اثر اور ثمر یہ ظاہر ہوا کہ جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انھیں ہر طرف نت نئے چہرے نظر آئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر رومی گھبرا گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ اب مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے۔ اس تصور کے زیر اثر ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا اور وہ شکست کھا گئے۔ مسلمانوں نے ان کافروں کو اس قدر کثرت سے قتل کیا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔[1]

نبی ﷺ کو بذریعہ وحی فتح کی خوشخبری

اُدھر موتہ کے مقام پر جنگ ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جنگ کی ساری صورت حال سے مطلع فرما دیا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح کی خبر آنے سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو زید، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذها جعفر فأصيب، ثم أخذ ابن رواحة فأصيب، وعيناه تذرفان۔ حتّٰى اخذ الرّاية سَيفٌ مّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ حتّٰى فتح اللّٰهُ عَلَيْهِمْ»

”زید نے پرچم کو پکڑا اور وہ شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے جعفر نے لے لیا ہے، وہ بھی شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے ابن رواحہ نے تھام لیا ہے اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے ہیں ــــ یہ بیان کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں ...... اب پرچم کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے پکڑ لیا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا ہے۔“[2]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر ان شہداء کی شہادت کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ انھیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ شہادت سے سرفراز ہونے کے بجائے وہ ہمارے پاس ہوتے۔[3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اس غزوے میں شریک تھا۔ ہم نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا تو وہ ہمیں مقتولوں میں ملے۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے جسم پر نیزوں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم تھے۔[4]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ میں اس وقت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا جب وہ شہید ہو چکے تھے۔ ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم تھے اور ان میں سے ایک زخم بھی ان کی پشت پر نہیں تھا۔[5] انھوں نے بے پناہ شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سینہ تان کر دشمن کا مقابلہ کیا۔

[1] سبل الهدى والرشاد: 151/6. [2] صحيح البخاري: 4262. [3] صحيح البخاري: 3063،2798. [4] صحيح البخاري: 4261. [5] صحيح البخاري: 4260.



پہلی روایت میں زخموں کی تعداد نوے سے زیادہ اور اس روایت میں پچاس مذکور ہے۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے سینے پر پچاس زخم کھائے اور جب وہ شہید ہو کر زمین پر گر گئے تو دشمن نے آپ کی پشت پر بھی زخم لگائے ہوں گے اور اس طرح تمام زخموں کی مجموعی تعداد نوے سے زیادہ ہوگئی ہوگی۔[1]

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا جس سے انھوں نے پرچم تھام رکھا تھا تو انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں لے لیا حتی کہ وہ بھی کٹ گیا۔ اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کرتے تو یہ الفاظ کہتے تھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ.

''اے دو پروں والے کے بیٹے! تجھ پر سلامتی ہو۔''[2]

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عدیم النظیر دلیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تینوں امراء کی شہادت کے بعد جب لشکر اسلام کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی تو اللہ کا یہ شیر دشمنوں کی فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ انھوں نے کافروں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سنا: موتہ کے دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئی تھیں۔ یمن کی بنی ہوئی ایک چوڑی تلوار کے سوا کوئی تلوار میرے پاس باقی نہیں بچی۔[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بروایت ابوقتادہ اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو روانہ کیا تو فرمایا: ''تمھارے امیر زید بن حارثہ ہیں۔ اگر زید شہید ہو جائیں تو امیر جعفر ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو پھر امیر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔'' سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ چونک اٹھے اور انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے تو اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر مقرر فرما دیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روانہ ہو جاؤ! تم نہیں جانتے کہ کون سی بات بہتر ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سوئے منزل روانہ ہو گئے۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر

[1] فتح الباری 641/7 [2] صحیح البخاری 3709، 4264 [3] صحیح البخاری 4265

تشریف لائے۔ آپ نے حکم دیا اور الصلاۃ جامعۃ کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان سنتے ہی سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں تمھارے اس لشکر کے بارے میں بتانے لگا ہوں۔ لشکر منزل مقصود پر پہنچ گیا ہے، دشمن کا مقابلہ کر رہا ہے اور اس مقابلے میں زید شہید ہو گئے ہیں ـــــ آپ نے ان کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا کی ـــــ پھر پرچم کو جعفر نے تھام لیا، انھوں نے دشمن پر حملہ کیا حتی کہ وہ بھی شہید ہو گئے ہیں ـــــ آپ نے ان کی شہادت کی گواہی دی اور ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا فرمائی۔ اب پرچم عبداللہ بن رواحہ نے لے لیا، انھوں نے نہایت ثابت قدمی کے ساتھ جنگ لڑی حتی کہ لڑتے لڑتے وہ بھی شہید ہو گئے ہیں ـــــ آپ نے ان کے لیے بھی مغفرت و بخشش کی دعا فرمائی ـــــ اور اب پرچم خالد بن ولید نے تھام لیا ہے، وہ امراء میں سے نہیں تھے، وہ خود امیر بنے ہیں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ ربانی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِكَ، فَانْتَصِرْ بِهِ»

''اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، لہذا تو اس کے ذریعے (دشمنوں سے) انتقام لے لے۔''

پس اسی دن سے انھیں سیف اللہ کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔[1]

امام نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''خبر آ گئی ہے، خبر آ گئی ہے، خبر آ گئی ہے۔''[2]

واقدی کی روایت میں ہے کہ جب موتہ میں جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے روبرو شام کی صورت حال منکشف فرما دی اور آپ معرکۂ کارزار کو دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جھنڈا زید بن حارثہ نے تھام رکھا ہے۔ شیطان ان کے پاس آیا، اس نے زندگی کو پسندیدہ اور موت کو ناپسندیدہ بنا کر دکھایا اور دنیا کو محبوب شکل میں پیش کیا۔ زید نے اس سے کہا: اب جب کہ ایمان مومنوں کے دلوں میں مستحکم ہو گیا ہے، تو میرے دل میں دنیا کی محبت پیدا کر رہا ہے؟ زید میدان میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے حتی کہ شہید ہو گئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا: ''ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، وہ دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو گئے ہیں۔''[3]

موسیٰ بن عقبہ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جعفر میرے پاس سے فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ گزرے ہیں، ان کے دو پر تھے اور وہ بھی فرشتوں ہی کی طرح اڑ رہے تھے۔'' اہل علم نے لکھا

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 4/367، 368 2 السنن الکبرٰی للنسائی 5/48 3 المغازی للواقدی 2/210، 211

ہے کہ یعلیٰ بن امیہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس اہل موتہ کی خبر لے کر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر چاہو تو تم مجھے خبر دے دو اور اگر چاہو تو میں تمھیں خبر دے دیتا ہوں؟'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ پھر آپ نے ان کے سامنے میدان جنگ کے تمام حالات بیان فرما دیے۔ انھوں نے سن کر عرض کیا: اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! آپ نے تو ساری صورت حال حرف بحرف من وعن بیان فرما دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو بلند کر دیا حتی کہ میں نے میدان کارزار کو خود دیکھ لیا۔''[1] اسی اعتبار سے اسے غزوۂ موتہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعی ؓ سے بھی غزوہ موتہ سے متعلق ایک واقعہ مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی سیدنا زید بن حارثہ ؓ کے ساتھ غزوہ موتہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اہل یمن کی طرف سے ہمیں جو کمک پہنچی، ان میں سے ایک شخص میرے ساتھ مل گیا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی تلوار تھی۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اونٹ ذبح کیا تو اس شخص نے ذبح کرنے والے سے کھال کا ایک حصہ مانگا جو اس نے اسے دے دیا۔ اس نے اس کھال کو ڈھال کی طرح بنا لیا۔ ہم چلتے رہے حتی کہ رومی لشکروں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی۔ ان میں سے ایک شخص اپنے گہرے سرخ وزرد رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کی زین اور اس کے ہتھیار پر سونے کے کام سے آرائش کی گئی تھی۔ اس شخص نے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ یمن کی کمک میں آنے والا یہ آدمی اس رومی کی تاک میں ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو اس یمنی نے اس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ رومی زمین پر گر پڑا۔ یمنی فوراً اس کے سینے پر چڑھ گیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس نے اس کا گھوڑا اور اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو خالد بن ولید ؓ نے اس یمنی کو بلایا اور اس نے رومی کا جو مال حاصل کیا تھا، اس میں سے کچھ لے لیا۔ عوف ؓ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا: خالد! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ سلب قاتل کا حصہ ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں لیکن میں اسے بہت زیادہ سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ اسے اس سے لیا ہوا حصہ واپس کر دیں ورنہ میں آپ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔ خالد ؓ نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ عوف ؓ کہتے ہیں کہ واپسی پر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے اس یمنی کا قصہ اور جو کچھ خالد نے ان کے ساتھ کیا، وہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا خَالِدُ! مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟» ''خالد! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انھوں

1 البداية والنهاية :247/4.

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس مال کو بہت زیادہ سمجھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «یَا خَالِدُ! رُدَّ عَلَیْهِ مَا أَخَذْتَ مِنْهُ» ''خالد! تم نے جو کچھ لیا ہے، وہ اسے واپس کردو۔'' عوف کہتے ہیں کہ میں نے خالد سے کہا: کیا میں نے آپ سے جو بات کہی تھی، وہ پوری نہیں کر دکھائی؟ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کیا بات تھی؟'' میں نے وہ بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا:

«یَا خَالِدُ! لَا تَرُدَّهُ عَلَیْهِ، هَلْ أَنْتُمْ تَارِکُو لِي أُمَرَائِي؟ لَکُمْ صَفْوَةُ أَمْرِهِمْ وَعَلَیْهِمْ کَدَرُهُ»

''خالد! اسے واپس نہ کرنا۔ (پھر آپ مجھ سے مخاطب ہوئے!) کیا تم میرے لیے میرے امراء کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمھیں تو ان کے امور کی خیر اور بھلائی حاصل ہو اور ان کے حصے میں صرف ڈانٹ ڈپٹ آئے؟''[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کا عوف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے ان کی چادر کھینچ کر کہا: کیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کرکے اپنی بات پوری نہیں کر دی؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لی۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا:

«لَا تُعْطِهِ یَا خَالِدُ! لَا تُعْطِهِ یَا خَالِدُ! هَلْ أَنْتُمْ تَارِکُونَ لِي أُمَرَائِي؟ إِنَّمَا مَثَلُکُمْ وَمَثَلُهُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتُرْعِيَ إِبِلًا أَوْ غَنَمًا، فَرَعَاهَا، ثُمَّ تَحَیَّنَ سَقْیَهَا، فَأَوْرَدَهَا حَوْضًا، فَشَرَعَتْ فِیهِ، فَشَرِبَتْ صَفْوَهُ وَتَرَکَتْ کَدْرَهُ، فَصَفْوُهُ لَکُمْ وَکَدْرُهُ عَلَیْهِمْ»

''خالد! اسے نہ دو، خالد! اسے نہ دو۔ کیا تم میری خاطر میرے امراء کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمھاری اور ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جس نے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے ایک شخص کو رکھا۔ اس نے انھیں چرایا، پھر انھیں پانی پلانے کا وقت آ گیا تو وہ انھیں حوض پر لے گیا، انھوں نے اس سے پانی پینا شروع کر دیا۔ اس کا صاف پانی پی لیا اور گدلا چھوڑ دیا۔ اسی طرح خیر و بھلائی تو تمھارے لیے ہو اور خرابی ان (امراء) کے حصے میں آئے۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رعایا کے حصے میں تو خیر اور بھلائی ہی آتی ہے۔ انھیں ان کے عطیات کسی محنت مشقت کے بغیر بھی مل جاتے ہیں لیکن ان کے برعکس حکمرانوں کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اموال مناسب طریقے سے جمع کرتے اور مناسب انداز سے خرچ کرتے ہیں، رعایا کی حفاظت، نگہداشت کرتے ہیں، ان پر شفقت کرتے ہیں، ان کی تکالیف دور کرتے ہیں، ان کے باہمی معاملات انصاف سے طے کرتے

[1] مسند أحمد: 28,27/6. [2] صحیح مسلم: 1753، سنن أبي داود: 2719.

ہیں اور جب کوئی ناگوار صورت حال پیش آجاتی ہے تو اس کا سامنا عوام کے بجائے حکمرانوں کو کرنا پڑتا ہے۔[1]

نبی ﷺ تعزیت کے لیے جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ میں چالیس کھالیں رنگ چکی تھی، آٹا بھی گوندھ لیا تھا، اپنے بچوں کو بھی نہلا دھلا کر اور تیل مل کر صاف ستھرا کر چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ائْتِينِي بِبَنِي جَعْفَرٍ» ''جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔'' میں نے انھیں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے انھیں پیار کیا۔ اس دوران آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ أُصِيبُوا هٰذَا الْيَوْمَ» ''ہاں، آج وہ شہید ہوگئے ہیں۔'' یہ سن کر میں کھڑی ہوئی اور رونے چیخنے لگی، میرے پاس عورتیں جمع ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

«لَا تُغْفِلُوا آلَ جَعْفَرٍ عَنْ أَنْ تَصْنَعُوا لَهُمْ طَعَامًا فَإِنَّهُمْ قَدْ شُغِلُوا بِأَمْرِ صَاحِبِهِمْ»

''جعفر کے گھر والوں سے غافل نہ ہونا، ان کے لیے کھانا پکانا کیونکہ وہ جعفر کے غم میں مشغول ہیں۔''[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے حزن و ملال نمایاں تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دروازے کی جھری سے دیکھ رہی تھی کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! جعفر کے گھر کی عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ انھیں منع کردو۔ وہ آدمی چلا گیا اور پھر واپس آکر کہنے لگا: میں نے انھیں منع کیا ہے لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی۔ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ وہی حکم دیا۔ وہ پھر گیا اور واپس آکر بولا: اللہ کی قسم! وہ ہم پر غالب آگئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: «فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ مِنَ التُّرَابِ» ''ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اللہ تیری ناک خاک آلود کرے! تو یہ کام کرتا ہے نہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے باز آتا ہے۔[3]

---

1 شرح صحيح مسلم للنووي 12/97، 2 مسند أحمد 6/370 نیز دیکھیے سنن ابن ماجه 1611، 3 صحيح البخاري 4263، صحيح مسلم: 935.

میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم

یہاں اس طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میت کے قریبی رشتہ داروں، ہمسایوں یا دوست احباب کے لیے ضروری ہے کہ وہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»

''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس وہ خبر آئی ہے جس نے انھیں (غم میں) مبتلا کر دیا ہے۔''[1]

میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونا اور انھی کے گھر سے کھانا کھانا ٹھیک بات نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كُنَّا نَرَى الاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ

''ہم میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور (جمع ہونے والوں کے لیے) کھانا تیار کرنے ہی کو نوحہ شمار کرتے تھے۔''[2]

بلاشبہ نوحہ کرنا ہمارے دین میں حرام ہے۔ مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ مروجہ رسوم و رواج ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ آپ ﷺ کی سنت کے مطابق عمل ہی دنیا و آخرت کی حسنات و برکات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

لشکرِ اسلام کا واپسی پر شاندار استقبال

موتہ سے واپسی پر لشکر اسلام جب مدینہ کے قریب پہنچا تو مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ سے باہر نکل کر غازیوں کا استقبال کیا۔ ان کے استقبال کے لیے بچے بھی بھاگے چلے آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی سواری باد بہاری پر سوار تھے اور مجاہدین کے استقبال کے لیے آنے والے لوگوں کے شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خُذُوا الصِّبْيَانَ فَاحْمِلُوهُمْ وَأَعْطُونِي ابْنَ جَعْفَرٍ»

''بچوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ سواریوں پر بٹھا لو اور جعفر کا بیٹا مجھے دے دو۔''

1 سنن أبي داود: 3132. 2 سنن ابن ماجه: 1612.

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے اپنے آگے بٹھا لیا۔

رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے رہتے تھے جیسا کہ وہ خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کی خدمت میں آپ کے اہل بیت کے بچوں کو پیش کیا جاتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ سفر سے تشریف لائے تو سب سے پہلے مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھا لیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے پیچھے بٹھایا۔ اس طرح ہم ایک سواری پر تین سوار تھے اور اسی شان سے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔[1]

پہلے سالارِ موتہ: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی خوبیٔ قسمت پر بھلا کون ناز نہ کرے گا۔ آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ امام کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو آپ سے شدید محبت تھی۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے آپ ہی تھے جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں نبوت سے پہلے اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا جس کی وجہ سے انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو ختم کر دیا اور فرمایا:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

''ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے۔''[2]

ابتدائے اسلام میں لے پالکوں کی بطور بیٹا کسی دوسرے شخص کی طرف نسبت کرنے کا جواز تھا مگر اس آیت کریمہ کی رو سے اسے منسوخ کر دیا گیا۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کا قرآن مجید میں نام آیا ہے۔ متعلقہ آیت یہ ہے:

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾

''اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی

---

1 مسند أحمد :203/1، حدیث :1743، صحیح مسلم :2428. 2 الأحزاب 5:33.

اس پر انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں، اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ﴾ اور اس سے مراد وہی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام اور اتباع رسول ﷺ کی توفیق عطا فرما کر احسان فرمایا۔ ﴿وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾ ''اور آپ نے (بھی) اس پر احسان کیا'' یعنی انھیں غلامی سے آزاد کر دیا اور وہ بڑی شان والے، جلیل القدر اور عظمت مآب نبی ﷺ کے حبیب تھے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا محبوب کہا جاتا تھا جیسا کہ ان کے بیٹے اسامہ کو محبوب ابن محبوب کہا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جس سریے میں بھی روانہ فرمایا، اس کا امیر انھی کو بنایا۔ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ انھیں اپنا خلیفہ بنا دیتے۔[2] رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی۔ یاد رہے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ زینب ان کی رفاقت میں ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصے تک رہیں، پھر دونوں میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو۔'' اور ''پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی (اور پھر طلاق دے دی) تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایسا بھی فرمایا ہے کہ یہ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ مومنوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے قبل زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور انھیں اس دور کے رواج کے مطابق زید بن محمد کہا جاتا تھا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو ختم کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔''[3]

[1] الأحزاب33:37. [2] مسند أحمد:227/6. [3] الأحزاب33:40.

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد زید بن محمد کہنے سے منع کر دیا گیا، یعنی محمد ﷺ ان کے والد نہیں بلکہ انھوں نے تو زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، جب کہ ہمارے نبی ﷺ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچ سکا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

«إِنْ تَطْعُنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعُنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

''اگر تم ان کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم نے ان کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے اہل تھے، وہ میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور ان کے بعد یہ (اسامہ بھی) میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔''[1]

دوسرے سالارِ موتہ: جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائیوں طالب سے 20 سال اور سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ سے 10 برس چھوٹے تھے۔ اس طرح آپ اپنے بھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے 10 برس بڑے تھے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور شاہ حبش اصحمہ (نجاشی) کے دربار میں فصیح و بلیغ تقریر کر کے اسے اسلام کی طرف مائل کیا۔ نجاشی اصحمہ نے نہ صرف مہاجر مسلمانوں کو کفار مکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا بلکہ وہ حلقہ بگوش اسلام بھی ہو گئے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ جوتا پہننے والوں، سواریوں پر سوار ہونے والوں اور اونٹ کے کجاوے پر چڑھنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ تھا۔[2] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اشارہ شاید بلحاظ جود و کرم ان کی فضیلت کی طرف تھا کیونکہ انھی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں: ابو ہریرہ بہت کثرت سے احادیث بیان کرتے ہیں، میرا حال یہ تھا کہ کھانا مل جاتا تھا تو بقدر ضرورت کھانا کھا لیتا تھا اور پھر ہر وقت رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ میں خمیری روٹی کھاتا تھا نہ عمدہ لباس پہنتا تھا اور نہ کوئی میری خدمت کرتا تھا۔ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر کنکریاں باندھ لیتا تھا۔ میں ایک شخص سے کہتا کہ مجھے فلاں آیت پڑھ کر سنا دو، حالانکہ وہ آیت مجھے یاد ہوتی تھی لیکن میرا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ

[1] صحيح البخاري: 4469، صحيح مسلم: 2426. [2] جامع الترمذي: 3764.

مجھے گھر لے جانے اور کھانا کھلانے۔ مساکین کے ساتھ بہترین معاملہ کرنے والے جعفر بن ابی طالب ؓ تھے۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے اور جو کچھ گھر میں ہوتا، وہ کھلا دیتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ ہمیں گھی کا ڈبہ دے دیتے جس میں کچھ نہیں ہوتا تھا، پس ہم اسے پھاڑ کر اس میں لگا ہوا گھی چاٹ لیتے تھے۔[1]

تیسرے سالارِ موتہ: عبداللہ بن رواحہ ؓ

سیدنا عبداللہ بن رواحہ ؓ لشکر اسلام کے وہ تیسرے امیر تھے جن کا رسول اللہ ﷺ نے موتہ کے لیے تقرر فرمایا تھا۔ پہلے دونوں امیروں زید و جعفر ؓ کی شہادت کے بعد جب انھوں نے پرچم تھام لیا تو بڑی بے جگری کے ساتھ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا حتی کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ وہ دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے اور دادِ شجاعت دیتے دیتے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ جن کی شہادت کی رسول اللہ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس گواہی دی ہو، ان کے جنت نشین ہونے میں بھلا کیا شک ہو سکتا ہے۔

امامِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے ہر فرمان کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے سراپا اطاعت بن جانے والے ابن رواحہ ؓ کے جذبۂ اتباع و اطاعتِ رسول کا اندازہ اس واقعے سے لگائیے جسے عبدالرحمن بن ابی لیلی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ ؓ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہونے کو تھے، اس وقت آنحضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس سے ادا ہونے والے یہ الفاظ سنے: «اجلسوا» "بیٹھ جاؤ۔" تو وہ مسجد کے باہر ہی بیٹھ گئے اور جب تک رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے رہے، وہ باہر ہی بیٹھے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ان کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا:

«زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا عَلٰی طَوَاعِيَةِ اللّٰهِ وَطَوَاعِيَةِ رَسُولِهِ»

"اللہ تعالیٰ تمھارے ذوقِ اطاعتِ الٰہی اور ذوقِ اطاعتِ رسول میں اضافہ فرمائے۔"[2]

سیدنا ابن رواحہ ؓ کو صرف ایک ہی شوق تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے ایمان میں اضافہ کرتے رہیں۔ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن رواحہ ؓ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: "آئیے ہم چند لمحے ایمان و یقین کی باتیں کریں۔" انھوں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا: "کیا ہم مومن نہیں ہیں؟" آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں، لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تاکہ اس طرح ہمارے ایمان میں مزید اضافہ ہو جائے۔"[3]

---

[1] صحیح البخاری 3708 [2] دلائل النبوۃ للبیہقی 257/6 [3] شعب الإیمان للبیہقی 75/1، حدیث 50

ایمان میں ہر آن اور ہر گھڑی اضافے کے لیے آپ کے شوق فراواں کا یہ عالم تھا کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک بار ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ موسم بے حد گرم تھا اور ہم میں سے صرف رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہی روزے کی حالت میں تھے۔[1]

مدّاحِ رسول کے اشعار

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ ان کا شمار دربارِ رسالت کے مشہور شعرائے کرام میں ہوتا ہے۔ ان کی نعت کے یہ اشعار امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمائے ہیں۔

وَفِينَا رَسُولُ اللّٰهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

''ہم میں اللہ کے رسول موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اس وقت بھی تلاوت فرماتے ہیں جب سپیدہ سحر نمودار ہوتا ہے۔''

أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

''جب گمراہی چھائی ہوئی تھی تو آپ نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی۔ ہمارے دل اس یقین سے سرشار ہیں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔''

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

''آپ اس طرح شب بسر فرماتے ہیں کہ پہلو بستر سے جدا ہوتا ہے جب کہ مشرکین کے بستر بہت بھاری ہو جاتے ہیں۔''[2]

صحابی سے فرشتوں کا استفسار

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک بار شدتِ مرض کے باعث عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہو گئی۔ ان کی بہن عمرہ رضی اللہ عنہا رونے لگی اور یہ کہنا شروع کر دیا: ہائے پہاڑ جیسا بھائی! ہائے ایسا مایۂ ناز بھائی! ہائے ایسی صفات کا بھائی! اسی طرح روتے روتے وہ آپ کی خوبیاں شمار کرنے لگی۔ جب آپ ہوش میں آئے تو اپنی بہن سے فرمایا: تم نے میرے بارے میں جو الفاظ کہے ہیں، ان کی نسبت (فرشتوں کی طرف سے) مجھ سے یہ پوچھا گیا ہے کہ کیا واقعی تم اس طرح ہو۔[3] لیکن آپ کی وفات اس مرض میں نہیں ہوئی بلکہ آپ نے تو موتہ میں شرفِ شہادت حاصل

[1] صحيح البخاري: 1945. [2] صحيح البخاري: 1155. [3] صحيح البخاري: 4267.

گیا۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ بن ثعلب بن امرؤ القیس انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ کے مناقب شمار سے باہر ہیں۔ وہ ان فقید المثال حضرات میں سے ایک تھے جن کے اسمائے گرامی بیعت عقبہ کے نقیبوں کی حیثیت سے تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔ غزوہ بدر میں بھی آپ کو شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور موتہ میں لشکر اسلام کی قیادت کے عظیم فرائض انجام دیتے ہوئے آپ رب کریم کے حضور پہنچ گئے۔

شہدائے موتہ کے اسمائے گرامی

موتہ کے معرکہ کارزار میں جن مجاہدین کو شہادت نصیب ہوئی، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مہاجرین کے اسمائے گرامی: 1 زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 2 جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 3 مسعود بن اسود عدوی رضی اللہ عنہ 4 وہب بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ۔

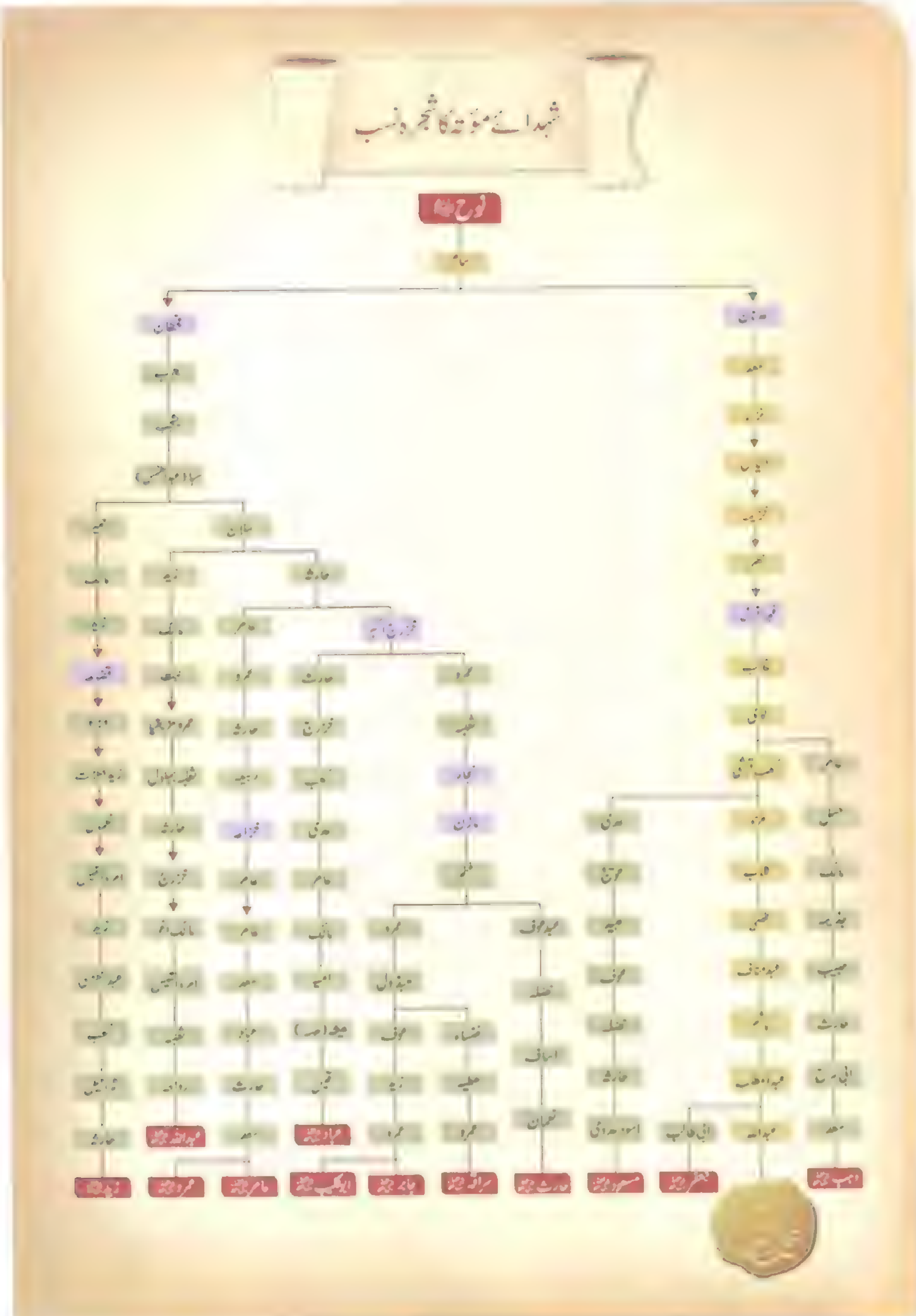
انصار کے اسمائے گرامی: 1 عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ 2 عباد بن قیس رضی اللہ عنہ 3 حارث بن نعمان بن اساف بن نضلہ نجاری رضی اللہ عنہ 4 سراقہ بن عمرو بن عطیہ بن خنساء مازنی رضی اللہ عنہ۔ (ابن ہشام نے بروایت امام زہری رحمہ اللہ مذکورہ بالا آٹھ حضرات کے علاوہ ان چار شہداء کے نام نامی بھی لکھے ہیں): 5 ابوکلیب رضی اللہ عنہ 6 جابر رضی اللہ عنہ۔ (ابوکلیب رضی اللہ عنہ اور یہ دونوں بھائی اور عمرو بن زید بن عوف بن مبذول المازنی کے بیٹے تھے۔) 7 عمرو رضی اللہ عنہ 8 عامر رضی اللہ عنہ۔ (یہ اور عمرو رضی اللہ عنہ دونوں بھائی تھے، سعد بن حارث بن عباد بن سعد بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افصی کے صاحبزادے تھے۔)[1]

اس طرح کل شہدائے موتہ کی تعداد بارہ ہے، رضی اللہ عنہم۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی جوہردار تلواریں

میدان موتہ میں مجاہدین اسلام نے مشرکین کو اس قدر کثرت سے ہلاک کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کمالات حرب و ضرب کی مثال ہی نہیں ملتی۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ اس دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ کوئی تلوار میرے ہاتھ میں بچتی ہی نہ پاتی تھی، صرف یمن کی بنی ہوئی ایک چوڑی تلوار نے میرا ساتھ دیا۔ سیدنا خالد بن ولید کے اسی بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مشرکوں کو تہ تیغ کرتے کرتے جب نو تلواریں ٹوٹ گئیں تو ان تلواروں کی زد میں آ کر نہ جانے کتنے کفار واصل جہنم ہوئے ہوں گے۔ ان کے علاوہ دیگر بہادروں نے بھی کفار کے چھکے چھڑا دیے اور انھیں جی بھر کر قتل کیا تھا۔ موتہ کے میدان میں کفر و اسلام کی یہ جنگ گویا اس ارشادِ باری تعالیٰ کے مصداق تھی:

1 السیرۃ لابن ہشام: 1057/4.


شہدائے موتہ کا شجرہ نسب

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾

''تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو باہم ٹکرائے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا، مسلمان ظاہری آنکھوں سے ان کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے، بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے۔''[1]

شہید ہونے والے تینوں سپہ سالاروں کی فضیلت

غزوۂ موتہ میں شہید ہونے والے تینوں امراء کے بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہے جس سے ان کی عظیم الشان فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں سو رہا تھا، میرے پاس دو آدمی آئے۔ انھوں نے مجھے بغل کے نیچے سے پکڑا اور ایک دشوار گزار پہاڑ کے پاس لے گئے۔ پھر کہا کہ چڑھو۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کی طاقت نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم اسے آپ کے لیے آسان کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر اس کی بلندی تک پہنچ گیا تو مجھے زوردار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ اہل دوزخ کی فریاد اور چیخ پکار ہے۔ پھر وہ مجھے لے کر آگے بڑھے، وہاں کچھ ایسے لوگ تھے جنھیں ان کی ایڑیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا، ان کی باچھیں کٹی ہوئی تھیں اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے پہلے اپنے روزے افطار کر لیتے تھے۔ کہا: یہود و نصاریٰ ناکام و نامراد ہو گئے — سلیمان کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے یا راوی نے اپنی رائے سے کہے — پھر وہ مجھے لے کر اور آگے بڑھے تو وہاں ایسے لوگ دیکھے جو بہت پھولے ہوئے اور انتہائی متعفن تھے، وہ بہت گھناؤنا منظر پیش کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ کفار کے مقتول ہیں۔ پھر وہ مجھے لے کر آگے بڑھے تو وہاں بھی ایسے ہی لوگ تھے جو بہت پھولے ہوئے تھے اور بے حد بدبودار تھے، ان کی بو پاخانوں کی بدبو جیسی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ زانی مرد اور عورتیں ہیں۔ پھر وہ مجھے لے کر آگے چلے تو میں نے کچھ ایسی عورتیں دیکھیں جن کے پستانوں کو سانپ ڈس رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ پھر وہ مجھے آگے لے کر چلے تو میں نے ایسے

[1] آل عمرٰن 13:3.

بچے دیکھے جو دو نہروں کے مابین کھیل رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ مومنوں کے چھوٹے بچے ہیں۔ پھر وہ مجھے بہت بلندی پر لے گئے، وہاں تین آدمی تھے، وہ شراب پی رہے تھے یعنی جنت کی شراب طہور نوش کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ پھر وہ مجھے ایک اور بلندی پر لے گئے، وہاں بھی میں نے تین آدمی دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''[1]

غزوۂ موتہ سے حاصل ہونے والا سبق

معرکۂ موتہ میں ہمارے لیے درس و عبرت کا بہت سا سامان ہے۔ سرزمین شام میں لڑی جانے والی اس جنگ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد صرف تین ہزار تھی، جب کہ مدمقابل رومیوں کے لشکر کی تعداد دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھی، یعنی دشمن لشکر اسلام سے ستر گنا زیادہ تھے۔ مسلمانوں کے پاس اسلحہ اور دیگر ساز و سامان حرب بھی بہت تھوڑا تھا، جب کہ رومی لشکر مکمل طور پر مسلح اور دیگر جنگی ضروریات اور غذائی اجناس سے مالا مال تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شام کے اس علاقے میں غریب الدیار تھے، جب کہ رومیوں کا یہ اپنا وطن تھا۔ الغرض ہر دنیوی معیار اور ہر مادی پیمانے کے حساب سے رومیوں کا پلڑا بہت بھاری تھا۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کے بل بوتے پر چھ یا سات دن تک جاری رہنے والی اس جنگ میں مجاہدین اسلام نے کفار کے چھکے چھڑا دیے؟ دراصل مجاہدین اسلام

[1] صحیح ابن خزیمۃ: 237/3، حدیث: 1986، المعجم الکبیر للطبرانی: 157/8



غزوۂ موتہ کے مقام پر یادگار

دولت ایمان سے بہرہ مند تھے جس کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ ﴾

''اور تم سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''[1]

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر، اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کامل بھروسے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرتے رہے، تعداد کی قلت اور سامان حرب کی کمی کے باوجود کئی گنا بھاری دشمن پر غالب آتے رہے۔ مگر جب ایمان کمزور ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر بھروسہ نہ رہا اور جہاد سے منہ موڑ لیا تو ذلت و رسوائی کا عذاب چھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں پہلے ہی خبردار فرما دیا تھا:

«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ»

''جب تم بیع عینہ[2] کرنے لگو، گایوں کی دموں کو پکڑ لو، کھیتی باڑی پر رضامند ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک اسے دور نہیں کرے گا، جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ پلٹ آؤ گے۔''[3]

ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کافروں سے جنگ کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری امکانی استطاعت کے ساتھ جنگ کے ہتھیار بھی تیار رکھے جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ..... ﴾

''اور جہاں تک ہو سکے قوت (اپنے دور کے احوال و ظروف کے مطابق اسلحہ) سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو۔''[4]

غزوۂ موتہ سے ماخوذ احکام و مسائل

سریہ موتہ کے حالات و واقعات کے مطالعے سے درج ذیل فقہی احکام و مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

1 آل عمران 3:139. 2 بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی مدت مقررہ کے ادھار پر اپنا سودا کسی کے ہاتھ ایک متعین قیمت میں بیچے، پھر وہ اسی سے اس سے کم قیمت میں خود ہی نقد خرید لے۔ رافعی نے بیع عینہ کی صورت یہ بیان کی ہے کہ کسی کو اپنا سودا ایک مقررہ قیمت پر ادھار بیچے اور وہ سودا خریدار کے سپرد بھی کر دے، پھر اس سے قیمت وصول کرنے سے قبل خود ہی کم قیمت نقد ادا کر کے اسے خرید لے۔ 3 سنن أبي داود: 3462.
4 الأنفال 8:60.

1 آنحضرت ﷺ نے جب لشکر اسلام کو موتہ کی طرف روانہ فرمایا تو اس کے لیے تین امراء کا تقرر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ امارت کو شرط کے ساتھ مشروط بھی کیا جاسکتا ہے اور بالترتیب متعدد امراء بھی نامزد کیے جاسکتے ہیں۔

2 میدان جنگ سے خبر آنے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے تینوں امراء کی شہادت کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دے دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ میت کی موت کی اطلاع دینا جائز ہے، نیز یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی ایک بڑی روشن دلیل ہے کہ اللہ نے وحی کے ذریعے آپ کو سیکڑوں میل دور لڑی جانے والی جنگ میں پیش آمدہ واقعات اور جام شہادت نوش کرنے والے امراء کے بارے میں فوراً خبر دے دی۔

3 رسول اللہ ﷺ کی طرف سے متعین کردہ تینوں امراء کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کرلیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں بھی اجتہاد کرنا جائز تھا۔

4 تینوں امراء کی شہادت کی خبر آنے کے بعد آنحضور ﷺ کے چہرۂ اقدس پر انتہائی حزن و ملال ظاہر ہونا اس رحمت کی دلیل تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب اطہر میں ودیعت فرمارکھی تھی۔ شدت غم کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانا رضا بالقضاء کے منافی نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت کی وجہ سے حزن و غم کا اظہار صبر کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ دل اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر مطمئن ہو۔ یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص مصیبت اور غم کی شدت محسوس کرتے ہوئے اپنے نفس کو تسلیم و رضا اور صبر پر آمادہ کرتا ہے اور مصیبت کی پروا نہیں کرتا، اللہ کے ہاں اس کا رتبہ بلند تر ہے۔[1]

5 رومیوں کے ساتھ اس پہلی جنگ کے تجربے سے مستقبل میں ان کے خلاف جہاد کے لیے مسلمانوں نے بہت سے گر سیکھ لیے۔ اس جنگ سے مسلمانوں کو رومیوں کی تعداد، ان کے سامان حرب، ان کے جنگی طریق کار اور ان کے علاقے کی آب و ہوا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوگئیں جو مستقبل میں ان کے کام آئیں۔[2]

6 ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس دو لاکھ کے لشکر جرار کے مقابلے میں صرف تین ہزار مجاہدین کی قیادت کرنے والے تینوں امراء کے عملی کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر زبردست ناقابل تسخیر ایمانی قوت کے مالک تھے۔[3] اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ان کا توکل کتنا مضبوط تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کے سہارے جہاد کے میدانوں میں بے لچک ثبات واستقامت کے ساتھ شجاعت و بسالت کے ایسے ایسے محیر العقول کارہائے نمایاں کر دکھائے جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتے رہیں گے۔

1 فتح الباري 7/642،643. 2 المجتمع المدني في عهد النبوة، الجهاد ضد المشركين، أكرم ضياء العمري، ص 168. 3 السيرة النبوية للمهدي: 2/109.

سریہ ذات السلاسل

سلاسل کو پہلے سین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یہ وادی القریٰ کے پیچھے ایک جگہ کا نام ہے۔ اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان دس دن کی مسافت ہے۔ یہ سریہ جمادی الآخرہ 8 ھ میں پیش آیا۔[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ 7 ھ میں واقع ہوا۔ ابن ابی خالد نے کتاب ''صحیح التاریخ'' میں یہی بیان کیا ہے۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سریہ غزوہ موتہ کے بعد ہوا۔ البتہ ابن اسحاق کے بقول یہ غزوہ موتہ سے پہلے ہوا تھا۔[2]

سریہ موتہ سے مدینہ منورہ واپسی کے چند دن بعد ہی جمادی الآخرہ 8 ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ قضاعہ کے لوگ ایک بار پھر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔[3] آپ ﷺ نے پیغام بھیج کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا: ''میں تمھیں ایک لشکر کے قائد کے طور پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس میں اللہ تعالیٰ تمھیں سلامت بھی رکھے گا اور مال غنیمت سے بھی نوازے گا۔ میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں مال عطا فرمائے۔'' انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں مال کے لیے مسلمان نہیں ہوا۔ میں تو اسلام کے شوق اور یہ اعزاز پانے کے لیے مسلمان ہوا ہوں کہ مجھے ذات گرامی کی صحبت و رفاقت کا شرف نصیب ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو! وہ مال بہت ہی اچھا ہے جو نیک آدمی کے پاس ہو۔'' پھر آپ نے انھیں تین سو مہاجرین و انصار کے دستے کا کمانڈر بنا کر بھیجا تاکہ آپ قضاعہ کو انھی کے علاقے میں سبق سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے انھیں یہ بھی حکم دیا کہ قضاعہ کی بعض شاخوں مثلاً: بلی، عذرہ اور بلقین میں سے اپنے ہمدردوں سے بھی دشمن کے خلاف مدد لے لینا۔ یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دادی کا تعلق قضاعہ کی شاخ بلی سے تھا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے اس مختصر سے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف چل پڑے اور چلتے چلتے ارض جذام کے ایک چشمے کے پاس پہنچ گئے۔ اسے سلسل کہا جاتا تھا — اسی وجہ سے اس سریہ کو ذات السلاسل کے نام سے موسوم کیا گیا — وہاں آپ کو خبر ملی کہ قضاعہ نے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے، لہٰذا انھوں نے مزید کمک

[1] زاد المعاد: 386/3. [2] فتح الباري: 93/8. [3] الطبقات لابن سعد: 131/2.

کے لیے رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو مہاجرین و انصار کی کمک بھیج دی۔ اس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ آپ نے عمرو اور ابوعبیدہ دونوں کو حکم دیا کہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھیں۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے دستے کی قیادت کرتے ہوئے، بلی کے علاقوں کو پامال کرتے کرتے عذرہ، بلقین اور پھر ان علاقوں کے آخری حدود تک پہنچ گئے۔ آخری علاقے میں ان کا ٹکراؤ ایک بہت بڑے لشکر سے ہوا جس پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو مشرکین دم دبا کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں واپس آ گئے۔[1]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا حالت جنابت میں نماز پڑھانے کا واقعہ

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ذات السلاسل کے سال بھیجا تو مجھے ایک ایسی رات میں احتلام ہو گیا جو بے حد سرد تھی۔ مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، لہٰذا میں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا:

"يا عَمْرُو! صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَ أَنْتَ جُنُبٌ؟"

''اے عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت ہی میں نماز پڑھا دی؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے انتہائی ٹھنڈی رات میں احتلام ہوا، خدشہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، تو اس موقع پر مجھے یہ ارشاد باری تعالیٰ یاد آیا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾

''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، ہرگز شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔''[2]

لہٰذا میں نے تیمم کر کے نماز پڑھا دی۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک پر تبسم کی روشنی پھیل گئی اور آپ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو مزید کچھ نہ فرمایا۔[3]

اس سریے میں جب کہ شدید سردی کا موسم تھا، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ نہ جلائیں اور دشمن کا پیچھا بھی نہ کریں۔ بعض مجاہدین نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ مدینہ منورہ میں واپسی کے موقع پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی شکایت بھی کی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے

[1] المغازي للواقدي: 2/219,218. [2] النسآء 4:29. [3] سنن أبي داود: 334.

ہونے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میرے ساتھیوں کی تعداد کم تھی، میں نے آگ جلانے پر اس لیے پابندی لگا دی تاکہ دشمن لشکرِ اسلام کی قلت سے آگاہ نہ ہونے پائے اور میں نے دشمن کا پیچھا کرنے سے اس لیے منع کر دیا تھا، مبادا انھوں نے کوئی کمین گاہ بنا رکھی ہو۔ رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے۔[1] یہ جدید دور کے بلیک آؤٹ کی جنگی حکمتِ عملی کے مطابق ایک تدبیر کے طور پر تھا، Blackout کی غالباً یہ سب سے پہلی مثال ہے جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

فقہی احکام و مسائل

سریہ ذات السلاسل سے درج ذیل فقہی احکام و مسائل کا استنباط کیا گیا ہے:

1 سیدنا عمرو بن عاص ؓ کو شیخین صدیق و فاروق ؓ کی موجودگی میں امیرِ لشکر بنانے سے ثابت ہوتا ہے کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کو اس وقت امیر بنانا جائز ہے جب مفضول اس امارت یا ولایت کی مناسبت سے کسی امتیازی صفت کا مالک ہو جیسا کہ سیدنا عمرو ؓ ماہرِ جنگ تھے۔ سیدنا ابوبکر و عمر ؓ فضیلت میں عمرو ؓ سے بہت آگے تھے۔ عمرو ؓ خود بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے سریۂ ذات السلاسل کا امیر مقرر کیا تو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: لوگوں میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''عائشہ۔'' میں نے پوچھا: مردوں میں سے کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ان کے والد (ابوبکر ؓ)۔'' میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر عمر بن خطاب۔'' اس طرح آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔[2]

2 ٹھنڈے پانی کے استعمال سے ہلاکت کے خدشے کے پیشِ نظر تیمم کے ساتھ نماز ادا کرنا اور امامت کرنا جائز ہے۔

3 رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی اجتہاد جائز تھا جیسا کہ عمرو ؓ نے اجتہاد کر کے غسل کے بجائے تیمم کر کے نماز ادا کر لی تھی۔[3]

1 سیر أعلام النبلاء: 66/3. 2 صحیح البخاري: 3662. 3 السیرۃ النبویۃ للصلابي: 113,112/2.

فتح مکہ

مظلومی میں صبر، طاغوت کا ڈٹ کر مقابلہ، صراط مستقیم پر استقامت
اور دشمن پر غلبہ پا کر اسے فیاضی سے معاف کرنے
کا ایک ناقابل فراموش باب

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا
لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا
تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا

”(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی، کھلی فتح۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر کوتاہی معاف کردے، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے، اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔“

اس باب میں

آپ فتح مکہ کے انقلاب آفرین حالات پڑھیں گے۔ اس بے مثل فتح میں سید البشر ﷺ نے اصنام باطل توڑے اور اللہ کے گھر کو قیامت تک مشرکین کی نحوست و نجاست سے پاک کر دیا۔ اس کے بعد اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر ان سفاک دشمنوں کے ہجوم پر نگاہ ڈالی جنھوں نے آپ ﷺ پر مسلسل اذیتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑے تھے۔ انھیں رہ رہ کر یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ اب ہماری گردنیں کاٹ دی جائیں گی، ہماری لاشیں تڑپیں گی اور مکہ کے کوچہ و بازار ہمارے خون سے لالہ زار ہو جائیں گے ـــــ لیکن یہ کیا؟ ـــــ بدلہ لینا تو درکنار رحمت للعالمین ﷺ نے انھیں ایک حرف ملامت بھی نہیں کہا۔ بلکہ ان خون کے پیاسے دشمنوں کے لیے آپ کا بحر رحمت اور زیادہ تموج پر آ گیا۔ آپ ﷺ نے انھیں لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج تم پر چنداں زیادتی نہ ہوگی) کے آسمانی الفاظ میں عام معافی کی بشارت دی اور اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (تم آزاد ہو) کا پروانہ دے کر انھیں آزاد کر دیا۔ اس طرح آپ نے اپنے عمل مبارک سے ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ مظلومی میں صبر کرنا، طاغوتی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، معاملات میں راست باز رہنا اور دشمنوں پر فتح پا کر ان سے درگزر کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے۔

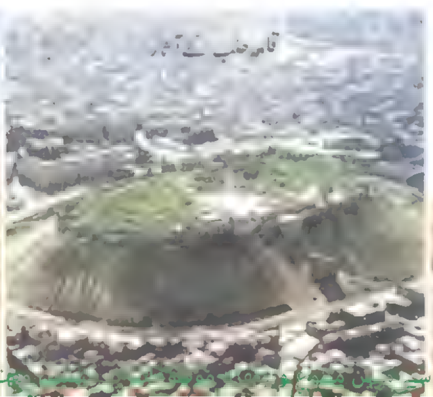
فتح مبین

کوثٰی (عراق) میں بت پرستی عروج پر تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کی اور توحید ربانی کے علمبردار کی حیثیت سے حران (ترکی) اور حلب (شام) سے ہوتے ہوئے فلسطین میں آمقیم ہوئے، پھر ایک عرصہ بعد مکہ تشریف لائے۔ مکہ اُن دنوں ایک بالکل سنسان بیابان علاقہ تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی سے مکہ میں بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا: ﴿ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴾ ”تم دونوں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک کرو۔“[1]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تقریباً ڈھائی ہزار سال بعد اب زمانے اور زندگی کے الٹ پھیر اور کفر و شرک کی نجاستوں کی وجہ سے صورتحال یکسر بدل چکی تھی۔ وہی کعبہ مشرفہ جسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا تھا، اب اس کی مقدس دیواریں بتوں اور تصویروں کے ہجوم میں چھپ گئی تھیں اور مشرکوں نے ایک اللہ کو ماننے والوں کے لیے اس گھر کا طواف کرنا ناممکن بنا دیا تھا۔ ظلم و جبر اور ہٹ دھرمی کی انتہا یہ تھی کہ مشرکین مکہ نے اس کائنات کے امام اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ﷺ کو بھی حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور عمرہ کرنے کا موقع دینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی تعمیر فرمائی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ نے اس گھر کی تعمیر میں آخری پتھر حجر اسود نصب فرما کر اس کی تعمیر نو مکمل کی تھی۔ اس گھر کی تعمیر کے بعد اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا:

[1] البقرۃ 2:125.


قصر نمرود کے آثار


قلعہ حلب کے آثار


حران کے کھنڈر (ترکی)

﴿ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ ﴾

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس ہر دور دراز رستے سے پیدل (چل کر) اور ہر لاغر سواری پر (سوار ہوکر) آئیں گے۔''[1]

اہل مکہ اسی بیت اللہ کی وجہ سے امن و سلامتی میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے مقدس گھر کی بدولت ہی امن کی بشارت دے رکھی تھی۔ بیت اللہ ہی کی عظمت و جلالت کی وجہ سے پورے جزیرہ نمائے عرب میں قریش کی مذہبی سیادت اور حشمت کا سکہ چلتا تھا۔ عرب دور و نزدیک سے اس گھر کا طواف کرنے آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی 53 برس کی عمر مبارک کے لیل و نہار اسی بلد امین میں بسر فرمائے تھے۔

حرمتِ مکہ کی اہمیت اور رسول اللہ ﷺ کا تدبر

حج و عمرہ جیسی عبادت کے اذن عام کے باوجود رحمۃ للعالمین ﷺ کو طواف کرنے سے روک دیا گیا۔ مشرکین نے آپ سے دشمنی شروع کر دی تھی۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد نبی ﷺ کو اس شہر میں انتہائی صبر آزما تکالیف سے دوچار کیا گیا۔ آپ ﷺ کو جسمانی اور روحانی طور پر کوفت پہنچانے کے لیے تمام ممکنہ حربے اختیار کیے گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بھی نہایت ہولناک مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ اس صورتحال کے ازالے کے لیے اس محترم شہر کی حرمت کو پامال کرنے کے بجائے اللہ نے مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور مسلمان حبشہ جا بسے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جس طرح اللہ نے بدر اور احد میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی حفاظت اور اعانت فرمائی اور مسلمانوں کو کامیاب کیا، یہاں بھی فرشتے نازل کر دیے جاتے لیکن یہاں مکے کا احترام بہر حال ملحوظ رہا۔ لیکن مشرکین مکہ نے اس عزت افزائی کی قدر شناسی کی بجائے مسلمانوں کو حبشہ سے بھی نکلوانے کی کوشش کی، حالانکہ حبشہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ چھوڑنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ ہجرت فرما کر اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ جا بسے لیکن مشرکین نے ایک خود مختار علاقے میں بھی مسلمانوں کو ایک اللہ کی عبادت سے روکنے کے لیے جنگیں مسلط کیں۔ مسلمانوں نے بدر، احد اور احزاب میں مشرکین کے حملوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن مکہ کی طرف مارچ تک نہ کیا کیونکہ یہ امن و سلامتی والا شہر ہے۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ اس گھر کی تعظیم اور اللہ کی عبادت کے لیے عازم عمرہ ہوئے تو مکہ والوں نے لڑائی کی

[1] الحج 27:22.

آگ بھڑکانے کے سارے جتن کر لیے لیکن رسول اللہ ﷺ نے صلح جوئی سے سرشار لہجے میں ارشاد فرمایا:

والذي نفسي بيده لا يسألوني خطة يعظمون فيها حرمات الله إلا أعطيتهم إياها

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ لوگ میرے سامنے جو بھی منصوبہ رکھیں، بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کریں تو میں اسے ضرور تسلیم کرلوں گا۔''[1]

حدیبیہ کے موقع پر مشرکین نے بڑی کڑی شرائط رکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام شرائط بڑی خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے قبول فرمائیں تاکہ مکہ کی حرمت اور عظمت و جلالت پر آنچ بھی نہ آئے۔ اس طرح آپ ﷺ کی فراست، صبر و تحمل اور تدبر کی بدولت اہل مکہ اور مسلمانوں کے مابین دس سالہ صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔

بنوخزاعہ اور بنوبکر میں عناد کا پس منظر اور صلح حدیبیہ میں شمولیت

حرم کے گردونواح میں رہائش پذیر قبیلے بنوبکر کنانی اور خزاعہ یمانی مختلف سطحوں پر بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ دورِ جاہلیت میں بنوخزاعہ کے علاقے سے بنوبکر کا ایک شخص گزرا تو بنوخزاعہ نے اسے لوٹ لیا۔ اس کے بعد بنوخزاعہ کا ایک شخص بنوالدیل (بنوبکر) کے علاقے سے گزرا تو بنوبکر نے اس خزاعی کو قتل کر دیا۔ اس بنا پر ان میں تنازع ہو گیا، چنانچہ بنوالاسود (بنوبکر) کے ذویب، سلمیٰ اور کلثوم خزاعیوں کے علاقے میں گئے تو بنوخزاعہ نے عرفہ کی جانب حدودِ حرم کے پاس انھیں قتل کر دیا۔[2]

ابھی ان دونوں قبیلوں میں تنازع برپا تھا کہ رسول اللہ ﷺ عمرے کی غرض سے حدیبیہ تشریف لے آئے۔ اس موقع پر بالآخر صلح نامہ طے پایا جس میں مختلف شروط کے ساتھ یہ شرطیں بھی قابل ذکر تھیں: 1 فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ 2 عرب کے دیگر قبائل کو اجازت ہے کہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہے، وہ کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر دوسری شق کا اصل مقصد یہ تھا کہ پورے حجاز میں امن و امان قائم ہو جائے، مشرکین کو مسلمانوں سے ملنے کی آزادی ہو تاکہ وہ اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہوں، جنگی ماحول کو اسلام کی سیاسی اور سماجی تعلیمات امن و رحمت سے نارمل کر کے شرک و کفر کے مفاسد ختم کیے جائیں اور لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔

بنوبکر اور خزاعہ قبیلوں کو اس معاہدے میں شامل کرنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر صلح اور امن کا معاہدہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ دونوں قبیلوں کو حدیبیہ کے معاہدے کے وقت موقع دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جس گروہ سے ملنا چاہیں

1 صحيح البخاري: 2732،2731. 2 المغازي للواقدي: 227/2.

بنو بکر مشرکین کے ساتھ مل جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور بنو بکر مشرکین کے ساتھ مل گئے۔

بنو خزاعہ کا عبدالمطلب کے ساتھ تاریخی معاہدہ

بنو خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرتے وقت وہ معاہدہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جو آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے بنو خزاعہ کو لکھ کر دیا تھا۔ وہ معاہدہ یہ تھا:

«بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ، هٰذَا حِلْفُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ لِخُزَاعَةَ إِذْ قَدِمَ عَلَيْهِ سَرَاتُهُمْ وَأَهْلُ الرَّأْيِ، غَائِبُهُمْ مُقِرٌّ بِمَا قَضٰى عَلَيْهِ شَاهِدُهُمْ، إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ عُهُودَ اللّٰهِ وَعُقُودَهُ مَا لَا تُنْسٰى أَبَدًا، وَلَا شَيْءَ يَلَاهُ، الْيَدُ وَاحِدَةٌ وَالنَّصْرُ وَاحِدٌ مَا أَشْرَفَ ثَبِيرٌ، وَثَبَتَ حِرَاءٌ، وَمَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً، لَا يَزْدَادُ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِلَّا تَجَدُّدًا أَبَدَ الدَّهْرِ سَرْمَدًا»

”اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ میں آغاز کرتا ہوں۔ یہ عبدالمطلب بن ہاشم کا خزاعہ کے ساتھ معاہدہ ہے جب خزاعہ کے سردار اور سمجھدار لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے موجود لوگ بھی اس چیز کے اقراری ہیں جس پر ان کے یہاں حاضر لوگوں نے صلح کی ہے۔ بے شک ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کے عہد و پیمان ہیں جو کبھی نہیں بھول سکتے اور نہ کوئی دشمنی ان کے آڑے آ سکتی ہے۔ جب تک ثبیر پہاڑ روشن ہے، حرا اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور سمندر میں پانی کی ایک بوند بھی موجود ہے، اس وقت تک ہم یک جان و یک بازو رہیں گے۔ ہمارے اور تمھارے تعلقات میں ہمیشہ زمانہ بھر تجدید ہی ہوتی رہے گی۔“ [1]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ نبی کریم ﷺ کو پڑھ کر سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا أَعْرَفَنِي بِحِلْفِكُمْ، وَأَنْتُمْ عَلٰى مَا أَسْلَمْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحِلْفِ، وَكُلُّ حِلْفٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَا يَزِيدُهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ»

”مجھے تمھارے معاہدے کا علم نہیں۔ تم اپنے اسی معاہدے پر ہو جس پر تم نے اسلام قبول کیا ہے۔ جاہلیت میں ہونے والے ہر معاہدے کو اسلام مزید پختہ کر دیتا ہے۔ اب اسلام میں کسی معاہدے کی کوئی گنجائش نہیں۔“ [2]

صلح حدیبیہ کے بعد کے حالات

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے صلح کی دستاویز کو بڑی اہمیت دی۔ انھوں نے اپنے حلیف بنو خزاعہ سمیت دس

[1] المغازي للواقدي: 227/2. [2] المغازي للواقدي: 228/2.

سالہ عرصہ امن کو مشرکین اور ان کے حلیف بنوکنانہ کے ساتھ نہایت امن اور خیر سگالی کے جذبے سے بسر کرنے کا عزم کر لیا۔ مسلمانوں کے نزدیک بنوخزاعہ اور بنوبکر کا ایک دوسرے پر زیادتی کرنا اور صلح کو توڑنا اس معاہدے کی خلاف ورزی کے مترادف تھا جس کی وجہ سے یہ معاہدہ ختم ہو سکتا تھا، یعنی شرائط صلح کی صراحت کے مطابق معاہدۂ صلح کی کسی شرط کو اگر بنوبکر بن کنانہ توڑیں گے تو قریش اس کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ اور اگر بنوخزاعہ صلح کی کوئی شرط توڑیں گے تو مسلمان اس کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ چونکہ مکہ کی حرمت کے پیش نظر اس میں جنگ مسلمانوں پر بڑی شاق تھی، اس لیے مسلمان اور ان کے حلیف بنوخزاعہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس معاہدے کی لفظاً و معناً پوری طرح پابندی کر رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایفائے عہد، معاملات میں سچائی اور رواداری کے کفار و مشرکین بھی معترف تھے، وہ مسلمانوں کی رواداری اور عدل و انصاف کا ایک نمونہ حدیبیہ کے موقع پر بھی اس وقت دیکھ چکے تھے جب ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کیا گیا، پھر جب سیدنا ابوبصیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کفار کی طرف واپس بھیج دینے کا عہد بھی پورا فرمایا۔ آپ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قیام کی اجازت نہیں دی کیونکہ معاہدۂ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے پاس گیا تو اسے مشرکین کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا اور اگر کوئی مسلمان مشرکین کی طرف آ گیا تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا۔[1]

بنوکنانہ کی خیانت

مسلمانوں نے اپنے حلیف بنوخزاعہ کے ساتھ مل کر قریش مکہ سے کیا ہوا عہد ہر لحاظ سے پورا کیا لیکن قریش نے اس تاریخی عہد کا کوئی لحاظ نہ کیا، وہ بدترین خیانت کے مرتکب ہوئے۔ انھوں نے دھوکہ دیا اور اپنے حلیف بنوبکر سے مل کر اس صلح سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا، وہ یہ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے سے مطلع کر دیا جائے گا۔ یا بنوخزاعہ کے لوگ مسلمانوں کو دہائی دیں گے تو پھر مسلمان اپنے حلیفوں پر ظلم کا بدلہ لیں گے۔ وہ عاقبت نااندیشوں اور بزدلوں کی طرح اندھیرے میں وار کرنا چاہتے تھے اور اپنی پچھلی ساری ذلتوں کا حساب چکانا چاہتے تھے۔ بنوبکر صلح کے اس موقع پر بنوخزاعہ کو شکست دینا چاہتے تھے اور اپنی وہ خفت مٹانا چاہتے تھے جو دور جاہلیت میں انھیں بنوخزاعہ کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کی صورت میں اٹھانی پڑی تھی۔ بنوبکر اس تاک میں بیٹھے تھے کہ ہم کسی ایسے موقع پر بدلہ لیں جب ہمارا بالکل کوئی نقصان نہ ہو جبکہ بنوخزاعہ کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑے۔

[1] دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 139,138/8.

قریش مکہ کی عہد شکنی

بنوبکر کے نوفل بن معاویہ نے قریشی سرداروں کو آگاہ کیا کہ ہم بنوخزاعہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور اس صلح کے دور سے فائدہ اٹھا کر بنوخزاعہ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ صلح حدیبیہ کے بائیس ماہ بعد شعبان کے مہینے میں بنوبکر کی شاخ بنونفاثہ نے قریشیوں سے بات کی۔ بقول واقدی بنومدلج نے جو بنوکنانہ کی ایک شاخ ہے، معاہدہ توڑنے سے انکار کر دیا۔ بنوکنانہ اور بنوبکر کے سرکردہ رئیسوں نے قریش کے سرداروں سے التجا کی کہ وہ اپنے جنگجو اور اسلحہ فراہم کر کے ان کی مدد کریں تاکہ وہ بنوخزاعہ سے انتقام لے سکیں۔ انھوں نے قریش کے سامنے بنوخزاعہ کے ہاتھوں مارے جانے والے لوگوں کا تذکرہ کیا، انھیں اپنی قرابت داری کا واسطہ دیا اور ان پر یہ احسان بھی جتایا کہ انھوں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر تم لوگوں سے دوستی کا معاہدہ کیا ہے جبکہ ان کے مخالفین بنوخزاعہ مسلمانوں کے ساتھی ہیں۔ بنوکنانہ نے قریش سے انتہائی دلگیر لہجے میں مدد طلب کی۔ چنانچہ قریش نے بنوکنانہ کی بات مان لی۔ ان کی مدد کی ہامی بھرنے والوں میں قریش کے نامور لوگ شامل تھے۔ ایک قول کے مطابق ابوسفیان سے اس معاملے پر مشورہ کیا گیا تو اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ابوسفیان کو اس معاملے سے قطعی لاعلم رکھا گیا حتی کہ اس سے کوئی مشورہ بھی نہیں کیا گیا۔[1]

قریشی جنگجوؤں کی شمولیت اور مدد

قریش کی حمایت کے بعد ان میں سے جن لوگوں نے معاہدہ حدیبیہ توڑنے میں بنوبکر کا ساتھ دیا اور پھر الوتیر نامی چشمے پر بنوخزاعہ پر حملے کی غرض سے اپنے ہتھیاروں، غلاموں اور جانوروں کے ساتھ چلے آئے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، مکرز بن حفص، حویطب بن عبدالعزی اور شیبہ بن عثمان۔ یہ سب اپنے چہروں پر نقاب ڈالے اور عجیب قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے تاکہ انھیں کوئی پہچان نہ سکے۔ سہیل بن عمرو بھی ان کے ساتھ ملا ہوا تھا جو صلح حدیبیہ کے وقت صلح کی تکمیل میں قریش کی طرف سے نہایت مؤثر حیثیت سے شامل ہوا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مشرکین کے نزدیک اس معاہدے کی حیثیت کیا تھی اور وہ اپنے معاہدوں اور وعدوں کا کتنا پاس اور لحاظ رکھتے تھے۔

قریش اور بنوبکر زور و شور سے بنوخزاعہ پر حملے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ جبکہ بنوخزاعہ بے خوف و خطر اپنے معمولات میں مصروف تھے۔ انھیں یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ قریش اور بنوبکر درپردہ معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

[1] المغازي للواقدي: 2/229،228.

قریش اور بنو بکر کا بنو خزاعہ پر حملہ

قریش نے حملہ کرنے کے لیے الوتیر اور اس کے قریبی مقامات پر مورچے بنا لیے۔ بنو بکر کا سردار نوفل بن معاویہ نفاثی تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے خزاعہ پر شب خون مارا۔

بنو خزاعہ بالکل نہتے تھے۔ وہ بے خبری کے عالم میں تھے کہ قریش اور بنو بکر کے ناگہانی حملوں کی زد میں آ گئے۔ حملہ آوروں نے ان کو حرم کی حدود تک دھکیل دیا۔ بنو بکر سے بچنے کے لیے بنو خزاعہ حرم میں پناہ گزین ہوئے جہاں جنگ جائز نہیں تھی۔ حرم کی تعظیم اور تکریم سب پر یکساں فرض تھی۔ بنو خزاعہ حرم کی حدود کی طرف اس لیے لپکے کہ بنو بکر خونریزی سے باز آ جائیں۔ ان حملہ آوروں میں سے کچھ لوگوں نے نوفل سے کہا: یا نوفل! إلهك، إلهك قد دخلت الحرم ''اے نوفل! اب تو تم حرم میں داخل ہو گئے ہو، تمھیں تمھارے رب کا واسطہ!'' نوفل نے یہ صدا ان سنی کر دی اور انتہائی رعونت سے یہ کفریہ کلمات کہے:

لا إله لي اليوم يا بني بكر! لقد كنتم تسرقون الحاج، أفلا تدركون ثأركم من عدوكم؟ لا يأتين أحدكم امرأته حتى يستأذنني، لا يؤخر أحد منكم اليوم بعد يومه هذا من ثأره

''آج میرا کوئی خدا نہیں ہے۔ اے بنو بکر! تم تو حرم میں لوگوں کا مال چرا لیا کرتے تھے، تو کیا اب تم اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لے سکتے؟ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک اپنی بیوی کے پاس نہ جائے جب تک مجھ سے اجازت نہ لے لے۔ تم میں سے کوئی شخص آج کے دن اپنا انتقام مؤخر نہ کرے۔''

بنو بکر بنو خزاعہ کے نہتے لوگوں پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ بنو خزاعہ نے بدیل بن ورقاء خزاعی اور خزاعہ کے آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں طلوع فجر کے وقت پناہ لی۔ قریشیوں میں سے جو لوگ بنو بکر کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے تھے، وہ بھی اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں جا گھسے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ انھیں کسی نے نہیں پہچانا اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی اطلاع نہیں مل سکے گی۔ جب صبح کا اجالا پھیلا تو لوگوں نے دیکھا کہ بدیل کے گھر کے باہر خزاعہ کے لوگوں کی لاشیں بکھری پڑی ہوئی ہیں۔ اس حملے کے نتیجے میں خزاعہ کے بیس افراد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

قریش کا پچھتاوا

قریش کے لوگ تو اسلام دشمنی میں پہلے ہی اندھے تھے لیکن جب انھوں نے یہ خونریزی کر کے صلح کے معاہدے

کی پامالی کی تو اب وہ بہت پچھتانے اور اس خونی اقدام کے انجام سے خوف زدہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ ہم نے بنوبکر کے ساتھ مل کر جس جرم کا ارتکاب کیا ہے، یہ صلح حدیبیہ کو توڑنے کا عمل ہے، چنانچہ دوراندیش لوگوں نے ان کو ملامت کی۔ حارث بن ہشام اور ابن ابی ربیعہ دونوں مل کر صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کے پاس گئے اور انھیں بنوبکر کی مدد کرنے پر شدید ملامت کی اور یہ باور کرایا کہ تم نے ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان معاہدے کو توڑنے والا کام کیا ہے۔

سہیل بن عمرو وغیرہ اس بات سے متاثر ہوئے اور نوفل بن معاویہ کے پاس گئے اور اسے خزاعیوں کے قتل سے روکتے ہوئے کہنے لگے: ہم نے تیرے اور تیرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جو آفت ڈھائی ہے، تو اسے بخوبی جانتا ہے اور بذات خود تو نے بھی جو کچھ کر دیا ہے، تو اس سے باخبر ہے۔ اب تو ان کے باقی ماندہ لوگوں کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ ہم تیرے اس اقدام کے خلاف ہیں۔ اب تو ان کو ہلاک کرنے سے باز آ جا۔ نوفل نے ان کی بات مان لی اور بنوخزاعہ کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو حادثے کی خبر

وتیر کے چشمے پر بنوخزاعہ پر جو آفت آئی تھی، اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صبح اٹھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا:

«يَا عَائِشَةُ! لَقَدْ حَدَثَ فِي خُزَاعَةَ أَمْرٌ»

''اے عائشہ! رات خزاعہ پر بڑا ظلم ہوا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! کیا قریش میں اتنی جرأت ہے کہ وہ اس عہد کو توڑ ڈالیں جو آپ کے اور ان کے درمیان ہے جبکہ انھیں پہلے ہی جنگوں نے فنا کر رکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَقَضُوا الْعَهْدَ لِأَمْرٍ يُرِيدُهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِهِمْ»

''انھوں نے اللہ کی حکمت کے مطابق وعدہ توڑا ہے۔''

سیدہ عرض کرنے لگیں: کیا اس میں کوئی بھلائی ہوگی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اس میں بھلائی ہے۔''[2]

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ام المومنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں رات بسر فرمائی۔ آپ نماز کے لیے وضو کرنے کی غرض سے اٹھے۔ میں نے آپ ﷺ کو وضو کے دوران

[1] المغازي للواقدي 2/230،229، سبل الهدى والرشاد 5/201 [2] المغازي للواقدي 2/232، سبل الهدى والرشاد 5/201، 202.

یہ کہتے ہوئے سنا: «لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ»

''میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تمھاری مدد کی گئی، تمھاری مدد کی گئی، تمھاری مدد کی گئی۔''

یوں لگا گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے، میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی آپ کے ساتھ تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

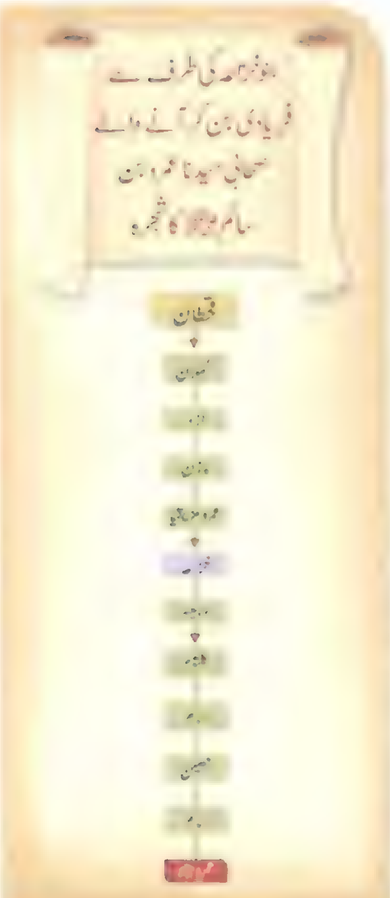
«هٰذا الرَّاجِزُ مِنْ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي، وَيَزْعُمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ»

''یہ بنوکعب کا رجز خوان تھا۔ وہ مجھ سے فریاد کر رہا تھا کہ قریش نے بکر بن وائل کی مدد کی ہے اور ہم پر حملہ کر دیا ہے۔''

سیدہ فرماتی ہیں: ہم نے تین دن گزارے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو میں نے ایک رجز خوان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا رَبِّ! إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا
حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا

''اے پروردگار! میں محمد (ﷺ) کو اپنے باپ دادا اور ان کے اسلاف کا پرانا معاہدہ یاد دلاتا ہوں۔''[1]



عمرو بن سالم خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ جب بنوبکر نے قریشیوں کے ساتھ مل کر ان پر قیامت برپا کی تو بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس افراد کی معیت میں مدینہ روانہ ہوا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس ظلم و ستم کی روداد بیان کرے اور حملہ آوروں کے پس پشت قریش کی مذموم کمک کی تفصیلات بتائے۔ بنوخزاعہ کا یہ وفد جب مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام ؓ کی جماعت بھی وہاں موجود تھی۔ عمرو بن سالم نے رسول اللہ ﷺ کو اس

[1] المعجم الصغير للطبراني، ص: 348,347، سبل الهدى والرشاد: 202/5.

الم انگیز سانحے کی خبر دی اور اس واقعے کی تفصیلات بھی بتائیں۔ جن قریشی زعماء نے ان کے خلاف ہتھیار اٹھا کر غارتگری میں شرکت کی، ان کے ناموں سے بھی آگاہ کیا۔ اس موقع پر عمرو بن سالم نے یہ اشعار پڑھے:

يَا رَبِّ! إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا — حِلْفَ أَبِينَا وَ أَبِيهِ الْأَتْلَدَا

''اے پروردگار! میں محمد (ﷺ) کو ان کے اور اپنے آباء واجداد کا قدیم معاہدہ یاد دلاتا ہوں۔''

قد كنتم ولدا وكنا والدا — ثمت أسلمنا فلم ننزع يدا

''تم لوگ ہماری نسل ہو اور ہم تمھیں جننے والے تھے،[1] پھر ہم نے اطاعت اختیار کی اور اس سے کبھی دست کش نہ ہوئے۔''

فانصر هداك الله نصرا أعتدا — وادع عباد الله يأتوا مددا

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے، ہماری بھرپور مدد کیجیے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیے تاکہ وہ (ہماری) نصرت و کمک کے لیے حاضر ہوں۔''

فيهم رسول الله قد تجردا — إن سيم خسفا وجهه تربدا

''ان میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ بھی ہتھیار پوش۔ اگر آپ پر زیادتی یا آپ کی توہین کی جائے تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔''

في فيلق كالبحر يجري مزبدا — إن قريشا أخلفوك الموعدا

''آپ ایک ایسے عظیم لشکر میں تشریف لائیے جو جھاگ اچھالتے سمندر کی طرح متلاطم ہو، یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے۔''

ونقضوا ميثاقك المؤكدا — وجعلوا لي في كداء رصدا

''انھوں نے آپ کے انتہائی پختہ عہد و پیمان کو توڑا ہے اور میرے لیے لوگوں کو مقام کداء میں گھات میں بٹھایا ہے۔''

وَزَعَمُوا أَنْ لَسْتُ أَدْعُو أَحَدَا — وَهُمْ أَذَلُّ وَ أَقَلُّ عَدَدَا

''اور انھوں نے سمجھا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا اور خود ان کا حال یہ ہے کہ وہ نہایت ذلیل اور تعداد میں

[1] قصی کی بیوی اور عبد مناف کی والدہ حُبّی بنت حُلَیل خزاعہ قبیلے سے تھیں۔

بہت کم ہیں۔"

هُمْ بَيَّتُونَا بِالْوَتِيرِ هُجَّدًا وَقَتَّلُونَا رُكَّعًا وَسُجَّدًا

"انھوں نے ہم پر "وتیر" میں شبخون مارا اور ہمیں بحالت رکوع و سجود قتل کیا۔"

رسول اللہ ﷺ کی بنوخزاعہ کو مدد کی یقین دہانی

عمرو بن سالم کے یہ درد بھرے اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نُصِرْتَ يَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ!»

"اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی جائے گی۔"

پھر آسمان سے ایک بادل نمودار ہوا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ السَّحَابَةَ لَتَسْتَهِلُّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ»

"یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت و خوشخبری سے جھلملا رہا ہے۔"[1]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنوخزاعہ پر ظلم و ستم کی سرگزشت سنی تو آپ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے غصے کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

«لَا نُصِرْتُ إِنْ لَمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ مِمَّا أَنْصُرُ مِنْهُ نَفْسِي»

"اگر میں بنوکعب (خزاعہ) کی اتنی مدد نہ کروں جتنی میں خود اپنی مدد کر سکتا ہوں تو میری مدد بھی نہ ہو۔"[2]

دوسری جگہ پر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَمْنَعَنَّهُمْ مِمَّا أَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسِي وَأَهْلَ بَيْتِي»

"اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان کا ہر اس چیز سے دفاع کروں گا جس سے میں اپنا اور اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں۔"[3]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خزاعہ کو یقین دلایا کہ آپ ان کا حق ان کے دشمنوں سے ضرور لیں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بنوکعب کے معاملے میں اس قدر غصے میں آئے کہ میں نے

[1] السیرة لابن ہشام 4/36،37، السنن الکبرٰی للبیہقی 9/233،234، دلائل النبوة للبیہقی 5/6،7، البدایة والنہایة 4/277،278، سبل الہدٰی والرشاد 5/202،203 [2] المعجم الصغیر للطبرانی 2/234 [3] المصنف لعبد الرزاق 5/374

آپ کو اتنے شدید غصے میں کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے گھر میں داخل ہو کر پانی طلب فرمایا۔ آپ ﷺ غصے کی حالت میں پانی اپنے اوپر ڈال رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

«لَا نَصَرَنِيَ اللّٰهُ إِنْ لَّمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ»

''اگر میں بنو کعب یعنی خزاعہ کی مدد نہ کروں تو اللہ تعالیٰ بھی میری مدد نہ کرے۔''[1]

جنگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بصیرت افروز تجاویز

صلح حدیبیہ کا معاہدہ کرنے والے قریش نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جس میں دس سال تک جنگ بندی کا عہد کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو پورا حق حاصل تھا کہ آپ ﷺ قریش کی طرف سے اس سفاکانہ خلاف ورزی کی پاداش میں قریش پر چڑھائی کر دیں لیکن آپ ﷺ امن و سلامتی کے داعی تھے۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمیشہ بھلائی اور خیر خواہی کا سلوک کیا۔ آپ ﷺ قریشیوں کو ہمیشہ ہر لحاظ سے چھوٹ دیتے رہے۔ اب بھی آپ ﷺ ان سے امن اور مروت ہی کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے بشرطیکہ وہ اپنی سنگین عہد شکنی اور ظلم و ستم کا مناسب طور پر مداوا کریں۔ آپ ﷺ نے بنوخزاعہ سے پوچھا: «مَنْ تَظُنُّونَ وَتَتَّهِمُونَ؟» ''تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے تمھارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے؟'' وہ کہنے لگے: بنوبکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كُلُّهَا؟» ''کیا بنوبکر کے تمام لوگ؟'' بنوخزاعہ نے کہا: نہیں، ان میں سے بنونفاثہ ہیں جن کی قیادت نوفل بن معاویہ النفاثی کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا بَطْنٌ مِّنْ بَنِي بَكْرٍ وَأَنَا بَاعِثٌ إِلٰى أَهْلِ مَكَّةَ فَسَائِلُهُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ وَمُخَيِّرُهُمْ فِي خِصَالٍ»

''یہ بنوبکر کا ایک خاندان ہے۔ میں مکہ والوں کی طرف تحقیقات کے لیے ایک شخص بھیجتا ہوں، وہ اس معاملے کی چھان پھٹک کرے گا اور پھر انھیں اس کے حل کے لیے کچھ باتوں کا اختیار دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے کے لیے سیدنا ضمرہ رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ فرمایا تاکہ وہ انھیں اس مسئلے کے حل کے لیے یہ اختیار دیں کہ وہ تین چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں:

1. بنوخزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔
2. بنونفاثہ سے اپنا معاہدہ حلف ختم کر دیں۔
3. ورنہ پھر آپ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔[2]

---

1 السنن الکبریٰ للبیہقی: 343/7، المغازی للواقدی: 234/2۔ 2 المغازی للواقدی: 233/2

یہ انتہائی معقول اور مناسب تجاویز تھیں جن کے تحت انھیں ایک مرتبہ پھر یہ موقع دیا گیا کہ وہ امن و سلامتی کی راہ اختیار کریں۔ آپ ﷺ نے انتہائی اشتعال انگیز حالات میں بھی صلح حدیبیہ کو قائم رکھنے کی کوشش فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کا بنوخزاعہ کو مشورہ

ادھر بنوخزاعہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو ساری باتیں بتا دیں تو آپ نے ان سے فرمایا:

"اِرْجِعُوا وَتَفَرَّقُوا فِي الْأَوْدِيَةِ"

"واپس جاؤ اور وادیوں میں پھیل جاؤ۔"

آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا تھا کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ آپ سے ملاقات کر کے آ رہے ہیں۔ چنانچہ بنوخزاعہ واپس چل دیے اور پھیل گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ راستے میں ساحل سمندر کی طرف ہو لیے اور بدیل بن ورقاء سمیت بعض لوگ عام رستے سے گئے۔[1]

قریش کی حماقت

سیدنا ضمرہ رضی اللہ عنہ سفیر نبوی کی حیثیت سے مکہ پہنچے اور رؤسائے مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے خدشات و خیالات سے آگاہ کیا اور انھیں آپ ﷺ کی تین تجاویز سے مطلع کیا کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں یا بنونفاثہ کے حلف سے ہاتھ کھینچ لیں یا معاہدہ ختم کر دیں۔

یہ تجاویز سننے کے بعد رؤسائے قریش باہم مشورہ کرنے لگے، چنانچہ ان میں سے قرطہ بن عبد عمرو اعجمی کہنے لگا: اگر ہم خزاعہ کے مقتولوں کی دیت دیں گے تو نفاثہ ایک ایسی قوم ہے جو نہایت بدخلق ہے، ہم ان کی طرف سے دیت دیں گے تو ہمارے پاس اناج رہے گا نہ مویشی رہیں گے۔ اور اگر ہم بنونفاثہ سے دوستی ختم کر دیں تو یہ بھی ہمارے لیے ناقابل قبول ہے کیونکہ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو بنونفاثہ سے زیادہ بیت اللہ کے حجاج کی تعظیم کرتا ہو۔ وہ ہمارے حلیف ہیں، البتہ ہمیں تیسری تجویز منظور ہے کہ ہم صلح حدیبیہ کا معاہدہ ختم کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ باتیں سن کر ضمرہ رضی اللہ عنہ مدینہ واپس چلے گئے۔ بعد ازاں قریش کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔[2]

رؤسائے مکہ کی پریشانی اور ہند کا خون آویز خواب

حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ابوسفیان کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوسفیان! اس واقعے کی

[1] المغازي للواقدي 2/235,234. [2] المغازي للواقدي: 2/231.

وجہ سے جو کچھ ہو چکا ہے، اب اس کا مداوا ہونا چاہیے۔ اگر مداوا نہ ہوا تو محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں سمیت تم پر حملہ کریں گے۔ ابوسفیان کہنے لگا: رات کو ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے جو اسے انتہائی ناگوار اور پریشان کن لگا ہے۔ میں بھی اس خواب کی برائی سے خوفزدہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: اس نے خون دیکھا ہے جو حجون کی جانب سے چلا آرہا ہے اور خندمہ پہنچ کر کچھ دیر ٹھہرا ہے، پھر غائب ہو گیا ہے۔ لوگوں نے اس خواب کو ناپسند کیا اور کہنے لگے: یہ تو شر ہے۔

ابوسفیان کا منت سماجت کے لیے مدینہ کا سفر

ابوسفیان نے جب ان حالات پر غور کیا تو وہ بول اٹھا کہ اب جو معاملہ رونما ہو چکا ہے، اللہ کی قسم! نہ تو میں اس میں شریک ہوا، نہ میں اس سے راہ فرار اختیار کر سکتا ہوں۔ اس کی ذمہ داری میرے ہی کندھوں پر آنی ہے۔ اس





بارے میں نہ تو مجھ سے کچھ پوچھا گیا، نہ میں نے اسے پسند کیا۔ اللہ کی قسم! اگر میرا گمان درست ہے تو محمد (ﷺ) یقیناً ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ اب اس سے پہلے کہ محمد (ﷺ) تک اس معاملے کی خبر پہنچے، مجھ پر لازم ہے کہ میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں اور ان سے معاہدے کی تجدید اور صلح کی مدت میں اضافے کی درخواست کروں۔

قریش کہنے لگے: اللہ کی قسم! واقعی یہ بہترین رائے ہے۔ انھیں خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کرنے کے باعث یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اب نبی ﷺ ہمیں چڑھائی کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ہمراہ دو سواریوں پر مدینہ روانہ ہوا اور برق رفتاری سے منزلیں طے کرنے لگا۔ اس کی تمنا یہ تھی کہ اس سے پہلے کہ کوئی شخص سیدنا محمد ﷺ سے ملاقات کرے، وہ آپ کی خدمت میں پہنچ جائے اور آپ سے معاہدے کی تجدید اور مدت میں اضافے کا عہد لے لے۔[1]

1 المغازي للواقدي: 231,230/2.

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرما دیا

جب اہل مکہ انتہائی پریشانی اور خوف کے عالم میں ابوسفیان سے گفت و شنید کر رہے تھے، عین اس وقت دوسری جانب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کے مباحثے اور مشاورت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

«كأنكم بأبي سفيان قد جاءكم ليشد العقد ويزيد في المدة»

''یقیناً ابوسفیان تمھارے پاس آ رہا ہے تاکہ معاہدے کو پختہ کرے اور مدت معاہدہ بڑھائے۔''

ابوسفیان کی بدیل سے سرراہے ملاقات

ادھر ابوسفیان مکہ سے چلا تو راستے میں عسفان کے مقام پر اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے ہوئی۔ نبی ﷺ نے بنوخزاعہ سے کہا تھا کہ بکھر بکھر کر وادیوں میں چلنا۔ یہاں بدیل سے ملاقات ہوئی تو ابوسفیان کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں یہ نبی ﷺ سے ملاقات کر کے تو نہیں آ رہا اور اس نے محمد (ﷺ) کو سارا قصہ سنا دیا ہو؟ چنانچہ اپنی تسلی کے لیے ابوسفیان نے پوچھا: اے بدیل! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ وہ بولا: میں ساحل کے اس پار وادیوں میں خزاعہ کے کچھ لوگوں کے پاس گیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تم محمد سے ملاقات کر کے نہیں آ رہے؟ بدیل نے جواب دیا: نہیں۔ پھر جب بدیل وہاں سے چل دیا تو ابوسفیان کہنے لگا کہ یہ شخص اصل بات چھپا رہا ہے، پھر وہ اونٹوں کی مینگنیوں کے پاس آیا، ایک مینگنی اٹھائی، اسے پھاڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلیوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ ابوسفیان نے قسم کھا کر کہا: بدیل محمد (ﷺ) سے مل کر آ رہا ہے۔[1]

ابوسفیان اپنی عالی مقام بیٹی کے گھر پر

ابوسفیان مدینہ پہنچا اور سیدھا اپنی بیٹی ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ مبارک میں آپ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان بستر پر بیٹھنے کے لیے آگے بڑھا تو ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تیزی سے آگے لپکیں اور رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک کو اٹھا کر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا:

«يا بنية! ما أدري أرغبت بي عن هذا الفراش أم رغبت به عني؟»

''اے میری بیٹی! معلوم نہیں، تم نے مجھے اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا یا یہ بستر اس لائق نہیں کہ میں

---

1 السيرة لابن هشام: 4/37، 38.

اس پر بیٹھوں؟''

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر اپنے باپ کو جو ایمان افروز جواب دیا، اسے تاریخ کے اوراق نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔ سیدہ نے اپنے والد سے بے دھڑک فرمایا:

بَلْ هُوَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَنْتَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ نَجَسٌ، وَلَمْ أُحِبَّ أَنْ تَجْلِسَ عَلَى فِرَاشِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

''میں نے یہ بستر اس لیے لپیٹا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا پاکیزہ بستر ہے جبکہ آپ مشرک اور ناپاک آدمی ہیں۔ مجھے گوارا نہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے مقدس بستر پر بیٹھیں۔''[1]

ابوسفیان یہ غیر متوقع لگا سا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے بڑے افسوس سے کہا: اے میری بیٹی! مجھ سے جدا ہونے کے بعد تو نے شر پایا ہے۔ سیدہ نے جواب دیا: جی نہیں! اللہ نے مجھے دین اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے۔ اے والد بزرگوار! آپ تو قریش کے سردار ہیں۔ آخر آپ کو اسلام میں داخل ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ افسوس! آپ ایسے خداؤں کی پوجا کرتے ہیں جو محض مٹی کا تودہ ہیں۔ یہ نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا: میری بیٹی! یہ کتنی حیرتناک بات ہے کہ تم بھی مجھے کوس رہی ہو۔ کیا میں اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دوں اور دین محمد (ﷺ) اختیار کر لوں؟!

ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے حضور

ابوسفیان اپنی بیٹی کے گھر سے بہت مایوس ہو کر نکلا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! عہد پکا کر لیجیے اور مدت میں اضافہ فرما دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلِذٰلِكَ قَدِمْتَ! هَلْ كَانَ مِنْ حَدَثٍ قِبَلَكُمْ؟»

''اچھا! تو تم اس معاملے کے لیے آئے ہو؟ کیا تمھاری طرف سے اس معاملے کی کوئی خلاف ورزی ہوئی ہے؟''

ابوسفیان نے کہا:

مَعَاذَ اللّٰهِ! نَحْنُ عَلَى عَهْدِنَا وَصُلْحِنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ لَا نُغَيِّرُ وَلَا نُبَدِّلُ

''اللہ کی پناہ! ہم تو صلح حدیبیہ کے عہد پر قائم ہیں، ہم اسے بدلتے ہیں نہ اس سے کوئی گریز و فرار چاہتے ہیں۔''

[1] البداية والنهاية: 146/4، المغازي للواقدي: 236،235/2.

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی یہ بات سن کر اپنا چہرۂ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سفارش کی جستجو

جب ابوسفیان کو رسول اللہ ﷺ سے مایوسی ہوئی تو وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے سفارش کرنے کی درخواست کرنے لگا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو ٹکا سا جواب دے دیا اور کہا: میری پناہ اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ کے تابع ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میں چیونٹیوں کو بھی تم سے برسرِ پیکار پاؤں تو تمھارے خلاف ان کی ضرور مدد کروں۔

پھر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہنے لگا: اے عمر! رسول اللہ ﷺ سے معاہدے کی تجدید اور مدت بڑھانے کی سفارش کر دو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ارے احمق! کیا میں تمھاری سفارش کروں؟ اللہ کی قسم! اگر میں چیونٹی کو بھی تم سے لڑتے دیکھوں گا تو میں اس کے ساتھ مل کر تمھارے خلاف جہاد کروں گا۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا كَانَ مِنْ حِلْفِنَا جَدِيدًا فَأَخْلَقَهُ اللّٰهُ، وَمَا كَانَ مِنْهُ مُثْبَتًا فَقَطَعَهُ اللّٰهُ، وَمَا كَانَ مِنْهُ مَقْطُوعًا فَلَا وَصَلَهُ اللّٰهُ.

”ہمارا جو معاہدہ نیا ہو تو اللہ اسے پرانا کر دے، جو برقرار ہو، اللہ اسے توڑ دے اور جو ٹوٹ چکا ہو، اللہ اسے دوبارہ نہ جوڑے۔“

یہ بات سن کر ابوسفیان کہنے لگا: تمھیں اس قطع رحمی کی سزا ملے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پناہ کی درخواست

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مایوس ہو کر ابوسفیان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور انھیں مخاطب کر کے کہنے لگا: لوگوں میں رشتے کے لحاظ سے کوئی شخص آپ سے بڑھ کر میرا اقربی عزیز نہیں۔ آپ کے صاحب آپ کی بات بھی رد نہیں کریں گے۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی شخص کو اپنے کسی ساتھی کی اتنی عزت کرتے نہیں دیکھا جتنی خود محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کی کرتے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جِوَارِي فِي جِوَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ”میری پناہ اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ کے تابع ہے۔“

ابوسفیان کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کرنا

ابوسفیان جب کبار مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی مدد کے لیے راضی نہ کر سکا تو وہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس معاملے پر راضی کرنے کی غرض سے ان کے پاس گیا کہ شاید وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دیں۔

ابوسفیان نے سعد بن عبادہ ؓ سے کہا: اے ابو ثابت! میرے اور آپ کے مابین جو تعلقات ہیں، آپ انھیں جانتے ہیں۔ میں حرم میں آپ کا میزبان تھا اور ادھر یثرب میں آپ میرے لیے اسی طرح ہیں۔ آپ اس شہر کے سردار ہیں۔ آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو جائیے، میرے لیے پناہ کا اعلان کیجیے اور معاہدہ حدیبیہ کی مدت میں اضافے کے لیے میری مدد فرمائیے۔ یہ سن کر سیدنا سعد ؓ نے فرمایا: اے ابوسفیان! میری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں ہے۔ تمھیں کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔

سیدنا علی و فاطمہ ؓ سے پناہ کی درخواست

یہاں سے ناامید ہو کر اب ابوسفیان سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں سیدہ فاطمہ ؓ بنت رسول اللہ ﷺ بھی موجود تھیں۔ اس وقت حسن ؓ بہت چھوٹے تھے، سیدہ کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان کہنے لگا: اے علی! تم ہماری قوم سے بڑھ کر میرے قریبی عزیز ہو۔ میں ایک ضرورت کے پیش نظر آیا ہوں، میری ضرورت پوری کر دو۔ میں بہت ذلیل ہوتا ہوا آرہا ہوں۔ مجھے محروم نہ لوٹانا۔ بس میرا اتنا کام ہے کہ محمد (ﷺ) کی خدمت میں میری سفارش کر دو۔ سیدنا علی ؓ فرمانے لگے: اے ابوسفیان! تمھاری بلاکت ہو، جس بات کا رسول اللہ ﷺ عزم کر لیں، بھلا میری کیا مجال کہ میں اس پر ان سے بات کر سکوں۔ ابوسفیان نے یہ کورا جواب پایا تو سیدہ فاطمہ ؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اے محمد (ﷺ) کی بیٹی! کیا تم اپنے اس بچے کو حکم دے سکتی ہو کہ یہ لوگوں کے مابین مجھے پناہ دے تاکہ یہ قیامت تک عرب کا سردار ہو جائے؟ سیدہ ؓ نے فرمایا: ابھی میرا بیٹا لوگوں کے مابین پناہ دینے کی عمر کو نہیں پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو امان نہیں دے سکتا۔

اب ابوسفیان سیدنا علی ؓ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: اے ابوالحسن! مجھ پر معاملات سخت ہو گئے ہیں، لہٰذا مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ سیدنا علی ؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تیرے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جو تیرے کچھ کام آسکے لیکن تو بنو کنانہ کا سردار ہے۔ تو اٹھ کر لوگوں کے درمیان پناہ حاصل کر لے، پھر اپنے علاقے میں واپس چلا جا۔ ابوسفیان نے پوچھا: کیا یہ بات میرے لیے سودمند ثابت ہوگی؟ سیدنا علی ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میرے خیال میں تو نہیں، البتہ اس کے علاوہ میں تیرے لیے کوئی اور راہ نہیں پاتا۔ اس کے بعد ابوسفیان اٹھا اور لوگوں کے درمیان مسجد میں جا کر اس نے بلند آواز سے پکار لگائی: لوگو سنو! میں نے لوگوں کے درمیان پناہ لے لی ہے اور اللہ کی قسم! مجھے گمان نہیں کہ کوئی مجھ سے بدعہدی کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا:

«أَنْتَ تَقُولُ ذَالِكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ!»

”اے ابوسفیان! تم یہ بات کر رہے ہو؟“ [1]

ابوسفیان کی یہ ایک ناکام کوشش تھی۔ وہ جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی ایک بدلی کی طرف اشارہ کر کے فرما دیا تھا:

«إنّ هذه السحابة لتستهل بنصر بني كعب»

”یہ بادل بنوکعب (بنوخزاعہ) کی مدد کی بشارت سے چمک رہا ہے۔“

ابوسفیان کامیاب نہ ہو سکا

ابوسفیان مدینہ پہنچ کر جو مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ اس کے حصول میں ناکام رہا۔ وہ رئیس مکہ تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مطلق کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے صلح پر قائم رہنے کی التجا کرتا رہا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارش بہم پہنچانے کے لیے اجل صحابہ کے دروازے کھٹکھٹاتا رہا لیکن اسے کسی نے بھی گھاس نہیں ڈالی۔ کیا مہاجر اور کیا انصار، سب کے سب صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار تھے۔ جب خود رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو صاف انکار کی شکل میں جواب دے دیا تو پھر بڑے بڑے اجل صحابہ بھی اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ ہی کے موقف کے پابند رہے۔ کسی نے ابوسفیان کی سفارش نہیں کی، یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً بتا دیا کہ ہمارا ہر قول وفعل صرف رسول اللہ ﷺ کی ہدایات وارشادات کے تابع ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کی کارستانیوں سے آگاہ فرما چکے تھے اور بدیل نے قریش کی دغا بازی، معاہدہ شکنی اور غارتگری کے خلاف جو دہائی دی تھی، اس کے پیش نظر تمام صحابہ قریش کے کرتوتوں سے پوری طرح باخبر ہو چکے تھے۔ انھوں نے ان حالات کا ابوسفیان سے کوئی تذکرہ ہی نہیں چھیڑا اور اسے یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ تمھارے سارے کرتوت خوب جانتے ہیں۔ سب نے اجتماعی شان سے بتا دیا کہ قول فیصل کا اختیار صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ ہم آپ ﷺ کے موقف سے ہٹ کر کچھ نہیں کر سکتے، چاہے تم کتنی ہی منت سماجت کر لو۔ اب تمھارا دجل وفریب ہرگز نہیں چلے گا۔ اس منظر نامے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام فرد اور معاشرے کی کتنی عمدہ تربیت کرتا ہے اور کتنا منظم ومکرم معاشرہ قائم کرتا ہے جہاں ہر فرد اپنے رہبر اعظم ﷺ کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

[1] المغازي للواقدي 2/235-237، السيرة لابن هشام 4/38، 39، دلائل النبوة للبيهقي 6/10، 11، سبل الهدى والرشاد 5/206، 207

ابوسفیان کی مکہ واپسی اور ناکامی کی روداد

ابوسفیان اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔ اسے کچھ روز مدینہ ہی میں ٹھہرنا پڑا۔ جب اسے واپس مکہ پہنچنے میں توقع سے زیادہ دیر ہوئی تو قریش نے اسے الزام دینا شروع کر دیا کہ ابوسفیان مرتد ہوگیا ہے۔ اس نے چھپ کر محمد ﷺ کی بیعت کر لی ہے اور اب وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے ہے۔

ابوسفیان مکہ واپس آیا، رات کو گھر گیا، بیوی نے پوچھا تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟ اب تمھاری قوم کہہ رہی ہے کہ تم مرتد ہو چکے ہو۔ اگر اتنا عرصہ وہاں رہنے کے بعد تم کامیابی حاصل کر لیتے تو پھر تم نہایت صحتمند اور توانا نظر آتے۔ بعدازاں ہند نے ابوسفیان سے مدینہ کی سرگزشت سنی تو کہنے لگی: تم اپنی قوم کے بدترین قاصد ہو۔ تم نے بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔

جب رات بیت گئی اور صبح ہوئی تو ابوسفیان اپنے گھر سے نکلا، سیدھا اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس پہنچا۔ وہاں اپنا سر منڈایا، ایک جانور کی قربانی دی، اس کے خون سے ان بتوں کے سر رنگین کیے اور پھر یہ اعلان کیا: لَا أُفَارِقُ عِبَادَتَكُمَا حَتّٰى أَمُوتَ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ أَبِي ''(اے اساف و نائلہ!) میں تمھاری عبادت سے کبھی دستبردار نہ ہوں گا یہاں تک کہ میں بھی اسی نہج پر مروں گا جس پر میرا باپ مرا تھا۔'' اس اعلان سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس پر مرتد ہونے کا جو الزام لگا ہے، وہ غلط ہے۔ اہل مکہ ابوسفیان کی واپسی پر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تم کون سا معرکہ سرانجام دے کر آئے ہو؟ کیا نبی (ﷺ) نے تمھیں کوئی عہد و پیمان دیا ہے؟ کیا معاہدے کی مدت میں توسیع ہوئی ہے؟ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم سے جنگ کریں گے۔

ابوسفیان کہنے لگا: اللہ کی قسم! انھوں نے مجھے مسترد کر دیا۔ میں نے محمد (ﷺ) سے بات کی لیکن انھوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ پھر میں ان کے بہترین ساتھیوں کے پاس گیا لیکن ان سب نے مجھے یہی جواب دیا، میری پناہ رسول اللہ ﷺ ہی کی پناہ کے تابع ہے۔

البتہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تو کنانہ کا سردار ہے، لہٰذا تو تمام لوگوں کے درمیان پناہ لینے کی التجا کر۔ چنانچہ میں لوگوں کے پاس گیا اور پناہ کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد میں محمد (ﷺ) کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے لوگوں کے درمیان پناہ لے لی ہے، میرا نہیں خیال کہ آپ میری پناہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ تَقُولُ ذٰلِكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ!»

''اے ابوسفیان! یہ تم کیسی (بچگانہ) بات کر رہے ہو؟''

قریش نے یہ بات سن کر ابوسفیان سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کی رضامندی کے بغیر ہی اپنے طور پر جو کچھ کر آئے ہو، وہ ہمارے لیے سودمند نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! اس نے تو تمھارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ بھلا تمھاری طرف سے ہمارے لیے پناہ کے اعلان کا کیا جواز ہے؟ مزید برآں ان کے لیے تمھاری پناہ توڑنا کون سی مشکل بات ہے۔ ابوسفیان کھسیانا ہو کر کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے اس کے سوا وہاں سے کچھ نہیں ملا۔[1]

زادِراہ تیار کرنے کا حکم

ابوسفیان کے مدینہ سے واپس جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سفر کی تیاری کا حکم دیا اور اللہ رب العزت کے حضور یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! خُذْ عَلٰى أَسْمَاعِهِمْ وَ أَبْصَارِهِمْ فَلَا يَرَوْنَا إِلَّا بَغْتَةً وَلَا يَسْمَعُوا بِنَا إِلَّا فَجْأَةً»

''اے اللہ! (اہل مکہ) قریشیوں کے کانوں (جاسوسوں) اور آنکھوں (مخبروں) کو روک لے، وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور انھیں ہماری خبر بھی اچانک ہی ملے۔''[2]

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہ گندم، ستو، آٹا اور کھجور سے زادِراہ تیار کر رہی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے کہیں سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: جی ہاں! آپ بھی تیار ہو جائیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے کہاں کا ارادہ فرمایا ہے؟ سیدہ نے کہا: آپ ﷺ نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی، صرف سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: بیٹی! یہ کھانا کیوں تیار کر رہی ہو؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں اور کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کا جنگ کا ارادہ ہے؟ وہ پھر خاموش رہیں۔ اس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی سوال پوچھے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔

بہر حال اسی اثنا میں جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کر رہے تھے، آپ ﷺ اندر تشریف لے آئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سفر کا ارادہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا میں بھی تیاری کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قریش کی طرف روانگی کا ارادہ ہے لیکن آپ اس بات کو راز ہی میں رکھیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ان کے اور ہمارے درمیان کوئی مدت مقرر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انھوں نے غداری اور بدعہدی

1 المغازی للواقدی 2/237، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام 4/39 2 دلائل النبوۃ للبیہقی 5/11، البدایۃ والنہایۃ 4/282

کی ہے، اس لیے میں ان پر حملہ کرنے والا ہوں۔ لیکن آپ اس بات کو مخفی رکھیے۔ لوگ تذبذب میں مبتلا تھے۔ کوئی شام کی طرف غزوے کا گمان کر رہا تھا، کوئی ثقیف کی طرف اور کوئی ہوازن کی طرف۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی طور پر فتح مکہ کی منصوبہ بندی پوری طرح صیغۂ راز میں رکھی یہاں تک کہ اپنی محبوب بیوی کو بھی اس بارے میں کچھ نہ بتایا۔ بس آپ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ آپ ﷺ کے اس حکیمانہ طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ سپہ سالاروں کو اپنے پروگرام مخفی رکھنے چاہئیں۔



وادیٔ اِضم (اَخضَر) کا ایک منظر



ذی المروہ (وادیٔ القریٰ) کے آثار

سریہ اِضم

دشمن کو اپنے منصوبے سے بے خبر رکھنے بلکہ وہم میں مبتلا کرنے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے لیے روانگی سے پہلے ہجرت کے آٹھویں سال یکم رمضان کو نجد کی طرف ایک آٹھ رکنی سریہ روانہ فرمایا۔ اس سریے کو حکم دیا گیا کہ مدینہ سے مشرق کی جانب نجد کے علاقے بطن اِضم تک پہنچے۔ یہ قبیلۂ غطفان کی ذیلی شاخ بنو اشجع کی ایک وادی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوقتادہ بن ربعی ؓ کو ذی المروہ اور ذی خشب کی درمیانی وادیٔ اِضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ وادی جب مدینہ اور احد کے درمیان سے گزرتی ہے تو وادیٔ قناۃ کہلاتی ہے اور مدینہ کے شمال میں اسے وادیٔ اِضم کہا جاتا ہے، پھر یہ حجاز کو قطع کر کے سمندر میں جا گرتی ہے۔ ان دنوں وادیٔ اِضم کو وادیٔ اَخضَر کہا جاتا ہے۔ ذی المروہ، وادیٔ اِضم اور وادیٔ الجزل (وادیٔ القریٰ) کے سنگم پر واقع ہے اور مدینہ سے اس کا فاصلہ

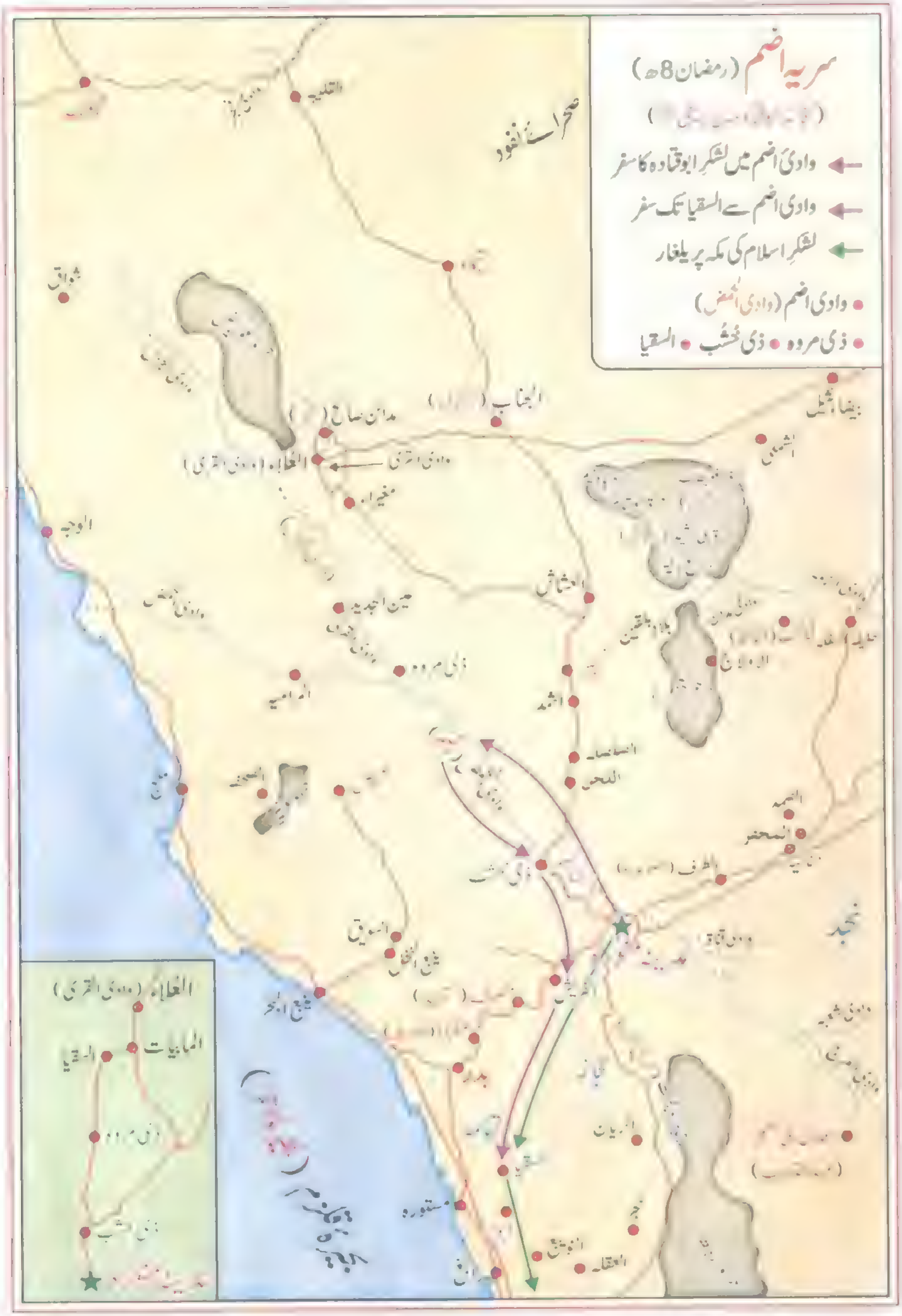


وادیٔ ذی خشب کا ایک منظر



وادیٔ الجزل

1 المغازي للواقدي: 238/2، السيرة لابن هشام: 39/4، البداية والنهاية: 282،281/4.



سریہ اضم (رمضان 8ھ)
وادیٔ اضم میں لشکرِ ابوقتادہ کا سفر
وادیٔ اضم سے السقیا تک سفر
لشکرِ اسلام کی مکہ پر یلغار
وادی اضم (وادی اُمض)
ذی مروہ • ذی خُشُب • السقیا
صحرائے نفود
مدائن صالح
العلا (وادی القریٰ)
الجناب
الوجہ
عین احدید
ذی مروہ
الاحمد
ینبع النخل
ینبع البحر
السویق
بدر
مستورہ
رابغ
نجد
بیضا نثیل
العلا (وادی القریٰ)
المابیات
السقیا

300 کلومیٹر ہے۔[1] آپ کا قصد یہ تھا کہ لوگوں کے ذہن مکہ کی طرف منتقل نہ ہوں اور آپ ﷺ اہل مکہ کو بے خبری ہی میں جالیں۔ چنانچہ یہ آٹھ رکنی قافلہ واپس روانہ ہوا تو ذی خشب کے مقام پر پہنچ کر انھیں پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عظیم فوج کے ساتھ مدینہ سے مکہ روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ یہ سریہ آپ ﷺ کو السقیا نامی جگہ پر جاملا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت

رسول کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ تمام درپیش معاملات و مسائل پر صحابہ سے مشاورت کرتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کو بہتر فیصلہ کرنے میں آسانی رہتی تھی اور صحابہ کا مورال بھی بلند ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس موقع پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنے ایک حجرے سے باہر نکلے اور اس کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ جب بھی تنہا بیٹھتے تو ایسے موقع پر جب تک خود آپ ﷺ کسی کو اپنے پاس نہ بلاتے، کوئی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتا تھا۔

اس دن جب رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اُدْعُ لِي أَبَا بَكْرٍ» ''ابوبکر کو میرے پاس بلا بھیجو۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے رازدارانہ انداز میں بڑی لمبی گفتگو کی، پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «اُدْعُ لِي عُمَرَ» ''عمر کو میرے پاس بھیجو۔'' عمر رضی اللہ عنہ آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھ گئے۔ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑی طویل رازدارانہ گفتگو فرمائی۔ جواب دیتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوگئی، وہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هُمْ رَأْسُ الْكُفْرِ، هُمُ الَّذِينَ زَعَمُوا أَنَّكَ سَاحِرٌ، وَأَنَّكَ كَاهِنٌ، وَأَنَّكَ كَذَّابٌ، وَإِنَّكَ مُفْتَرٍ.

''اے اللہ کے رسول! یہی لوگ کفر کے وہ سرغنے ہیں جنھوں نے آپ کو جادوگر، کاہن، کذاب اور افترا پرداز ٹھہرایا ہے۔''

اس موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے وہ تمام باتیں دہرائیں جو اہل مکہ کی آوارہ زبانیں آپ ﷺ کی شان کے خلاف کہا کرتی تھیں۔ انھوں نے اس موقع پر اہل مکہ کے وہ وحشیانہ سلوک بھی یاد دلائے جو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیروکاروں پر روا رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سننے کے بعد انھیں دوسری جانب بیٹھنے کا

[1] معجم البلدان 218/1، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص 290 [2] الطبقات لابن سعد 133/2

اشارہ کیا۔ اس طرح یہ دونوں اصحاب یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو طلب فرمایا۔ جب سب لوگ آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِمَثَلِ صَاحِبَيْكُمْ هٰذَيْنِ؟»

''کیا میں تمھیں تمھارے ان دونوں ساتھیوں کی مثال نہ بتاؤں؟''

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، ضرور فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ مبارک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف کیا اور فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أَلْيَنَ فِي اللّٰهِ مِنَ الدُّهْنِ فِي اللَّبَنِ»

''ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملے میں دودھ میں تیل سے بھی زیادہ نرم تھے (یہی حال ابوبکر کا ہے)۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ مبارک عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پھیرا اور ارشاد فرمایا:

«وَإِنَّ نُوحًا كَانَ أَشَدَّ فِي اللّٰهِ مِنَ الْحَجَرِ، وَالْأَمْرُ أَمْرُ عُمَرَ، فَتَجَهَّزُوا وَتَعَاوَنُوا»

''نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملے میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے (یہی حال عمر کا ہے)۔ بات وہی ہے جو عمر نے کی ہے۔ اب تم جہاد کی تیاری کرو اور ایک دوسرے سے تعاون کرو۔''

اب لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل دیے اور ان سے کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں کی ہیں، وہ ہم عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں، آپ بتائیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

[illegible]

''مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟''

میں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! وہ آپ ہی کی قوم ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی نرم باتیں کیں حتی کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ میری بات مان لیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے عمر کو بلایا تو انھوں نے کہا کہ مکہ والے کفر کے سرغنے ہیں یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہر وہ ناپسند بات یاد کرا دی جو اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے کے لیے کی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ اللہ کی قسم! جب تک اہل مکہ آپ کے تابع نہیں ہوں گے، دیگر عرب بھی آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا۔[1]

[1] المصنف لابن أبي شيبة :411,410/7، سبل الهدى والرشاد :208/5.

قبائل کو جمع کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روانگی

مکہ پر حملہ کرنے کے فیصلے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرب و جوار کے مسلمان حلیف قبائل کو بھی لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے 14 صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان قبائل کو جمع کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ ان 14 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں: 1 اسماء بن حارثہ بن سعید بن عبداللہ 2 ہند بن حارثہ بن سعید بن عبداللہ اسلمی 3 رافع بن مکیث الجہنی 4 جندب بن مکیث جہنی 5 ایماء بن رحضہ غفاری 6 ابورہم کلثوم بن الحصین 7 معقل بن سنان 8 نعیم بن مسعود 9 بلال بن حارث 10 عبداللہ بن عمرو مزنی 11 الحجاج بن علاط سلمی 12 عرباض بن ساریہ 13 بشر بن سفیان 14 بدیل بن ورقاء۔[1]



اہل مکہ کے نام حاطب رضی اللہ عنہ کا خط

جب رسول اللہ ﷺ نے قریش پر حملے کا پختہ ارادہ کر لیا اور مدینہ میں لوگوں کو یہ بات بتا دی، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پوری طرح تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تو سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس خط کا متن درج ذیل ہے:

أَمَّا بَعْدُ، يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَكُمْ بِجَيْشٍ كَاللَّيْلِ، يَسِيرُ كَالسَّيْلِ، فَوَاللّٰهِ لَوْ جَاءَكُمْ وَحْدَهُ لَنَصَرَهُ اللّٰهُ وَأَنْجَزَ لَهُ وَعْدَهُ، فَانْظُرُوا لِأَنْفُسِكُمْ، وَالسَّلَامُ.

''اما بعد! اے قریش کے لوگو! رسول اللہ ﷺ تاریک رات کی مانند (ناقابل تسخیر) لشکر لے کر تمھاری طرف آ رہے ہیں جو سیلاب کی طرح تیز رفتار ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ تمھارے پاس اکیلے بھی آ جاتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرتا اور ان سے اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا۔ اب تم اپنی فکر کر لو! والسلام۔''[2]

حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ خط صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کے نام لکھا اور ایک مزنی عورت کو دے

[1] المغازي للواقدي: 240/2. [2] فتح الباري: 652/7.

دیا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ اگر تم یہ خط قریش تک پہنچا دو گی تو تمھیں اس کا بہت اچھا معاوضہ دیا جائے گا۔ انھوں نے اس عورت کو تاکید کر دی کہ اس خط کی کسی کو خبر نہ ہونے دے اور عام راستے سے نہ جائے، اس لیے کہ اس راستے کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ عورت خط لے کر مدینے سے روانہ ہوئی اور ایسے راستے پر چل پڑی جس کے لوگ عادی نہیں تھے۔[1]

خط پکڑا گیا

ادھر رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کی خبر دے دی گئی۔ آپ نے فوراً علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور انھیں تاکید فرمائی کہ اس مزنی عورت تک جلد پہنچ جاؤ جسے حاطب نے اہل مکہ کے نام خط دے کر بھیجا ہے اور قریشیوں کو جنگ کی خبر سے آگاہ کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات فوراً روانہ ہو گئے۔ انھیں وہ عورت ''خلیقہ'' نام کے ایک مقام پر مل گئی، انھوں نے اسے سواری سے اتارا اور سامان کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے کچھ بھی نہ ملا۔ انھوں نے اس سے کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتے اور ہم بھی جھوٹ نہیں بول رہے۔ تم فوراً وہ خط نکالو جو تمھارے پاس موجود ہے، ورنہ ہم تمھارے کپڑے اتروانے پر مجبور ہوں گے۔ اس عورت نے جب ان دونوں کا اصرار دیکھا تو کہنے لگی: تم دونوں مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔ وہ دونوں ایک طرف ہو گئے تو اس نے اپنا جوڑا کھول کر خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔ دونوں یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔

حاطب رضی اللہ عنہ کی وضاحت اور معافی

نبی اکرم ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا: «يَا حَاطِبُ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا؟» ''حاطب! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل ایمان رکھتا ہوں، میں نے اپنے ایمان میں کوئی خلل نہیں ڈالا، لیکن میں وہ شخص ہوں جس کی مکہ میں کوئی اصل اور کوئی خاندان نہیں، وہاں میرے بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اہل مکہ کے ساتھ بھلائی کرنی چاہی تھی تاکہ وہ میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں۔

یہ بات سن کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بولے: اللہ تم سے نمٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر راز داری سے کام لے رہے ہیں اور تم قریش کو خط لکھ کر انھیں آگاہ کر رہے ہو؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں، کیونکہ یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدر کے دن اہل بدر کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمھیں معاف کر دیا۔'' اس کے بعد اللہ عزوجل نے

[1] سبل الهدٰى والرشاد :209/5.

حاطب کے بارے میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ..... ﴾ [الممتحنة 1:60]

''اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو، حالانکہ وہ اس دینِ حق کا انکار کرتے ہیں جو تمھیں ملا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ کو اور تمھیں صرف اس وجہ سے (مکہ سے) نکال دیا ہے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو۔ اگر تم میری راہ میں نکلے ہو جہاد کرنے اور میری رضا ڈھونڈنے کے لیے (تو کفار کو دوست نہ بناؤ)، تم ان کو دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، میں تو وہ سب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو، اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، وہ (اللہ کی) سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔......''[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں سیدنا علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مقداد رضی اللہ عنہ کا اور دوسری روایت میں ابومرثد رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے کہ وہ مزنی عورت سے خط لینے گئے تھے۔[2]

درج بالا آیت کریمہ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ معاملہ کرنے کا واضح منہج عطا کر دیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ سورت کفار سے دوستی کی ممانعت کے لیے بنیاد ہے۔[3]

حاطب رضی اللہ عنہ سے بہت بڑی بھول ہوئی، اس لیے اس موقع پر دشمنوں کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں آیاتِ مقدسہ نازل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے بڑا کریمانہ سلوک کیا جو اپنے ساتھیوں سے آپ ﷺ کی محبت و شفقت کا آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ کا یہ حسنِ سلوک اسلام میں سبقت رکھنے والوں کی کمی کوتاہی سے درگزر پر دلالت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ کو ان کی بدر میں شرکت کے پیشِ نظر معافی کا مستحق قرار دیا۔ یہ آپ ﷺ کا وہ حکیمانہ طرزِ عمل ہے جس میں امتِ مسلمہ کے لیے درگزر، رواداری اور دردمندی کے سبق چمک رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ کو ان کی نادانی ہی کے حوالے سے نہیں دیکھا بلکہ آپ ﷺ نے ان کی بدر میں شرکت اور دینِ اسلام کے لیے سرفروشی پر بھی نگاہ ڈالی۔ یوں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے سبق دے دیا

[1] السيرة لابن هشام 140/4، إمتاع الأسماع 352/1. [2] صحيح البخاري، 3983، 4274. [3] تفسير القرطبي، الممتحنة 1:60.

کہ وہ غلطی کرنے والوں کے تمام اعمال کا جائزہ لیں، یعنی دین حنیف کے لیے ان کی دعوت و جہاد اور تعلیم و تعلم جیسے اچھے کردار کو بھی سامنے رکھیں کیونکہ جو شخص اپنے حصے کا فرض کفایہ ادا کرتا ہے، وہ احترام کا مستحق ہوتا ہے، چاہے جلد بازی میں کبھی اس سے کوئی غلطی ہی سرزد ہو جائے۔

سیدنا حاطب ؓ کی بدر میں شرکت رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بہت بڑی سفارش ثابت ہوئی، اس لیے آپ ﷺ نے انھیں کوئی سرزنش کی نہ کوئی سزا دی بلکہ فرمایا

«وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا»

''تم ان کے بارے میں اچھی بات ہی کرو۔''[1]

اس فرمان رسول کے بعد کسی بھی صحابی نے سیدنا حاطب ؓ کے بارے میں کوئی نازیبا بات نہیں کہی۔[2]

سیدنا حاطب ؓ سے قریش کے نام خط لکھنے کی جو کوتاہی سرزد ہوئی، وہ کبیرہ گناہ تھا، پھر بھی وہ مومن ہی قرار پائے اور ان کا ایمان برقرار رہا۔

اس واقعے سے حق کے لیے سیدنا عمر ؓ کی غیرت و حمیت کا اظہار و اعلان ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی رازداری کا بھید کھول دینے پر حاطب ؓ کی گردن مارنے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا عمر ؓ اس لیے طیش میں آگئے کہ حاطب ؓ کا عمل ان کے اپنے ظاہر کے خلاف تھا کیونکہ حاطب ؓ نے جاسوسی کا جو خط لکھا تھا، وہ ان کے ایمان کے منافی تھا جس کی خاطر وہ خود بھی جہاد کر رہے تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے جواب سے عمر ؓ متاثر ہوئے، لہٰذا چند ہی لمحات کے اندر اندر وہ شخص جو طیش میں بھرا بیٹھا تھا اور حاطب ؓ کے لیے سخت ترین سزا کا مطالبہ کر رہا تھا، اب اتنا متاثر ہوا کہ خوف کے مارے رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ''اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔''[4]

اصل بات یہ تھی کہ عمر ؓ کا غصہ فقط اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی خاطر تھا، لہٰذا جب ان کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہو کر آ گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو یہی برتاؤ پسند ہے کہ حاطب ؓ کی بدر میں شرکت کے پیش نظر ان سے بہتر برتاؤ کیا جائے اور ان کی اضطراری کوتاہی سے صرف نظر کیا جائے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ دل و جان سے قبول کر لیا۔[5]

سیدنا حاطب ؓ کی معافی ان جیسی کوتاہی کا ارتکاب کرنے والے کسی اور فرد کے لیے معافی کی دلیل نہیں بن

1 صحيح البخاري: 6939 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 176/7 3 السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 472، 473
4 صحيح البخاري: 3983. 5 التاريخ الإسلامي للحميدي: 177،176/7.

تھی۔ انھیں جو معافی ملی، اس کا ایک خاص سبب تھا جس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد پائے جانے کا کوئی امکان نہیں اور وہ ہے بدر میں حاضر ہونے کا شرف۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کے قابل ہے۔

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے اور ان کا راز افشا کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس مسئلے پر بحث، تحقیق اور ائمہ کے اقوال بیان کرنے کے بعد بالآخر کہتے ہیں: ''صحیح بات یہ (معلوم ہوتی) ہے کہ جاسوس کو قتل کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر وہ دیکھے کہ مسلمانوں کی مصلحت اسے قتل کرنے میں ہے تو اسے ٹھکانے لگا دے، تاہم اگر اسے باقی رکھنا زیادہ بہتر ہو تو زندہ رکھا جائے۔''[1]

شاہراہ مکہ کی نگرانی



جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے اپنی فوج کی روانگی کی خبر پوشیدہ رکھی، اسی طرح آپ نے ان راستوں کی نگرانی کا بھی حکم دیا جو مکہ کی طرف جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر اس آدمی کو روکنے کا حکم صادر فرمایا جو مشکوک نظر آئے۔ راستوں کی نگرانی کا کام سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق بطور نگران راستوں پر گھومتے پھرتے تھے اور محافظوں سے کہتے تھے کہ کوئی بھی مشتبہ آدمی نظر آئے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ تمام راستے پرامن تھے جبکہ مکہ والے راستے خصوصی طور پر چیک کیے جاتے تھے اور جو بھی مشکوک شخص نظر آتا تھا، اس سے پوری تفتیش کی جاتی تھی۔

مدینہ میں نیابت

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر پر نکلے تو مدینہ میں اپنی نیابت کے لیے ابورہم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔

[1] زاد المعاد: 423/3.

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ سے روانگی

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے بدھ کے روز عصر کے بعد نکلے۔ اس وقت رمضان المبارک کی دسویں تاریخ تھی۔[1] ابن اسحاق نے بھی دس رمضان ہی کا ذکر کیا ہے۔[2] لیکن مسند احمد کی روایت میں ہے کہ دو رمضان کو نکلے۔[3] لہٰذا واقدی اور ابن اسحاق کے مقابلے میں مسند احمد کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے بھی اسی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔[4]

لشکر کی روانگی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُفْطِرَ فَلْيُفْطِرْ»

''جسے روزہ رکھنا محبوب ہے، وہ روزہ رکھ لے اور جو روزہ افطار کرنا چاہتا ہے، وہ روزہ افطار کر لے۔''



رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا، افطار نہ کیا یہاں تک کہ آپ مقام صلصل تک جا پہنچے۔ آپ ﷺ مہاجرین و انصار اور عرب کے مختلف گروہوں کے ساتھ اونٹوں اور گھوڑوں پر مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو 200 سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا۔ پھر جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ کے بالمقابل مقام بیداء پر پہنچے تو ارشاد فرمایا:

«إِنِّي لَأَرَى السَّحَابَ تَسْتَهِلُّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ»

''میں اس بادل کو بنو کعب کی مدد کی وجہ سے چمکتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔''[5]

1 المغازي للواقدي 242/2 2 السيرة لابن هشام 42/4 3 مسند أحمد 87/3 4 فتح الباري 6/8
5 المغازي للواقدي :242/2.

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو اس وقت آپ کے ساتھ مدینہ میں رہنے والے تمام جنگجو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چل پڑے۔ اس موقع پر مہاجرین وانصار میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ آپ ﷺ مدینہ سے مکمل راز داری کے ساتھ نکلے اس پوری عسکری تیاری اور فوجی جتھا بندی کا اہل مکہ کو بالکل پتہ ہی نہ چلا۔ قریش خوف و ہراس میں ضرور مبتلا تھے لیکن انھیں ہرگز پتہ نہ تھا کہ آپ ﷺ کا کیا ارادہ ہے۔[1]

رستے میں ہی روزہ کھول دیا گیا

صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے رمضان المبارک میں نکلے، آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور یہ آٹھویں سال کی بات ہے۔ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمان مکہ کی طرف چلے، آپ نے روزہ رکھا اور تمام مسلمانوں نے بھی روزہ رکھا۔ آپ کدید پہنچ گئے، یہ علاقہ عسفان اور قدید کے مابین ہے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر روزہ کھول دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ دیگر سب لوگوں نے بھی روزہ کھول دیا۔[2]

گرمی سے بچاؤ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے پانی چھڑکا

موطا امام مالک میں ابوبکر بن عبدالرحمن نے ایک صحابی سے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ عرج پہنچے تو آپ نے گرمی یا پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنے سر پر پانی ڈالا۔[3]

مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے سال رمضان میں سفر فرمایا۔ آپ ﷺ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ عسفان پہنچ گئے، پھر آپ ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور سب لوگوں کے سامنے روزہ کھول لیا۔[4]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف سفر کیا، ہمارا روزہ تھا، ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ مُصَبِّحُو عَدُوِّكُمْ وَالْفِطْرُ أَقْوَى لَكُمْ، فَأَفْطِرُوا»

''تم صبح اپنے دشمن سے بھڑنے والے ہو، اس لیے روزہ کھول دینا تمھارے لیے بہتر ہے، چنانچہ تم روزہ کھول لو۔''

---

1 السیرۃ لابن ہشام: 42/4 2 صحیح البخاری: 4276، صحیح مسلم: 1113 3 الموطأ للإمام مالك: 294/1
4 مسند أحمد: 325/1.

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آپ کا حکم تھا کہ روزہ کھول لو۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ابھی تک روزہ نہیں کھولا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا:

«أُولَئِكَ الْعُصَاةُ، أُولَئِكَ الْعُصَاةُ»

''یہ نافرمان ہیں، یہ نہ ماننے والے ہیں۔''[2]

ہوازنی جاسوس کی گرفتاری

لشکر اسلام جب عرج اور طلوب کے درمیان پہنچا تو وہاں قبیلۂ ہوازن کا ایک جاسوس گرفتار ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے وہاں کے حالات دریافت کیے۔ اس نے بتایا کہ بنو ہوازن کے لوگ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، مَا أُرَاهُ إِلَّا صَدَقَنِي» ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے سچ کہا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس جاسوس کی نگرانی کی جائے مبادا یہ اپنے قبیلے بنو ہوازن میں جا کر ہمارے بارے میں اطلاع دے۔[3]

دو خوش نصیب دوست

رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف اپنی فوج کے ساتھ جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر اول دستوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ راستے میں جو بھی مشکوک شخص نظر آئے، اسے گرفتار کر لیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ اہل مکہ کو ہماری پیش قدمی کی مطلق خبر نہ ہو اور اسلامی لشکر انھیں اچانک اپنی گرفت میں لے لے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام قبول کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر لشکر اسلام کا حصہ بننا چاہتے تھے۔ انھی میں سے رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ ہیں۔ آیئے ان کے قبول اسلام کی تفصیل پڑھیں۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کا عم زاد اور حلیمہ سعدیہ سے رضاعی بھائی تھا۔ وہ آپ سے شدید عداوت رکھتا تھا، شاعر بھی تھا اور آپ ﷺ کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا۔ یہ شخص مسلسل بیس سال آپ ﷺ سے عداوت پر قائم رہا۔ بعثت نبوی سے پہلے یہ آپ ﷺ کا ہمجولی تھا۔ یہ ابولہب کی طرح آپ ﷺ کی شدید مخالفت کرتا اور

[1] صحيح مسلم: 1120. [2] صحيح مسلم: 1114. [3] المغازي للواقدي: 245,244/2.

آپ ﷺ کو شدید اذیتیں دیتا رہا۔ جب قریش نے مکہ میں آپ کا محاصرہ کیا، یہ بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل نہیں ہوا تھا۔ یہ آپ ﷺ کے خلاف قریش کے ساتھ ہر معرکے میں شریک ہوتا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے جن بڑے بڑے مجرموں کا خون بہانا مباح قرار دیا، ان میں ابوسفیان بن حارث بھی شامل تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے عم زاد محمد (رسول اللہ ﷺ) کا لایا ہوا دین جزیرۃ العرب کے بڑے حصے پر غلبہ پا چکا ہے اور آپ ﷺ مکہ پر بھی چڑھائی کرنے والے ہیں تو وہ حسد کے مارے جل اٹھا اور اسلام کا غلبہ برداشت نہ کر سکا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اسلام لانے پر آمادہ ہو جاتا لیکن اس کے برعکس اسلام کے خلاف اس کے بغض و عداوت اور نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے جزیرۂ عرب چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور شاہ روم کے پاس بھاگ گیا۔

ابوسفیان بن حارث روم میں

ابوسفیان بن حارث روم میں قیصر کے پاس گیا اور اس سے پناہ طلب کی۔ ابوسفیان بیان کرتا ہے کہ جب میں مکہ سے بھاگ کر قیصر کے پاس پہنچا تو قیصر نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے اسے بتایا کہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہوں۔ شاہ روم نے کہا: کیا تو سچ کہہ رہا ہے کہ تو محمد بن عبداللہ کا چچازاد بھائی ہے؟ میں نے جواب دیا: ہاں، میں اس کا چچازاد بھائی ہوں۔ ابوسفیان کہتا ہے: میں نے سوچا کہ میں شاہ روم کے پاس ہوں، اسلام سے بھاگ کر آیا ہوں اور محمد ﷺ کے نام کے سوا میں پہچانا ہی نہیں جاتا۔ بس اسی وجہ سے میں اسلام لانے پر آمادہ ہو گیا اور مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ میں شرک اور باطل پر ہوں۔ لیکن ہم ایسے لوگوں کے ساتھ رہتے تھے جو

[1] المغازي للواقدي: 2/245،246.



شعب ابی طالب (مکہ مکرمہ)

بڑے عقل مند تھے، شرف و کمال والے لوگ بھی ان کی عقل اور رائے پر زندگی بسر کرتے تھے۔ جس راستے پر وہ چلتے، ہم بھی اسی راستے پر چلتے اور جب صاحبان ثروت اور عمر رسیدہ لوگ محمد ﷺ سے اجتناب کرتے، اپنے معبودوں کی مدد کرتے اور اپنے آباء کے لیے غصے میں آتے تو ہم بھی ان کی پیروی کرتے تھے۔[1]

مؤرخین کہتے ہیں کہ پھر ابوسفیان روم سے مکہ واپس آ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون مباح کیا ہوا ہے۔ اس کے باوجود اس نے آپ ﷺ سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا تاکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عام معافی نامہ حاصل کر لے کیونکہ اب اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ کا اسلام لانا

عبداللہ بن ابی امیہ، ابوسفیان بن حارث کا دوست تھا۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا شدید دشمن تھا۔ ان دونوں نے پروگرام بنایا کہ ہم باہم مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں تاکہ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ اس پروگرام کے مطابق وہ دونوں مدینہ کی جانب چل دیے۔ ابوسفیان نے اپنا حلیہ بدل رکھا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون کے مباح ہونے کا حکم صادر فرما رکھا تھا۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ سے اس وقت ملے جب آپ مدینہ سے مکہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، آپ اس وقت ابواء کے بعد ثنیۃ العقاب نامی جگہ پر پہنچے۔ ابوسفیان بن حارث کہتا ہے کہ میں نے اور عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انھیں شرف باریابی بخشنے سے انکار فرما دیا۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان میں سے ایک آپ کا سالا اور پھوپھی زاد ہے اور دوسرا عم زاد اور

1 المغازي للواقدي :249/2.

پہاڑوں میں گھری بستی ابواء



رضاعی بھائی ہے۔ یہ دونوں مسلمان ہونے کے لیے آئے ہیں۔ یہ آپ کے لیے دوسرے لوگوں سے زیادہ برے ثابت نہ ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا حاجة لي بهما، أما أخي فقال لي بمكة ما قال: لن يؤمن لي حتى أرقى في السماء»

''مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں، یہی میرا بھائی مکہ میں مجھے نازیبا باتیں کیا کرتا تھا، یہ مجھ پر اس وقت تک ایمان لانے کا روادار نہ تھا جب تک میں آسمان پر نہ چڑھ جاؤں۔''

سیدہ ام سلمہ ؓ نے عرض کی: وہ آپ کی قوم میں سے ہے، اس نے ایسی باتیں کی ہیں تو تمام قریشیوں نے بھی ایسی ہی باتیں کی ہیں۔ ان کے متعلق قرآن بعینہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔ اور پھر آپ نے تو اس سے بھی بڑے بڑے مجرموں کو معافی دے دی ہے۔ وہ آپ کا عم زاد اور قرابت دار ہے اور آپ کی معافی کا زیادہ حقدار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے میری ہجو کی ہے۔[1]

ایک دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا حاجة لي بهما، أما ابن عمي فهتك عرضي، وأما ابن عمتي وصهري فهو الذي قال لي بمكة ماقال»

''مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، چچیرے بھائی نے میری ہتک کی اور پھوپھی زاد بھائی اور برادر نسبتی وہی ہے جس نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے وہ باتیں کہیں جو ہرگز مناسب نہ تھیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس بات کی خبر جب انھیں پہنچی تو اس وقت ابوسفیان کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بچہ بھی تھا، ابوسفیان کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یا تو رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں گے یا میں اپنے بچے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور وہیں بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔'' جب رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان کا یہ ردعمل معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے دل میں ان دونوں کے لیے رقت پیدا ہوگئی۔ آپ ﷺ نے انھیں باریابی کی اجازت دے دی۔ وہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرلیا۔

ابوسفیان بن حارث ؓ نے اپنے اسلام کے بارے میں درج ذیل اشعار پڑھے اور جو کچھ اس سے پہلے کہہ چکے تھے، اس کی معافی مانگی:

لَعَمْرُكَ إِنِّي يَوْمَ أَحْمِلُ رَايَةً لِتَغْلِبَ خَيْلُ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدِ

[1] المغازي للواقدي: 248/2.

''تیری زندگی کی قسم! یقیناً (پہلے) میں لات (و منات) کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھا تاکہ اس کے سوار محمد ﷺ کے شہسواروں پر غالب آجائیں۔''

لكالمدلج الحيران أظلم ليله ... فهذا أواني الحق أهدى وأهتدي

''اس وقت میں بالکل اس شخص کی مانند تھا جو سخت اندھیری رات میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہو مگر اب وقت آگیا ہے کہ میں سیدھی راہ پر لگا دیا جاؤں اور میں اسی راہ کو اختیار کروں۔''

فقل لثقيف لا أريد قتالكم ... وقل لثقيف تلك غيري أوعدي

''ثقیف سے کہہ دو کہ اب میں تم سے قتال نہیں کرنا چاہتا۔ ثقیف کو یہ بھی بتا دو کہ اب لڑنا میرے اختیار میں ہے (مجھ پر لڑائی مسلط نہیں کی جاسکتی) لہذا اب کسی اور ہی کو دھمکی دو۔''

هداني هاد غير نفسي ودلني ... إلى الله من طردت كل مطرد

''مجھے میرے نفس نے نہیں بلکہ ایک ایسے ہادی نے ہدایت دی ہے جس نے مجھے اللہ تعالیٰ سے ملا دیا ہے، حالانکہ میں نے ہر طرح اس کا مقابلہ کیا۔''

أفر سريعا جاهدا عن محمد ... وأدعى وإن لم أنتسب من محمد

''میں محمد ﷺ سے لڑتے لڑتے بڑی تیزی سے ان سے (دور) بھاگ جاتا تھا جبکہ مجھے محمد ﷺ ہی سے تعلق کی بنا پر پہچانا جاتا تھا، ہر چند میں یہ انتساب ظاہر نہ کرتا تھا۔''

هم عصبة من لم يقل بهواهم ... وإن كان ذا رأي يلم ويفند

''یہ ایک ایسا گروہ ہے جو بھی ان کے خلاف بات کرتا ہے، خواہ وہ کتنا صاحب رائے ہو، اسے ملامت کی جاتی اور جھٹلایا جاتا ہے۔''

أريد لأرضيهم ولست بلائط ... مع القوم ما لم أهد في كل مقعد

''میں اب انھیں خوش کرنے کا آرزومند ہوں، اب میں اپنی قوم سے اس وقت تک نہیں ملوں گا جب تک میں ہر موقع کے متعلق رہنمائی و ہدایت نہ حاصل کرلوں۔''

فما كنت في الجيش الذي نال عامرا ... وما كان عن جرا لساني ولا يدي

''میں اس لشکر میں نہ تھا جس نے عامر کو پایا تھا، نہ اس لشکر کی چڑھائی میں میری زبان اور میرے ہاتھوں کا

دخل تھا۔"

قَبَائِلُ جَاءَتْ مِنْ بِلَادٍ بَعِيدَةٍ   تَوَابِعُ جَاءَتْ مِنْ سِهَامٍ وَسَرْدَدِ

"یہ وہ قبائل تھے جو دور افتادہ شہروں سے آئے تھے، یہ وہ گھٹیا لوگ تھے جو سہام اور سردد جیسے پسماندہ علاقوں سے آئے تھے۔"

وَإِنَّ الَّذِي أَخْرَجْتُمُ وَشَتَمْتُمُ   سَيَسْعَى لَكُمْ سَعْيَ امْرِئٍ غَيْرِ قُعْدُدِ

"بلاشبہ جس شخص کو تم نے نکال دیا اور برا بھلا کہا، وہ تمھارے لیے ایک پختہ رائے والے آدمی کی سی کوشش کرے گا۔"



راوی کہتا ہے کہ جب ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو یہ کہا: میں نے ہر طرح مقابلہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب سی لگائی اور فرمایا: "أَنْتَ طَرَّدْتَنِي كُلَّ مُطَرَّدٍ" "تو نے ہر طرح میرا ہی مقابلہ کیا تھا؟"[1]

باوجود اس کے کہ ان کا جرم بہت بڑا تھا، نبی مکرم ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر کیا۔ رحمت، شفقت اور درگزر کی یہ بلند ترین مثال ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مدحت رسول ﷺ میں فصیح و بلیغ قصیدہ کہہ کر اپنی سابقہ گستاخیوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس قصیدے میں انھوں نے مدح کے ساتھ ساتھ اپنی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعدازاں وہ ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ حنین میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔[2]

ابوسفیان بن حارث کے قبول اسلام کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کے سامنے کی طرف سے آؤ اور وہی بات کہو جو یوسف کے بھائیوں نے یوسف سے کہی تھی: ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾ [يوسف 12:91] "اللہ کی قسم! بلاشبہ

[1] المستدرك للحاكم: 43/3، 44، السيرة لابن هشام: 43/4، 44، دلائل النبوة للبيهقي: 27/5، 28۔ [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 182/7.

یقیناً اللہ نے تمھیں ہم پر فضیلت دی، اور بلاشبہ ہم ہی خطا کار تھے۔" ابوسفیان نے ایسا ہی کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (یوسف 12:92) "آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔" اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اشعار سنائے اور اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ندامت کے بوجھ کی وجہ سے ابوسفیان بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔ آپ نے ان کے لیے جنت کی گواہی دی اور فرمایا: "مجھے امید ہے کہ یہ حمزہ کی جگہ لے گا۔" پھر جب ابوسفیان کی وفات کا وقت آیا تو وہ کہنے لگے: میری موت پر کوئی آنسو نہ بہائے۔ اللہ کی قسم! جب سے مسلمان ہوا ہوں، زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی۔[1] اسی طرح سیدنا عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ طائف میں شہید ہوئے۔[2]

عیینہ بن حصن فزاری کا مدنی فوج سے ملاپ

عیینہ بن حصن فزاری رسول اللہ ﷺ کا شدید دشمن تھا۔ وہ غطفان قبیلے کا سردار تھا۔ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں میں وہ اپنے قبیلے کی قیادت کرتا تھا، اس نے غزوہ احزاب اور غزوۂ خیبر کے موقع پر یہودیوں سے تعاون کیا۔ جب مجاہدین اسلام نے خیبر میں فتح پائی تو عیینہ مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر حملے کی غرض سے مختلف قبیلوں کی طرف اپنے ایلچی روانہ کیے تو غطفان سے اشجع قبیلے کے علاوہ کوئی بھی نبوی لشکر میں شریک نہ ہوا۔ ان کی طرف بھیجے گئے ایلچی نعیم بن مسعود اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہما تھے۔ جب عیینہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے جنگ کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہیں تو وہ تیزی سے اپنے علاقے سے نکلا اور مدینہ پہنچا۔ یہاں آکر اسے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ تو یہاں سے دو دن پہلے ہی جا چکے ہیں، چنانچہ اس نے مختصر رستہ اختیار کیا اور وادی عرج پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات کا انتظار کرنے لگا۔ آپ ﷺ ابھی وہاں نہیں پہنچے تھے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو عیینہ کو منتظر پایا۔ عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ کے خروج کا علم ہوا تو میں جلدی سے آپ کی طرف آ گیا اور عجلت کی وجہ سے میں اپنی برادری کو بھی جمع نہ کر سکا ورنہ ہماری فوج زیادہ ہو جاتی۔

پھر عیینہ کہنے لگا: میں جنگ کی تیاری نہیں دیکھ رہا، جھنڈے بھی تقسیم نہیں کیے گئے۔ کیا آپ عمرہ کرنا چاہتے ہیں؟

1 زاد المعاد: 3/400،401. 2 المغازي للواقدي: 2/249.

لیکن احرام کی تیاری بھی نہیں ہے۔ آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حیث یشاء اللہ» ''جہاں اللہ چاہے گا۔'' عیینہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ایک بدوی زندگی گزارتا تھا لیکن وہ اپنے قوم کا سردار اور بڑا جنگی ماہر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی عسکری مشاورتی ٹیم میں شامل رکھا۔ رسول اللہ ﷺ بڑے حکیم و دانا تھے۔ قبائل کے سرداروں کو اپنے قریب رکھتے تھے کیونکہ اس قسم کے لوگوں کی معیت سے اسلام کی قوت بڑھ جاتی تھی۔

اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی شمولیت

سیدنا اقرع بن حابس بنوتمیم کے سردار تھے، وہ اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ مقام السقیا پہنچے اور آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوئے۔ بنوتمیم کی طرف رسول اللہ ﷺ نے مدد کے لیے کوئی ایلچی روانہ نہیں کیا تھا کیونکہ ابھی تک بنوتمیم کے تمام لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ کو ان کی نوعمری کے باوجود عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی عسکری مشاورت کی مجلس کا ممبر بنایا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ان دونوں سرداروں کو اپنے دائیں بائیں رکھا اور خود ان کے درمیان رہ کر مکہ میں داخل ہوئے۔[1]

بنوسلیم کی لشکر اسلام میں شرکت

لشکر اسلام میں شامل ہونے والی سب سے بڑی طاقتور فوج بنوسلیم کی تھی جس کی قیادت بنوسلیم کے سردار اور شاعر عباس بن مرداس کر رہے تھے۔ عباس بن مرداس بنوسلیم کے پہاڑوں اور وادیوں سے ایک ہزار گھڑ سوار جانبازوں کی قیادت کرتے ہوئے آئے تھے۔ ان میں ایک شخص بھی پیدل نہ تھا۔ بنوسلیم کی طرف نبی ﷺ نے حجاج بن علاط

1 المغازي للواقدي: 2/243، 244.



بنی تمیم کا علاقہ (صوبہ الریاض)

اسلمی اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں خصوصی تاکید فرمائی تھی کہ وہ مکمل رازداری کے ساتھ لشکر نبوی میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنوسلیم بھرپور تیاری کے ساتھ آئے۔ وہ مکمل آہن پوش تھے، نیزوں کو بلند کیے جب وہ ایک ہزار کی تعداد میں نبوی فوج میں شامل ہوئے تو یہ منظر حیرت انگیز تھا۔ وہ آپ ﷺ کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی آمد کا نظارہ کر رہے تھے۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کے جذبوں کو بڑی شادابی نصیب ہوئی۔ بنوسلیم کے منظر سے غطفان کے سردار عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کے جذبات برانگیختہ ہوگئے۔ غطفان کے دس ہزار جنگجو تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: عیینہ! تم شرمندہ کیوں ہو؟ عیینہ نے جواب دیا: اپنی قوم کی وجہ سے شرمندہ ہوں کہ وہ محمد ﷺ کے ساتھ کیوں نہ نکلی۔[1]

بنوسلیم اور غطفان کے سرداروں میں تکرار

عیینہ بن حصن کو بنوسلیم کے گھڑ سواروں نے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا، وہ نبی ﷺ کی جنگی مشاورتی کونسل میں شامل تھا اور قدید میں لشکر کی نمائش دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر بنوسلیم کے سردار اور عیینہ میں نوک جھونک شروع ہوگئی۔

عباس بن مرداس سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں عیینہ سے اس وقت ملا جب وہ چلا آ رہا تھا یہاں تک کہ وہ چلتے ہوئے اونٹ سے اپنے آلۂ حرب کے ساتھ اتر پڑا۔ ہم بھی آہن پوش تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے صفیں باندھ دیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عیینہ نے پیچھے سے پکار کر کہا: میں عیینہ ہوں (گویا وہ اس طرح اپنی بڑائی ظاہر کر رہا تھا)۔ یہ بنوسلیم ہیں جو تیاری، تعداد اور اسلحے سمیت آئے ہیں اور یہ بہترین گھڑ سوار، جنگجو اور تیر انداز ہیں۔ عباس بن مرداس نے جواب دیا: ٹھہر جا، اللہ کی قسم! تو جانتا ہے کہ ہم گھڑ سواری، نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں زیادہ ماہر ہیں۔ عیینہ نے جواب دیا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو ملامت گو ہے اور یہ صفات ہم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ہمیں تمام اہل عرب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جب ان کی یہ باتیں سنیں تو انھیں خاموش ہو جانے کا حکم دیا، چنانچہ دونوں خاموش ہوگئے۔[2]

لشکر اسلام کا اجتماع

قدید کے علاقے میں جو رابغ اور جدہ کے درمیان واقع ہے، لشکر اسلام کا اجتماع ہوا جس میں مختلف قبائل کے دس ہزار سپاہی جمع تھے۔ لشکر اسلام میں شامل ہونے والی فوجوں کی تعداد اور قبائل کے ناموں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

[1] المغازي للواقدي :2/244. [2] المغازي للواقدي :2/250.

قبیلے کا نام	وطن	شمولیت کا مقام	جانبازوں کی تعداد	سواروں کی تعداد
انصار (اوس وخزرج)	مدینہ، حجاز	مدینہ	4000	500
مہاجرین (قریش)	مدینہ، حجاز	مدینہ	700	300
مزینہ	وادی القریٰ اور اس کے اطراف (حجاز)	مدینہ	1000	100
جہینہ	حجاز	مدینہ	800	50
اسلم	حجاز	مدینہ	400	30
بنوسلیم	حجاز	قدید	1000	1000
خزاعہ	حجاز	قدید	500	
غفار	حجاز	مدینہ	300	
اشجع	نجد	مدینہ	300	
بنولیث، کنانہ	حجاز	مدینہ	250	
ضمرہ اور بنوسعد	حجاز	مدینہ	200	
بنوتمیم	نجد	السقیا	10	
مختلف قبائل		راستے میں	540	
			10,000	

یہ تھی 10 ہزار افراد پر مشتمل وہ فوج جس نے مکہ میں قریش پر دھاوا بولنے کے لیے پیش قدمی کی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہاں پر مختلف قبائل کے اور بھی شہسوار موجود تھے جن کی تعداد کی مؤرخین نے حد بندی نہیں کی۔ وہ بھی پانچ صد شہسواروں سے کم نہیں ہوں گے۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لشکر اسلام کی تیاری قبائلی بنیاد پر تھی۔ ہر قبیلے کی فوج پر اسی قبیلے کا آدمی سالار مقرر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے قبائل کو کئی دستوں میں تقسیم کیا۔

انصاری دستے اور ان کے نگران سالار

یہ اوس اور خزرج کے انصار ہی تھے جن کے ہر خاندان کا ایک مستقل دستہ تھا اور ان کا خاص افسر بھی انہی میں سے تھا۔ صرف انصار کے جانبازوں کی تعداد ہی چار ہزار تھی، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے انھیں خاندانی بنیاد پر بارہ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر دستے کی قیادت اس کے اپنے ہی خاندان کے آدمی کو سونپی۔

اوس کے دستوں اور ان کے سالاروں کی تعداد

رسول کریم ﷺ نے اوس کے چھ دستے بنائے اور ان کے سالار بھی انھی میں سے مقرر کیے۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

خاندان کا نام	سالار کا نام	خاندان کا نام	سالار کا نام
بنوعبدالاشہل	ابونائلہ	بنومعاویہ	جبر بن عتیک
بنوظفر	قتادہ بن نعمان	بنوخطمہ	ابولبابہ بن عبدالمنذر
بنوحارثہ	ابوبردہ بن نیار	بنوامیہ	مبیض یا نمیض

خزرج کے دستے

خزرج کو بھی خاندانی بنیاد پر چھ دستوں میں تقسیم کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کا سالار بھی انھی میں سے مقرر کیا۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

خاندان کا نام	سالار کا نام	خاندان کا نام	سالار کا نام
بنوساعدہ	ابواسید ساعدی	بنومالک بن النجار	عمارہ بن حزم


مکہ مکرمہ

بنوالحارث	عبداللہ بن زید	بنو مازن	سلیط بن قیس
بنوسلمہ	قطبہ بن عامر	بنو دینار	معلوم نہیں ہو سکا

مہاجرین کے دستے اور کمانڈر

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کی فوج میں قبائلی بنیاد پر دستوں اور کمانڈروں کو تقسیم نہیں کیا۔ آپ نے ان کے تین دستے بنائے اور ہر دستے کا افسر قریشی مہاجرین کے بڑے لیڈروں میں سے مقرر کیا۔ مہاجرین میں سارے لوگ قریشی نہیں تھے بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد غیر قریشی قبائل سے بھی تھی لیکن آپ نے تینوں افسر قریش میں سے منتخب کیے اور انھیں پرچم تھمائے۔ ان کے نام یہ ہیں:

سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔



دیگر قبائل کے دستے اور کمانڈر

رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے علاوہ دیگر قبائل کے بھی دستے بنائے اور ان پر افسر مقرر کیے۔ قبیلہ مزینہ کے تین دستے بنائے گئے اور ان پر انھی میں سے درج ذیل تین افسر مقرر ہوئے: نعمان بن رافع بن مقرن، ہلال بن حارث اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم۔ جہینہ قبیلے کے چار دستے بنے، ان کے چار افسر یہ تھے: سوید بن صخر، مکیث، ابوزرعہ اور عبداللہ بن بدر رضی اللہ عنہم۔ بنوسلیم کے ایک ہزار جانباز تین دستوں میں تقسیم ہوئے۔ ان کے کمانڈر یہ تھے: عباس بن مرداس، خفاف بن ندبہ اور حجاج بن علاط رضی اللہ عنہم۔ بنوکعب بن عمرو (خزاعہ) کے بھی تین

دستے بنائے گئے۔ ان کی کمان ان کے درج ذیل تین سرداروں کے حصے میں آئی: بسر بن سفیان، ابن شریح اور عمرو بن سالم رضی اللہ عنہم۔ بنو اسلم کے دو دستے بنے۔ ان کے افسر یہ تھے: بریدہ بن حصیب اور ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہما۔ قبیلہ غفار کا ایک ہی دستہ تھا جس کے کمانڈر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ بنو ضمرہ اور سعد بن بکر کا بھی ایک دستہ بنا۔ ان کے افسر ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ طے پائے۔ بنو لیث کا ایک دستہ بنایا گیا۔ ان کی کمان صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ قبیلہ اشجع کے دو دستے مقرر ہوئے۔ ان کے افسر نعیم بن مسعود اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ دونوں صحابہ قبول اسلام میں سبقت لے جانے والوں میں سے ہیں۔ بنو تمیم کی دس افراد پر مشتمل ٹکڑی کی کمان اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔[1]

بنو سلیم ہراول دستے میں

طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر سے روایت ہے کہ بنو سلیم نیزوں اور زرہوں سے مسلح ہو کر نکلے۔ وہ اپنے جھنڈے لپیٹ چکے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے جہاں آپ مناسب سمجھیں، جھنڈے مقرر فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''آج تمھارا علمبردار وہ شخص ہوگا جو جاہلیت میں تمھاری علمبرداری کرتا تھا۔ تمھارا وہ نوجوان کہاں ہے جو بڑا خوش گفتار اور خوبرو تھا، میرے پاس وفد لے کر آیا تھا؟''

انھوں نے جواب دیا کہ وہ حال ہی میں فوت ہو چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قدید سے مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کا ہراول دستہ بنو سلیم ہی کو مقرر کیا۔ جب آپ ﷺ نے قدید میں پڑاؤ ڈالا تو بنو سلیم آپ ﷺ سے آکر ملے، وہ مکمل طور پر تیار تھے، ہر ایک آدمی کے پاس اس کا نیزہ اور دیگر ہتھیار موجود تھے اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دو ایلچی بھی واپس آئے تھے۔ وہ تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ وہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ بنو سلیم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں دور سے بلاتے ہیں اور ہم سے مدد چاہتے ہیں، جبکہ ہم آپ کے ننھیال ہیں، ہاشم بن عبدمناف کی ماں عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بنو سلیم سے تھی۔ اس لیے اے اللہ کے رسول! ہمیں ہراول میں رکھیے تاکہ آپ دیکھیں کہ ہم آزمائش میں کیسے پورے اترتے ہیں؟ بے شک ہم جنگ کے وقت ثابت قدمی دکھانے والے، دشمن سے ٹکراؤ کے وقت سچے اور

[1] المغازي للواقدي: 241/2 و255,254.

گھوڑوں کی پشت پر سوار ہونے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔''[1] پھر آپ ﷺ نے انھیں اپنے ہراول میں رکھ لیا۔ ان سے پہلے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی فوج کے ہراول میں تھے۔

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

سیدنا عباس بن عبدالمطلب ابھی تک مدینہ ہجرت نہ کر سکے تھے اور ان کا ہجرت نہ کرنا اسلام کے لیے بڑا بابرکت ثابت ہوا کیونکہ غزوۂ احزاب کے موقع پر انھی کی حکمت عملی سے مسلمان خسارے سے بچ گئے تھے لیکن جب انھیں محسوس ہوا کہ مسلمان مضبوط ہو چکے ہیں، قریش کی کمر ٹوٹ چکی ہے اور اب اسلامی معاشرے سے دور رہنا ان کے لیے مناسب نہیں ہے تو وہ اسلام کا اظہار و اعلان کر کے اپنے ساز و سامان سمیت مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی فوج کے ہمراہ جحفہ پہنچے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا ساز و سامان مدینہ بھیج دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے۔[2] مختلف دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کئی بار ہجرت کی اجازت چاہی لیکن آپ نے انھیں یہی تاکید فرمائی: «يا عم! أقم مكانك الذي أنت به» ''چچا جان! آپ جہاں ہیں وہیں رہیں۔''[3]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بارے میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ بدر سے چلے تو آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کاش! آپ مجھے مکہ سے نکلنے اور ہجرت کرنے کی اجازت عنایت فرما دیں، یا کہا: اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں سے ہجرت کروں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يا عم اطمئن فإنك خاتم المهاجرين في الهجرة كما أنا خاتم النبيين في النبوة»

''اے چچا! آپ مطمئن رہیں (کیونکہ آپ کی ہجرت سے ہجرت کا عمل اختتام پذیر ہوگا)۔ جس طرح میں نبوت میں آخری نبی ہوں، اسی طرح آپ ہجرت کے اعتبار سے آخری مہاجر ہوں گے۔''[4]

عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے دعائے نبوی

جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا:

---

[1] المغازي للواقدي: 2/250 [2] سبل الهدى والرشاد: 5/213 [3] المعجم الكبير للطبراني: 6/154 [4] فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 941/2، السلسلة الضعيفة للألباني: 7030.

«إِذَا كَانَ غَدَاةَ الِاثْنَيْنِ فَأْتِنِي أَنْتَ وَوَلَدُكَ حَتَّى أَدْعُوَ لَهُمْ بِدَعْوَةٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهَا وَوَلَدَكَ»

''جب پیر کی صبح ہو تو اس دن تم اپنی اولاد کے ساتھ میرے پاس آنا تا کہ میں ان کے لیے ایک ایسی دعا کروں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمھیں اور تمھارے بچوں کو نفع دے گا۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو ہم حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنا لباس پہنایا اور پھر یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اللَّهُمَّ احْفَظْهُ فِي وَلَدِهِ»

''اے اللہ! عباس اور اس کی اولاد کو معاف فرما، ایسی مغفرت جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی، جو کسی گناہ کو باقی نہ رہنے دے۔ اے اللہ! اس کی اولاد کے معاملے میں اس کی حفاظت فرما۔''[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت

مرالظہران پہنچنے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پیلو کا پھل چننے میں مصروف ہو گئے۔ صحیحین میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور پیلو چن رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



«عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُهُ»

''تم سیاہ پیلو چنو کیونکہ یہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔''

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ، وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا» ''ہاں! کیوں نہیں اور نبیوں میں ایسا کوئی نہیں جو بکریاں نہ چراتا رہا ہو۔''[2]

ہم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ پیلو چن رہے تھے۔ ہم میں سے جو بھی کسی کو کوئی بہترین پیلو ملتا تو وہ اسے کھا لیتا تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک درخت پر چڑھے ہوئے تھے۔ ہم ان کی پتلی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «مِمَّ تَضْحَكُونَ؟» ''تم کس لیے ہنس رہے ہو؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پتلی پنڈلیوں کی بنا پر ہنس رہے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] جامع الترمذي: 3762، فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 935/2. [2] صحيح البخاري: 3406 و 5453، صحيح مسلم: 2050.

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ»

''اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ دونوں پنڈلیاں میزان میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہیں۔''[1]

سارے صحابہ جو پیلو چنتے تھے، وہ خود کھاتے تھے جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو بھی بہترین پیلو پاتے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔[2]

جیش نبوی کی شب بسری اور ابوسفیان کی گرفتاری

لشکر اسلام مر الظہران پہنچا تو رات کا وقت ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رات یہیں بسر کی جائے۔ اس کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ جلائے، چنانچہ سب لوگوں نے جب اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ جلائی تو دس ہزار چولہے روشن ہو گئے۔ اس وجہ سے ساری وادی جگمگا اٹھی۔ دوسری جانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کی نگہداشت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔ ابھی تک اہل مکہ کو اس صورت حال کا علم نہیں تھا کہ مسلمان ان کے قریب ہیں۔ کفار مکہ کو یہ کھٹکا ضرور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں یقیناً کوئی فیصلہ کریں گے اور بدلہ لینے کے لیے ان پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ انھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ابوسفیان کو مقرر کیا۔ جب ابوسفیان اس کام کے لیے مکہ سے نکلنے لگا تو اہل مکہ نے اس سے کہا کہ اگر تمھاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو ان سے ہمارے لیے امان طلب کرنا۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام کو لے کر نکلا تو رستے میں ان کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے ہوگئی۔ انھوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا تاکہ سب مل کر لشکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔[3]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خواب

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابوسفیان کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خواب بیان کیا ہے کہ صبح ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آج یہ خواب دیکھا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مکہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اچانک مکہ سے ایک کتیا بھونکتی ہوئی نکلی۔ ہم اس کے قریب ہوئے تو وہ پیٹھ کے بل زمین پر لیٹ گئی اور اس کے وجود سے دودھ بہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ذهب كلبهم وأقبل درهم، وهم سائلوكم بأرحامكم، وإنكم لاقون بعضهم، فإن لقيتم أبا سفيان فلا تقتلوه»

1 مسند أحمد: 420/1، 421۔ 2 دلائل النبوة للبيهقي: 29/5۔ 3 المغازي للواقدي: 250/2، 251۔

"اہل مکہ کی قوت دم توڑ چکی ہے۔ وہ اب اپنا دودھ پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنی رشتہ داریوں کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ ان میں سے کئی لوگ اب تم سے ملنے والے ہیں، اگر تمھاری ملاقات ابوسفیان سے ہو تو اسے قتل نہ کرنا۔"[1]

ابوسفیان کا ماجرا اور قبولِ اسلام

امام طبرانی ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مرالظہران میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إن أبا سفيان بأراك فخذوه» "ابوسفیان اراک میں ہے، جاؤ اور اسے گرفتار کر لو۔" چنانچہ ہم اس بستی میں گئے اور ابوسفیان کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے۔[2] یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے مجاہدین وہاں پہنچے تو ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تینوں وہاں موجود تھے۔ انھیں ان مجاہدین کی آمد کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ چنانچہ مجاہدین نے تینوں کو گرفتار کیا تو انھوں نے ہڑ بڑا کر پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمھارے سامنے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ خیمہ زن ہیں۔ ابوسفیان حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا: کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اتنا بڑا لشکر جرار ہمارے گھر آ دھمکے اور ہمیں خبر نہ ہو؟

جب ابوسفیان اور اس کے دونوں ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا تو اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لشکر پر پہرہ دے رہے تھے۔ مجاہدین تینوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انھیں صبح تک حراست میں رکھو۔ صبح کے وقت جب ان تینوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا، اس وقت ان کی ملاقات سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انھوں نے ان تینوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔[3]

دوسری روایت میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ مرالظہران پہنچے تو عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: اب قریش کی خیر نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ میں بزور طاقت داخل ہو گئے تو قریش یکسر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر مقام اراک تک آئے اور دل میں سوچا کہ شاید کوئی آدمی مل جائے جو مکہ والوں کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی اطلاع دے اور ان سے کہے کہ وہ آ کر آپ ﷺ سے امن کی درخواست کریں قبل اس کے کہ آپ بزور طاقت مکہ میں داخل ہوں۔ وہ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ انھوں نے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا: میں نے آج تک کبھی ایسی آگ دیکھی ہے نہ فوج۔ اور بدیل کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! یہ خزاعہ والوں کی آگ ہے، جنگ کی خواہش نے ان کے جذبات کو

[1] دلائل النبوة للبیہقی 5/48 [2] المعجم الکبیر للطبرانی 6/183 [3] سبل الہدی والرشاد 5/214، 215


رسول اللہ ﷺ کا سفرِ فتح مکہ
(رمضان 8ھ)
• خُلیقہ • السقیا • ابواء • الجحفہ • قُدَید
• کُدَید • عُسفان • مرالظہران
• الوتیر • اراک
عیص
ینبع
الحمراء
بدر
مستورہ
ابواء
رابغ
غدیر خم
قدید
المریسیع
سفینہ
ذات عرق
بنو بکر
برکہ
خزاعہ
قرن المنازل
جموم
جدہ
عرفات
طائف
مکہ مکرمہ
نجد

برانگیختہ کر دیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! خزاعہ والے بہت ذلیل و قلیل ہیں، یہ ان کی آگ اور فوج نہیں ہو سکتی۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے ساتھ خبروں کی ٹوہ میں نکلا تھا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی آوازیں سن لیں اور ان کو پہچان لیا، پھر آواز دی: ''اے ابو حنظلہ!'' اس نے پوچھا: آپ ابوالفضل ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں۔''

ابوسفیان بولا: کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمھارا برا ہو، اے ابوسفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان (قریب ہی تشریف فرما) ہیں، اللہ کی قسم! قریش کی تباہی نظر آرہی ہے۔''

ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اب کیا چارہ جوئی کی جائے؟''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا! اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمھاری گردن مار دیں گے، لہذا خچر پر بیٹھو، میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں اور امان لے دیتا ہوں۔'' ابوسفیان ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چلا۔ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے: یہ کون ہے؟ مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اور لپک کر میری طرف آئے۔ پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے: ابوسفیان!! اللہ کا دشمن! اللہ ہی کی تعریف ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تجھے ہمارے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑے۔ میں نے بھی خچر کو دوڑایا، چنانچہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے، اسے اللہ نے بلا عہد و پیمان ہمارے حوالے کر دیا ہے، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے میں نے پناہ دی ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق بار بار کہا تو میں نے کہا: عمر! ٹھہر جاؤ، اللہ کی قسم! اگر یہ تمھارے خاندان بنو عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عباس! رکو۔ اللہ کی قسم! تمھارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے، اگر وہ اسلام لاتے، زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمھارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اذْهَبْ بِهِ يَا عَبَّاسُ! إِلَى رَحْلِكَ، فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَأْتِنِي بِهِ»

''عباس! اسے اپنی اقامت گاہ میں لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔''

ابوسفیان نے یہ رات عباس ؓ کے پاس گزاری۔ عروہ ؒ نے بیان کیا ہے کہ جب صبح ہوئی، صحابہ نماز کی تیاری میں مشغول ہوئے اور طہارت و وضو کے لیے منتشر ہو گئے تو ابوسفیان خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے عباس ؓ سے پوچھا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ عباس ؓ نے کہا: انھوں نے اذان سن لی ہے۔ اب یہ نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہوا۔ ابوسفیان نے نماز باجماعت کا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے رکوع کرنے پر سب رکوع میں چلے جاتے ہیں، آپ کے سجدہ کرتے ہی سب آپ کے پیچھے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ اس نے حیرت بھرے لہجے میں عباس ؓ سے پوچھا: عباس! وہ (نبی ﷺ) انھیں جو بھی حکم دیتے ہیں، یہ اسے کر لیتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ہاں، اللہ کی قسم! اگر وہ انھیں یہ حکم دیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دیں تو پھر بھی وہ آپ کی بات مانیں گے۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو صحابہ آپ کے وضو کا گرنے والا پانی اپنے ہاتھوں میں لینے لگے۔ یہ دیکھ کر ابوسفیان بے ساختہ بول اٹھا: عباس! میں نے آج رات جیسا منظر قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بھی نہیں دیکھا۔

سیدنا عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صبح ابوسفیان کو خدمت نبوی میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

«وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟»

''ابوسفیان، تم پر افسوس! کیا اب بھی تمھارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟''

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو اب تک ضرور میرے کچھ کام آیا ہوتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''ابوسفیان، تم پر افسوس! کیا تمھارے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تجھ پر افسوس! اس سے پہلے کہ تیری گردن مار دی جائے، اسلام قبول کر لے اور یہ گواہی دے دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ابوسفیان نے حق کی گواہی دی اور اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان چودھراہٹ پسند آدمی ہے، اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نعم، من دخل دار أبي سفيان فهو آمن، ومن أغلق بابه فهو آمن، ومن دخل المسجد فهو آمن»

''ٹھیک ہے، جو ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے گا، اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔''

ابوسفیان کا اسلامی لشکر کا نظارہ

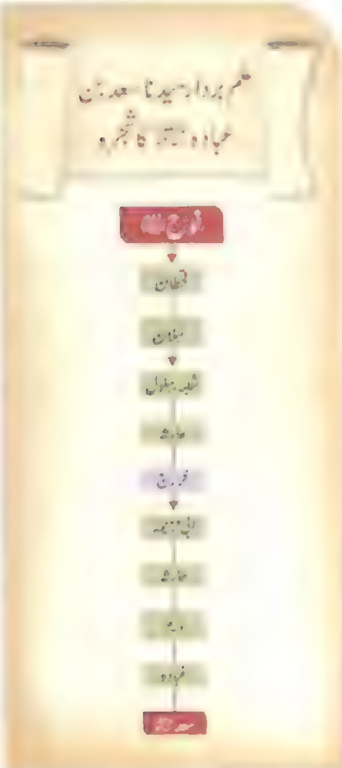
جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يا عباس! احبسه بمضيق الوادي عند خطم الجبل حتى تمر به جنود الله فيراها»

''اے عباس! ابوسفیان کو وادی کی تنگ جگہ پہاڑ کے ناکے پر روک رکھو تاکہ یہ وہاں سے گزرنے والے اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو دیکھ لے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، انھیں وہیں روک لیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پھریرے لیے گزر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھتے: عباس! یہ کون ہیں؟ تو وہ جواب میں کہتے: یہ سُلَیم ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے: مجھے سُلَیم سے کیا واسطہ؟ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتے: اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ کہتے: مزینہ ہیں۔ ابوسفیان کہتے: مجھے مزینہ سے کیا مطلب؟ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار و مہاجرین پر مشتمل اپنے سبز دستے کے ساتھ تشریف لائے۔ اسلحے سے لیس ہونے کے باعث ان سرفروشوں کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: سبحان اللہ، اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بھلا ان سے محاذ آرائی کی طاقت کسے ہے! پھر کہنے لگے: اللہ کی قسم، اے ابوالفضل! تمھارے بھتیجے کی بادشاہت بہت پھیل گئی ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

نے کہا: ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔ وہ کہنے لگے: ہاں فی الواقع یہی بات ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنی قوم کی فکر کرو۔[1]



آج تو رحمت کا دن ہے!

رسول اللہ ﷺ نے اپنا جھنڈا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا، وہ سب سے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ کا گزر ابوسفیان کے قریب سے ہوا تو انھوں نے ابوسفیان کے سامنے یہ الفاظ کہے:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ، اَلْيَوْمَ أَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا

''آج قتال کا دن ہے، آج مکہ کی حرمت حلال ہوگی۔ آج اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کرے گا۔''

ابوسفیان نے جب یہ بات سنی تو وہ بدحواس ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ جب ابوسفیان کے قریب سے گزرے تو ابوسفیان نے پوچھا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَمَرْتَ بِقَتْلِ قَوْمِكَ؟ أَلَمْ تَعْلَمْ مَا قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ؟ ''اللہ کے رسول! کیا آپ کو اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم ملا ہے؟ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''سعد نے کیا کہا ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: سعد اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے یہ کہا ہے: اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ، اَلْيَوْمَ أَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا پھر ابوسفیان آپ سے التجا کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو آپ کی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہیں، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ رحیم و کریم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَذَبَ سَعْدٌ يَا أَبَا سُفْيَانَ، اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ، اَلْيَوْمَ يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ، اَلْيَوْمَ يَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ، اَلْيَوْمَ يَوْمٌ أَعَزَّ اللّٰهُ فِيهِ قُرَيْشًا»

''اے ابوسفیان! سعد نے غلط کہا ہے۔ آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔ آج کے دن تو اللہ تعالیٰ کعبہ کی

[1] صحيح البخاري: 4280، دلائل النبوة للبيهقي 5/32-35، السيرة لابن هشام 4/44-47، البداية والنهاية 4/288-291.

عظمت کو ظاہر کرے گا۔ آج کے دن کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ آج کا دن تو وہ ہے جس روز اللہ تعالیٰ قریش کو عزت سے نوازے گا۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے ایک پیغام کے ذریعے حکم دیا کہ سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے بیٹے کو اس وقت تک دینے سے انکار کر دیا جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کوئی نشانی نہ دیکھ لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا عمامہ بھیجا، اس بنا پر سعد رضی اللہ عنہ کو یقین آ گیا اور انھوں نے اپنا جھنڈا اپنے بیٹے کو دے دیا۔[1]

سعد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے بیٹے کو دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جھنڈا ان کے بیٹے سے لے لیا جائے تاکہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ مسند بزار میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب نبی ﷺ مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تو آپ کے آگے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بات کی کہ قیس کو تبدیل کر دیا جائے، کہیں اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ پھر نبی ﷺ نے قیس کو بدل دیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں کہا ہے کہ پھر وہ جھنڈا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔[2]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قابو آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے صرف ایک ہی اشارے سے انھیں پناہ مل گئی، حالانکہ ان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کے ارادے خطرناک تھے، چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا اور دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کے روبرو پیش کر دیا۔ انھیں ڈانٹ ڈپٹ، تذلیل اور توبیخ کے بجائے اچانک جس چیز سے واسطہ پڑا، وہ اسلام کی طرف دعوت تھی۔ وہ اس کریمانہ کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بلکہ اس پر عش عش کر اٹھے اور انھیں ان کے ضمیر نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

’’اے محمد (ﷺ)! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کس قدر حلیم الطبع، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔‘‘

اب ابوسفیان اپنے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا کر رہا تھا اور آپ کی شان میں ہر قسم کی تعریف و توصیف کے بول، بول رہا تھا۔[3]

پھر جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان سرداری اور عہدے کو پسند کرتے ہیں، لہٰذا آپ انھیں کوئی اعزاز دے دیجیے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ اعزاز بخشا کہ جو بھی ان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے

[1] المغازي للواقدي: 2/256، [illegible]: 5/220، 221. [2] فتح الباري: 8/12. [3] فقه السيرة للغضبان، ص: 564، صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 518-520.

گا، امن میں رہے گا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی مقام دینا ان کی خواہش کی تسکین کا باعث بنا۔ یہ اعزاز مرحمت فرمانا دراصل انھیں اسلام پر پختہ اور ایمان پر پکا رکھنے کے لیے تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ انداز کریمی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل سے حسد و کینہ نکال دینے کا ایک وسیلہ تھا، نیز اس میں ان کے لیے یہ واضح پیغام تھا کہ اگر وہ مخلص ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنی توانائیاں صرف کریں گے تو قریش میں انھیں جو مقام و مرتبہ حاصل تھا، اسے گھٹایا نہیں جائے گا۔[2]

آپ ﷺ کا یہ فیاضانہ انداز علماء اور داعیانِ اسلام کے لیے ایک نمونہ ہے جسے انھیں مکمل طور پر اختیار کرنا چاہیے۔ ابوسفیان پناہ لینے کے لیے مدینہ گیا تھا لیکن اسے وہاں سے خائب و خاسر ہو کر لوٹنا پڑا۔ اس موقع پر وہ کفر کا سرغنہ اور اپنی قوم قبیلے کا نمائندہ بن کر گیا تھا جنھوں نے معاہدے کو توڑنے کی جسارت کی تھی اور امن و امان کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ جب وہ اس حالت میں مدینہ گیا تو اسے کسی مسلمان نے بھی قابل اعتنا نہ سمجھا بلکہ ابوسفیان کی بیٹی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ واضح کر دیا کہ تم چونکہ کافر ہو، اس لیے تمھاری کوئی حیثیت نہیں۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے نامراد کیا اور کہا کہ ہماری طرف سے پناہ دینا ممکن نہیں کیونکہ ہماری پناہ بھی رسول اللہ ﷺ کی پناہ کے تابع ہے۔ لیکن جب وہ مکہ میں اپنی قوم سے الگ ہو کر جیش نبوی کی طرف سے خطرہ محسوس کرنے لگا تو اس موقع پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اسے پناہ دی اور پھر اسے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان مدینہ گیا تھا، اس وقت وہ ایک نمائندہ تھا، اس کی ذاتی حیثیت نہ تھی اور جب وہ مکہ سے باہر اسلامی لشکر کی ٹوہ میں نکلا، اس وقت

1 [illegible] 403/2 2 [illegible] 245

قدیم مدینہ منورہ کا ایک منظر



وہ ذاتی حیثیت سے نکلا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ نہایت عمدہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائے تو مکہ بچ سکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے صرف امن کا پروانہ ہی نہیں تھمایا بلکہ اس اعزاز سے بھی نوازا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے۔ اس سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دوراندیشی اور آپ ﷺ کے نزدیک ان کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو وادی کی تنگ نائے (گزرگاہ) پر کھڑا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ وہاں سے گزرنے والے اسلامی لشکروں کا مشاہدہ کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ قریش پر نفسیاتی جنگ مسلط کریں تاکہ اس طرح قریشی سردار کے مقابلہ کرنے کے خیالات کو بہتر طریقے سے بدل کر مثبت رخ کی طرف پھیر دیں۔ یہ بھی مقصد تھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دیکھ لیں کہ اسلامی لشکر حسن اطاعت اور نظم و ضبط کا کیسا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس طرح شرک اور بت پرستی کے پنجوں سے مکہ مکرمہ کو آزاد کرانے کے موقع پر اگر اہل مکہ کے دماغوں میں اس مبارک لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کا کوئی خیال آ رہا ہے تو وہ اس کی اصلاح کر لیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ طریق کار بڑا کارگر ثابت ہوا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ حقیقت تسلیم کر لی کہ قریش میں مسلمانوں کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کی ہرگز استطاعت نہیں حتی کہ جب مہاجرین و انصار کا لشکر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا: سبحان اللہ! عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: یہ مہاجرین و انصار کے جلو میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم، اے ابوالفضل! ان لوگوں کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ایسی کسی میں طاقت ہے۔ تمھارے برادرزادے کی حکومت بہت عظیم الشان ہوگئی ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔'' وہ کہنے لگا: تب تو اور بھی اچھا ہے۔

''یہ نبوت ہے۔'' یہ وہ کلمہ ہے جو حکمت الٰہی نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری کرایا تاکہ ایسے شخص کا قیامت تک رد ہوتا رہے جو یہ وہم رکھتا ہے یا کسی اور کو اس وہم میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت حکمرانی یا چودھراہٹ قائم کرنے کے لیے تھی، یا اس کا مقصد (عرب) قومیت یا عصبیت کو زندہ کرنا تھا۔ یہ وہ کلمہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اول تا آخر پوری زندگی کا عنوان اور امتیازی نشان تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کے لمحات اور مراحل اس کے منہ بولتے گواہ ہیں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانے پر مامور کیا گیا تھا۔ آپ دنیا میں اپنے دل کی چاہت کے مطابق حکمرانی قائم کرنے نہیں بلکہ پرچم توحید

[1] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 447.

بلند کرنے آئے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے سفر کے دوران دشمنوں پر نفسیاتی جنگ مسلط رکھی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے کئی مقامات پر آگ جلانے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دس ہزار الاؤ ایک ہی رات میں روشن کر کے فضا کو منور کر دیا۔ یوں اس لشکر کے قیام کا منظر اتنا رعب دار تھا کہ اس کی ہیبت سے قریشیوں کے دل پھٹنے کے قریب ہو گئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا اصل ارادہ ہی یہ تھا کہ دشمن کے فاسد عزائم کو خاک میں ملایا جائے اور ان کے خیالات پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ وہ کسی قسم کے مقابلے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ انھیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے تاکہ خون بہائے بغیر مقصود حاصل کر لیا جائے۔ اس اسلوب کو عملاً و فعلاً اختیار کر کے آپ ﷺ نے مطلوبہ نتائج حاصل کر لیے اور اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ نبی مکرم ﷺ اپنے بالمقابل لڑنے والے کے خیالات کا جنگ سے پہلے ہی اچھی طرح جائزہ لے لیتے تھے۔ جنگ سے پہلے جنگ کا یہ بہترین اصول ہے۔ اس کی اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانہ نبوی کے بعد جنگی قوانین مرتب کرنے والے کیڈٹ کا جز میں جنگی اعتبار سے اس پہلو کو بڑا اہم گردانا جاتا ہے اور اس پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔[3]

ابوسفیان کو قتل نہ کرنے کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے خصوصی حکم صادر فرمایا تھا کہ ابوسفیان بن حرب کو قتل نہ کیا جائے جو قریش کا سردار اور اہل مکہ کی فوج کا سالار عام تھا۔ غزوۂ احد اور احزاب کے علاوہ دیکھا جائے تو اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا اس طرح کا شدید دشمن نہ تھا جس طرح ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ تھے۔ وہ نہایت عقلمند تھا اور اس کے کچھ اس طرح کے تاریخی کارنامے بھی تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اعتدال پسند تھا۔

ان میں ایک تو وہ تاریخی مشورہ تھا جو اس نے بدر میں لڑائی سے قبل ابوجہل کو دیا تھا کہ وہ اپنا قافلہ واپس لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے، اب لڑائی کی ضرورت نہیں، اس لیے واپس آ جاؤ اور مسلمان فوج سے تصادم سے گریز کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس نے بنوخزاعہ کے ساتھ خیانت میں مشارکت کو برا سمجھا اور قریش کو اس پر ملامت کی اور ہجرت سے پہلے مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر کوئی دست درازی اور زبان درازی نہیں کی جیسا کہ عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث اور ابوجہل بن ہشام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون کو مباح قرار نہیں دیا بلکہ مجاہدین اسلام کو حکم دے دیا کہ اگر کسی کو ابوسفیان مل جائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔

[1] فقه السيرة للغزالي، ص: 276 [2] دیکھیے الطبقات لابن سعد: 135/2 [3] العبقرية العسكرية في غزوات الرسول ﷺ، محمد فرج، ص: 565.



شرک سے بیزار چار افراد

رسول اللہ ﷺ مکہ کے قریب تھے کہ ایک روز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ بِمَكَّةَ لَأَرْبَعَةَ نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ أَرْبَأُهُمْ عَنِ الشِّرْكِ، وَأَرْغَبُ لَهُمْ فِي الْإِسْلَامِ"

"بلاشبہ مکہ میں چار افراد ایسے ہیں جو شرک سے بیزار ہیں اور اسلام سے رغبت رکھتے ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"عَتَّابُ بْنُ أَسِيدٍ، وَجُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ، وَحَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ، وَسُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو"

"عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو ہیں۔"[1]

مکہ میں داخلہ اور فتح کی منصوبہ بندی

ذی طویٰ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔[2] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر رکھا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیادوں پر مقرر کیا اور بطن وادی میں چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے شاہسواروں پر سالار مقرر کر کے بھیجا اور حکم دیا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے، یعنی کداء سے داخل ہوں اور حجون میں اپنا جھنڈا گاڑ کر میری آمد تک وہیں رہیں۔ اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قضاعہ اور سلیم وغیرہ کے قبائل پر سالار مقرر کر کے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ مکہ کے زیریں حصے سے داخل ہوں اور گھروں کے بالکل قریب جھنڈا گاڑ دیں۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو

---

1 المستدرك للحاكم: 595/3. یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 السيرة لابن هشام: 49/4.

انصار کے ایک گروہ کے ہمراہ آگے آگے روانہ فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھیں، صرف اس سے لڑائی کریں جو خود قتال کرے۔

اس طرح تمام افراد کی ذمہ داریاں مقرر ہو گئیں۔ سب نے اپنی اپنی ذمہ داری جان لی اور جس رستے سے جانا تھا، وہ بھی معلوم کر لیا۔[1]

یوں مسلمانوں کا یہ عظیم الشان لشکر بیک وقت چاروں اطراف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا۔ اسلامی افواج کے سامنے کوئی نہ آیا۔ چاروں اطراف سے بیک وقت اسلامی لشکر کا داخل ہونا، مشرکین کے گروہوں کے لیے ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ ایک جگہ اکٹھے ہی نہ ہونے پائے اور مقابلے کا وقت نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ پرحکمت جنگی تدبیر تھی جو آپ ﷺ نے اس وقت اپنائی جب مجاہدین اسلام جنگی تیاری اور کثرت تعداد کے اعتبار سے دشمن سے زیادہ قوی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ منصوبہ پوری طرح کامیاب رہا، چنانچہ مشرکین میں مقابلے کی طاقت ہی نہیں تھی، وہ ام القری کی طرف رواں دواں اس لشکر کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکے۔ تمام سپہ سالاروں نے سونپے گئے علاقے کو امن و سلامتی سے زیرنگین کر لیا، سوائے اس علاقے کے جدھر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گئے تھے۔[2]

اس جانب قریش کے کچھ سرپھرے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کے کچھ حلیف بھی تھے۔ یہ تمام لوگ ''خندمہ''[3] میں جمع تھے۔

ان لوگوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اگلے دستے کا تیروں کی بوچھاڑ سے استقبال کیا۔ یہ لوگ لڑائی پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں معاملہ نمٹانے کا حکم دیا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ یہ گروہ بکھر گیا۔ ان میں سے کچھ افراد قتل کر دیے گئے۔ اس طرح لشکر اسلام کا مکہ مکرمہ پر مکمل قبضہ ہو گیا۔[4]

حماس کی حماقت

تاریخ و سیر کی کتب حماس بن قیس بن خالد کا قصہ بیان کرتی ہیں۔ یہ شخص قبیلہ بنو بکر سے تھا۔ اس نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اسلحہ تیار کر رکھا تھا۔ اس کی بیوی جب بھی اسے اسلحہ درست اور تیار کرتا دیکھتی تو پوچھتی: ''یہ کیسی تیاری ہے؟ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟'' وہ کہتا: ''یہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی

---

1 من معين السيرة للشامي، ص: 422،421 2 صحيح وضعيف من الحديث النبوي [illegible] فتح الباري [illegible]: 397 3 خندمہ: یہ مکہ کے مشرقی جانب ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو ابوقبیس سے متصل ہے اور اس کا آخری شمال مشرقی حصہ شعب الخضراء تک جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 115،114) 4 [illegible] ص: 123،122

تیاری ہے۔'' ایک دن اس کی بیوی نے اس سے کہا: ''واللہ! محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے مقابل آج تک کوئی چیز نہیں ٹھہر سکی۔'' اس نے جواباً کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمھارا خادم بنا دوں گا۔'' اس کے بعد کہنے لگا:

إنْ يُقْبِلُوا الْيَوْمَ فَمَالِي عِلَّة   هٰذا سِلاحٌ كامِلٌ وَآلَّهْ

وَذُو غِرَارَيْنِ سَرِيعُ السَّلَّة

''اگر وہ آج مد مقابل آ گئے تو میرے لیے کوئی عذر نہیں، میرے ہتھیار بھرپور ہیں، لمبی انی والا نیزہ بھی ہے اور جھٹ سونتی جانے والی دودھاری تلوار بھی۔''

فتح مکہ کے دن عکرمہ کی جماعت میں شامل ہو کر حماس نے بھی تھوڑی دیر مقابلہ کیا مگر پھر دیکھا کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابلے میں مشرکین بھاگتے نظر آ رہے ہیں تو یہ بھی شکست کھا کر بھاگا، اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا: ''دروازہ بند کر دو۔''

بیوی نے اپنے شاہسوار خاوند سے دریافت کیا: ''بہادر! وہ تمھارا دعوی کہاں گیا جو تم کیا کرتے تھے؟'' اس نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا:

إنكِ لو شهدتِ يومَ الخندمة   إذ فرَّ صفوانُ وفرَّ عكرمة

''اگر تو خندمہ کی وہ جنگ خود دیکھ لیتی، جب حالت یہ تھی کہ صفوان بھی نکل بھاگا اور عکرمہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔''

وأبو يزيد قائمٌ كالمؤتمة   واستقبلتهم بالسيوف المسلمة

''ابو یزید ستون کی طرح کھڑا رہ گیا اور ان سب کا استقبال مسلمانوں کی تلواروں نے کیا۔''

يقطعن كلَّ ساعدٍ وجمجمة   ضرباً فلا يُسمعُ إلا غمغمة

''تلواریں ہر کلائی اور ہر کھوپڑی پر برس رہی تھیں اور اسے کاٹ رہی تھیں۔ ملی جلی آوازوں کے شور کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔''

لهم نهيتٌ خلفنا وهمهمة   لم تنطقي في اللوم أدنى كلمة

''ہمارے پیچھے ان کی للکار اور سینے سے اٹھنے والا غصہ ہی الگ سنائی دے رہا تھا، بس تو اپنی زبان بند رکھ اور



ذی طوی
جبل الاحمر
المعلاۃ
آبار
جبل ہندی
جبل قعیقعان
جبل عمر
جبل نور
جبل ثبیر
اجیاد
کُدی
مسفلہ
مجاہدین اسلام کا محاصرۂ مکہ
(20 رمضان 8ھ)
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
"جب آگئی مدد اللہ کی اور فتح" (النصر:1/110)

کوئی ادنیٰ سا بھی حرفِ ملامت مت بول۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اسلامی لشکر کے داخلے سے پہلے ہی کرفیو کا اعلان کرا دیا تاکہ آپ ﷺ بغیر الجھاؤ کے کم سے کم ممکنہ خونریزی سے فتح مکہ کی مہم مکمل کر سکیں۔ آپ ﷺ نے واضح طور پر عام اعلان فرما دیا:

«من دخل دار أبي سفيان فهو آمن، ومن أغلق بابه فهو آمن، ومن دخل المسجد فهو آمن»

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی حویلی کو اہمیت دیتے ہوئے اسے جائے امن قرار دیا تاکہ ابوسفیان اہل مکہ کو پرسکون رہنے اور اطاعت کی راہ اختیار کرنے میں آپ ﷺ کا معاون ثابت ہو اور پر امن طریقے سے کشت و خون کے بغیر مکہ مکرمہ کی فتح کا راستہ ہموار ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ فخر و سرداری کے آرزومند ابوسفیان کی تسلی بھی ہو جائے تاکہ اس طرح اس کے دل میں ایمان پختہ ہو جائے۔[2]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے مکہ پہنچے اور انھوں نے بلند آہنگی سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اے قریش کے لوگو! محمد ﷺ آگئے ہیں، وہ اتنا بڑا لشکر لائے ہیں کہ تم میں اس کے مقابلے کی تاب نہیں، لہٰذا جو میرے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔"

یہ سن کر ہند بنت عتبہ اٹھی اور اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی مونچھ پکڑ کر بولی: "اس مشک کی طرح چربی بھرے، پتلی پنڈلیوں والے کو مار ڈالو۔ برا ہو ایسے خبر رساں کا۔" ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: "تمھاری بربادی ہو! دیکھو تمھاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ محمد ﷺ ایسا لشکر لائے ہیں جس سے مقابلے کی تم میں تاب نہیں، اس لیے جو میرے گھر میں آ جائے، اسے امان ہے۔" لوگوں نے کہا: "تجھ پر اللہ کی مار! بھلا تیرا ڈیرہ ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آ سکتا ہے؟" ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: "جو شخص اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔" یہ اعلان سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مکہ کی بالائی جانب "کداء" سے مکہ پہنچنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے یہ امر پسند فرمایا کہ آج اس مقام "کداء" سے مکہ میں داخل ہوں جس کا تذکرہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں قریش کی ہجو کرتے

---

1 [illegible] دلائل [illegible] 4/5150، البداية والنهاية 4/295. 2 دراسات في السيرة النبوية [illegible]، ص 245. 3 البداية والنهاية: 4/289، 290.

ہونے لگا تھا۔ ان کا یہ قصیدہ بہت اعلیٰ اور دلکش ہے۔ اس قصیدے کا ایک شعر یہ ہے:

عَدِمْنَا خَيْلَنَا إِنْ لَمْ تَرَوْهَا   تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ

''ہمارے شہسوار یہاں نظر نہیں آ رہے، اگر تم نے انھیں نہیں دیکھا تو وہ غبار اڑا رہے ہوں گے۔ اب وہ ''کداء'' کے علاقے میں ملیں گے۔''[1]

درج ذیل روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کداء ہی سے داخل ہونا چاہتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عام الفتح کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ عورتیں گھوڑوں کے چہروں پر اپنے دوپٹے مار رہی ہیں، آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ آپ کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک شعر یاد آیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا:

تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ   تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

''ہمارے عمدہ گھوڑے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہوں گے تو عورتیں ان کے چہروں پر دوپٹے مار رہی ہوں گی۔''[2]

دس فتنہ گروں کو قتل کرنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قتال سے منع فرمایا تھا، صرف ان لوگوں سے جنگ کی اجازت دی تھی جو مقابلے پر اتر آئیں، البتہ کفر کے بعض سرغنے ایسے تھے جن کی اسلام دشمنی نہایت سخت اور دہ لوگ تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایسے مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ کعبہ کے غلاف سے بھی چمٹ جائیں، تب بھی انھیں قتل کر دیا جائے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز چار مردوں اور دو عورتوں کے علاوہ سب کو امان عنایت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اقْتُلُوهُمْ وَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمْ مُتَعَلِّقِينَ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ: عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خَطَلٍ، وَمَقِيسُ بْنُ صُبَابَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي السَّرْحِ»

''انھیں قتل کر دو، چاہے تم انھیں کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا پاؤ: 1 عکرمہ بن ابی جہل۔ 2 عبداللہ بن خطل۔

---

[1] البداية والنهاية 309/4 ◦ [2] المستدرك للحاكم 263/2، ح، مزید دیکھیے صحیح مسلم 2490

3 مقیس بن صبابہ۔ 4 عبداللہ بن سعد بن ابی السرح۔''[1]

اسی طرح سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: احد کے روز چونسٹھ انصاری اور چھ مہاجر شہید ہوئے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عہد کیا کہ اگر ہمیں مشرکین پر اس طرح غلبہ پانے کا موقع ملا تو ہم (کشتوں کے پشتے لگا دیں گے اور) ان کے بہت سے لوگوں کو ماریں گے۔ جب فتح مکہ کا موقع آیا تو ایک مجہول شخص نے کہا: آج کے بعد قریش نہیں رہیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک پکارنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان بلند آہنگی سے سنایا:

«أَمِنَ الْأَسْوَدُ وَالْأَبْيَضُ إِلَّا فُلَانًا وَ فُلَانًا» نَاسًا سَمَّاهُمْ.

''گورے اور کالے سب لوگوں کو امن ہے مگر فلاں فلاں شخص کو امان نہیں۔'' پھر آپ نے ان لوگوں کے نام لیے۔''[2]

ان مشرکین کی کل تعداد پندرہ ہے۔ یہ بے حد شریر اور فتنہ پرور لوگ تھے۔ انھوں نے انتہائی خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے بارے میں خدشہ تھا کہ یہ اپنے خبث باطن سے باز نہیں آئیں گے اور فتح مکہ کے بعد بھی فتنہ پھیلائیں گے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا گیا اور کچھ نے اسلام قبول کر کے توبہ کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف فرما دیا۔ ان کے نام یہ ہیں: 1 عکرمہ بن ابی جہل 2 عبداللہ بن سعد بن ابی السرح 3 ہبار بن الاسود 4 ہند بنت عتبہ 5 سارہ 6 کعب بن زہیر بن ابی سلمی 7 وحشی بن حرب 8 عبداللہ بن زبعری 9 10 فرتنی اور قریبہ 11 مقیس بن صبابہ 12 عبداللہ بن خطل 13 حویرث بن نقیذ 14 حارث بن طلاطل خزاعی 15 ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔

جنھوں نے اسلام قبول کر لیا

1 عکرمہ بن ابی جہل: یہ مسلمانوں اور اسلام کا شدید ترین دشمن تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے حد اذیتیں دی تھیں۔ آخر یہ مسلمان ہو گیا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ (ان کے قبول اسلام کی تفصیل آگے آنے کی)

2 عبداللہ بن سعد بن ابی السرح: یہ اول اول مسلمان ہو گیا تھا، وحی لکھتا تھا لیکن شیطان کے بہکاوے میں آ گیا، مرتد ہو گیا اور کفار سے جا ملا۔ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ فتح مکہ کے دن چھپ گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔

1 سنن النسائي: 4072. 2 مسند أحمد: 135/5.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول! عبداللہ حاضر ہے، آپ اس سے بیعت لے لیں اور اس کا اسلام قبول فرما لیں۔ چنانچہ یہ شخص دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ سے ہاتھ کھینچ لیا تھا تو تم میں سے کوئی اٹھتا اور اسے قتل کر دیتا۔'' ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ آنکھ سے اشارہ کر دیتے۔ آپ نے فرمایا: ''کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آنکھ سے اشارہ کرے۔''[1] اس کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدم مسلمان ثابت ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل دور رہے۔

3 **ہبار بن الاسود:** جس وقت سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے اونٹ پر سوار تھیں، اس وقت اس شخص نے انھیں زدوکوب کیا اور اونٹ کو بھی مارا جس سے اونٹ بدک گیا اور سیدہ زینب ایک پتھر پر گر گئیں۔ اسی وجہ سے ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔ اس کی تکلیف انھیں لاحق رہی یہاں تک کہ وہ انتقال فرما گئیں۔ جب آپ جعرانہ سے واپس آ رہے تھے تو ہبار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ صحابہ کہنے لگے: یہ ہبار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ اس موقع پر اس نے آپ سے معذرت کی تو آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ اس کے بعد یہ اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

4 **ہند بنت عتبہ:** یہ مسلمانوں کی شدید ترین دشمن تھی۔ اس نے غزوۂ احد کے موقع پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا اور ان کا پیٹ چاک کر دیا تھا۔ ہند نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کر لیا، پھر گھر جا کر تمام بت توڑ ڈالے اور کہنے لگی: اللہ کی قسم! تمھاری وجہ سے ہم دھوکے میں تھے۔

5 **سارہ:** یہ بنی عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ اس کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ اس نے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ کا خط مشرکین کو پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔

6 **کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ:** یہ مشہور شاعر تھا۔ مکہ سے بھاگ گیا تھا۔ بعد میں یہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جو ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر اُسے اپنی چادر عنایت فرمائی۔

7 **وحشی بن حرب:** یہ وہ شخص ہے جس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ غزوۂ احد کے ضمن میں اس کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر بھاگ کر طائف پہنچ گیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

[1] سنن أبي داود:2683.

حاضر ہوا اور معافی مانگی۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ یوں یہ شخص مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ وحشی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے لشکر میں شامل ہوئے اور جس نیزے سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اسی سے مسیلمہ کو قتل کر دیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہی نیزہ ہے جس سے میں نے بہترین شخص کو شہید کیا اور اسی نیزے سے میں نے ایک بدترین شخص کو ہلاک کر ڈالا ہے۔[1]

عبداللہ بن زبعری: یہ زبردست شاعر تھا۔ آپ ﷺ کی شعروں کے ذریعے ہجو کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اسے قتل کرنے کا حکم دیا تو یہ بھاگ کر نجران چلا گیا، پھر تائب ہو کر آپ ﷺ کی مدح میں اشعار بھی کہے۔

فرتنی اور قریبہ: یہ ابن خطل کی دو گانے والیاں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک ماری گئی۔ دوسری قریبہ نے امن کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے امان دے دی، چنانچہ یہ مسلمان ہوئی۔

جو قتل کر دیے گئے

مقیس بن صبابہ: غزوہ بنی مصطلق میں ایک انصاری کے ہاتھوں مقیس کا بھائی غلطی سے قتل ہو گیا۔ اسے دیت دے دی گئی لیکن اس کے بعد اس نے اس صحابی پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا اور پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ نکلا۔ اسے سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

عبداللہ بن خطل: یہ پہلے مسلمان تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کا مال اکٹھا کرنے کے لیے ایک انصاری صحابی کے ساتھ کہیں روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھ ان کا ایک آزاد کردہ مسلمان غلام بھی تھا جو ان کی خدمت پر مامور تھا۔ عبداللہ بن خطل نے غلام کو صرف اس بات پر قتل کر دیا کہ وہ ان کے لیے کھانا تیار نہیں کر سکا۔ پھر ابن خطل مرتد ہو گیا اور اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنے لگا۔ مرتد ہونے کے بعد وہ صدقات کے اونٹ بھی ہانک کر مشرکین کے پاس لے گیا۔ یہ شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹ گیا۔ آپ ﷺ کو اس بارے میں اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔'' چنانچہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سعد بن حریث رضی اللہ عنہ نے اسے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے مابین قتل کر دیا۔

حویرث بن نقیذ: یہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا اور اپنے کلام میں آپ ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر، ص: 749.

اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

11 حارث بن طلاطل یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔ فتح مکہ کے روز اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

12 ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی یہ بھی آپ ﷺ کے خلاف ہجویہ شعر کہا کرتا تھا، ام ہانی ہند بنت ابی طالب کا شوہر تھا۔ فتح مکہ کے دن یہ نجران کی طرف بھاگ گیا اور کفر کی حالت میں وہیں مر گیا۔[1]

قریش کے آوارہ نوجوان

اسلامی لشکر کے مکہ میں داخلے کے موقع پر ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ قریش کے کچھ اوباش لڑکے جمع ہو گئے، ان کے ساتھ بنوبکر، بنو حارث، بنو عبد مناف اور ہذیل کے کچھ لوگ زیریں مکہ میں اکٹھے ہوئے۔ وہ گمان کرنے لگے کہ ہم مسلمانوں کے آگے آگے چلے چلتے ہیں، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو ہم ان کے ساتھ مل جائیں گے اور مال غنیمت بٹوریں گے۔ اگر یہ ناکام رہے تو ہم چپکے سے کھسک جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! اُدْعُ لِيَ الْأَنْصَارَ»

''ابوہریرہ! انصار کو میرے پاس بلاؤ۔''

انصار بھاگتے ہوئے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 4/52، 53، سبل الهدى والرشاد: 5/223-226، المغازي للواقدي: 2/274-285، فتح الباري: 8/15، الكامل لابن الأثير: 2/123-126.



قصر الامارہ (نجران)

«يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! هَلْ تَرَوْنَ أَوْبَاشَ قُرَيْشٍ؟»

''اے خاندان انصار! کیا تم قریش کے اوباشوں کو دیکھ رہے ہو؟''

عرض کیا: ''جی ہاں!'' فرمایا:

«انْظُرُوا إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ غَدًا أَنْ تَحْصُدُوهُمْ حَصْدًا»

''دیکھو! کل جب ان سے مڈبھیڑ ہو تو انھیں کاٹ کر رکھ دو۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا:

«مَوْعِدُكُمُ الصَّفَا»

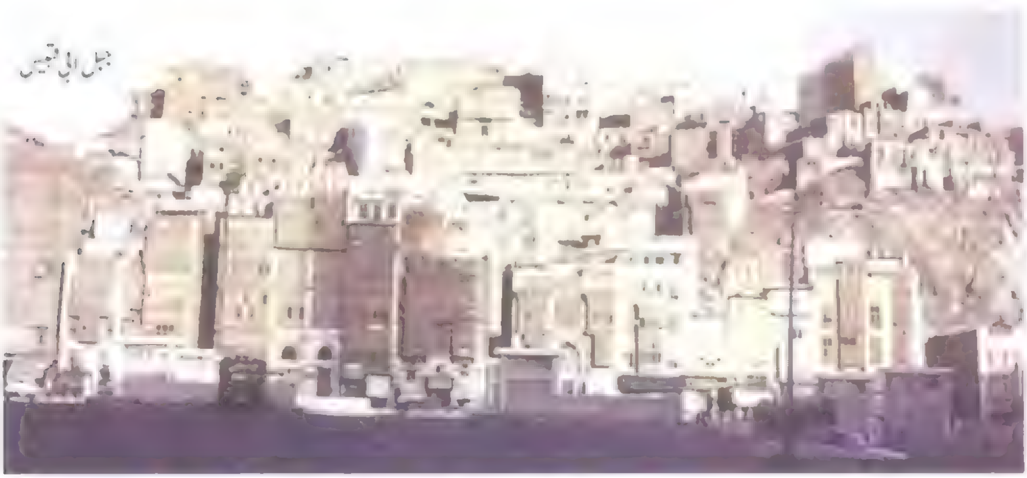
''تم مجھے صفا پہاڑی پر ملنا۔''

چنانچہ قریش کے آوارہ نوجوانوں کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا اور وہ مزاحمت سے باز آ گئے۔[1]

ابو قحافہ کا قبول اسلام

سیدہ اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مقام ذی طوی میں ٹھہرے ہوئے تھے، اس دن ابو قحافہ نے جو نابینا تھے، اپنی چھوٹی بیٹی سے کہا: اے بیٹی! مجھے جبل ابی قبیس پر لے چلو۔ جب ابو قحافہ جبل ابی قبیس پر پہنچے تو پوچھا: اے بیٹی! تم اس وقت کیا دیکھ رہی ہو؟ اس نے کہا: میں لوگوں کا ہجوم دیکھ رہی ہوں۔ ابو قحافہ نے کہا: یہ گھڑ سوار ہیں۔ لڑکی نے کہا: ایک آدمی اس ہجوم کے آگے آگے دوڑ رہا ہے۔ ابو قحافہ کہنے لگے:

[1] صحیح مسلم، حدیث: (84و86)-1780.



بیٹی! یہ گھڑ سواروں کا قائد ہے۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے کہا: سارے گھڑ سوار بکھر گئے ہیں۔ ابوقحافہ نے کہا: جب گھڑ سوار آگے بڑھنے لگیں تو مجھے فوراً گھر لے چلنا۔ لڑکی انھیں لے کر گھر کی طرف چل دی۔ گھڑ سواروں نے ابوقحافہ کو ان کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی پالیا۔ لڑکی کے گلے میں چاندی کا ایک ہار تھا جسے ایک آدمی نے اتار لیا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو مسجد حرام میں جلوہ افروز ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے جب ابوقحافہ کو دیکھا تو فرمایا:

«هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا آتِيهِ فِيهِ؟»

''تم نے انھیں گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے والد اسی بات کے مستحق تھے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں چل کر آتے، بجائے اس کے کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر پھیرا اور فرمایا: «أَسْلِمْ» ''مسلمان ہو جائیے۔'' تو ابوقحافہ فوراً مسلمان ہوگئے۔

سیدہ اسماء کہتی ہیں کہ جب میرے والد ابوبکر اپنے والد ابوقحافہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر گئے تو ان کے سر کے بال بالکل سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «غَيِّرُوا هٰذَا مِنْ شَعْرِهِ» ''ان کے بالوں کا رنگ بدل دیجیے۔'' پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کا ہاتھ تھام کر کھڑے ہوگئے اور پوچھنے لگے: میں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میری بہن کا ہار کس کے پاس ہے؟ کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا: اے میری بہن! اپنے ہار کے بدلے ثواب کی امید رکھ کیونکہ آج امانتوں پر لوگوں کی توجہ نہیں، یعنی جیش کی کثرت اور لوگوں کے انتشار کی وجہ سے کسی پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا:

«غَيِّرُوهُ وَلَا تُقَرِّبُوهُ سَوَادًا»

''ان کے بالوں کا رنگ بدل دو مگر کالا رنگ نہ کرنا۔''[2]

1 مسند أحمد 6/349، 350، صحيح ابن حبان 16/187، 188۔ 2 دلائل النبوة للبيهقي 5/96، المستدرك للحاكم 3/244.

مکہ میں داخلے کے وقت انکسار

ابوسفیان مکہ میں داخل ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ میں ٹھہر گئے، آپ ﷺ نے کچھ دیر انتظار کیا تاکہ آپ کے دیگر جاں نثار مجاہدین آپ کے ساتھ مل سکیں۔ آپ ﷺ اپنے سبز پوش دستے کے ساتھ جلوہ افروز تھے اور اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا۔[1] جب آپ ﷺ کے سارے جاں نثار اکٹھے ہو گئے تو آپ نے مکہ کی طرف جانے کا قصد فرمایا۔ آپ ﷺ کے اردگرد مہاجرین وانصار کے دستے چل رہے تھے۔ اس موقع پر جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقید المثال فتح سے سرفراز فرمایا تھا، آپ ﷺ انتہائی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی کا اعلان واظہار فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا سر مبارک تواضع سے اس قدر جھکا ہوا تھا کہ آپ کی ڈاڑھی اونٹ کے کجاوے کو چھو رہی تھی۔[2] آپ ﷺ اس وقت سورۂ فتح کی آیات تلاوت کر رہے تھے۔[3] جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ مکہ کی فتح مندی، گناہوں کی بخشش اور نصرت ربانی کی زبردست نعمت کے احساس سے معمور تھے۔ آپ نے عدل وانصاف اور تواضع وانکسار کا ہر شعار اپنائے رکھا۔ آپ ﷺ نے اپنی سواری پر پس پشت اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ ؓ کے صاحبزادے اسامہ کو بٹھا رکھا تھا۔[4] اس میں اسامہ ؓ کی زبردست فضیلت ہے کہ یہ سعادت ان کے حصے میں آئی، حالانکہ اس وقت اور بھی بہت سی شخصیات موجود تھیں۔ یہ جمعۃ المبارک، 20 رمضان اور آٹھ ہجری کی صبح تھی۔[5] آپ ﷺ اسی مکہ مکرمہ میں پرچم توحید بلند کرتے ہوئے داخل ہو رہے تھے جہاں سے کور بصر مشرکوں نے آپ کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک عظیم لشکر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا جو آہستہ آہستہ حرم مکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ زرہ پوش لشکر چاند کے "ہالے" کی طرح آپ کے اردگرد تھا اور آپ ﷺ کے ایک اشارے کا منتظر تھا۔ یہ فتح مبین آپ ﷺ کو عمر رفتہ کی کہانی بھی یاد کرا رہی تھی۔ مشرکین مکہ کا ستایا ہوا حق کا ایک عظیم داعی قوت اور سچائی کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ جب اللہ کا یہ عظیم احسان یاد آیا تو رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک فرطِ عقیدت سے اللہ کے حضور جھکتا ہی چلا گیا۔

بیت اللہ کا طواف اور بتوں کی شامت

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کی طرف بڑھے۔ مہاجرین وانصار پروانہ وار آپ ﷺ کے اردگرد اور آگے پیچھے چل رہے تھے۔ صحابہ کرام ؓ تکبیر وتہلیل کے ساتھ مسرت وشادمانی کے کلمات بلند کر رہے تھے۔ آپ ﷺ حجر اسود کی

---

1 صحیح مسلم 1358 2 السیرۃ لابن إسحاق 526/2 3 صحیح البخاري 4281 4 صحیح البخاري :4289
5 السیرۃ النبویۃ للندوي، ص :343.

طرف بڑھے اور اپنے عصا کی نوک سے اس کا استلام فرمایا۔ پھر آپ نے اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔ ہر چکر میں آپ نے حجر اسود کا اسی طرح استلام کیا۔[1] جب آپ طواف کرنے لگے تو دیکھا کہ بیت اللہ کے ساتھ تین سو ساٹھ بت لوہے کے کڑے کے ساتھ آویزاں ہیں۔ آپ ﷺ جب کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اسے اپنے عصا کی ضرب کاری لگاتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ ۚ إِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ ﴾

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''[2]

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبٰطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝ ﴾

''حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا اور نہ دوبارہ ابھرے گا۔''[3]

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے دست مبارک میں موجود چھڑی سے جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ گدی کے بل گر پڑتا تھا اور جس بت کی گدی کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ چہرے کے بل گر پڑتا تھا۔[4]



کعبہ کا بے بس کلید بردار

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ وہ کعبہ کی حفاظت و نجابت کا ذمہ دار تھا۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا: [illegible]

''میرے پاس چابی لاؤ۔''

یہی عثمان بن طلحہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے اس سے بیت اللہ کی چابی مانگی تھی تو حالت یہ تھی کہ اس نے آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی کی اور کنجی دینے سے انکار کر دیا لیکن آپ ﷺ نے نہایت صبر سے کام لیا اور فرمایا:

«لَعَلَّكَ سَتَرٰى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِي أَضَعُهُ حَيْثُ شِئْتُ»

1 السيرة لابن هشام 54/4 2 بني إسرائيل 81:17 3 سبأ 49:34 4 صحيح البخاري 4287، صحيح مسلم 1781، السيرة لابن هشام: 59/4.

''عنقریب ایک دن تو یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھے گا اور پھر میں جسے چاہوں گا، دے دوں گا۔''

اس وقت عثمان نے کہا تھا: اگر ایسا دن آیا تو وہ قریش کی ہلاکت اور ذلت کا دن ہوگا۔ آپ ﷺ نے اسے جواب فرمایا تھا: بل عمرت وعزت يومئذ ''بلکہ وہ قریش کی آبادکاری اور عزت و رفعت کا دن ہوگا۔''[1]

آج عثمان کو وہ دن اور وہی منظر یاد آرہا تھا۔ آج وہ اپنے روبرو آپ ﷺ کے الفاظ کو روز روشن کی طرح حقیقت کی شکل میں ڈھلتا دیکھ رہا تھا۔ آج وہ بوجھل قدموں سے نہایت ندامت کے ساتھ اپنی ماں کے پاس چابی مانگنے گیا۔ ماں نے پہلے تو چابی دینے سے تعرض کیا، پھر اسے چابی دے دی۔ عثمان نے وہ چابی لا کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر رکھ دی۔[2] آپ ﷺ نے بیت اللہ کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی کہ وہ بیت اللہ میں داخل ہو کر ہر تصویر مٹا ڈالیں۔ جب تک تمام تصویروں کا نام و نشان نہیں مٹا، آپ ﷺ نے بیت اللہ کے اندر قدم نہیں رکھا۔[3] بیت اللہ میں کچھ ایسی تصاویر تھیں جن کے متعلق لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں قسمت معلوم کرنے کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے ان تصویروں کو دیکھ کر فرمایا:



بیت اللہ کا دروازہ اور کلید

قاتلهم الله لقد علموا ما استقسما بها قط

''اللہ انھیں (مشرکین کو) تباہ کرے، یقیناً یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی قسمت کے تیر استعمال نہیں کیے۔''[4]

پھر رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک مخصوص لکڑی عیدان کا بنا ہوا کبوتر دیکھا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے توڑ کر گرا دیا۔[5] پھر آپ ﷺ نے بعض تصویروں کے نشان دیکھے، ان میں سیدنا ابراہیم، اسماعیل اور سیدہ مریم علیہم السلام کی تصویروں کے نشانات بھی تھے۔[6] مسند طیالسی میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا، جب ڈول آگیا تو آپ نے اس کے ذریعے ان تصویروں کو مٹایا۔ اس دوران آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: قاتل الله قوما يصورون ما لا يخلقون

[1] الطبقات الكبرى: 267/2 [2] صحيح مسلم: 1329 [3] سنن أبي داود: 4156 [4] صحيح البخاري: 4288
[5] سنن ابن ماجه: 2947. [6] صحيح البخاري: 3351.

"اللہ ان لوگوں کو تباہ کرے جو ایسی چیزوں کی تصاویر بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔"[1]

سطور بالا میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب ؓ کو حکم دیا کہ وہ تصاویر کو مٹا دیں جبکہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ تصویروں کو خود رسالت مآب ﷺ نے بہ نفس نفیس مٹا دیا۔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ پہلے سیدنا عمر ؓ نے تصاویر مٹائیں اور پھر تصویروں کے بچے کھچے نشانات رسول اللہ ﷺ نے ختم کیے۔[2]

تصویر بنانے اور کھینچنے کا حکم

درج بالا احادیث سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام میں تصویر سازی، تصویروں اور مجسموں کا کیا حکم ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم امام نووی ؒ کا ایک اقتباس نقل کر دیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ کسی جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ یہ کبائر میں سے ہے، اس لیے کہ اس پر احادیث میں شدید وعید آئی ہے۔ خواہ وہ کسی ایسی چیز کی بنائی گئی ہو جس کا احترام نہیں کیا جاتا یا کسی ایسی چیز کی جس کا احترام کیا جاتا ہے، ہر حال میں اسے بنانا حرام ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ خواہ یہ تصویر کپڑے پر بنائی گئی ہو یا فرش پر، درہم و دینار پر بنائی گئی ہو یا سکے پر، برتن پر بنائی گئی ہو یا دیوار پر یا کسی اور چیز پر، ہر حال میں اس کا حکم یکساں ہے۔ رہا کسی درخت، کجاوے یا کسی اور غیر جاندار چیز کی تصویر بنانا تو یہ حرام نہیں ہے۔"[3]

بیت اللہ میں نماز کا روح پرور اہتمام

رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال بن رباح، عثمان بن طلحہ اور فضل بن عباس تھے۔ آپ بڑی دیر تک بیت اللہ کے اندر تشریف فرما رہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ ؓ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے دروازہ بند کر لیا اور کچھ دیر اندر ٹھہرے رہے۔ ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ باہر نکلے تو میں نے سیدنا بلال ؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا ہے؟ انھوں نے بتایا: آپ ﷺ اس طرح کھڑے ہوئے کہ دو ستون آپ کی بائیں جانب، ایک دائیں جانب اور تین پیچھے تھے۔ ان دنوں

[1] مسند أبي داود الطيالسي 17/2، حديث 657 [2] فتح الباري 22/8 [3] شرح مسلم للنووي 14/114، 115

کعبے کے چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا خطبہ اور اہل مکہ کے لیے عام معافی

پھر رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اس موقع پر لوگ آپ کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور اس امر کا انتظار کرنے لگے کہ اب آپ ﷺ کیا فرمان جاری کریں گے۔ اس وقت بڑا ہجوم تھا، مسجد حرام کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس ہجوم میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین مکہ اور دیگر دشمنان اسلام بھی شامل تھے۔ یہ سب اپنے بارے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سننے کے بے تابی سے منتظر تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کعبے کی چوکھٹ پر بڑے وقار سے کھڑے اپنے دشمنوں کے چہروں کا اضطراب دیکھ رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ کے لب مبارک جنبش میں آئے اور آپ ﷺ نے اپنے پاکیزہ لہجے میں بڑے وقار کے ساتھ فرمایا:

«اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، أَلَا إِنَّ كُلَّ مَأْثُرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تُذْكَرُ وَتُدْعٰى مِنْ دَمٍ أَوْ مَالٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِقَايَةِ الْحَاجِّ وَسِدَانَةِ الْبَيْتِ، أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا»

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی تمام گروہوں کو شکست دی۔ آگاہ رہو! جاہلیت میں ذکر کیے جانے والے تمام مفاخر یا خون اور مال کے مطالبات میرے قدموں تلے روند دیے گئے ہیں (ان کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ان کا کوئی مطالبہ ہوگا)، سوائے حاجیوں کو پانی پلانے اور بیت اللہ کی خدمت کے شرف کے (وہ باقی رہے گا)۔ خبردار! قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہو، جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہے، ان میں چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں جن کے پیٹوں میں بچے ہوں۔''[2]

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللهِ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَخَلَقَ اللهُ آدَمَ

1 صحيح البخاري: 505، صحيح مسلم: 1329. 2 سنن أبي داود: 4547.

پھر آپ [illegible] ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾

''اے لوگو! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر و غرور کو دور کر دیا ہے۔ لوگ دو طرح کے ہیں: ایک نیکوکار، پرہیزگار اور اللہ کے ہاں معزز اور دوسرا گناہ گار، بدبخت اور اللہ کے نزدیک بے قدر۔ لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری طرح باخبر ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقُولُ هٰذَا وَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ»

''بس میں تم سے یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے اور تمھارے لیے بخشش طلب کرتا ہوں۔''[1]

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے تھے، دعوت توحید کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی تھیں، اب تاریخ کا ورق الٹ گیا تھا۔ کل کے مظلوم آج لشکر مجاہدین کی شکل میں اپنی فتح مند پیشانیوں کے ساتھ مستعد کھڑے تھے۔ یہ لشکر ظالموں کو نیست و نابود کرنے کی مکمل طاقت رکھتا تھا، اس کے باوجود نبی رحمت ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خوفزدہ دشمنوں سے دریافت فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! مَاتَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟»

''اے قریش کی جماعت! تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟''

انھوں نے جواباً عرض کیا: ''ہم آپ سے اچھے سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ آپ بہت قابل قدر بھائی اور بہت قابل قدر بھائی کے صاحبزادے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اذهبوا فانتم الطلقاء»

''جاؤ، تم سب آزاد ہو۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے تین بار کہا: آپ بردبار اور مہربان چچا اور بھائی کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر

1 جامع الترمذي: 3270، صحيح ابن حبان: 137/9. 2 السيرة لابن هشام: 55/4.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أقول كما قال أخي يوسف: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾»

''میں بھی یوسف (علیہ السلام) کی طرح کہتا ہوں: آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔''[1]

اس عام معافی کے اعلان کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کی جانیں قتل یا قید ہونے سے محفوظ ہو گئیں۔ تمام منقولہ اور غیر منقولہ اموال مالکوں ہی کے پاس رہے۔ ان پر خراج بھی عائد نہیں کیا گیا۔ اس طرح ان کے ساتھ نہایت کریمانہ شفقت کا برتاؤ کیا گیا۔ ان سے دیگر مفتوحہ علاقوں کے مغلوب لوگوں جیسا سلوک نہیں کیا گیا۔ یہ سب مکہ مکرمہ کی حرمت اور پاکیزگی کے لیے کیا گیا۔ یہ پارسا لوگوں کا مسکن اور پروردگار کا حرم ہے۔ اس لیے جمہور ائمہ سلف و خلف کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کی اراضی فروخت کرنا یا کرایہ واجرت پر دینا صحیح نہیں ہے۔ یہاں جو پہلے آئے، اسی کی جگہ ہو گی۔ اہل مکہ ضرورت کے مطابق گھروں میں رہ سکتے ہیں اور جو گھر ان کی ضرورت سے زائد ہو گا، وہ حاجیوں، عمرہ کرنے والوں اور عبادت کی غرض سے یہاں آنے والوں کی اقامت گاہ بنے گا۔ جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین فروخت کی جا سکتی ہے اور اس کے گھر کرایے پر بھی دیے جا سکتے ہیں اور دلائل کے اعتبار سے یہی رائے قوی ہے۔ اس سے مختلف رائے والوں کے تمام دلائل یا تو مرسل روایات پر مشتمل ہیں یا موقوف روایات پر۔[2]

نیکی اور ایفائے عہد کا دن

خطبے سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ کعبہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کنجی ہمیں عطا فرما دیں تاکہ سقایت و حجابت اکٹھے ہو جائیں، یعنی لوگوں کو زم زم کا پانی پلانے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أين عثمان بن طلحة؟» ''عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟'' عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: «هاك مفتاحك يا عثمان! اليوم يوم بر ووفاء» ''یہ لو اپنی چابی اے عثمان! آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔''[3]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خذوها يا بني أبي طلحة خالدة تالدة، لا ينزعها منكم إلا ظالم»

1 السنن الكبرى للبيهقي 118/9 2 المجتمع المدني للعمري، ص 180 3 السيرة لابن هشام 55/4

''اے ابوطلحہ کی اولاد! یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو، اسے صرف کوئی ظالم ہی تم سے چھینے گا۔''

اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' [1]

اس دن سے آج تک بیت اللہ کی چابی بنوشیبہ ہی کے پاس چلی آرہی ہے اور اللہ کے حکم سے قیامت تک انھی کی تحویل میں رہے گی۔

ابوسفیان کا راز افشا ہو گیا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ چل رہے ہیں اور لوگ آپ کے پیچھے پیچھے بغیر روک ٹوک کے چل رہے ہیں تو ابوسفیان نے اپنے جی میں ارادہ کیا کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ سے مقابلے کے لیے ایک لشکر تیار کرسکتا! ابھی وہ یہ ناپاک ارادہ کر ہی رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسی وقت ابوسفیان کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ضرب لگائی اور فرمایا:

«إذا يخزيك الله»

''تب تو اللہ تمھیں ذلیل کر دے گا۔''

ابوسفیان ڈر گیا۔ فوراً بولا: میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور اس سے اس بات کی بخشش طلب کرتا ہوں جو میری زبان سے پھسل گئی ہے۔ پھر ابوسفیان کہنے لگا: مجھے اب پوری طرح یقین ہوا ہے کہ آپ نبی ہیں۔ میں نے تو اپنے جی میں یہ بات کہی تھی۔ [2]

اسلام میں معیارِ فضیلت رنگ ونسب اور مال نہیں

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دو۔ قریشِ مکہ، دینِ اسلام کی سرفرازی اور فتحِ مکہ کا یہ عجیب وغریب اور عظیم الشان منظر دیکھ کر تلملا اٹھے۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب،

1 النساء4:58، تفسیر ابن کثیر، النساء4:58. 2 البدایۃ والنہایۃ 4/302،303.

عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب کہنے لگا: اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزت افزائی کی ہے کہ اسے یہ آواز سننے سے پہلے ہی اٹھا لیا۔ حارث کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر مجھے یقین ہوتا کہ محمد (ﷺ) حق پر ہیں تو میں ضرور ان کی پیروی اختیار کر لیتا۔ ابوسفیان کہنے لگا: میں تم سے کوئی بات نہیں کہتا۔ اگر میں نے اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالا تو یہ کنکریاں محمد (ﷺ) کو میری وہ بات بتا دیں گی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کی وحی کے ذریعے خبر ہوگئی۔ آپ ﷺ جب ان کے پاس سے گزرے تو انھیں مخاطب کر کے فرمایا: «قد علمت الذي قلتم» ”جو کچھ تم نے کہا ہے، مجھے اس کی خبر ہوگئی ہے۔“ پھر آپ نے ان لوگوں کو ان کی گفتگو سنا دی۔ حارث اور عتاب کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ ہم میں سے کسی نے آپ کو یہ اطلاع نہیں دی۔ یقیناً آپ کو یہ خبر وحی کے ذریعے دی گئی ہے۔[1]

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے تو نبی ﷺ نے انھیں مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ ان کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔ وہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی مکہ کے گورنر رہے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں اسی عہدے پر مامور رکھا۔ جس روز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، اسی روز سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے۔[2]

فتح مکہ کے دن ایک وضو سے تمام نمازوں کی ادائیگی

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے تمام نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کیں۔ سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو فرماتے تھے لیکن جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ نے وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا اور تمام نمازیں ایک ہی وضو کے ساتھ پڑھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! آج آپ نے وہ کام کیا ہے جو آپ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عمدا صنعته يا عمر»

”اے عمر! میں نے یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے۔“[3]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا جو اہتمام فرماتے تھے، وہ افضلیت کی وجہ سے تھا اور فتح مکہ کے دن آپ کا ایک وضو سے سب نمازیں ادا کرنا ایک وضو کے ساتھ زیادہ نمازیں پڑھنے کا جواز واضح کرنے کے لیے تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: «عمدا صنعته يا عمر»

[1] السيرة لابن هشام: 56/4، دلائل النبوة للبيهقي: 78/5-79 [2] أسد الغابة: 194/3 [3] صحيح مسلم: 277، مسند أحمد: 358/5

"اے عمر! میں نے یہ عمل جان بوجھ کر کیا ہے۔"[1]



سائب بن ابی السائب کا قبول اسلام

رسول اللہ ﷺ کے پاس فتح مکہ کے روز آپ ﷺ کا ایک پرانا ساتھی آیا۔ اُس کا نام سائب بن ابی السائب تھا۔ وہ ایام جاہلیت میں آپ کا کاروباری شریک تھا۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اسے مرحبا کہا۔ اس موقع پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سائب بن ابی السائب کا تعارف کرانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: «لَا تُعَلِّمُونِي بِهِ، قَدْ كَانَ صَاحِبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ» "تم مجھے اس کا تعارف نہ کراؤ، یہ جاہلیت کے زمانے میں میرا ساتھی تھا۔" سائب کہنے لگے: جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ کتنے ہی اچھے اور کس قدر کریم ساتھی تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سائب کو یہ نصیحت فرمائی:

«يَا سَائِبُ! أُنْظُرْ أَخْلَاقَكَ الَّتِي كُنْتَ تَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاجْعَلْهَا فِي الْإِسْلَامِ، أَقْرِ الضَّيْفَ وَأَكْرِمِ الْيَتِيمَ وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ»

"اے سائب! جاہلیت میں تم جس کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے، اسلام میں بھی اسی کا مظاہرہ کرو۔ مہمان کی عزت افزائی، یتیم کی بھلائی اور ہمسائے کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔"[2]

فضالہ بن عمیر کا قبولِ اسلام

جب رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، فضالہ بن عمیر بن ملوح کے دل میں یہ ناپاک ارادہ پیدا ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو (نعوذباللہ) شہید کر دے۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب آیا تو آپ نے اسے بلند آواز سے پکارا اور پوچھا: «أَفَضَالَةُ؟» "کیا تم فضالہ ہو؟" وہ اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا اور بولا: جی ہاں اے اللہ کے

1 شرح مسلم للنووي :228/3. 2 مسند أحمد :425/3.

رسول! میں فضالہ ہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«مَاذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ»

''تم اپنے دل میں کیا بات سوچ رہے تھے؟''

وہ کہنے لگا: نہیں نہیں، میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ اس جواب پر آپ ﷺ ہنس پڑے۔ پھر اسے نصیحت فرمائی: «اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ» ''اللہ سے استغفار کرو۔'' پھر آپ نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اس کا سینہ فوراً پرسکون ہو گیا۔ پھر فضالہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! ابھی آپ ﷺ نے میرے سینے سے اپنا دست مبارک بھی نہیں اٹھایا تھا کہ اسی دوران مجھے اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو گئی۔ فضالہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف واپس آیا تو میں ایک عورت کے پاس سے گزرا جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا، اس نے کہا: آؤ باتیں کریں تو میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور یہ شعر پڑھ کر آگے چلا گیا:

قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا ... يَأْبَى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ

''اس نے مجھ سے کہا: آؤ باتیں کریں تو میں نے کہا: ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ اور اسلام منع کرتا ہے۔''

أَوَمَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَقَبِيلَهُ ... بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْأَصْنَامُ

''کیا تو نے محمد اور ان کے قبیلے کو فتح مکہ کے دن نہیں دیکھا، جب بتوں کو توڑا گیا۔''

لَرَأَيْتِ دِينَ اللّٰهِ أَضْحَى بَيِّنًا ... وَالشِّرْكُ يَغْشَى وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ

''تو دیکھتی کہ اللہ تعالیٰ کا دین واضح ہو گیا ہے اور شرک کے چہرے پر تاریکی چھا گئی ہے۔'' [1]

سہیل بن عمرو کا قبول اسلام

سہیل بن عمرو ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے بنو خزاعہ کے خلاف لشکر کشی کی لیکن اس کا بیٹا عبداللہ مسلمان ہو چکا تھا۔ جب مسلمان مکہ میں داخل ہو گئے تو سہیل بن عمرو چھپ گیا۔ اس کے بیٹے عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سہیل کے لیے امان طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فرمایا: «نَعَمْ، هُوَ آمِنٌ بِأَمَانِ اللّٰهِ فَلْيَظْهَرْ» ''ٹھیک ہے، اللہ کی امان سے وہ امن میں ہے۔ اسے کہہ دو کہ چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں، سامنے آ جاؤ۔'' بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا:

[1] البداية والنهاية: 306/4.

«مَنْ لَقِيَ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو فَلَا يُشِدَّ النَّظَرَ إِلَيْهِ، فَلَعَمْرِي إِنَّ سُهَيْلًا لَهُ عَقْلٌ وَشَرَفٌ، وَمَا مِثْلُ سُهَيْلٍ جَهِلَ الْإِسْلَامَ»

''تم میں سے جس کی بھی سہیل سے ملاقات ہو، وہ اسے چبھتی ہوئی نظر سے نہ دیکھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! سہیل بڑا دانشمند اور شریف النفس انسان ہے۔ اس جیسا آدمی زیادہ دیر تک اسلام سے دور نہیں رہ سکتا۔''

عبداللہ اپنے والد سہیل کے پاس گئے اور اسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا تو وہ جھوم اٹھا اور بے اختیار کہنے لگا: كَانَ وَاللّٰهِ بَرًّا صَغِيرًا وَكَبِيرًا ''اللہ کی قسم! جب محمد چھوٹے تھے تب بھی احسان فرمایا کرتے تھے اور اب جبکہ وہ بڑے ہیں، اب بھی آپ احسان و کرم کرنے والے ہیں۔'' سہیل بن عمرو نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول نہ کیا، یہاں تک کہ وہ حنین میں بھی شریک ہوا لیکن اس نے اسلام کا اعلان نہ کیا۔ بعدازاں جب آپ ﷺ حنین سے واپس آتے ہوئے جعرانہ تشریف لائے تو اس وقت اس نے اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے اسے حنین کی غنیموں میں سے سو اونٹ عطا فرمائے۔[1] سہیل بن عمرو نے جب اسلام قبول کر لیا تو پھر وہ پوری جانفشانی سے دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے۔ یہاں تک کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر مکہ میں موصول ہوئی اور بعض لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگے تو سہیل بن عمرو ثابت قدم رہے اور انھوں نے ایسا ایمان افروز خطبہ دیا جس سے متاثر ہو کر اہل مکہ اسلام پر ثابت قدمی سے جم گئے۔ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ معرکۂ یرموک میں شریک ہوئے، وہ انتہائی بہادری سے لڑتے رہے اور پھر شہادت سے سرفراز ہوئے۔[2]

[1] المستدرك للحاكم: 281/3. [2] أسد الغابة: 396/2-398.

میدان یرموک جہاں اسلامی لشکر مقیم ہوا



ابولہب کے دو بیٹوں کا قبول اسلام

فتح مکہ کے روز ابولہب کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب بھی رسول اللہ ﷺ سے چھپتے پھر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ کے بھائی کے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟'' وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی آپ سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ ان میں آپ کے سامنے آنے کی جسارت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جائیے اور ان دونوں کو میرے پاس لائیے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہو کر ان کے پاس گئے اور انھیں لے کر آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے بڑی مسرت محسوس کی۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، ان دونوں کا ہاتھ تھاما اور ملتزم کی طرف بڑھ گئے، پھر وہاں پر دعا کرتے رہے۔ جب آپ دعا سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیشہ شاداں وفرحاں رہیں، آج آپ نہایت مسرور نظر آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنِّي اسْتَوْهَبْتُ ابْنَيْ عَمِّي هٰذَيْنِ مِنْ رَبِّي فَوَهَبَهُمَا لِي"

''میں نے اپنے رب سے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو مانگا اور اللہ نے مجھے یہ دونوں عطا فرما دیے۔''[1]

صفوان بن امیہ کا قبول اسلام

صفوان بن امیہ قریش کے بڑے رؤساء میں سے تھا۔ مکہ میں اس کا گھرانہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ صفوان جود وسخا میں معروف تھا۔ اس کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں جہنم رسید ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے روز صفوان خوف کے مارے جدہ بھاگ گیا۔ سیدنا عمیر بن وہب اس کے چچا زاد تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صفوان کے لیے امان کی درخواست کی۔ صفوان اس موقع پر مسلمان نہ ہوا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین میں شریک ہوا اور آپ نے اس سے کچھ زرہیں مستعار لیں۔ آپ ﷺ نے صفوان کو پیغام بھیجا کہ اپنا اسلحہ ادھار دے دو۔ اس نے ایک سو زرہیں سازو سامان سمیت دیتے ہوئے پوچھا: ''یہ معاملہ زبردستی ہے یا بخوشی؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ» ''یہ ادھار ہیں جو واپس کر دی جائیں گی۔''[2] حنین پہنچنے کے بعد صفوان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: «لَأَنْ يَرُبَّنِي رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرُبَّنِي رَجُلٌ مِنْ هَوَازِنَ» ''قریش

---

1 الطبقات لابن سعد 4/60، سبل الهدى والرشاد 250/5 2 سنن أبي داود: 3562، السنن الكبرى للبيهقي 8988/6

کا کوئی شخص میری سربراہی کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ ہوازن کا کوئی شخص میری سرداری کرے۔"[1]

صفوان حنین اور طائف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، پھر آپ ﷺ جعرانہ واپس پہنچے۔ یہاں آپ ﷺ مال غنیمت کا جائزہ لے رہے تھے، صفوان بھی ساتھ تھا۔ اس نے دیکھا کہ ساری وادی بکریوں، اونٹنیوں اور غلاموں سے پر ہے۔ یہ انھیں دیر تک دیکھتا رہا، رسول اللہ ﷺ بھی اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: أَبَا وَهْبٍ! أَيُعْجِبُكَ هَذَا الشِّعْبُ؟ "اے ابو وہب! کیا تمھیں یہ وادی اچھی لگ رہی ہے؟" اس نے کہا: "جی ہاں۔" ارشاد فرمایا: هُوَ لَكَ وَمَا فِيهِ "یہ وادی سارے ساز و سامان سمیت تیری ہوئی۔" صفوان ہکا بکا ہو گیا اور بولا: "اس طرح کی سخاوت کا ایک نبی ہی بخوشی حکم دے سکتا ہے۔" پھر وہ پکار اٹھا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. یوں وہ مسلمان ہو گئے۔[2]

عکرمہ بن ابو جہل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

اسلام دشمنی میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ فتح مکہ کے اس موقع پر دوسرے نامور مشرکوں کی طرح اسے بھی اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تو میری خیر نہیں۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ مکہ کو خیرباد کہہ دے اور کسی طرح یہاں سے فرار ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عکرمہ جس چیز سے بھاگ رہا تھا، اب ہمیشہ کے لیے اسی کا گرویدہ ہو گیا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عکرمہ بن ابوجہل کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بھاگ کر سمندر میں کشتی پر سوار ہو گیا۔ اچانک بہت تیز ہوا چل پڑی، کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ کشتی والے کہنے لگے: اب خالص اللہ تعالیٰ کو پکارو کیونکہ تمھارے معبود یہاں تمھارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ سن کر عکرمہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں خالص اللہ کو پکارنے کے سوا نجات نہیں تو خشکی میں بھی خالص اللہ کو پکارے بغیر نجات نہیں مل سکتی۔ اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے جس میں میں پھنس چکا ہوں، بچا لے تو میں ضرور محمد ﷺ کے پاس جا کر ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں انھیں بہت معاف کرنے والا اور احسان کرنے والا پاؤں گا۔ آخر مصیبت ٹل گئی اور عکرمہ حاضر خدمت اقدس ہو کر مسلمان ہو گیا۔[3]

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابو جہل کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن بھاگ گیا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ آپ اسے قتل کر دیں گے، لہٰذا

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 128/5، 2 المغازي للواقدي 279،278/2، 3 سنن النسائي 4072

اسے امان عنایت فرمائیے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ آمِنٌ» "اسے امان ہے۔" یہ سن کر ام حکیم رضی اللہ عنہا اپنا ایک رومی غلام ساتھ لے کر عکرمہ کی تلاش میں نکل پڑیں۔ اثنائے راہ میں اس غلام نے انھیں بہکانا چاہا۔ یہ اسے حیلے بہانے سے عک کے ایک قبیلے تک لے گئیں اور اہل قبیلہ سے اس بدنیت غلام کے خلاف مدد کی طالب ہوئیں۔ یہ ماجرا دیکھ کر ان لوگوں نے اس غلام کو پکڑ لیا اور اچھی طرح باندھ دیا۔ پھر ام حکیم رضی اللہ عنہا عکرمہ کی تلاش میں نکل گئیں، انھوں نے تہامہ کے ایک ساحل پر عکرمہ کو ڈھونڈ لیا، وہ کشتی میں سوار ہو چکا تھا۔ ملاح عکرمہ سے کہہ رہا تھا: "صرف ایک رب کو پکارو۔" عکرمہ نے کہا: "بتاؤ میں کیا کہوں؟" ملاح بولا: کہو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عکرمہ نے جواب دیا: "ارے! میں اس کلمے سے تو بھاگ کر آیا ہوں۔"

یہی گفتگو جاری تھی کہ ام حکیم رضی اللہ عنہا وہاں پہنچ گئیں اور عکرمہ سے واپسی کے لیے اصرار کرتے ہوئے کہنے لگیں "اے میرے چچازاد! میں آپ کے پاس سب سے نیک، صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے بہتر انسان کی طرف سے آئی ہوں۔ اپنے آپ کو تباہی میں مت ڈالیے۔" عکرمہ ام حکیم کی یہ بات سن کر رک گیا۔ ام حکیم نے کہا: "میں محمد رسول اللہ ﷺ سے آپ کے لیے امان حاصل کر چکی ہوں۔" عکرمہ نے حیران ہو کر پوچھا: "کیا واقعی تو امان حاصل کر چکی ہے؟" ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا: "ہاں! ہاں! میں نے بذات خود سیدنا محمد ﷺ سے گفتگو کی تو انھوں نے آپ کو امان دے دی۔" یہ سن کر عکرمہ ان کے ساتھ واپس آ گیا۔ عکرمہ نے جب ام حکیم سے غلام کی بدنیتی کا قصہ سنا تو اس نے غلام کو قتل کر دیا۔ عکرمہ تاحال دولت اسلام سے محروم تھا۔ جب یہ دونوں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

«يَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا، فَلَا تَسُبُّوا أَبَاهُ، فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ، وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ»

"تمھارے پاس عکرمہ ایمان کی حالت میں ہجرت کر کے آنے والا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہے۔ کیونکہ فوت شدہ کو گالی دینے سے زندہ انسان کو تکلیف ہوتی ہے، جبکہ میت کو وہ (گالی) نہیں پہنچتی۔"

راوی کہتے ہیں کہ اس دوران میں عکرمہ اپنی بیوی کے قریب آنے کا ارادہ کرتا تو وہ انکار کر دیتیں اور کہتیں: "تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں۔" عکرمہ کہتا: "جس معاملے نے تجھے مجھ سے بھی روک دیا ہے، وہ واقعی کوئی بہت بڑا معاملہ ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے جب عکرمہ کو دیکھا تو اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اس کی طرف اتنی بے تابی سے لپکے کہ آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تو عکرمہ بھی آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کی بیوی ام حکیم ؓ بھی اس موقع پر پورے نقاب و حجاب کے ساتھ موجود تھیں۔ عکرمہ نے کہا: ''اے محمد! ام حکیم نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَتْ، فَأَنْتَ آمِنٌ» ''اس نے سچ کہا، تم امان میں ہو۔''

عکرمہ نے کہا: ''اے محمد! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكَ إِلَى أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنْ تُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَفْعَلَ وَتَفْعَلَ»

''میں تجھے اللہ کے معبود برحق ہونے اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں، اسی طرح نماز ادا کرنے، زکاۃ دینے اور فلاں فلاں امور انجام دینے کی طرف بلاتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے چند خصائل و اوصاف کا تذکرہ فرمایا جن کا اسلام میں پایا جانا ضروری ہے۔

عکرمہ نے کہا: ''آپ نے یقینا سچی بات کہی اور اچھے معاملے کی دعوت دی ہے۔ واللہ! آپ حق کی دعوت دینے سے پہلے بھی ہم میں سب سے سچے اور سب سے نیک تھے، لہذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ اس بات سے انتہائی خوش ہوئے۔ عکرمہ نے پھر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی اچھی بات بتائیں جسے میں پڑھتا رہوں۔'' فرمایا: ''تو یہ کلمہ پڑھ لیا کر: «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»'' عکرمہ نے پھر عرض کیا: ''اس کے بعد کیا پڑھوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَقُولُ: أُشْهِدُ اللّٰهَ وَأُشْهِدُ مَنْ حَضَرَ أَنِّي مُسْلِمٌ مُهَاجِرٌ مُجَاهِدٌ»

''تم کہو: میں اللہ تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مہاجر اور مجاہد ہوں۔''

عکرمہ نے یہی بات دہرادی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُنِي الْيَوْمَ شَيْئًا أُعْطِيهِ أَحَدًا إِلَّا أَعْطَيْتُكَهُ»

''آج تم مجھ سے اس متاع میں سے جو کچھ بھی مانگو گے جو میں کسی کو دے سکتا ہوں تو وہ میں تمھیں ضرور

دے دوں گا۔''

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں درخواست کرتا ہوں کہ میں نے آج تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جس قدر دشمنی کی، اس کی معافی کے لیے اللہ کے حضور دعا کیجیے۔ مجھے جس راہ میں آپ کے خلاف رکھا گیا یا کسی بھی مقام پر میں آپ کو برائی کے ارادے سے ملا ہوں یا میں نے آپ کے سامنے یا پیٹھ پیچھے کوئی بری بات کہی ہو تو میرے لیے اللہ سے معافی طلب کیجیے۔''

عکرمہ کی درخواست سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعِكْرِمَةَ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيهَا، أَوْ كُلَّ مَسِيرٍ سَارَ فِيهِ إِلَى مَوْضِعٍ يُرِيدُ بِذٰلِكَ الْمَسِيرِ إِطْفَاءَ نُورِكَ، فَاغْفِرْ لَهُ مَا نَالَ مِنِّي مِنْ عِرْضٍ فِي وَجْهِي أَوْ أَنَا غَائِبٌ عَنْهُ»

''اے اللہ! عکرمہ نے میرے ساتھ جو بھی دشمنی کی ہے یا تیرے نور (اسلام) کو بجھانے کے لیے یہ جس جگہ بھی گئے ہیں تو اسے معاف فرما دے۔ اسی طرح اس نے میرے سامنے یا پیٹھ پیچھے میری جو بھی بے ادبی کی ہے، اسے بھی معاف فرما دے۔''

عکرمہ یہ دعا سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! میں خوش ہوں۔ اللہ کی قسم! پہلے میں اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جتنا مال خرچ کرتا تھا، اس سے دوگنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جس قدر لڑائی کرتا تھا، اب اس سے دوگنا اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا۔'' پھر واقعی سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی حتی کہ یرموک کے دن شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔ ان کے اسلام قبول کر لینے پر ان کی بیوی سابقہ نکاح ہی کی بنیاد پر ان کے پاس چلی گئی۔[1]

عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشفقانہ سلوک ہی انھیں اسلام کی طرف کھینچ لانے کا باعث بنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگانے کے لیے اتنی عجلت کا مظاہرہ فرمایا کہ چادر مبارک کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ آپ کے کندھوں سے نیچے گر گئی۔ ان کے آنے پر خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے آپ نے انھیں مرحبا کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: «مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ» ''خوش آمدید اے مہاجر بن کر آنے والے۔''[2]

عکرمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح سیدہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا کا کردار بھی شاندار ہے۔ انھوں نے اپنے خاوند کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کی اور طرح طرح

1 المغازی للواقدی 2/276-278، مزید دیکھیے: السلسلة الضعيفة للالبانی 1443، 6234 2 جامع الترمذی 2735

کے خطرات سے دوچار ہو کر انھیں کوشش کرتی رہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسی طرح ہدایت سے نواز دے جس طرح خود انھیں ہدایت نصیب ہوئی ہے۔ جب ان کے خاوند نے ان کے نزدیک آنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ یہ کہتے ہوئے دور ہو گئیں کہ تم کافر ہو اور میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ بیوی کا یہ سلوک دیکھ کر عکرمہ پر اسلام کی عظمت روشن ہوئی۔ انھوں نے محسوس کر لیا کہ وہ واقعی ایک عظیم دین کے سامنے کھڑے ہیں۔ سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے انھیں اسلام سے متعلق غور و فکر پر مائل کیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں ان کے سر پر قبول اسلام کا تاج رکھ دیا گیا۔

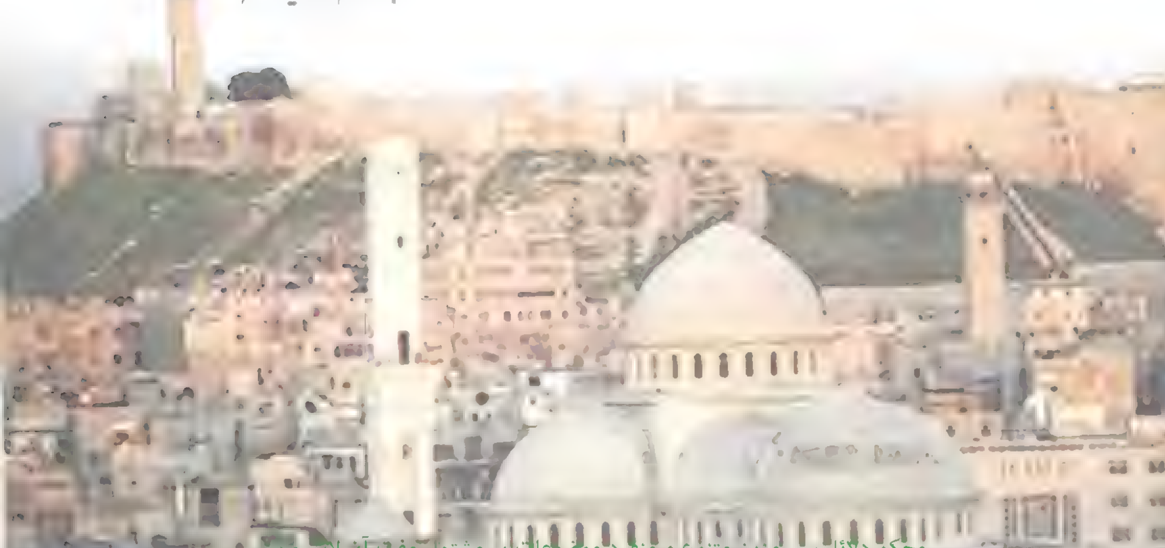
حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے میں سچے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیش کش کے باوجود انھوں نے دنیا طلب نہ کی بلکہ صرف یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قسم اٹھائی کہ وہ جاہلیت کی نسبت اب فی سبیل اللہ دوگنا مال خرچ کریں گے اور زمانۂ جاہلیت کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں خوب بڑھ چڑھ کر جنگ کریں گے۔ انھوں نے واقعی اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، چنانچہ انھوں نے مرتدین کے خلاف جنگوں میں مسلمان سپہ سالاروں اور عام مجاہدین سے کہیں زیادہ بہادری کے جوہر دکھائے۔ وہ شام کی فتوحات میں بھی بطور سپہ سالار شامل ہوئے۔ بالآخر جنگ یرموک میں جام شہادت نوش کر کے اپنے رب سے جا ملے۔[1]

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتح مکہ کے موقع پر چوری کر لی۔

1 التاريخ الإسلامي للحميدي: 7/223-225.

حلب (شام) کا ایک منظر



اس کی برادری گھبرا کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تا کہ وہ سفارش کر سکیں (کہ اس عورت کا ہاتھ چوری کے جرم میں نہ کاٹا جائے)۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق بات کی تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا: «أَتُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ» ''تم مجھ سے اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعائے مغفرت کیجیے۔ اس کے بعد جب پچھلا پہر ہوا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''امابعد: تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے تباہ کیا کہ جب ان میں کوئی مالدار اور وڈیرہ آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس عورت نے اپنی توبہ کا بڑا لحاظ رکھا اور نکاح کر کے خانہ نشین ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیتی تھی۔ [1]

ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز

صحیحین میں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے۔ آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ میں نے اس سے ہلکی نماز کبھی نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ بڑے اطمینان سے رکوع و سجود کرتے تھے۔ [2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے روز چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ [3] قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ شکرانے کی نماز تھی، چاشت کی نماز نہیں تھی کیونکہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے صرف وقت کا بتایا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے قاضی صاحب کی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا

1 صحیح البخاري: 4304، صحیح مسلم: 1688 (9) 2 صحیح البخاري: 1103 3 صحیح مسلم: 336

ہے جسے بعض لوگوں نے چاشت کی نماز سمجھ لیا ہے، حالانکہ وہ تو فتح مکہ کا شکرانہ تھی۔ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں کا کوئی امیر قلعہ یا شہر فتح کرتا تو فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے نماز شکرانہ بھی ادا کرتا تھا۔[1] تاہم بعض علماء نے اسے چاشت کی نماز ہی قرار دیا ہے۔[2]

ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بالائی مکہ میں نزول فرمایا تو میرے دو دیور دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ دونوں خاندان بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کی زوجیت میں تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ پھر (اسی وقت) میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور کہا: ''اللہ کی قسم! میں ان دونوں کو ضرور قتل کر دوں گا۔'' میں نے ان دونوں کو اندر کر کے دروازہ بند کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بالائی مکہ میں پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک ٹب سے غسل فرما رہے تھے۔ اس ٹب میں آٹے کے نشان بھی نظر آ رہے تھے۔ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے آس پاس پردے کی اوٹ کر رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہنے، پھر چاشت کی آٹھ رکعات نماز ادا کی۔ بعد ازاں میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «مرحبا بأم هانئ، ما جاء بك؟» ''خوش آمدید ام ہانی! کیسے آنا ہوا؟'' میں نے اپنے دونوں دیوروں کی عرضداشت اور ان کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات بتائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قد أجرنا من أجرت، وأمنا من أمنت، فلا يقتلهما»

''جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی، جسے تم نے امان دی، اسے ہم نے بھی امان دی، لہٰذا علی انھیں قتل نہ کریں۔''[3]

فتح مکہ کے دوسرے دن کا خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ مسند امام احمد میں سیدنا ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بنو بکر سے قتال کی اجازت دی یہاں تک کہ ہم نے اپنے مقتولین کا انتقام لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ میں تھے، پھر آپ ﷺ نے تلوار چلانے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ بنو خزاعہ کو حرم میں ہذیل کا ایک آدمی مل گیا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے کی غرض سے جا رہا تھا۔ اس آدمی نے دور جاہلیت میں بنو خزاعہ کو نقصان پہنچایا تھا۔ بنو خزاعہ کے لوگ اس

[1] زاد المعاد: 3/410 [2] دیکھیے شرح مسلم للنووي: 4/39 [3] السيرة لابن هشام: 4/53، 54 مزید دیکھیے صحیح البخاري: 3171، صحيح مسلم: [1669](82)-336.

کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ خزاعہ نے اسے جلدی سے قتل کر دیا کہ مبادا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جائے اور آپ اسے قتل کرنے سے منع فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس معاملے کی خبر ہوئی تو آپ نے شدید برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا۔ صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو پہلے کبھی اس قدر برہمی اور ناراضی کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ خزاعہ کے لوگ سیدنا ابوبکر، عمر اور علی ؓ کے پاس گئے اور ان سے سفارش کرنے کی درخواست کی کیونکہ انھیں آپ ﷺ کے غصے کی وجہ سے اپنے ہلاک ہونے کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد کھڑے ہوئے، اللہ عزوجل کی ثنا کی اور پھر فرمایا:

أيها الناس! إن الله عز وجل حرم مكة يوم خلق السماوات والأرض، فهي حرام من حرام الله تعالى إلى يوم القيامة، لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك فيها دما، ولا يعضد بها شجرا، لم تحلل لأحد كان قبلي، ولا تحل لأحد يكون بعدي، ولم تحلل لي إلا هذه الساعة، غضبا على أهلها، ألا ثم قد رجعت كحرمتها بالأمس، ألا فليبلغ الشاهد منكم الغائب، فمن قال لكم: إن رسول الله (ﷺ) قد قاتل بها، فقولوا: إن اللّٰه عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَحَلَّهَا لِرَسُولِهِ، وَلَمْ يُحْلِلْهَا لَكُمْ.

يا معشر خزاعة! ارفعوا أيديكم عن القتل، فلقد كثر إن نفع، لقد قتلتم قتيلا لأدينه، فمن قتل بعد مقامي هذا فأهله بخير النظرين: إن شاءوا فدم قاتله، وإن شاءوا فعقله، ثم وَدَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ الَّذِي قَتَلَتْهُ خُزَاعَةُ.

وقال رسول الله ﷺ: إن أعتى الناس على الله عز وجل من قتل في الحرم، أو قتل غير قاتله، أو قتل بذحول الجاهلية، فقام إليه رجل فقال: إن فلانا ابني، فقال رسول الله ﷺ: لا دعوة في الإسلام، ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش، وللعاهر الأثلب، قالوا: وما الأثلب؟ قال ﷺ: الحجر، وفي الأصابع عشر عشر، وفي المواضح خمس خمس، ولا صلاة بعد الغداة حتى تطلع الشمس، ولا صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس، ولا تنكح المرأة على عمتها، ولا على خالتها، ولا يجوز لامرأة عطية إلا بإذن زوجها.

وقال رسول الله ﷺ: فأما حلف كان في الجاهلية لم يزده الإسلام إلا شدة، ولا حلف

فِي الْإِسْلَامِ، وَلَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، يَدُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ، تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَدِيَةُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ، أَلَا وَلَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ، وَلَا جَنَبَ وَلَا جَلَبَ، وَتُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ فِي دِيَارِهِمْ، يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ، وَيَرُدُّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَقْصَاهُمْ»

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اسی دن مکہ کو حرام قرار دے دیا تھا جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے سے لے کر قیامت کے دن تک حرام ہی رہے گا۔ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں خون ریزی کرے اور اس کا کوئی درخت کاٹے۔ یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے بھی صرف اس تھوڑے سے وقت کے لیے حلال ہوا تھا جس کی وجہ یہاں کے رہنے والوں پر اللہ کا غضب تھا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ پھر اس کی حرمت لوٹ کر کل کی طرح ہوگئی ہے۔ خبردار! تم میں سے جو یہاں موجود ہیں، وہ یہ بات ان تک پہنچا دیں جو غائب ہیں۔ جو تم سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے بھی تو مکہ میں قتال کیا تھا تو تم کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول کے لیے حلال کیا تھا، تمھارے لیے حلال نہیں کیا۔

اے خزاعہ کے لوگو! اب قتل سے اپنا ہاتھ اٹھا لو کہ بہت ہو چکا۔ اگر تم نے کسی شخص کو قتل کر دیا ہے تو میں اس کی دیت دوں گا لیکن میرے اس جگہ پر کھڑے ہونے کے بعد جو قتل کیا جائے گا تو مقتول کے ورثاء کو دو میں سے کسی ایک بات کا اختیار ہوگا، اگر وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس ہذلی شخص کی دیت ادا کی جسے خزاعہ نے قتل کر دیا تھا۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا: ''اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ حد سے تجاوز کرنے والا وہ ہے جو حرم میں کسی کو قتل کرے یا قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کرے یا دور جاہلیت کی دشمنی کی وجہ سے کسی کو قتل کرے۔''

ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: فلاں میرا بیٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں اس دعوے کا کوئی اعتبار نہیں۔ جاہلیت کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے اثلب ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا: اثلب سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پتھر۔'' (پھر آپ نے دیت کی تفصیل بیان کی کہ) انگلیوں میں دس دس اونٹ ہیں اور سر کے زخم میں پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک

کوئی نماز نہیں اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک بھی کوئی نماز نہیں۔ کسی عورت سے اس کی پھوپھو اور خالہ کی موجودگی میں نکاح نہ کیا جائے۔ اسی طرح کسی عورت کے لیے اپنے شوہر (کے مال میں سے اس) کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں۔‘‘

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ’’زمانۂ جاہلیت میں جتنے بھی معاہدے ہوئے، اسلام ان کی پختگی میں اضافہ ہی کرتا ہے لیکن اب اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔ تمام مسلمان کفار کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں۔ ان کے خون آپس میں برابر ہیں۔ کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف ہے۔ آگاہ رہو! اسلام میں نکاح شغار (وٹہ سٹہ) نہیں۔ نہ جلب اور جلب ہے (جنب سے مراد یہ ہے کہ زکاۃ وصول کرنے والے کی آمد کا سن کر مالک اپنے جانور پڑاؤ سے دور لے جائیں اور پھر عامل انھیں ڈھونڈتا پھرے۔ جلب یہ ہے کہ عامل اپنا مرکز ایسی جگہ بنالے جہاں مالکوں کو اپنے جانور کھینچ کر لانے پڑیں اور وہ مشقت اٹھاتے پھریں)۔ ان کے مالوں کی زکاۃ ان کے گھروں پر وصول کی جائے گی۔ مسلمانوں کے خلاف (کسی غیر مسلم کو) سب سے کم درجے کا مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔ مسلمانوں کو وہ (مجاہد) بھی غنیمت ادا کرے گا جو ان میں سب سے دور (اور دشمن سے قریب) ہے۔‘‘[1]

ابوشاہ کے لیے لکھنے کا حکم

نبی اکرم ﷺ نے جب خطبہ ارشاد فرمایا تو اہل یمن سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا نام ابوشاہ تھا، وہ کہنے لگا: اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ ’’اے اللہ کے رسول! مجھے یہ ارشاد لکھ دیجیے۔‘‘ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ ’’ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔‘‘[2] اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا

«لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ صَبْرًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

’’آج کے بعد قیامت تک کسی قریشی کو باندھ کر قتل نہ کیا جائے۔‘‘[3]

علمائے کرام کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اب تمام قریشی مسلمان ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی اس طرح مرتد نہیں ہوگا جس طرح آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد لوگ مرتد ہوئے اور ان سے جنگ کی گئی اور انھیں باندھ کر قتل کیا گیا۔ آپ کے اس فرمان کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ قریش کو ظلم و زیادتی کے ساتھ باندھ کر قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ قریش پر بعد میں ایسے ایسے مظالم ڈھائے

[1] مسند أحمد: 32،31/4، 179/2، 215/2 [2] صحيح البخاري: 6880 [3] صحيح مسلم: 1782

گئے جو سب کے علم میں ہیں۔[1]

میرا جینا اور مرنا انصار کے ساتھ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جب فتح مکہ کے فقید المثال اعزاز و امتیاز سے نوازا جو آپ کا آبائی اور پیدائشی وطن تھا تو آپ ﷺ نے جبلِ صفا پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف دیکھا، پھر اللہ کی خوب حمد و ثنا بیان کی اور دعا کی۔ اس موقع پر انصار پہاڑی کے دامن میں تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز اور مکہ سے محبت دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: شاید رسول اللہ ﷺ اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اسی وقت وحی نازل ہوئی اور جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو سب کو اس کیفیت کا پتہ چل جاتا تھا اور صحابہ میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ وحی مکمل ہو جاتی تھی۔ جب وحی مکمل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ» ''اے انصار کے لوگو!'' انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول! لبیک۔ تو آپ نے فرمایا: «قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ» ''تم نے کہا ہے کہ رسول اللہ اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں۔'' انصار کہنے لگے: جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَا اسْمِي إِذًا» ''پھر میرا نام کیا ہے؟'' «كَلَّا إِنِّي عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ، هَاجَرْتُ إِلَى اللهِ وَإِلَيْكُمْ، فَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ» ''بلاشبہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول محمد ہوں۔ میں نے اللہ اور تمھاری طرف ہجرت کی ہے۔ میرا جینا اور مرنا تمھارے ساتھ ہوگا۔''

یہ بات سنتے ہی انصار روتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف بڑھے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے جو بھی کہا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول سے شدید محبت اور لگاؤ کی وجہ سے کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ»

''اللہ اور اس کا رسول تمھیں معذور سمجھتے ہیں اور تمھاری اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔''[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا فرمان سن کر سارے انصاری زار و قطار رونے لگے۔ ان میں سے ہر ایک کا سینہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔[3]

یہ رسول اللہ ﷺ سے انصار کی محبت اور آپ سے وفا کا ایسا اسلوب تھا جس کا کسی صورت کوئی صحیح اندازہ نہیں

1 دیکھیے شرح مسلم للنووي: 12/187. 2 صحیح مسلم، 1780، المصنف لابن أبي شيبة: 7/395،396. 3 المستدرك للحاكم: 2/53،54.

کیا جا سکتا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ سے بتوں کو ختم کیا، اسی طرح آپ نے انصار کے دلوں سے حزن و ملال ختم کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مدینہ منورہ اسلام کا دارالخلافہ ہوگا اور انصار کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حب نبوی کا شرف عطا فرمایا ہے۔ ہر چند مکہ مکرمہ کرۂ ارض کا افضل ترین مقام ہے لیکن مدینہ طیبہ کے دارالخلافہ ہونے کی بنا پر مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کے تابع رہے گا۔ جہاں انصار کو نبی مکرم ﷺ سے محبت بھرا سلوک ملا اور آپ کا ساتھ نصیب ہوا، وہاں اہل مکہ بالخصوص ابوسفیان نے جان لیا کہ اسلام اپنے فرزندوں کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ آج وہ اپنے آپ کو مکہ کا سردار ہونے کے باوجود اہل مدینہ سے کم تر سمجھ رہے تھے، اب وہ سمجھ چکے تھے کہ ہماری عقلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اور ہم نے جو اسلام کے خلاف سرکشی کی تھی، اس کی بنا پر ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ آج سابقون الاولون پر انھیں رشک آ رہا تھا۔

اہل مکہ کی بیعت

اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ ان جمع ہونے والوں میں مردوں، بوڑھوں اور بچوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔ آپ ﷺ مردوں سے بیعت کی ابتدا کے لیے صفا پہاڑی پر بیٹھ گئے۔

مسفلہ (مکہ مکرمہ)



سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے تھوڑا نیچے اتر کر لوگوں کو آپ ﷺ کے قریب کرنے لگے۔ چنانچہ سب لوگ آتے گئے اور اسلام اور استطاعت بھر سمع و طاعت کرنے پر بیعت کرنے لگے۔[1]

مسند احمد میں محمد بن اسود بن خلف سے روایت ہے کہ ان کے باپ اسود نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور آپ قرن مسفلہ[2] کی جانب بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اسلام اور شہادت پر بیعت لے رہے ہیں۔ محمد بن اسود نے بیان کیا ہے کہ شہادت سے مراد اللہ پر ایمان لانا اور یہ گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔[3]

1 سبل الهدى والرشاد: 247/5 2 روایت میں قرن مسفلہ کے الفاظ ہیں جس کی تحقیق یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ مکہ کے بالائی حصے میں وہ جگہ ہے جس کی جانب ابن ابی ثمامہ کے گھر تھے اور یہ خود مرو کے گھر اور اس سے ارد گرد کا علاقہ ہے۔ دلائل النبوة للبيهقي: 94/5، مسند أحمد (حاشیه): 161/24) بعض نسخوں میں مسفلہ کے بجائے مصقلہ بھی بیان ہوا ہے۔ آج بھی مکہ کے جنوب میں المسفلہ نامی محلہ آباد ہے۔
3 مسند أحمد: 415/3.

سیدنا مجاشع بن مسعود السلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنے بھائی کو آپ کی خدمت میں اس لیے لے کر حاضر ہوا ہوں کہ آپ اس سے ہجرت کی بیعت لیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَهَبَ أَهْلُ الْهِجْرَةِ بِمَا فِيهَا»

''ہجرت کرنے والے ہجرت کے فضائل و مناقب لے چکے ہیں۔''

میں نے عرض کی: آپ کس بات پر بیعت لیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ»

''میں اس سے اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لوں گا۔'' [1]

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ سے بات کرتے ہوئے کپکپانے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَوِّنْ عَلَيْكَ فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ، إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ كَانَتْ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ»

''ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔'' [2]

مکہ سے ہجرت کا حکم کالعدم

سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اور میرا باپ امیہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے والد سے ہجرت پر بیعت لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ أُبَايِعُهُ عَلَى الْجِهَادِ، فَقَدِ انْقَطَعَتِ الْهِجْرَةُ»

''بلکہ میں اس سے جہاد پر بیعت لوں گا کیونکہ ہجرت کا عمل منقطع ہو چکا ہے۔'' [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ یا سیدہ نے یہ کہا: آج کے بعد ہجرت نہیں۔ کیونکہ پہلے لوگ اپنے دین کے لیے آزمائش کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہجرت کرتے تھے، اب اللہ نے اسلام کا نور پھیلا دیا ہے، اب کوئی بھی اللہ کا بندہ جہاں چاہے اس کی عبادت کر سکتا ہے۔ [4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري 4306،4305، صحيح مسلم 1863 [2] سنن ابن ماجه 3312، المستدرك للحاكم 3/47، 48

[3] مسند أحمد 4/223 [4] صحيح البخاري 3900، صحيح ابن حبان 11/209، 210

«لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا»

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، البتہ جہاد اور (ہجرت کی) نیت ہے جب تمھیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو ضرور نکلو۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان احادیث کی روشنی میں کہتے ہیں کہ یہ دلائل اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کامل یا مطلق طور پر منقطع ہو چکی ہے کیونکہ لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہو چکے تھے اور اسلام کا سرعام اظہار و اعلان ہو چکا تھا اور اسلام کے ارکان اور مطالبات ثابت ہو چکے تھے تو اس صورت میں ہجرت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اللہ نہ کرے کہ کبھی کوئی ایسی صورت پیدا ہو جو ہجرت کی متقاضی ہو اور مسلمان دین کے شعائر بجا لانے کی استطاعت اور قدرت نہ رکھتے ہوں۔ ایسی صورت میں دارالاسلام کی طرف ہجرت فرض ہو جائے گی اور اس میں علماء کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ ہجرت اس ہجرت سے قطعی طور پر ثواب اور فضیلت میں برابر نہ ہوگی جو فتح مکہ سے پہلے کی ہجرت تھی جیسا کہ جہاد اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع ہے اور اس میں قیامت تک رغبت موجود ہے لیکن وہ فتح مکہ سے پہلے والے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ سے فضیلت و ثواب میں مطابقت نہیں رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○﴾ (الحديد 10:57)

''اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، یہ (ان لوگوں کے) برابر نہیں ہیں (جنھوں نے فتح مکہ کے بعد یہی کام کیے۔) یہ (پہلے کرنے والے) لوگ درجے میں ان لوگوں سے عظیم تر ہیں جنھوں نے اس (فتح) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، اور اللہ نے ہر ایک سے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے، اور جو تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔''[2]

نفس ہجرت کے جاری و ساری رہنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا قُوتِلَ الْكُفَّارُ»

[1] صحيح البخاري: 2825، صحيح مسلم: 1353. [2] البداية والنهاية: 319/4.

''جب تک کفار سے لڑائی جاری ہے، ہجرت ختم نہیں ہو سکتی۔''[1]

امام نووی ؒ لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کا عمل قیامت تک باقی رہے گا۔[2]

قریشی خواتین کی بیعت

جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے خواتین سے بیعت لی۔ آپ ﷺ کے اردگرد خواتین جمع ہو گئیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ بھی تھی جس کا خون نبی ﷺ نے رائیگاں قرار دیا تھا۔ ہند نے نبی ﷺ سے خائف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو پوری طرح چھپا رکھا تھا مبادا اس پر آپ ﷺ کی نظر پڑ جائے۔ جب عورتیں نبی ﷺ کے قریب ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أُبَايِعُكُنَّ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا» ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: آپ نے مردوں سے تو اس بات کی بیعت نہیں لی جس بات پر آپ ہم سے بیعت لے رہے ہیں لیکن ہم ضرور بیعت کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَسْرِقْنَ» ''اور تم چوری نہ کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: بلاشبہ میں تو ابوسفیان کے مال سے چوری چھپے ضرورت کا مال لے لیتی ہوں، مجھے پتہ نہیں کہ وہ میرے لیے حلال تھا یا نہیں؟ ابوسفیان پاس ہی بیٹھا تھا، کہنے لگا: جو کچھ تم نے پہلے لے لیا، وہ تمھیں معاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہند کو پہچان لیا اور فرمایا: «وَإِنَّكِ لَهِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ» ''تو تم ہند بنت عتبہ ہو؟'' وہ بولی: جی ہاں اے اللہ کے رسول! میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ جو گزر چکا اسے معاف فرما دیجیے، اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہند نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا خرچا نہیں دیتا جو میری اولاد کو کافی ہو سکے۔ اگر میں اسے بتائے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا یہ گناہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ»

''اس کے مال سے معروف طریقے کے مطابق اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو سکے۔''[3]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَزْنِينَ» ''تم زنا نہیں کرو گی۔'' ہند نے کہا: اللہ کے رسول! کیا آزاد عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَقْتُلْنَ أَوْلَادَكُنَّ» ''اور تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: ہم نے انھیں چھوٹی عمر میں پالا اور آپ نے ان کو جوانی کی حالت میں بدر میں مارا، پس آپ

---

1 سنن النسائي، 4177۔ 2 شرح صحيح مسلم للنووي: 12/13۔ 3 صحيح البخاري: 5364، وصحيح مسلم: 1714، واللفظ له.

جائیں اور وہ! اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا اور کہا: ﴿وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ﴾ ''اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لاؤ گی۔'' ہند کہنے لگی: اللہ کی قسم! کسی پر بہتان لگانا نہایت برا فعل ہے اور بعض گناہ اس سے بھی بڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ ''اور کسی نیکی کے کام میں میری نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرنا۔'' ہند کہنے لگی: ہم اس مجلس میں اس لیے نہیں آئیں کہ آپ کی معروف میں نافرمانی کریں۔[1] رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں پر عورتوں سے بیعت لے لی۔ پھر ہند کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے مصافحہ کرنا چاہتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ»

''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ میرا سو عورتوں سے بات کر کے بیعت لینا ایک ایک عورت سے الگ الگ بیعت لینے کی طرح ہے۔''[2]

عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ ملائے بغیر بیعت کی۔ آپ ﷺ عورتوں سے کبھی ہاتھ نہیں ملاتے تھے، نہ کبھی کسی عورت کو ہاتھ لگاتے سوائے آپ ﷺ کی محرم یا اس عورت کے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا۔ صحیحین میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔''[3]

ہند کی کایا پلٹ گئی

ہند بنت عتبہ کے دل میں اسلام رچ بس گیا، وہ سمجھ گئی کہ وہ گمراہی پر تھی۔ اس نے فتح کے روز مسلمانوں کو مسجد میں عبادت کرتے دیکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر اس نے اپنے خاوند ابوسفیان سے کہا: میں محمد (ﷺ) کی بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ ابوسفیان کہنے لگا: میں نے تو آج سے قبل تجھے ہمیشہ اسلام سے کفر ہی کرتے دیکھا ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج سے پہلے اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی اتنی اچھی عبادت کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! تمام صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ساری رات مسجد میں قیام اور رکوع و سجود ہی میں گزاری۔ ابوسفیان نے کہا: تو نے جو کرنا تھا، وہ قصۂ ماضی ہو گیا۔ اپنی قوم کے کسی شخص کے ساتھ چلی جا۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور ان کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ہند کی باریابی کے لیے اجازت

[1] تاریخ الطبری 2/337، 338، سنن البیہقی والمسند 5/247، 248. [2] الطبقات لابن سعد 8/236، 237، مزید دیکھیے سنن النسائي: 4186. [3] صحيح البخاري: 5288، صحيح مسلم: 1866.

مانگی۔ اس وقت وہ پوری طرح حجاب و نقاب میں تھی۔ پھر اس نے آپ کی بیعت کی۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ اس وقت آپ ابطح میں تشریف فرما تھے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور کہنے لگی: تمام تعریفیں اللہ کی ذات عالی کے لیے ہیں جس نے اس دین کو غلبہ عطا فرمایا اور خود پسند فرمایا ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ کی رحمت و شفقت کی مجھے بھی ضرورت ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والی عورت بن گئی ہوں اور آپ کے سامنے اس کی تصدیق کرتی ہوں۔ پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور کہنے لگی: میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِكِ» "تجھے خوش آمدید۔"

ہند نے اسلام لانے کے بعد کہا: اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کسی گھرانے کی ذلت میرے لیے آپ کے گھرانے کی ذلت سے زیادہ خوشی کا باعث نہیں تھی لیکن آج آپ کے گھرانے کی عزت مجھے روئے زمین پر موجود ہر گھرانے کی عزت سے زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!»

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس محبت میں ابھی اور اضافہ ہوگا۔" [2]

جب ہند بنت عتبہ اپنے گھر آئی تو اپنے بت کے پاس پہنچی اور اسے توڑنے لگی، پھر کہنے لگی: «كُنَّا مِنْكَ فِي غُرُورٍ» "تیری وجہ سے ہم دھوکے میں پڑے ہوئے تھے۔" [3]

ہند کی بکریوں کے لیے دعائے نبوی

ابوحصین ہذلی سے روایت ہے کہ جب ہند بنت عتبہ مسلمان ہوئی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے اکرام کے لیے اپنی لونڈی کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بکری کے دو بھنے ہوئے بچے بھیجے۔ جب وہ خادمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو اس نے کہا: میری مالکہ نے آپ کے لیے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور وہ معذرت کے ساتھ یہ بھی کہہ رہی ہے کہ آج کل میری بکریاں کم بچے دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ فِي غَنَمِكُمْ وَأَكْثَرَ وِلَادَهَا» "اللہ تعالیٰ تمھاری بکریوں میں برکت دے اور وہ زیادہ بچے دیں۔" اس کے بعد ہند کی لونڈی کہا کرتی تھی کہ دعا کے بعد ہم نے بکریوں اور ان کے بچوں کی اتنی کثرت دیکھی جو اس سے قبل ہم نے نہ دیکھی تھی۔ ہند کہا کرتی تھی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت ہے اور کہتی کہ میں خواب دیکھتی تھی کہ میں مسلسل سورج کی دھوپ

1 الإصابة: 347/8. 2 صحيح البخاري: 3825. 3 الطبقات لابن سعد: 237/8.

میں کھڑی ہوں، سایہ میرے قریب ہے لیکن پھر بھی میں اس کے نیچے نہیں جا سکتی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں سائے کے نیچے آ گئی ہوں۔ [1]

سیدہ عائشہ بنت قدامہ ؓ سے روایت ہے کہ میں اپنی ماں رائطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''میں تم سے اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم سب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناؤ گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گی، کسی پر بہتان نہیں دھرو گی، کسی نیک کام کرنے میں نافرمانی نہیں کرو گی۔'' عائشہ کہتی ہیں: سب عورتوں نے سر جھکائے تو نبی ﷺ نے انھیں کہا کہ تم سب کہو: ہاں، ہم اپنی استطاعت بھر ایسا ہی کریں گی۔ ساری عورتوں نے یہ بات اپنی زبان سے دہرائی تو میں نے بھی کہی۔ میری ماں بھی مجھ سے کہہ رہی تھی: بیٹی! کہو اپنی استطاعت بھر ایسا ہی کروں گی۔ [2]

بیعت کرنے والی خواتین کے نام

ابن الاثیر ؒ نے ان خواتین کے نام ذکر کیے ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ نام درج ذیل ہیں: 1 ام ہانی بنت ابی طالب۔ 2 ام حبیبہ بنت العاص بن امیہ، یہ عمرو بن عبدود عامری کی بیوی تھی۔ 3 اروی بنت ابی العیص، یہ عتاب بن اسید کی پھوپھی تھی۔ 4 اروی کی بہن عاتکہ بنت ابی العیص، یہ مطلب بن ابی وداعہ سہمی کی بیوی تھی۔ 5 آمنہ بنت عفان بن ابی العاص، یہ عثمان ؓ کی بہن اور بنو مخزوم کے حلیف سعد کی بیوی تھی۔ 6 ہند بنت عتبہ۔ 7 یسیرہ بنت صفوان بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی۔ 8 ام حکیم بنت حارث بن ہشام، یہ عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھی۔ 9 فاختہ بنت ولید بن مغیرہ، یہ خالد کی بہن اور صفوان بن امیہ کی بیوی تھی۔ 10 ریطہ بنت الحجاج، یہ عمرو بن العاص ؓ کی بیوی تھی۔ [3]

مرد و زن کا دائرۂ کار

ذمہ داریوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلام نے جہاں مرد کو معاشرے میں ذمہ دار کی حیثیت دی ہے وہاں عورت کو بھی انسانیت کی ایک اکائی قرار دیا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے قیام میں جس طرح مردوں سے بیعت اور عہد لیا، اسی طرح آپ نے عورتوں سے بھی عہد لیا۔ اس لحاظ سے ذمہ داری کا اعتبار کرنے میں مرد و زن میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں ہے۔ مرد کی طرح عورت پر بھی لازم ہے کہ وہ شرعی حدود میں رہ کر دین کے مسائل جاننے کی کوشش کرے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، علوم و فنون اور شعور و آگہی کے لیے

1 سبل الهدى والرشاد 255/5 2 مسند أحمد 365/6 3 الكامل لابن الأثير 129/2

تمام جائز ذرائع اختیار کرے۔ اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں کے اسالیب اور شاطر چالوں سے واقف ہوتا کہ اپنی ذات کے بارے میں اس نے جو عہد کیا ہے، اسے پورا کر سکے اور بیعت کا جو ہار اس نے پہنا ہے، اس کا حق ادا کر سکے۔

اجنبی عورت سے مصافحہ

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے مصافحہ نہیں فرمایا بلکہ محض زبانی بیعت کی جبکہ مردوں سے آپ نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ کریں۔

آواز کا پردہ نہیں

مذکورہ واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت اجنبی عورت کی گفتگو سنی جا سکتی ہے اور اس کی آواز کا پردہ نہیں ہے۔ تاہم جہاں فتنے کا اندیشہ ہو، وہاں اجتناب ضروری ہے۔

مکہ صلح سے فتح ہوا یا قوت سے؟

کیا رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مکہ میں بزورِ قوت داخل ہوئے یا صلح اور امن کے ساتھ؟ اس سلسلے میں ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، جمہور علماء اور اکثر اہل سیر و مغازی کا موقف ہے کہ مکہ قوت سے فتح ہوا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔

جمہور کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مکہ قوت بازو سے فتح ہوا:

1 امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پکارا تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اهتف لي الأنصار»

"میرے لیے انصار کو آواز دو۔"

انصار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ قریش نے بھی اپنے اوباش لوگوں اور تابعداروں کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے بھڑنے کے لیے جمع کیا اور کہا: ہم ان کو آگے کرتے ہیں، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے اور اگر ان پر کوئی آفت آئی تو ہم سے جو (دیت یا جرمانہ وغیرہ) مانگا جائے گا، دے دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: «هَلْ تَرَوْنَ إِلَى أَوْبَاشِ قُرَيْشٍ وَأَتْبَاعِهِمْ؟» ''تم قریش کے اوباشوں اور پیروکاروں کو دیکھ رہے ہو؟'' پھر آپ نے انصار کو انھیں قتل کرنے کا اشارہ کیا اور کہا: «حَتَّى تُوَافُونِي بِالصَّفَا» ''یہاں تک کہ تم سب مجھے صفا پہاڑی پر ملو۔'' پھر جس نے جسے قتل کرنا چاہا، قتل کر دیا۔ ان کی طرف سے ہمارے خلاف کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ پھر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: قریش کے بڑے لشکر کے خون کو جائز کر دیا گیا ہے۔ آج کے بعد قریش نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ» ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگیا، وہ امن میں ہے۔''[1]

2 مکہ کو بزور قوت فتح کرنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے قریش کے جنگجوؤں سے قتال کیا تھا۔

3 رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ» ''مکہ کو دن کی ایک گھڑی میرے لیے حلال کیا گیا ہے۔''[2]

4 آپ کا اعلان کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، وہ امن میں ہوگا اور جو اسلحہ نہیں اٹھائے گا، وہ بھی امن میں ہوگا۔ اگر مکہ صلح سے فتح ہوا ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

5 ام ہانی رضی اللہ عنہا نے دو آدمیوں کو پناہ دی۔ ان کے بھائی علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ ام ہانی نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ نے فرمایا: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ» ''اے ام ہانی! جسے تو نے پناہ دی، ہم نے بھی اسے پناہ دے دی۔''[3] یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ صلح کے ذریعے سے داخل ہوئے ہوں اور علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہی نہ ہوا ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے جن وجوہ کی بنا پر یہ کہا ہے کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا، وہ یہ ہیں: 1 آپ نے مرالظہران کے مقام پر مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر صلح کی۔ 2 نہ آپ نے غنیمتیں حاصل کیں، نہ قبضہ کیا بلکہ لوگوں کی املاک ان کے قبضے ہی میں رہیں۔

امام شافعی کے نزدیک غنیمتوں کے تقسیم نہ کرنے اور املاک پر قبضہ نہ کرنے کا سبب واضح ہے کہ یہ صلح سے فتح ہوا جبکہ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ مکہ کی حرمت اور اس کی امتیازی حیثیت ہے جس کی بنا پر آپ نے اس کی املاک پر قبضہ نہیں کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو پوری دنیا کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس لیے بعض علماء، جن میں امام ابوحنیفہ

1 صحيح مسلم: 1780. 2 صحيح البخاري: 1349. 3 مسند أحمد: 342/6.

بھی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ مکہ مکرمہ کی اراضی اور مکانات فروخت نہیں ہو سکتے۔[1]

حرمت مکہ

1 **قتال کی حرمت:** نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حرم مکی میں جنگ کرنے سے منع کر دیا تھا، سوائے ان لوگوں کے جو مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کریں۔ البتہ اس حکم سے آپ ﷺ نے چند افراد کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں آپ نے حکم دیا تھا کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں، قتل کر دیے جائیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر دور سے تلواروں کی چمک دیکھی تو روئے انور پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے۔ آپ کو خبر دی گئی کہ یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان سے جنگ کی ابتدا مشرکین کی جانب سے ہوئی ہے، اس لیے وہ بھی جنگ پر مجبور ہوئے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قضاء الله خير» "قضائے الٰہی میں خیر ہے۔"[2] اس کے علاوہ فتح مکہ کے موقع پر کہیں قتال کی نوبت نہیں آئی۔

گزشتہ سطور میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے جو خطبہ دیا تھا، اس میں یہ بھی فرمایا تھا:

> "مکہ کی حرمت انسانوں کی جانب سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ کسی شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، جائز نہیں کہ یہاں کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت یا پودا اکھاڑے۔ اگر کوئی شخص جواز کے لیے دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں قتال کیا ہے تو اس کو یہ جواب دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی لیکن اس نے تمھیں اجازت نہیں دی ہے۔ اس نے اپنے رسول کو بھی دن کے کچھ حصے کے لیے اس کی اجازت دی تھی۔ اس کی حرمت اب پھر اسی طرح قائم ہو گئی ہے جس طرح کل تھی۔"[3]

اس سے تمام علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ مکہ اور اس سے متصل حرم میں قتال جائز نہیں۔ فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے اپنے خطبے میں اس سے صریح طور پر منع کیا ہے۔

لیکن اس ممانعت کی تطبیق کیسے ہو اور اس کے اور ان نصوص کے درمیان کیسے موافقت پیدا کی جائے جن میں مشرکین اور باغیوں سے قتال کرنے اور قاتل کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اہل علم یہاں کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔

---

1 دیکھیے: زاد المعاد 429، 437، السیرة النبویة لابن شہبة 2/459-461 2 الطبقات لابن سعد 2/136 3 صحیح البخاری 104

وہ فرماتے ہیں: جہاں تک مشرکین اور ملحدین کا تعلق ہے، ان سے قتال کے سلسلے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات شرعاً ثابت ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کا ماننے والا ہے، اس کو مکہ میں رہائش اختیار کرنے کا موقع دینا جائز نہیں۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، بلکہ شافعی علماء اور بہت سے مجتہدین کی رائے ہے کہ ان کا مکہ میں داخلہ بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا﴾

"مشرکین ناپاک ہیں، لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔"[1]

جو لوگ مکہ میں ہوں، ان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے وہاں پہنچنے اور اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان سے قتال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حرم کی حفاظت کا اور کسی کافر یا مشرک کی گندگی سے اسے پاک رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔ یہ اس دین کے اعجاز کا ایک مظہر ہے اور اس سچے وعدے سے نمایاں ہے جو اللہ کی کتاب میں مذکور ہے اور جس کی اس کے رسول نے خبر دی ہے۔

رہے باغی ... یعنی وہ لوگ جو صالح امام کے خلاف علم بغاوت بلند کریں ... تو جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر انھیں ان کی بغاوت اور سرکشی سے قتال کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے پھیرنا ممکن نہ ہو تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ اس لیے کہ باغیوں سے قتال اللہ تعالیٰ کے ان حقوق میں سے ہے جن کی پامالی جائز نہیں تو حرم میں اس حق کی حفاظت بدرجۂ اولیٰ کی جائے گی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جمہور کی یہ رائے بالکل درست ہے۔ امام شافعی نے بھی کتاب اختلاف الحدیث میں اس کی صراحت کی ہے۔"



امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حرم میں قتال مطلق ممنوع ہے (یہاں تک کہ باغیوں سے بھی)۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قتال جس کی حرمت ہے، اس سے مراد قتال کی وہ صورت ہے جس کے عمومی اثرات ہوں، مثلاً منجنیق وغیرہ سے قتال۔ اگر اس کے بغیر اصلاح حال ممکن ہو تو اس کے ذریعے قتال جائز نہیں۔ لیکن اگر کفار کسی دوسرے شہر میں قلعہ بند ہو گئے ہوں تو اس وقت ان سے ہر طریقے اور ہر شکل میں قتال جائز ہے۔"

[1] التوبۃ 9:28.

لیکن بعض فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ حرم میں باغیوں سے بھی قتال حرام ہے۔ اس کے بجائے انھیں ہر طرف سے گھیرا جائے گا اور ان کا عرصۂ حیات تنگ کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ یا تو حرم سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا دوبارہ اطاعت قبول کر لیں۔[1]

جہاں تک حدود قائم کرنے کا معاملہ ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس کے جواز کا ہے۔ ان کی دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث میں عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ. ''حرم کسی نافرمان، کسی قاتل اور کسی غاصب کو پناہ نہیں دے سکتا۔''[2]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ___ اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول ہے ___ کہ ایسا شخص جب تک حرم میں ہے، وہ امان میں ہوگا، لیکن اسے تنگ کیا جائے گا اور وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جیسے ہی وہ وہاں سے نکلے گا، اسے پکڑ کر اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔ ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ فتح مکہ کا عمومی مفہوم ہے۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: حرم مکی کی خصوصیت یہ ہے کہ کفار یا باغی اگر مکہ کے علاوہ کسی اور شہر میں قلعہ بند ہو جائیں تو ان کے خلاف جس طریقے پر اور جس شکل میں بھی مصلحت کا تقاضا ہو، عمومی جنگ برپا کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ حرم مکی میں کہیں قلعہ بند ہو جائیں تو اس طریقے پر ان سے جنگ جائز نہیں۔[3]

اگر کوئی حد حرم سے باہر جرم کر کے حرم میں آئے تو حرم میں اس پر حد نافذ نہیں کی جائے گی، البتہ اگر حرم میں جرم کیا ہو تو حرم میں حد نافذ کی جائے گی۔ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، لہٰذا یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔[4]

4 شکار کی حرمت: یہ حرمت بالاجماع ثابت ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نہ اس کا کانٹا توڑا جائے گا اور نہ شکار کو بھگایا جائے گا۔'' تو جب اسے بھگانا جائز نہیں تو اسے جان سے مارنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اگر کوئی شخص شکار کو پکڑ لے تو اسے چھوڑ دینا لازم ہے۔ اگر وہ اس کے قبضے میں تلف ہو جائے تو محرم شخص کی طرح وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اس حکم سے رسول اللہ ﷺ نے پانچ قسم کے حیوانات کو مستثنیٰ

[1] شرح صحیح مسلم للنووی 9/177، الأحکام السلطانیة للماوردی، ص: 166 [2] صحیح البخاری، 4295. حدیث میں ''ولا فارًّا بخربة'' کے الفاظ ہیں۔ النہایہ میں ہے کہ خربہ کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شخص ہے جو کوئی ایسی چیز لے کر فرار ہو گیا ہو جسے وہ صرف اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا ہو، جبکہ شریعت میں اس کی اجازت نہ ہو۔ [3] دیکھیے: إعلام الساجد بأحکام المساجد للزرکشی، ص: 62 اور شرح الزرقانی 5/86. [4] فتح الباری 4/63، مسائل الإمام أحمد لابن ہانئ 2/85-89، المغنی 8/236

گیا ہے اور انھیں "فواسق" کہا ہے۔ وہ یہ ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہیا اور کاٹنے والا کتا۔[1] علماء نے ان پر دوسرے موذی جانوروں کو بھی قیاس کیا ہے، مثلاً: سانپ اور خوں خوار درندے۔

■ **اذخر کے سوا دیگر نباتات کو کاٹنے کی حرمت:** اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے: "نہ اس کا کانٹا توڑا جائے گا۔" اس سے مراد ان نباتات کو کاٹنے کی حرمت ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اگایا ہو، انھیں انسانوں نے نہ اگایا ہو اور وہ تروتازہ اور ہری بھری ہوں۔ چنانچہ ان پودوں اور درختوں کا کاٹنا حرام نہیں جنھیں انسانوں نے اگایا ہو۔ اسی طرح اس میں چوپایوں کو ذبح کرنا، گھاس چرانا اور سوکھے درختوں اور پودوں کو کاٹنا حرام نہیں ہے۔ علامہ زرکشی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حرم میں چوپایوں کو چرانا ممنوع ہے۔[2]

جمہور نے پانچ فواسق حیوانات (جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مستثنیٰ قرار دیا تھا) پر قیاس کرتے ہوئے موذی نباتات کو عام نباتات کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ یہ قیاس کے ذریعے نص کی تخصیص کے قبیل سے ہے۔[3]

■ **حالت احرام میں داخل ہونے کا وجوب:** جو شخص مکہ یا (امام نووی رحمہ اللہ کے بقول) حدود حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرے اور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جنھیں بار بار داخل ہونا پڑتا ہے، مثلاً: تاجر، لکڑہارے اور وہ لوگ جو اپنے پیشے کی وجہ سے حرم میں مسلسل آمد و رفت پر مجبور ہوں، تو اس پر لازم ہے کہ حج یا عمرے کا احرام باندھے بغیر داخل نہ ہو۔

علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے یا استحباب پر۔ ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، مالک، احمد رحمہ اللہ) کا مشہور مسلک یہ ہے، اور یہی احناف کا فتویٰ ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، کہ یہ حکم بطور وجوب ہے۔ جب کہ جمہور شوافع کا مسلک ہے کہ یہ حکم بطور استحباب ہے۔

سبب اختلاف یہ ہے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوئے تو حالت احرام میں نہیں تھے۔ امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ فتح والے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام میں نہیں تھے۔"[4]

جو لوگ کہتے ہیں کہ احرام مستحب ہے، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور جن حضرات نے وجوب کو صحیح قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کو کفار کی جانب سے حملے کا اندیشہ تھا،

1 صحيح البخاري: 3314. 2 دیکھیے: إعلام الساجد، ص: 157. 3 دیکھیے: ضوابط المصلحة في الشريعة الإسلامية للبوطي، ص: 200. 4 صحيح مسلم: 1358.

اس لیے آپ بھی پورے طور پر تیار تھے کہ اگر وہ لوگ جنگ کریں گے تو آپ بھی ان کا جواب دیں گے۔ اور یہ وہ حالت ہے جو وجوبِ احرام کے عمومی حالات سے مستثنیٰ ہے۔[1]

راجح یہی ہے کہ جو حج و عمرے کے لیے آئے اس پر احرام ہے۔ حدیث میں بھی مواقیت کے تذکرے میں یہی بیان ہوا ہے:

«مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ»

"جو حج اور عمرے کا ارادہ کرے۔"[2]

رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں اقامت گاہ

رسول اللہ ﷺ نے حجون کو قیام گاہ بنایا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قریش نے بنو ہاشم اور مسلمانوں سے قطع تعلقی کا معاہدہ کیا تھا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِنْ رِبَاعٍ أَوْ دُورٍ»

"کیا عقیل نے ہمارے لیے رہنے کو کوئی گھر چھوڑا ہے؟"[3]

رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا تھا: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ» "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔"[4]

رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کے جانے کے بعد ابوطالب کے وارثوں میں عقیل اور اس کے بھائی طالب تھے۔ عقیل نے تمام گھر فروخت کر دیے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کی بنا پر وارث ہی نہ ٹھہرے تھے کیونکہ ابوطالب نے حالت کفر میں وفات پائی تھی۔[5]

کفار مکہ مہاجرین کے مکانات، جائدادوں اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تھے تو اسی وقت سیدنا ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ ﷺ سے اپنے مکان کی واپسی کے متعلق کچھ کہنے لگے۔ ان کے مکان کو ابوسفیان نے چار سو دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابواحمد کو بلا کر آہستہ سے کچھ فرمایا تو ابواحمد خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب ابواحمد سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا تو ابواحمد کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے مجھے یہ ارشاد فرمایا: «إِنْ صَبَرْتَ كَانَ خَيْرًا لَكَ وَكَانَ لَكَ بِهَا دَارٌ فِي الْجَنَّةِ»

1 [illegible] ص 276، 278 2 صحیح البخاری 1524، نیز دیکھیے زاد المعاد 3/428، 429 3 صحیح البخاری 1588، صحیح مسلم 1351 4 صحیح البخاری 6764 5 السيرة النبوية الصحيحة للعمری 2/482

"اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضے میں تجھے جنت میں ایک گھر مل جائے گا۔" تو میں نے آپ ﷺ سے کہا: میں صبر کروں گا۔[1]

ان کے علاوہ بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ ان کے مکانات انھیں واپس مل جائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے، میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔" یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں مدتِ قیام

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں انیس دن ٹھہرے رہے۔ اس پوری مدت میں آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے، یعنی آپ نے قصر نماز ادا کی۔[2]

حدود حرم کی علامات کی تجدید

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا تمیم بن اسد خزاعی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حدود حرم کی علامات کی تجدید کریں تو انھوں نے یہ کام مکمل کیا۔[3]



حدود حرم کے نشانات

رسول اللہ ﷺ کے چند اہم فیصلے

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں قیام پذیر ہوئے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے چند اہم فیصلے صادر فرمائے۔ ذیل میں انھی کا تذکرہ ہے۔

چور کی سزا

قریشی عورت نے چوری کی اور اس نے اس کا اعتراف کر لیا۔ یہ عورت بنو مخزوم کی تھی جو ادھار چیزیں لے کر صاف مکر جاتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اسے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پناہ لی۔ مکہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اس موقع پر رؤسائے قریش پریشان ہو گئے، چنانچہ انھوں نے اس سے بچنے کی تدبیر کرنی شروع کر دی۔ بالآخر انھوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو

---

1 أخبار مكة للفاكهي 293/3، الطبقات لابن سعد 102/4 2 صحيح البخاري 4298، 4299 مزید دیکھیے اسی جلد کے باب "غزوۂ حنین" کے ذیل میں عنوان "اسلامی لشکر کی روانگی کی تاریخ" 3 الطبقات لابن سعد 295/4، الإصابة 487/1

سفارش کے لیے تیار کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی اور چوری کرنے والی عورت پر حد نافذ کر دی گئی۔ یہ واقعہ قبل ازیں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

زانی کے لیے سنگسار ہے

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی سے پیدا ہونے والا بچہ اپنے قبضہ میں لے لیں۔ عتبہ نے کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو سعد بن ابی وقاص ؓ اس بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ عبد بن زمعہ بھی تھے۔ سعد بن ابی وقاص ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی ہے کیونکہ میرے والد زمعہ کا بیٹا ہے اور ان کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو دیکھا تو وہ عتبہ بن ابی وقاص سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ» ''اے عبد بن زمعہ! یہ بچہ تیری کفالت میں ہوگا۔ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زنا کرنے والے کے حصے میں پتھر ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ ؓ کو حکم دیا: «احْتَجِبِي مِنْهُ» ''تم اس سے پردہ کرو۔'' کیونکہ آپ ﷺ نے اس لڑکے میں عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت پائی تھی۔[1]

شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی حرمت کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قیام کے دوران شراب کی خرید و فروخت کی حرمت کا اعلان کیا اور حکم دیا کہ شراب کو ضائع کرنے کے لیے انڈیل دیا جائے اور اس کے مٹکے توڑ دیے جائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بتوں، مردار اور خنزیر کی خرید و فروخت کی بھی حرمت کا اعلان کیا۔ سیدنا جابر ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے سال جب آپ مکہ میں تشریف فرما تھے، یہ فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ» ''اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔'' کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے، چمڑوں کو رنگا جاتا ہے اور لوگ اسے دیے کے طور پر بھی

1 صحيح البخاري :4303.

جلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا، هُوَ حَرَامٌ» "ہرگز نہیں، یہ حرام ہے۔" پھر آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: «قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ» "اللہ تعالیٰ یہودیوں کو نیست و نابود کرے، جب اللہ نے ان پر چربی حرام کر دی تو انھوں نے اسے پگھلایا اور پھر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی۔"[1]

یاد رہے کہ درج بالا ساری چیزیں پہلے ہی حرام قرار دی جا چکی تھیں۔ یہاں فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ کے لیے دوبارہ ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا تھا۔

متعہ کو قیامت تک حرام کر دیا گیا

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ کو تین دنوں کے لیے حلال کیا، پھر اسے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا۔ صحیح مسلم میں سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

"اے لوگوں کی جماعت! بلاشبہ میں نے تمھیں عورتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تھی اور اب یقیناً اللہ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔"[2]

امام مازری لکھتے ہیں کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اول اسلام میں نکاح متعہ جائز تھا، پھر صحیح احادیث سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب اس کی حرمت پر اجماع ہے۔[3]

امام بغوی شرح السنہ میں فرماتے ہیں: علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے اجماع کی طرح ہے۔[4]

مستدرک حاکم میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے نکاح متعہ کے بارے میں سوال کیا تو سیدہ نے فرمایا: میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے مالک

1 صحیح مسلم 1581 2 صحیح مسلم 1406 3 شرح مسلم للنووی 255/9 4 شرح السنۃ للبغوی 100/9

ان کے دائیں ہاتھ ہیں، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔"[1]

یعنی جسے اللہ نے اس کی بیوی بنایا یا ملکیت میں دیا، ان کے علاوہ کوئی اور صورت نکالی تو یقیناً وہ حد سے گزر گیا۔[2]

سنن ابن ماجہ میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے لیے ہمیں متعہ کی اجازت دی، پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی شادی شدہ کا پتہ چلا کہ اس نے متعہ کیا ہے تو میں اسے پتھروں سے رجم کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ یا پھر وہ میرے پاس چار گواہ لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کرنے کے بعد حلال کر دیا تھا۔[3]

[1] المؤمنون 23: 6,5 [2] المستدرک للحاکم 2/305 [3] سنن ابن ماجہ، حدیث: 1963 [4] مزید دیکھیے ... انسائیکلوپیڈیا 8/438-440

فتح مکہ کے بعد کے سرایا

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کرنے کے فوراً بعد صحابہ کرام ؓ کے کچھ دستوں کو مختلف مہمات پر روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے توفیق ربانی سے شرک کا ہر ناپاک نشان مٹا دیا، بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا اور مکہ میں عام اعلان کرا دیا کہ اب کوئی شخص اپنے گھر میں ہرگز کوئی بت باقی نہ رہنے دے۔ لیکن ابھی ایک اہم کام باقی تھا۔ وہ یہ کہ مکہ کے اردگرد کچھ بڑے بڑے بت خانے موجود تھے۔ یہاں عرب کے مشہور و معروف بت تھے جن کی ایک عرصے سے پوجا ہو رہی تھی۔ لوگ ان کا طواف کرتے، ان کے نام پر جانور قربان کرتے، ان سے اپنی مرادیں مانگتے اور ان کے لیے طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ اب وقت آ چکا تھا کہ ان بتوں کو بھی پاش پاش کر دیا جائے اور لوگوں کے سامنے ان کی بے بسی اور بے مائیگی کا پول کھول دیا جائے تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت عظمیٰ روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے، نہ کوئی کسی نفع و نقصان کا مالک ہے۔ ان بتوں کی وجہ سے اب تک بہت سے لوگ گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بتوں کا صفایا کرنے میں ذرا بھی تاخیر برداشت نہیں کی اور اپنے جانبازوں کے دستے ان کی طرف روانہ فرما دیے تاکہ وہ ان بتوں کو ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیں۔ آئیے! اب ہم ان ایمان افروز واقعات کا تفصیل سے مطالعہ کریں۔

عرب کا سب سے بڑا بت: عزیٰ

مکہ کے گردونواح میں جو بت موجود تھے، ان میں ایک بت عزیٰ تھا۔ یہ تمام بتوں میں سب سے بڑا بت تھا۔ قریش، بنوکنانہ اور مضر سب اس کی تعظیم اور پوجا کرتے تھے۔ بنوشیبان اس کے مجاور تھے جو بنوسلیم کی ایک شاخ اور بنوہاشم کے حلیف تھے۔[1] بنواسد بن عبدالعزیٰ، عزیٰ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ ہمارا بت ہے۔[2] یہ دراصل نخلہ کے مقام پر ایک عمارت تھی جو ببول کے تین درختوں پر بنائی گئی تھی۔[3] کہا جاتا ہے کہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن لُحَی جو عربوں میں بت پرستی کا بانی اور اسے فروغ دینے والا تھا، اس بدبخت نے لوگوں کو یہ گمراہ کن پٹی پڑھائی کہ اللہ تعالیٰ

1 السیرة لابن ہشام 79/4 2 تاریخ الطبری 340/2 3 السنن الکبریٰ للنسائی 474/6

عزیٰ کا موسم طائف میں لات کے پاس اور گرمی کا موسم عزیٰ کے پاس گزارتا ہے۔ جہالت کے مارے لوگوں نے اس کی بات کا یقین کر لیا اور عزیٰ کی تعظیم شروع کر دی حتی کہ اس کی درگاہ بنا ڈالی۔ وہ اس قدر گمراہی کا شکار ہو گئے کہ جس طرح کعبہ کی طرف ہدیے اور نذرانے لائے جاتے تھے، اسی طرح وہ عزیٰ کی طرف نذرانے لے جانے لگے۔ [1]
دوسرے الفاظ میں معاذ اللہ وہ کعبہ کی طرح عزیٰ کی تعظیم کرنے لگے۔ درحقیقت یہ سب شیطان کی کارستانی تھی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عزیٰ ایک شیطان تھا جو بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں میں آیا کرتا تھا۔ [2] عزیٰ کی پوجا پاٹ شروع کرنے والا اصل ظالم بن اسعد نامی ایک شخص تھا۔ ہشام کلبی نے لکھا ہے کہ عزیٰ لات اور مناۃ کے بعد وجود میں آیا کیونکہ میں نے عرب کے لوگوں سے سنا کہ انھوں نے عزیٰ سے پہلے لات اور منات کے ناموں کے ساتھ اپنے نام رکھے۔ [3] بہرحال عزیٰ کی محبت اہل عرب کے دل و دماغ پر ایسی چھائی کہ ان میں سے بہت سوں نے اپنے بچوں کا نام ہی عبدالعزیٰ (عزیٰ کا بندہ) رکھ دیا۔ وہ بے دھڑک عزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ قریش بھی عزیٰ پر بڑا ناز کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ابوسفیان کے اس مشرکانہ جملے سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے غزوۂ احد کے موقع پر بڑے فخریہ انداز میں کہا تھا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ''ہمارا عزیٰ ہے اور تمھارا کوئی عزیٰ نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اپنے سرفروشوں سے فرمایا کہ اس کے باطل جملے کا یہ جواب دو:
اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ ''اللہ ہمارا کارساز ہے اور تمھارا کوئی کارساز نہیں۔'' [4]

قرآن مجید میں دیگر بتوں کے ساتھ عزیٰ کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

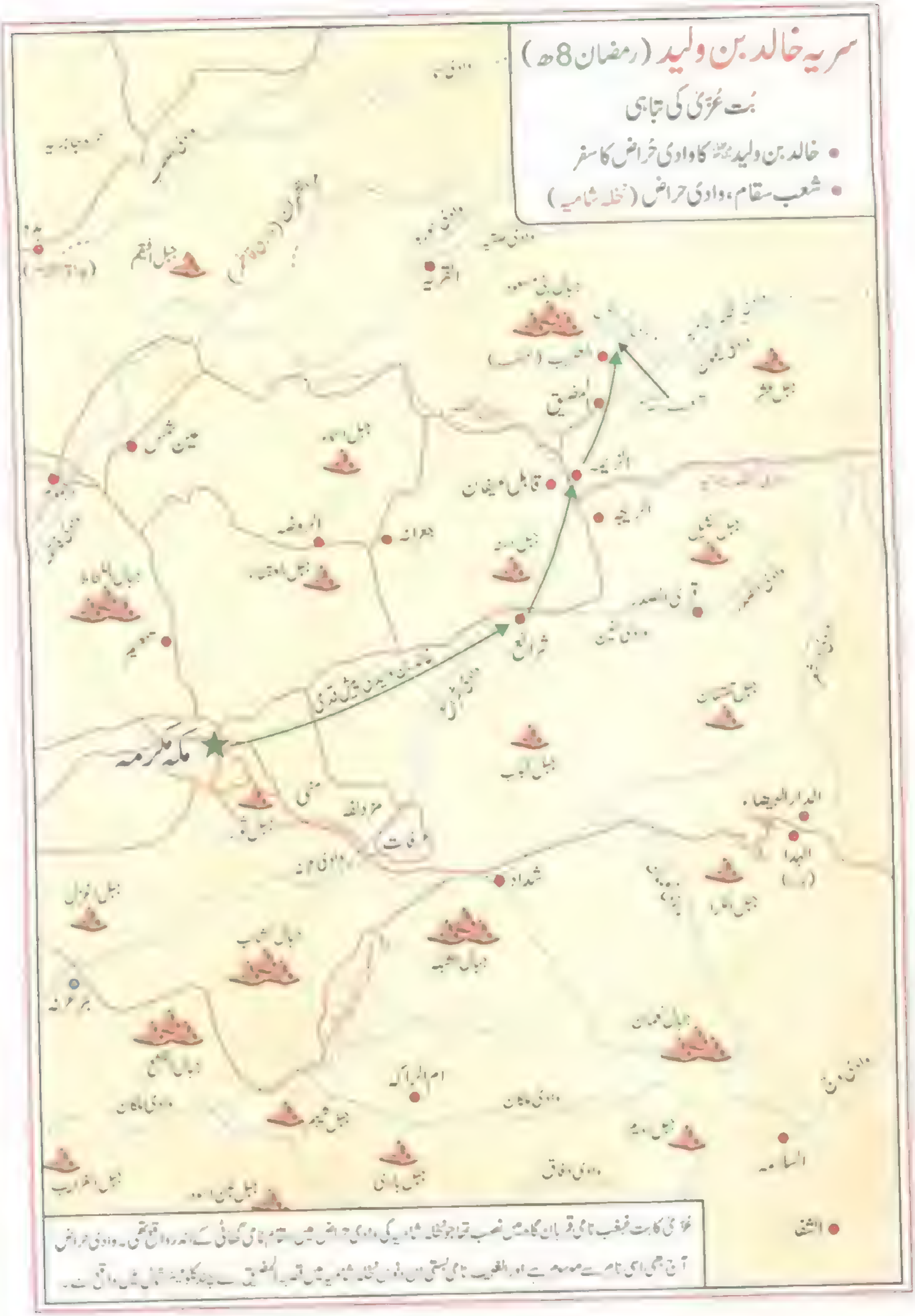
﴿ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ، وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴾

''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسری (دیوی) مناۃ کو جو گھٹیا ہے؟'' [5]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عزیٰ کی طرف پیش قدمی

عزیٰ کو مسمار کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نظرِ انتخاب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ آپ نے انھیں تیس شہسواروں کے ہمراہ اس مہم پر روانہ فرمایا۔ یہ 25 رمضان المبارک 8 ھ کا دن تھا۔ [6] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نخلہ پہنچے۔ انھوں نے یکبارگی ببول کے تینوں درخت کاٹ ڈالے اور ان پر بنی ہوئی عمارت کو ڈھا کر خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی کارگزاری بیان کی۔ آپ ﷺ

1 الروض الأنف: 384/1. 2 الأصنام للكلبي، ص: 4. 3 الأصنام للكلبي، ص: 3. 4 صحيح البخاري: 4043. 5 النجم 53: 19، 20. 6 تاريخ الطبري: 340/2، الطبقات لابن سعد: 145/2.



سریہ خالد بن ولید (رمضان 8ھ)
بُت عُزّیٰ کی تباہی
• خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وادی حُراض کا سفر
• شعب سقام، وادی حراض (نخلہ شامیہ)
مکہ مکرمہ
منیٰ
عرفات
شرائع
جعرانہ
المضیق
شداد

نے ان سے دریافت فرمایا: «هَلْ رَأَيْتَ شَيْئًا؟» ”کیا تم نے (وہاں) کچھ دیکھا بھی تھا؟“

خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّكَ لَمْ تَهْدِمْهَا، فَارْجِعْ إِلَيْهَا فَاهْدِمْهَا»

”پھر تم نے اسے ڈھایا ہی نہیں۔ دوبارہ جاؤ، اور اسے ڈھا کر آؤ۔“

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حکم نبوی کی تعمیل کی اور عزیٰ کا نام و نشان مٹانے کے لیے دوبارہ روانہ ہو گئے۔[1]

عزیٰ کے مجاوروں کی دہائی

عزیٰ کے مجاوروں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیگر مجاہدین اسلام کے ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے دوبارہ آئے ہیں، چنانچہ وہ گھبرا کر پہاڑ پر جا چڑھے۔ وہ سب عزیٰ کو یہ دہائی دے رہے تھے: «يَا عُزَّى! خَبِّلِيهِ، يَا عُزَّى! عَوِّرِيهِ، وَإِلَّا فَمُوتِي بِرَغْمٍ» ”اے عزیٰ! اسے دیوانہ بنا دے، اے عزیٰ! اسے کانا کر دے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتی تو خود ہی ذلیل و رسوا ہو جا اور موت کے گھاٹ اتر جا۔“[2]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب عزیٰ کے سلمی مجاور نے خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کے بارے میں سنا تو اس نے عزیٰ کے ٹھکانے پر اپنی تلوار لٹکا دی اور خود یہ کہتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا:

أَيَا عُزَّ شُدِّي شَدَّةً لَا شَوَى لَهَا ... عَلَى خَالِدٍ أَلْقِي الْقِنَاعَ وَشَمِّرِي

يَا عُزَّ إِنْ لَمْ تَقْتُلِي الْمَرْءَ خَالِدًا ... فَبُوئِي بِإِثْمٍ عَاجِلٍ أَوْ تَنَصَّرِي

”اے عزیٰ! خالد پر ایسا زوردار حملہ کر جو کچھ بھی باقی نہ رہنے دے۔ اپنا آنچل اٹھا دے اور پھرتی دکھا دے۔ اے عزیٰ! اگر تو نے خالد کو قتل نہ کیا تو پھر اس کا سارا گناہ اپنے سر لے لے یا پھر مدد کر۔“[3]

کلبی نے اس سلمی مجاور کا نام دبیہ بن حرمی بیان کیا ہے۔[4]

عزیٰ کی تباہی

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شیر کی طرح عزیٰ پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے اپنی تلوار سونتی۔ اس مرتبہ ایک کالی ننگ دھڑنگ عورت نکل کر ان کی طرف آئی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے، وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی تھی اور آہ و بکا کر رہی تھی۔ مجاور اسے چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ ادھر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے ہوئے اس پر حملہ آور ہوئے:

يَا عُزَّ! كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ ... إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ أَهَانَكِ

---

[1] الطبقات لابن سعد 2/145، 146، السنن الكبرى للنسائي 6/474. [2] دلائل النبوة للبيهقي 5/77. [3] السيرة لابن هشام: 4/79. [4] الأصنام للكلبي، ص: 4.

''اے عزیٰ! میں تیرا انکار کرتا ہوں۔ میں تیری پاکی بیان نہیں کرتا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کر دیا ہے۔''[1]

انھوں نے عزیٰ پر تلوار کی ایسی زبردست ضرب لگائی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ اپنے ذلت ناک انجام کو پہنچ گئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں موجود سارے زیورات اپنے قبضے میں لیے، اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اپنی مہم کی پوری رپورٹ پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اطلاعات سن کر ارشاد فرمایا:

«نعم، تلك العزى، وقد يئست أن تعبد ببلادكم أبدا»

''ہاں، وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ اس بات سے مایوس ہو چکی ہے کہ تمھارے ملک میں کبھی اس کی پوجا کی جائے۔''[2]

باپ کی گمراہی پر تعجب

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ عزیٰ کا زبردست پجاری تھا۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اس کے بت کدے میں جانور قربان کرتا اور یہاں آ کر کچھ دن قیام کرتا تھا۔ اللہ کی قدرت کے کیا کہنے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے موحد بیٹے کے ہاتھوں عزیٰ کا صنم خانہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔

چنانچہ اس موقع پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنے گمراہ باپ کی یاد آ گئی کہ وہ کس قدر فریب کا شکار تھا کہ عزیٰ کو پوجتا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عزیٰ کی بے بسی اور بے مائیگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے کہ جو خود اپنے آپ کو نہ بچا سکی، وہ کسی اور کو کیا بچائے گی! انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں عزت دی اور ہلاکت سے بچا لیا۔ میں اپنے باپ کو دیکھا کرتا تھا، وہ اپنی طرف سے سو اونٹ اور بکریوں کا عطیہ عزیٰ کے بت خانے پر لے جاتا تھا اور انھیں عزیٰ کے نام پر قربان کر دیتا تھا۔ پھر وہ وہاں تین دن رہ کر ہمارے پاس خوش و خرم لوٹتا تھا۔ میں نے اس حالت پر غور کیا ہے جس پر میرے باپ کو موت آئی۔ اس کا عقیدہ اس کی شخصیت میں رچ بس گیا۔ وہ کس قدر دھوکے کا شکار ہوا کہ اس نے ایک ایسے پتھر کے لیے جانور قربان کر دیے جو نہ سنتا تھا نہ دیکھتا تھا، نہ نقصان پہنچا سکتا تھا، نہ کوئی فائدہ!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کی اپنے باپ کے متعلق یہ دکھ بھری گفتگو سنی تو ارشاد فرمایا:

[1] المصنف لابن أبي شيبة 409/7. [2] السنن الكبرى للنسائي 474/6، الطبقات لابن سعد 146/2، تاريخ الطبري 340/2

هذا الأمر إلى الله، فمن يسره الله للهدى تيسر، ومن يسره للضلالة تيسر له

’’یہ معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ جسے وہ ہدایت کی توفیق دے دے، اسے ہدایت میسر آجاتی ہے اور جس کے لیے وہ گمراہی کو آسان کر دے، وہ اسی میں پڑا رہتا ہے۔‘‘ [1]

منات کی بربادی

اسی رمضان کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس شہسواروں کے ساتھ منات کا صنم خانہ مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ [2] یہ قدیم ترین بت تھا۔ اس کی پوجا کا آغاز بھی عمرو بن لحی ہی کا سیاہ کارنامہ تھا۔ اسے بحیرۂ احمر کے ساحل پر قدید کے قریب مُشَلَّل کے مقام پر نصب کیا گیا تھا۔ [3] اوس وخزرج، ازد، غسان، ہذیل، خزاعہ، قریش، غرض سارے عرب قبائل اس کی تعظیم کرتے اور اس کے استھان پر جانور ذبح کرتے تھے لیکن یہ اوس وخزرج کا خاص بت تھا۔ ان سے بڑھ کر اور کوئی اس کی تعظیم نہیں کرتا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب حج کے لیے جاتے تو وہاں اپنے سر کے بال نہیں منڈاتے تھے بلکہ جب منیٰ سے لوٹتے تو منات کے پاس آکر اپنے بال منڈاتے تھے اور یہاں ٹھہرا بھی کرتے تھے۔ منات کے مجاور ازد کی شاخ بنوغطریف سے تھے۔ [4]



صحیح بخاری میں ہے کہ اوس وخزرج اور غسان کے لوگ مسلمان ہونے سے پہلے منات کے نام پر احرام باندھتے تھے اور پھر منات کی تعظیم کے پیش نظر صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی نہیں کرتے تھے۔ [5]

سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے منات کو پامال کر دیا

سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر منات کے پاس پہنچے۔ اس کا مجاور وہاں موجود تھا۔ اس نے پوچھا: تمھارا کیا ارادہ ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا: منات کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر مجاور نے کہا: تم جانو اور منات جانے۔

1 المغازي للواقدي 2/292، 293 2 الطبقات لابن سعد 2/146، 147 3 صحيح البخاري 1790، 4861
4 الأصنام للكلبي، ص: 2، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام 6/247، 248 5 صحيح البخاري 4861

سعد ؓ بے خوف و خطر منات کی طرف بڑھے۔ اتنے میں ایک کالی، ننگی اور پراگندہ بال عورت نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ رہی تھی اور ہائے ہائے کر رہی تھی۔ مجاور نے اسے پکارتے ہوئے کہا: منات! اپنے گستاخوں کو پکڑ لے۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنا دفاع خود کر لے گی اور اپنے گستاخوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کر دے گی لیکن اس کی پکار بے سود ثابت ہوئی۔ سعد ؓ نے آگے بڑھ کر اس عورت کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے اس بت خانے کو مسمار کر دیا۔ انھیں اس جگہ کے خزانے سے کچھ نہ ملا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے۔ یہ کارروائی 24 رمضان المبارک 8 ھ کو عمل میں آئی۔[1]

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منات کی طرف ابوسفیان بن حرب ؓ کو روانہ فرمایا تھا اور انھوں نے اسے گرایا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کام سیدنا علی ؓ نے انجام دیا تھا۔[2] کلبی نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو منات کی طرف بھیجا تھا۔ انھوں نے اسے ڈھا دیا اور وہاں موجود تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔ انھیں ان چیزوں میں وہ دو تلواریں بھی ملیں جو شاہ غسان حارث بن ابی شمر غسانی نے منات کے لیے نذرانے کے طور پر پیش کی تھیں۔ ایک کا نام مخذم اور دوسری کا رسوب تھا۔ آپ ﷺ نے وہ دونوں تلواریں علی ؓ کو ہبہ کر دیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علی ؓ کی ذوالفقار نامی تلوار انھی دو تلواروں میں سے ایک ہے۔[3] لیکن ابن ہشام نے مذکورہ دونوں تلواروں کا ذکر فلس کے بت خانے کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو اس کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے اسے ڈھایا تو انھیں وہاں سے مندرجہ بالا دونوں تلواریں ملیں۔[4] بہرحال واقدی اور ابن سعد کی رائے یہی ہے کہ منات کو سعد بن زید اشہلی ؓ نے مسمار کیا تھا۔[5] واللہ اعلم بالصواب

سواع کی شامت

رمضان المبارک 8 ھ ہی میں رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن عاص ؓ کو ایک لشکر کے ہمراہ سواع کا بت خانہ ڈھانے کے لیے روانہ فرمایا۔[6] سواع ان پانچ بتوں میں سے ایک تھا جن کی نوح ؑ کی قوم پوجا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ بتوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

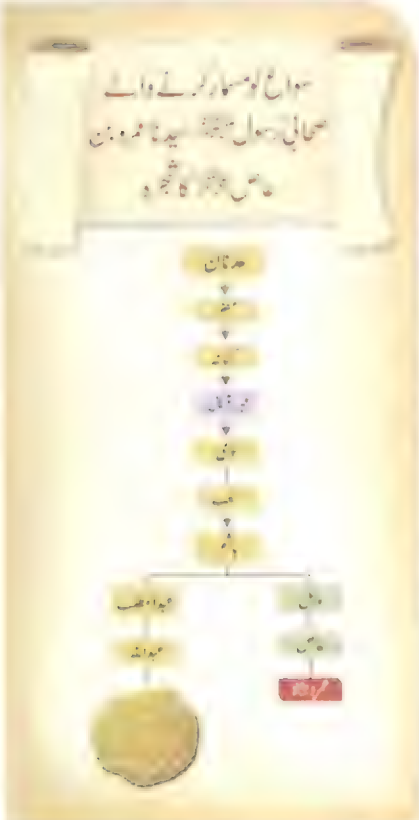
﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

''اور انھوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، اور نہ چھوڑو تم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔''[7]

1 الطبقات لابن سعد: 147/2 2 السيرة لابن هشام: 86/1 3 الأصنام للكلبي، ص: 2 4 السيرة لابن هشام: 87/1
5 المغازي للواقدي: 290/2. 6 الطبقات لابن سعد: 146/2. 7 نوح 23:71.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان پانچوں بتوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أسماء رجال صالحين من قوم نوح، فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم أن انصبوا إلى مجالسهم التي كانوا يجلسون أنصابا وسموها بأسمائهم، ففعلوا فلم تعبد، حتى إذا هلك أولئك وتنسخ العلم عبدت



"یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ جن مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے بت بنا کر نصب کر دو اور ان بتوں کو انھی کے ناموں سے موسوم کر دو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا مگر ان بتوں کی پوجا نہیں کی گئی۔ پھر جب یہ تمام لوگ فوت ہو گئے اور علم ختم ہو گیا تو ان بتوں کی پوجا شروع ہو گئی۔"

انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ان بتوں کو عرب کے لوگوں نے بھی پوجنا شروع کر دیا۔ اسی ضمن میں ہذیل سواع کی پوجا کرنے لگے۔[1]

سواع نامی بت بھی عمرو بن لحی ہی عرب کے لوگوں کے پاس لایا تھا۔ اس نے ان لوگوں سے اس کی پوجا شروع کرائی تھی۔ کلبی نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن لحی کاہن تھا اور اس کا ایک موکل جن تھا۔ اس جن نے اسے بتایا کہ قوم نوح کے بت جدہ میں موجود ہیں، لہٰذا تو جلدی سے وہاں جا اور بلا خوف وخطر یہ بت تہامہ کے علاقے میں لے آ، پھر عرب کے لوگوں کو ان کی پرستش کی دعوت دے، وہ تیری بات مان لیں گے۔ عمرو بن لحی جدہ پہنچا اور ان بتوں کو تہامہ لے آیا۔ جب حج کا موسم آیا تو اس نے سارے عرب کو ان بتوں کی پرستش کی دعوت دی ...... دوسرے لوگوں کی طرح مضر بن نزار نے بھی اس کی بات مان لی، چنانچہ سواع بت کو ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کے ایک شخص حارث بن تمیم بن سعد کے سپرد کر دیا گیا۔[2]

[1] صحيح البخاري 4920 [2] الأصنام للكلبي، ص: 10، ... 256،255/2

سواع کی شکل ایک عورت کی تھی۔ اسے ینبع کے علاقے رہاط میں نصب کر دیا گیا اور بنو ہذیل اس کی پوجا کرنے لگے۔ وہ اس کی تعظیم کے ساتھ ساتھ اس کا طواف بھی کرتے تھے۔[1] اس کے مجاور بنولحیان تھے جو ہذیل ہی کی ایک شاخ ہے۔[2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سواع کو ڈھا دیا

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے ہذیل کے بت سواع کی طرف روانہ ہوئے۔ آیئے! سواع کی تباہی کا تذکرہ انھی کی زبانی سنتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں سواع کے پاس پہنچا تو وہاں اس کا مجاور موجود تھا۔ وہ بولا: تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ سواع کو ڈھا دیا جائے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا: تمھیں اس کام سے روک دیا جائے گا۔ میں نے کہا: تم پر افسوس! تم ابھی تک باطل ہی پر اڑے ہوئے ہو؟ ذرا سوچو! کیا یہ بت سنتا یا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد میں نے اس بت کے پاس پہنچ کر اسے توڑ دیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانے والا مکان ڈھا دیں۔ انھوں نے اسے ڈھا دیا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ ملا، پھر میں نے مجاور سے کہا: اب تمھارا کیا خیال ہے؟ وہ بے اختیار پکار اٹھا: اب میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہوں۔[3]

یہ سب کچھ کیا تھا؟ دراصل مجاور نے اپنی آنکھوں سے سواع کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑی۔ اس پر یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ تو محض پتھر کا ایک بے وقعت ٹکڑا ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ تو خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکا، کسی اور کو کیا بچائے گا۔ یقیناً ہم اس کے بارے میں دھوکے میں مبتلا تھے۔ جب مجاور کی آنکھوں سے جہالت کے پردے اٹھ گئے تو وہ فوری طور پر شرک و کفر سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔

1 سبل الهدى والرشاد 198/6، السيرة الحلبية 209/3 2 الأصنام للكلبي، ص 1 3 الطبقات الكبرى لابن سعد 146/2، المغازي للواقدي :290/2.





سریہ عمرو بن عاص (رمضان 8ھ)
سواع (بت) کا انہدام
عمرو کا وادی رہاط تک سفر
(مکہ سے رہاط کا فاصلہ: 150 کلو میٹر)
سریہ سعد بن زید اشہلی (رمضان 8ھ)
منات (بت) کا انہدام
مکہ مکرمہ
طائف
جدہ
الجحفہ
غدیر خم
بنو ہذیل
الشفاء

سریۂ بنی جذیمہ

فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ حنین سے پہلے رونما ہونے والا ایک اہم ترین سریہ، سریۂ بنی جذیمہ ہے۔ اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ایک بہت بڑی تاریخی اور اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا بڑا حادثہ ہو جائے گا۔ ہوا یہ کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی کے باعث بنو جذیمہ کے بہت سے بے قصور لوگ قتل ہو گئے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ ابھی تک کفر و شرک ہی میں مبتلا ہیں، حالانکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس غلط فعل پر ان سے سخت ناراض ہوئے اور آپ نے مقتولین کی دیت ادا فرمائی۔ اب ہم یہ واقعہ ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

سریۂ بنو جذیمہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب بھی مذکور ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ اس سریے میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی کی وجہ سے جو کچھ ہوا، وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی عملی تعبیر تھی۔ ابن ہشام نے آپ کا یہ خواب نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأَيْتُ كَأَنِّي لَقِمْتُ لُقْمَةً مِنْ حَيْسٍ، فَالْتَذَذْتُ طَعْمَهَا، فَاعْتَرَضَ فِي حَلْقِي مِنْهَا شَيْءٌ حِينَ ابْتَلَعْتُهَا، فَأَدْخَلَ عَلِيٌّ يَدَهُ فَنَزَعَهُ

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے حیس (کھجور، پنیر اور گھی ملا کر بنایا ہوا کھانا) کا ایک لقمہ لیا تو مجھے اس کا ذائقہ لذیذ لگا۔ جب میں نے اسے نگلا تو اس کا کچھ حصہ میرے حلق میں پھنس گیا۔ پھر علی نے اپنا ہاتھ ڈال کر اسے نکالا۔“

یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے سرایا میں سے ایک سریہ ہے جسے آپ روانہ کریں گے۔ اس کی کچھ چیزیں تو آپ کو پسند آئیں گی اور کچھ قابل اعتراض ہوں گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم



علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کریں گے اور وہ اس میں آسانی کر دیں گے۔[1]

خالد رضی اللہ عنہ کی بنو جذیمہ کی طرف روانگی

واقدی نے بیان کیا ہے کہ جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عزیٰ کو ڈھا کر واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ پہنچے تو آپ نے انھیں بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لڑائی کے لیے نہیں بلکہ اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے تین سو پچاس افراد کے ہمراہ نکلے۔[2] ابن اسحاق نے بنو مدلج بن مرہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[3] یہ لشکر شوال 8 ھ میں روانہ ہوا۔ بنو جذیمہ، کنانہ کی ایک شاخ تھے۔ یہ مکہ کے نیچے کی جانب ایک رات کے فاصلے پر یلملم کی طرف آباد تھے۔[4]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو جذیمہ کے پاس پہنچے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان سادہ منش لوگوں کو أسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنا نہیں آتا تھا، چنانچہ وہ صبأنا صبأنا کہنے لگے، یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم اپنے آبائی دین سے ہٹ گئے۔ یہ بات سن کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ یہ لوگ اسلام قبول نہیں کر رہے۔ چنانچہ انھوں نے اسی غلط فہمی کی بنا پر ان لوگوں کو قتل اور قید کرنا شروع کر دیا۔[5]

ابن سعد نے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو جذیمہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان لوگوں سے پوچھا تم کس دین پر ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم مسلمان ہیں۔ ہم نماز پڑھتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں، ہم نے اپنے میدانوں میں مسجدیں بھی تعمیر کی ہوئی ہیں، ہم ان میں اذان بھی دیتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا پھر تم نے یہ ہتھیار کیوں اٹھا رکھے ہیں؟ وہ بولے: ہمارے اور عرب کی ایک قوم کے درمیان دشمنی چلی آرہی ہے۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہوا، مبادا تم وہی دشمن لوگ ہو، اس لیے ہم نے ہتھیار تھام لیے۔[6]

ابن اسحاق نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ خالد بن ولید اور ان کے ساتھی جب بنو جذیمہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان لوگوں نے انھیں آتا دیکھ کر ہتھیار اٹھا لیے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہتھیار رکھ دو۔ لوگ تو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر ان میں سے ایک شخص جحدم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: اے بنو جذیمہ! تم پر افسوس،

[1] السیرۃ لابن ہشام: 72/4 [2] المغازی للواقدی: 294/2، الطبقات لابن سعد: 147/2 [3] السیرۃ لابن ہشام: 71/4
[4] الطبقات لابن سعد: 147/2، فتح الباری: 71/8 [5] صحیح البخاری: 4339 [6] الطبقات لابن سعد: 147/2


سریہ بنو جذیمہ (شوال 8ھ)
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بنو جذیمہ پر یلغار
• مکہ • حلیہ • یلملم • عرنہ • طائف
• خوانق
ذات عرق
قرن المنازل
مکہ مکرمہ
جدہ
بنو سعد
ربوع العین (سوق العین)
بنو جذیمہ
میقات یلملم
اللیث
بحیرۂ قلزم (بحیرہ احمر)

یہ خالد (رضی اللہ عنہ) ہے۔ اللہ کی قسم! ہتھیار رکھ دینے کے بعد قید کا سامنا ہوگا اور قید کے بعد گردنیں ہی ماری جائیں گی۔ اللہ کی قسم! میں تو کبھی ہتھیار نہیں رکھوں گا۔ اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اسے پکڑا اور کہا: جحدم! کیا تو ہمارا خون بہانا چاہتا ہے؟ لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور انھوں نے ہتھیار رکھ دیے ہیں۔ جنگ ختم ہو چکی ہے اور لوگ پُر امن ہو گئے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ لگے رہے یہاں تک کہ انھوں نے اس سے ہتھیار لے لیے۔ بنو جذیمہ کے دوسرے لوگوں نے بھی خالد رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ہتھیار رکھ دیے۔[1]

بنو جذیمہ کی گرفتاری

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا کہ گرفتاری دے دو۔ یہ صورت حال دیکھ کر جحدم بول اٹھا: اے بنو جذیمہ! لڑنے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا۔ تم جس مصیبت میں پھنس گئے ہو، میں نے تمھیں اس سے خبردار کر دیا تھا۔[2] واقدی کی روایت میں ہے کہ جحدم نے اپنی قوم کو کوستے ہوئے کہا: اے میری قوم! ایک قید ہونے والی مسلمان قوم سے خالد کا کیا ارادہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کی قسم! ان کا ارادہ تو بس یہی ہے کہ تلوار سے تمھارا کام تمام کر دیا جائے۔ تم نے میری مخالفت کی اور میری بات نہیں مانی۔ چنانچہ انھوں نے گرفتاری دے دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے انھی کے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کی مشکیں کس دیں۔ جب انھیں باندھ دیا گیا تو خالد رضی اللہ عنہ نے ہر مسلمان کو ایک یا دو قیدی دے دیے۔ انھوں نے رات اسی طرح قید کی حالت میں بسر کی۔ مسلمان آپس میں ان کے بارے میں مختلف باتیں کر رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا: انھوں نے ہمیں خواہ مخواہ قید کر لیا ہے۔ ہم تو انھیں نبی ﷺ کے پاس لے کر جائیں گے۔ کوئی کہہ رہا تھا: ہم دیکھیں گے کہ یہ لوگ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں یا نہیں۔ ہم انھیں جانچیں اور پرکھیں گے۔ جب رات کا آخری وقت ہوا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی: جس کے پاس کوئی قیدی ہو، وہ اس کا کام تمام کر دے۔ یہ سنتے ہی بنو سلیم نے اپنے پاس موجود تمام قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن اس کے برعکس مہاجر اور انصار صحابہ نے اپنے اپنے قیدی رہا کر دیے اور انھیں کچھ نہیں کہا۔[3] ان کے نزدیک سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام غیر مناسب تھا، اس لیے انھوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خالد رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے انکار

خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات نہ ماننے والوں میں ایک نمایاں نام جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ اپنے متعلق خود بیان کرتے ہیں کہ جب خالد رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کہا:

[1] السیرۃ الحلبیۃ 71/4 [2] السیرۃ لابن ہشام 73/4 [3] المغازی للواقدی 295,294/2

وَاللّٰهِ! لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي، وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ.

''اللہ کی قسم! میں اور میرے ساتھیوں میں سے بھی کوئی اپنے قیدیوں کو قتل نہیں کرے گا۔''[1]

واقدی نے نقل کیا ہے کہ ابن عمر ؓ نے خالد ؓ کی یہ بات سنی تو اپنے قیدی کو رہا کر دیا اور کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے قیدی کو قتل کروں، چاہے مجھے اس کے بدلے وہ ساری چیزیں ملیں جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔[2] انھوں نے اس سلسلے میں خالد بن ولید ؓ سے بھی بات کی لیکن وہ نہ مانے۔ ان کے علاوہ ابوحذیفہ ؓ کے آزاد کردہ غلام سالم نے بھی اس بارے میں خالد ؓ سے بات چیت کی۔ ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ بنو جذیمہ کا ایک آدمی چھوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے آپ کو ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: أَهَلْ أَنْكَرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ؟ ''کیا کسی نے انھیں روکا بھی تھا؟''

وہ بولا: جی ہاں، ایک سفید درمیانے قد والے آدمی نے انھیں منع کیا لیکن خالد ؓ نے اسے ڈانٹ دیا، چنانچہ وہ خاموش ہو گیا۔ اسی طرح ایک لمبے اور بے ڈول جسامت کے آدمی نے بھی انھیں منع کیا۔ اس نے ان سے بات چیت کی تو دونوں میں تکرار ہوئی۔ اس شخص کی یہ باتیں سن کر سیدنا عمر ؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! پہلا شخص تو میرا بیٹا عبداللہ ہے اور دوسرا ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔[3] واقدی نے اس ضمن میں کچھ اور صحابہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ سیدنا سلمہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں خالد بن ولید ؓ کے ساتھ تھا۔ میرے پاس بھی ایک قیدی تھا۔ میں نے اسے رہا کر دیا اور کہا: تو جہاں چاہے، چلا جا۔ سیدنا ابوبشیر مازنی ؓ کہتے ہیں کہ بنو جذیمہ میں سے ایک قیدی میرے ساتھ تھا۔ جب خالد بن ولید ؓ نے آواز لگائی کہ جس کے پاس کوئی قیدی ہے، وہ اسے قتل کر دے تو میں نے اس کی گردن مارنے کے لیے تلوار نکالی۔ قیدی نے مجھ سے کہا: یہ کام تو آپ کر ہی لیں گے مگر ذرا اپنی قوم کی طرف تو دیکھیے۔ میں نے نظر دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب انصاریوں نے اپنے قیدی چھوڑ دیے ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے اپنے قیدی کو رہا کرتے ہوئے کہا: جہاں چاہو، چلے جاؤ۔ اس نے کہا: اللہ آپ کو برکت سے نوازے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو لوگ رشتے داری میں تم سے زیادہ ہمارے قریب ہیں، یعنی بنوسلیم، انھوں نے ہمیں قتل کر ڈالا ہے۔

ابواُسید اور ابوقتادہ ؓ کی خالد ؓ سے بات چیت

مہاجرین اور انصار نے اپنے اپنے قیدی رہا کیے تو سیدنا خالد بن ولید ؓ انصار سے ناراض ہوئے۔ اس پر سیدنا ابواسید ساعدی ؓ نے ان سے بات کی اور کہا: خالد! اللہ سے ڈرو۔ اللہ کی قسم! ہم مسلمان کو قتل نہیں کر

[1] صحيح البخاري: 4339. [2] المغازي للواقدي: 295/2. [3] السيرة لابن هشام: 72/4.

سکتے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ مسلمان ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم ان سے مسلمان ہونے کا اقرار سن رہے ہیں اور ان کے میدانوں میں مسجدیں موجود ہیں۔[1]

اسی طرح سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قیدی کو رہا کر دیا اور خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ سے ڈر جاؤ۔ تمھیں بھی بالآخر مرنا ہے۔ یہ لوگ تو مسلمان ہیں۔ ان کی یہ بات سن کر خالد رضی اللہ عنہ بولے: ابوقتادہ! آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا خالد رضی اللہ عنہ کے فعل سے اظہار براءت

اسلامی لشکر واپس مکہ مکرمہ پہنچا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ الم انگیز صورت حال جان کر آپ ﷺ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ تو شفقت و رحمت کا مجسمہ تھے۔ ہمیشہ خون ریزی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ بارگاہ ربانی میں یہ عرض کیا:

«اللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ»

''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے، میں تیرے حضور اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خالد کو ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ جو کچھ انھوں نے کیا ہے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا آپ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے جلد بازی سے کام لینے اور بنوجذیمہ کے بارے میں اچھی طرح تحقیق نہ کرنے پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔

کیا تم میں کوئی رحم دل شخص نہیں تھا؟

سریۂ جذیمہ میں ایک اور افسوس ناک واقعہ بھی پیش آیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب وہ واقعہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے گوش گزار کیا تو آپ کو نہایت دکھ ہوا، اور آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: «أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَحِيمٌ» ''کیا تم میں کوئی رحم دل شخص موجود نہیں تھا؟''

اس واقعے کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا تو مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ ان میں ایک آدمی بھی قید ہوا۔ اس نے لشکر والوں سے کہا: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے تو ایک عورت سے عشق ہو گیا تھا تو میں اس سے ملاقات کی غرض سے آیا تھا۔ تم مجھے ذرا مہلت دو کہ میں اسے ایک نظر دیکھ لوں، پھر تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرنا۔ انھوں نے اسے اس عورت کو دیکھنے کی اجازت

[1] المغازي للواقدي 296,295/2 [2] المغازي للواقدي 298/2 [3] صحیح البخاري 4339

دے دی۔ وہ ایک گندمی رنگ کی دراز قد عورت تھی۔ اس شخص نے اس عورت کو مخاطب کر کے کہا:

اسلمي حبيش قبل نفاد العيش

”حبیش! اس سے پہلے کہ زندگی ختم ہو جائے، مان جا۔“

اس کے بعد اس نے درج ذیل اشعار پڑھے:

أرَأيتِ لَوْ تبِعتكمْ فلحِقتكمْ ... بِحلْيَةَ أَوْ أَدْرَكْتكمْ بالْخَوانِق

أَلَمْ يَكُ حَقًّا أَنْ يُنَوَّلَ عَاشِقٌ ... تَكَلَّفَ إدْلَاجَ السُّرَى وَالْوَدَائِقِ

”تمھارا کیا خیال ہے! اگر میں تمھارا پیچھا کروں اور تمھیں حلیہ پر جا ملوں یا خوانق کے مقام پر پالوں، تو کیا عاشق کا یہ حق نہیں کہ اسے رات بھر چلنے اور دوپہر کی سخت گرمی میں سفر کرنے کا صلہ دیا جائے۔“

اس کے یہ اشعار سنتے ہی وہ عورت تڑپ اٹھی اور بے ساختہ بولی: ہاں، میں تجھ پر فدا ہوں۔ اس کے بعد لشکر والوں نے اس شخص کو پکڑ کر آگے کیا اور اس کی گردن مار دی۔ اس عورت نے جب اپنے محبوب کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھا تو اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس کی لاش کے پاس کھڑی ہوگئی، پھر اس نے نہایت دردناک چیخیں ماریں، اور وہیں مرگئی۔ جب اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا تو یہ سانحہ بھی آپ ﷺ کے گوش گزار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے یہ واقعہ سنتے ہی نہایت رنج و غم کی حالت میں اپنے صحابہ سے فرمایا:

«أما كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَحِيمٌ؟»

”کیا تم میں کوئی ترس کھانے والا آدمی نہیں تھا؟“ [1]

درج بالا روایت میں اگرچہ اس سریے کا نام مذکور نہیں، تاہم ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ سریۂ بنو جذیمہ ہی میں پیش آیا تھا۔ [2]

ابن اسحاق نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ابن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس روز خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستے میں تھا۔ بنو جذیمہ کا ایک قیدی نوجوان میرا ہی ہم عمر تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک پرانی رسی کے ساتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ قریب ہی کچھ عورتیں اکٹھی بیٹھی تھیں۔ اس نے مجھے آواز دی: اے نوجوان! میں نے پوچھا: بتا تو کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا: کیا تم مجھے اسی رسی سے پکڑے پکڑے ان عورتوں کے پاس لے چلو گے تاکہ میں ان سے کچھ بات کر لوں، پھر تم مجھے یہیں واپس لے آنا اور میرے ساتھ جو جی چاہے وہ

1 السنن الكبرى للنسائي: 201/5. 2 السيرة لابن هشام: 76/4، المغازي للواقدي: 296/2

سلوک کرنا؟ میں نے اس کی یہ بات سن کر کہا: اللہ کی قسم! تم نے تو بڑا آسان مطالبہ کیا ہے۔ اس کے بعد میں اسے رسی سے پکڑ کر ان عورتوں کے پاس لے گیا۔ اس نے وہاں جا کر اپنی محبوبہ کو مخاطب کر کے کچھ اشعار پڑھے۔ اس کی محبوبہ نے بھی اسے جواب دیا اور اسے درازیٔ عمر کی دعا دیتے ہوئے کہا: ''تجھے بھی سترہ اور آٹھ سال مسلسل زندگی نصیب ہو —۔ اس کے بعد میں اسے اس کی جگہ پر واپس لے آیا تو اس کی گردن مار دی گئی۔

ابن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ جب اس شخص کی گردن ماری گئی تو وہ عورت بے تابی سے لپک کر اس کی طرف بڑھی اور اس کی لاش پر اوندھی گر پڑی۔ وہ اسے بے تحاشہ بوسے دیتی رہی یہاں تک کہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقتولین کی دیت کا انتظام

بنو جذیمہ کے لوگ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے اور ان کا قتل غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا، اس لیے جہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو اس المیے پر بے حد ملال ہوا، وہاں دوسری طرف آپ نے فوری طور پر مقتولین کی دیت کی ادائیگی اور ان کے نقصانات کا ازالہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دیت کی ادائیگی اس اعتبار سے نہایت ضروری تھی کہ بنو جذیمہ کے لوگ بے گناہ مارے گئے تھے۔ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ بنو جذیمہ کے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، رسول اللہ ﷺ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خالد ؓ کا ذاتی فعل تھا۔ آپ نے انھیں ایسا کرنے کا ہرگز کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اس اقدام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنو جذیمہ کی دل جوئی ہو جائے، ان کے ساتھ ہمدردی کا واضح مظاہرہ کیا جائے اور انھیں یہ پیغام مل جائے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور مصیبت کی اس گھڑی میں ان کے ساتھ ہیں تاکہ وہ اسلام سے بدظن اور متنفر نہ ہوں۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کے ذہن آلودہ نہ ہوں اور شیطان کو انھیں مسلمانوں کے خلاف اکسانے، ورغلانے اور بہکانے کا موقع نہ مل سکے۔

واقدی نے بیان کیا ہے کہ دیت کی ادائیگی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تین افراد سے قرضہ لیا۔ ایک ابن ابی ربیعہ، دوسرے صفوان بن امیہ اور تیسرے حویطب بن عبدالعزیٰ سے۔[2]

ادائے دیت کے لیے علی ؓ کی روانگی

مقتولین بنو جذیمہ کی دیت ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

«يا علي! اخرج إلى هؤلاء القوم فانظر في أمرهم، واجعل أمر الجاهلية تحت قدميك»

''اے علی! ان لوگوں (بنو جذیمہ) کی طرف جا کر ان کے معاملے پر نظر ڈالو اور جاہلیت کے معاملے کو اپنے

1 السيرة لابن هشام: 4/76، 77. 2 المغازي للواقدي: 2/299.

قدموں تلے روند ڈالو۔"

سیدنا علی ؓ حکم نبوی کے مطابق نکلے۔ ان کے پاس دیت کے علاوہ وہ مال بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ نے بھجوایا تھا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر مقتولین کے ورثاء کو خون بہا ادا کیا اور ان کے جو اموال مسلمانوں نے لے لیے تھے، وہ سب انھیں واپس دے دیے۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ اس دوران میں سیدنا علی ؓ کے پاس مال کم پڑ گیا تو انھوں نے ابو رافع ؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مزید مال لینے کے لیے بھیجا۔ آپ نے انھیں مزید مال عطا فرما دیا۔[1]

سیدنا علی ؓ نے ان لوگوں کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز واپس دے دی حتی کہ لکڑی کا وہ برتن بھی واپس کر دیا جس میں کتا پانی پیتا ہے۔ جب سارا خون بہا اور مال ادا ہو گیا تو علی ؓ کے پاس کچھ مال بچ گیا۔ انھوں نے جذیمہ کے لوگوں سے پوچھا: تمھاری کوئی دیت یا مال ایسا باقی رہ گیا ہے جو تمھیں ادا نہ کیا گیا ہو؟ سب نے کہا: نہیں۔ علی ؓ نے کہا: یہ جو مال بچ گیا ہے، میں یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بطور احتیاط دے رہا ہوں تاکہ اس ممکنہ نقصان کی تلافی بھی ہو جائے جسے نہ رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں، نہ تم جانتے ہو۔ چنانچہ انھوں نے وہ مال بھی ان کو دے دیا۔

علی ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں

سیدنا علی ؓ بنو جذیمہ کے زخموں پر مرہم رکھ کر اور ان کے نقصان کا ازالہ کر کے واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: «ما صنعت یا علی؟» "اے علی! کیا کر کے آئے ہو؟"

سیدنا علی ؓ نے آپ کے سامنے اپنی ساری کارگزاری بیان کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم تو ایک مسلمان قوم کے پاس گئے۔ انھوں نے اپنے میدان میں مسجدیں بنا رکھی تھیں۔ میں نے انھیں ان سب افراد کی دیت ادا کی ہے جنھیں خالد نے قتل کر دیا تھا حتی کہ وہ برتن بھی دے دیا جس میں سے کتا پانی پیتا ہے۔ پھر بھی میرے پاس کچھ مال بچ گیا تو میں نے ان سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس نقصان کے بدلے میں ہے جس کی نہ انھیں خبر ہے، نہ تمھیں۔ یہ سب کچھ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: «أصبت و أحسنت» "تم نے بالکل ٹھیک اور بہت اچھا کیا۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: «ما أمرت خالدا بالقتال، إنما أمرته بالدعوة» "میں نے خالد کو انھیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ میں نے تو انھیں صرف دعوت دینے کے لیے کہا تھا۔"

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند اٹھائے کہ آپ کے کندھوں کا نچلا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں تین بار یہ عرض کیا:

1 المغازي للواقدي: 2/299.

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ»

''اے اللہ! میں تیرے حضور خالد بن ولید کے اس کام سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔''[1]

عبدالرحمان بن عوف اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی باہم چپقلش

سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر بے حد افسوس ہوا تھا۔ چنانچہ جب خالد رضی اللہ عنہ واپس آئے اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان کی آپس میں تلخ کلامی ہوگئی۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے اسلام میں جاہلیت کا کام کیا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے تمھارے باپ کا بدلہ لیا ہے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بولے: تم غلط بیانی کر رہے ہو۔ میں نے تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دیا تھا۔ تم نے تو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کے خون کا بدلہ لیا ہے۔ اس دوران بات بڑھ گئی۔ اس معاملے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«مَهْلًا يَا خَالِدُ! دَعْ عَنْكَ أَصْحَابِي، فَوَاللّٰهِ! لَوْ كَانَ لَكَ أُحُدٌ ذَهَبًا ثُمَّ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا أَدْرَكْتَ غَدْوَةَ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِي وَلَا رَوْحَتَهُ»

''خالد! صبر سے کام لو۔ میرے صحابہ کو کچھ نہ کہو۔ اللہ کی قسم! اگر تمھارے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو پھر بھی تم میرے صحابہ میں سے کسی ایک شخص کی ایک صبح اور ایک شام کے اعمال کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔''[2]

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ»

''میرے صحابہ میں سے کسی کو برا نہ کہو، اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کر دے تب بھی وہ ان کے (خرچ کیے ہوئے) ایک یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔''[3]

ایک اور روایت میں ہے کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا خَالِدُ! لِمَ تُؤْذِي رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ بَدْرٍ؟ لَوْ أَنْفَقْتَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا لَمْ تُدْرِكْ عَمَلَهُ»

1 السیرۃ لابن ہشام 4/72، 73، المغازی للواقدی 2/299 2 السیرۃ لابن ہشام 4/73، 74 3 صحیح مسلم 2541

’’خالد! تم ایک بدری شخص کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو، تب بھی ان کے عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔‘‘

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر خالد رضی اللہ عنہ نے وضاحت کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ میرے بارے میں باتیں کرتے ہیں تو میں بھی انھیں جواب دے دیتا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

«لَا تُؤْذُوا خَالِدًا، فَإِنَّهُ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ، صَبَّهُ اللّٰهُ عَلَى الْكُفَّارِ»

’’خالد کو تکلیف نہ دو، اس لیے کہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر گرا دیا ہے۔‘‘ [1]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے معذرت

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا تھا، اس پر بعد میں انھیں خود بھی افسوس ہوا۔ چنانچہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ان سے معذرت کی اور ان کی ناراضی دور کی۔ آخر کار وہ بھی خالد رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی: ابو محمد! آپ میرے لیے استغفار کر دیجیے۔ [2]

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اگر آپس میں کوئی ناراضی ہو بھی جاتی تو ان میں سے ایک دوسرے سے معذرت کر کے اسے راضی کر لیا کرتا تھا، یوں فریقین میں کوئی رنجش باقی نہیں رہتی تھی۔

بنو جذیمہ کے ہاتھوں عوف اور فاکہ کے قتل کا واقعہ

یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ درج بالا سطور میں جو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے والد عوف اور خالد بن ولید کے چچا فاکہ بن مغیرہ کے قتل کا تذکرہ گزرا ہے، وہ دراصل زمانۂ جاہلیت میں پیش آنے والا ایک واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاکہ بن مغیرہ، عوف بن عبدعوف اور عفان بن ابی العاص تجارت کی غرض سے یمن روانہ ہوئے۔ عفان کے ساتھ ان کے بیٹے عثمان اور عوف کے ساتھ ان کے صاحبزادے عبدالرحمان بھی تھے۔ یہ حضرات جب یمن پہنچے تو وہاں انھوں نے بنو جذیمہ کے ایک آدمی کا، جو یمن میں فوت ہو گیا تھا، مال اپنے ساتھ لے لیا تاکہ اس کے ورثا تک پہنچا دیں۔ اس مال کے بارے میں بنو جذیمہ کے ایک شخص خالد بن ہشام نے دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا مال ہے۔ جب یہ حضرات بنو جذیمہ کے علاقے میں پہنچے تو خالد بن ہشام اپنی قوم کے کچھ آدمی لے کر ان کی میت

[1] صحيح ابن حبان :566,565/15. [2] المغازي للواقدي 2/299,298.

کے ورثاء تک پہنچنے سے پہلے ہی ان سے ملا۔ اس نے ان سے مال کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے اسے مال دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے مال حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان سے لڑائی کی۔ انھوں نے بھی اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس موقع پر عوف بن عبد عوف اور فاکہ بن مغیرہ مارے گئے۔ عفان بن ابی العاص اور ان کے بیٹے عثمان بچ گئے۔ عوف کے بیٹے عبدالرحمان بھی محفوظ رہے۔ خالد بن ہشام اور اس کے ساتھی فاکہ بن مغیرہ اور عوف بن عبد عوف کا مال سمیت کر چل دیے۔ بعدازاں سیدنا عبدالرحمان بن عوف ؓ نے موقع ملنے پر اپنے باپ کے قاتل خالد بن ہشام کو ٹھکانے لگا دیا۔ قریش کو اس واقعے پر بنو جذیمہ پر بے حد غصہ تھا۔ انھوں نے بنو جذیمہ پر لشکر کشی کا پروگرام بنایا۔ بنو جذیمہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ گھبرا گئے۔ انھوں نے قریش کو پیغام بھجوایا کہ تمھارے لوگوں کا قتل ہمارے سرکردہ لوگوں کی طرف سے نہیں ہوا تھا۔ ان پر تو کچھ لوگ جہالت کی بنا پر چڑھ دوڑے اور انھیں قتل کر گئے۔ ہمیں تو اس کا علم تک نہیں ہوا۔ تمھارا جو خون بہا یا جتنا مال ہمارے ذمے بنتا ہے، ہم وہ تمھیں ادا کر دیتے ہیں۔ قریش نے ان کی یہ بات مان لی اور جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔[1]

خالد بن ولید ؓ کی معذوری

سیدنا خالد بن ولید ؓ ایک عظیم جرنیل تھے۔ سریۂ بنو جذیمہ میں ان سے جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ اجتہاد اور تاویل کی بنا پر تھا۔ انھوں نے جانے بوجھے ایسا نہیں کیا، نہ ان کے بارے میں ایسا گمان کیا جا سکتا ہے۔ وہ کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز سمجھتے تھے، نہ ایسا سوچ سکتے تھے۔ رہی یہ بات کہ ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ بھی انسان ہی تھے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر»

”جب حاکم اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے، پھر وہ فیصلہ صحیح ثابت ہو تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے اور اگر فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے، پھر غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔“[2]

سیدنا خالد بن ولید ؓ کو اسی طرح کا معاملہ پیش آیا تھا۔ انھوں نے فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کیا لیکن ان کا اجتہاد صحیح ثابت نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی جلد بازی اور عدمِ تحقیق کی وجہ سے ان سے ناراض ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے اس فعل سے اظہارِ براءت بھی کیا لیکن آپ ﷺ نے ان کا مواخذہ نہیں کیا۔

باقی ابن اسحاق کے حوالے سے سیدنا خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف ؓ کے درمیان ہونے والی جو گفتگو

[1] السيرة لابن هشام: 72/4. [2] صحيح البخاري: 7352.

او پر گزری ہے، اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ سے پرانا بدلہ لینے کے لیے ایسا کیا تھا تو اس کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نہایت عمدہ وضاحت کی ہے کہ دونوں صحابہ کے بارے میں اغلب رائے یہی ہے کہ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ انھوں نے بنو جذیمہ سے بدلہ لیا ہے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اور خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں جو کچھ کہا تو اس قسم کی اضطراری بات جھگڑے کے وقت ہو ہی جاتی ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ارادہ تو صرف اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان سے اس معاملے میں غلطی ہوگئی اور انھوں نے یہ سمجھا کہ بنو جذیمہ صَبَأْنَا صَبَأْنَا (ہم صابی ہو گئے، ہم صابی ہو گئے) کہہ کر اسلام کی توہین کر رہے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا سراغ نہ پاسکے کہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس غلط فہمی میں ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوگئی اور باقی قید ہو گئے۔ قیدیوں میں سے بھی اکثر افراد قتل کر دیے گئے۔ اس سانحے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انھیں معزول نہیں کیا بلکہ انھیں بدستور امیر لشکر کے منصب پر فائز رکھا۔ بہر حال آپ ﷺ نے ان کے اس فعل سے بیزاری ظاہر کی اور انھوں نے غلطی سے بنو جذیمہ کے لوگوں کے جان و مال کو جو نقصان پہنچایا تھا، اس کا معاوضہ ادا کیا۔[1]

دو مزید سرایا

تفصیل ذکر کرنے کے بغیر واقدی نے فتح مکہ کے بعد روانہ کیے جانے والے سرایا میں دو اور سرایا کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدنا ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ دو سو مجاہدین کے ہمراہ یلملم کی طرف روانہ ہوئے۔ یاد رہے کہ یلملم مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف 92 کلومیٹر دور ایک وادی ہے جو اہل یمن اور جنوب کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ دوسرا سریہ سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا ہے جو تین سو افراد کا لشکر لے کر عرنہ کی طرف نکلے۔[2] عرنہ عرفات کے بالمقابل ایک وادی ہے۔[3]

قبولِ اسلام کے لیے مختلف قبائل کی سبقت

مکہ مکرمہ کی فتح کا جو شاندار تاریخی نتیجہ سامنے آیا، وہ یہ تھا کہ عرب کے قبائل اور اہم افراد نہایت تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حقانیت و صداقت کی بہت سی نشانیاں دیکھ اور سن چکے تھے لیکن انھیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہونے والی محاذ آرائی کے نتیجے کا انتظار تھا۔ حنین و طائف والوں کا قبولِ اسلام اس کی بڑی دلیل ہے۔ آئندہ آپ ان کا تذکرہ پڑھیں گے۔

1 البداية والنهاية (المحقق) 571/4 2 المغازي للواقدي 292/2 3 وادئ عرنہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے [illegible] سیرت انسائیکلو پیڈیا: 184،183/1.

غزوۂ حنین

رسالت مآب ﷺ کی قیادت میں لڑا جانے والا وہ آخری غزوہ
جس نے باطل قوتوں کا سفینہ ڈبو دیا اور انسانیت کو فتح
کے اصل اسباب سے روشناس کرایا

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا

"یقیناً اللہ نے بہت سے مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جب تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی۔"

اس باب میں





آپ کو تاریخ کی اٹل سچائیوں کی جلوہ گری نظر آئے گی۔ ساری دنیا کثرت تعداد کو فتح مندیوں کی کنجی سمجھتی ہے لیکن وادیٔ حنین میں مشرکوں کے بہت بڑے لشکر کو بھگا دینے والے فاتح اعظم ﷺ نے ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ فتح و کامرانی صرف اللہ رب العزت پر پکے ایمان اور دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنے پر موقوف ہے۔ اسی موقع پر جہاں اہل ہوازن کو اپنے 20 ہزار کے لشکر کا نشہ تھا، وہیں چند مسلمانوں کو بھی یہ غلط فہمی ہوگئی کہ آج ہم 12 ہزار کی تعداد میں ہیں، اب ہماری شکست کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ رب العزت نے یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے پہلے ہی حملے میں دشمن کا پلڑا بھاری کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے بہت سے نومسلم، ہوازنیوں کی تیر اندازی کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مجاہدین کے سالار اعظم سیدنا محمد ﷺ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بھی پوری استقامت سے کھڑے رہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پکارا اور واپس آنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی پکار پر فوراً لبیک کہا۔ پھر وہ مشرکوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور فتح یاب ہوگئے۔

یہ باب پڑھتے جائیے، حنین کے فاتح اعظم ﷺ کے ایمان کی مضبوطی، حوصلوں، ولولوں اور امکانات کی تسخیر کے نظارے دیکھتے جائیے اور اسلام کے دشمنوں پر غالب آنے کے صحیح طریقے سیکھتے جائیے۔



معرکہ حنین

رمضان المبارک 8ھ میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوا اور مسلمانوں نے حرم ابراہیم علیہ السلام کو مشرکین مکہ کے تسلط سے آزاد کرالیا۔ اسلامی لشکر نبی رحمت ﷺ کی قیادت میں پوری آن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور کسی بڑی خونریزی کے بغیر بہت آسانی سے مکہ فتح کرلیا۔ یہ وہی حرم ابراہیم علیہ السلام ہے جہاں سے نبی مکرم ﷺ اور مسلمانوں کو بڑی بے دردی اور سفاکی سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے۔ ان کے مال لوٹ لیے گئے تھے اور انھیں بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ لیکن آج مسلمان اپنے بے مثال رہبر کامل ﷺ کی قیادت میں فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو کسی مشرک کو ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سارے مشرکوں کے سر جھک گئے۔ سب کو اپنے ستم یاد آگئے۔ سب کی آنکھیں گیلی ہوگئیں۔ وہ سب انتہائی ندامت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معافی مانگنے حاضر ہوئے۔

مسلمانوں کی اس کامیابی اور قوت کو حنین کے مشرکین بغور دیکھ رہے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اہل مکہ بلامقابلہ ہی ڈھیر ہوگئے ہیں اور اب مسلمانوں کا اگلا ہدف ہم ہی ہیں تو انھوں نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اہل حنین کی حربی طاقت اور جنگی تیاریوں کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مکہ کی فتح کے فوراً بعد حنین کے ہوازن قبیلے کو سبق سکھانے کا ارادہ کرلیا۔ پھر مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا معرکہ لڑا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی تعداد 12 ہزار جبکہ دشمن جنگجوؤں کی فوج 20 ہزار کے لگ بھگ تھی۔ آج مسلمان اپنی فوج کی کثرت پر بڑے مطمئن اور نازاں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝﴾

''یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم

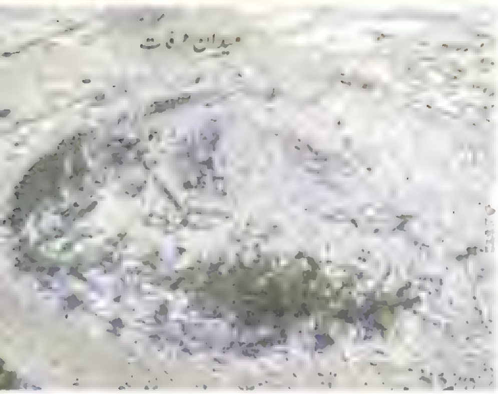
پیٹھ پھیر کر پلٹے۔"[1]

غزوۂ حنین اس لیے بھی زبردست اہمیت کا حامل ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں کا آخری معرکہ تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ 30 ہزار مجاہدین کے ساتھ رومیوں کی خبر لینے تبوک روانہ ہوئے مگر ان کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا، اس لیے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں سب سے بڑا اور اہم ترین معرکہ حنین ہی قرار پایا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی شاندار فتح جزیرۂ عرب کے مشرکوں کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی کیونکہ ہوازن جزیرۂ عرب کی سب سے بڑی قوت تھے۔ تعداد اور فوجی اسلحے کے علاوہ مال مویشی کی کثرت کے اعتبار سے بھی کوئی قبیلہ ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ اہل مکہ کے بعد بنو ہوازن مسلمانوں کے لیے نہایت اہمیت رکھتے تھے۔ ان کی قریش کے ساتھ رشتہ داریاں بھی تھیں اور مشترکہ مفادات بھی تھے۔ نیز وہ مکہ کے قرب و جوار میں رہائش پذیر تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نبٹنے کے لیے حکمت عملی تیار کی۔ ان کی بدترین شکست کے بعد ایسا کوئی قبیلہ باقی نہ رہا جو مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی جرأت کر سکتا۔ اس طرح غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی فتح ان کے عظیم الشان مستقبل کی نوید بن گئی۔

ذوالمجاز کا مقام



میدان عرفات



السیل الکبیر (قرن المنازل)



وادی حنین

حنین ذوالمجاز کے پہلو میں طائف کے قریب ایک وادی ہے۔ عرفات کی جانب سے مکہ مکرمہ اور اس کے درمیان تقریباً بیس کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ علامہ سہیلی ؒ فرماتے ہیں کہ اس وادی کا نام، عمالقہ کے حنین بن قانیہ بن مہلائیل کے نام پر حنین رکھا گیا ہے۔[2]

مکہ مکرمہ سے السیل الکبیر کے رستے سے طائف جائیں تو وادی حنین وادی طائف سے پہلے الشرائع کے قریب نظر آتی ہے۔[3] شرائع ایک

1 التوبة 9:25. 2 الروض الأنف: 4/205، فتح الباري: 8/35، معجم البلدان: 2/313. 3 حاشية حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ، ص 587

چشمے اور بستی کا نام ہے۔ چشمے کا پرانا نام المشاش تھا۔ ملکہ زبیدہ نے اسی سے نہر زبیدہ کھدوا کر مکہ پہنچائی تھی۔ اب وادی حنین کو وادی الشرائع کہا جاتا ہے۔ اسی وادی میں ہوازن کا مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکہ ہوا تھا۔


وادی حنین

ہوازن اور ثقیف کی بستیاں

ہوازن جزیرہ نمائے عرب کے بہت بڑے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ تہامہ کے نشیب سے لے کر بیشہ اور جبال السراۃ کے مضافات، طائف، ذوالمجاز، حنین اور اوطاس وغیرہ تک رہائش پذیر تھے۔


فہد ڈیم (بیشہ)

ہوازن بہت سے عربی قبائل کا جدِ اعلیٰ ہے۔ ہوازن کا نسب یہ ہے: ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔


جبال السراۃ

ہوازن کی ذیلی شاخیں بے شمار ہیں۔ یہ ساری بکر بن ہوازن کے تین بیٹوں کی اولاد ہیں: بنو سعد بن بکر بن ہوازن، بنو معاویہ بن بکر بن ہوازن اور بنو منبہ بن بکر بن ہوازن۔

1. بنو منبہ (ثقیف): یہ عدنانی قبائل میں سے ایک مشہور قبیلہ اور ہوازن کی ایک اہم شاخ ہے۔ منبہ بن بکر بن ہوازن کے بیٹے قسی کو ثقیف کہا جاتا ہے۔ ثقیف کا نام قسی (پتھر دل) اس کی سختی اور سنگ دلی کی وجہ سے معروف تھا۔[1] بنو ثقیف طائف کے پہاڑوں میں رہائش پذیر تھے۔ مکہ مکرمہ ان کے زیریں جانب تھا جبکہ ان کا بالائی علاقہ عکاظ اور نجد تک پھیلا ہوا تھا۔


عکاظ کا مقام

2. بنو سعد: یہ وہ قبیلہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضاعت کے ایام بسر کیے۔ اس قبیلے کی مختلف شاخیں تاحال طائف کے

[1] السیرۃ لابن ہشام: 47/1.

جنوب مشرقی پہاڑی علاقے میں آباد ہیں جسے خیبات بنی سعد (بنو سعد کے جھونپڑے) کہا جاتا ہے۔

3 بنو معاویہ: حنین کے معرکے میں ہوازن کی قیادت اسی قبیلے کے سردار مالک بن عوف نصری کے ہاتھ میں تھی۔ یہ قبیلہ طائف کے شمالی پہاڑوں اور وادیوں میں آباد تھا، مثلاً: وادی السیل (قرن المنازل)، وادی عقیق (نجد) کا بالائی علاقہ اور ان کے مضافات۔

آج کل بنو نصر کی تین شاخیں: شعیث، حنیکہ اور آل موسیٰ موجود ہیں جبکہ بنو جشم میں سے الدواسیہ، الخلد اور عمامرہ آباد ہیں۔[1]



بنو سعد کا علاقہ



قرن المنازل



ہوازن کی شاخ بنو ہلال کا علاقہ

ہوازن اور قریش کی تعلق داری

دعوت اسلام کے ظہور سے بہت پہلے حروب الفجار میں مہلک خون ریزی کے بعد ہوازن اور قریش کے مابین گہری نسبی اور سسرالی رشتے داریاں قائم ہو چکی تھیں۔ ان رشتہ داریوں کو مشترکہ تجارتی اور زرعی مفادات مزید مضبوط اور توانا بناتے تھے۔ آئیے ان تعلقات کی کچھ تفصیل پڑھتے ہیں:

نسبی رشتہ داریاں: ہوازن اور قریش کا نسب مضر پر جا ملتا ہے۔ اس طرح ایک ہی دادا کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے مابین اخلاص و محبت کے بہت گہرے تعلقات تھے۔

مصاہرت: مضبوط نسبی رشتہ داری کی وجہ سے دونوں خاندانوں کی قرابت داری بھی نہایت مضبوط تھی۔ دونوں خاندانوں کے متعدد قابل ذکر افراد ایک دوسرے کے گھرانوں میں بیاہے گئے تھے۔ ان قرابت داریوں کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

- اہل مکہ قریش میں سے رسول اللہ ﷺ کی شادی سیدہ میمونہ بنت حارث بن حزن ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ یہ بنو ہلال سے تھیں جو بنو معاویہ بن بکر بن ہوازن کی ایک شاخ ہے۔

1 مرویات غزوۃ حنین لابراهيم، ص: 29-31.



میدانِ غزوۂ حنین (رمضان 8ھ)
﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾
"اور دن حنین کے (بھی تمہاری مدد کی) جبکہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی۔" (التوبة: 25/9)
ایران (فارس)
خلیج فارس
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
سعودی عرب
جزیرہ نمائے عرب
عمان
یمن
جعرانہ
تنعیم
مکہ مکرمہ
شرائع
وادی حنین
منیٰ
مزدلفہ
عرفات
جبل ثور
طائف

- آپ ﷺ کے محترم چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ میمونہ کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ سے ہوئی جن سے ان کے بیٹے عبداللہ اور فضل پیدا ہوئے۔ رضی اللہ عنہم
- ولید بن مغیرہ نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بہن لبابہ صغریٰ سے شادی رچائی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انھی کے لخت جگر ہیں۔
- حرب بن امیہ نے ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی صفیہ بنت حزن سے شادی کی۔ صفیہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔
- ابوجہل نے بنوعبد مناف بن ہلال کی ام مجالد بنت مجالد سے شادی کی۔ اُس کے بطن سے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔
- ہوازن قبیلے کی شاخ ثقیف کے سرکردہ سردار عروہ بن مسعود ثقفی نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی زینب سے شادی کی جو ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔
- عروہ بن مسعود ثقفی کی والدہ سُبیعہ بنت عبد شمس بن عبد مناف بھی قریشی تھیں۔
- عبداللہ بن عثمان ثقفی نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام الحکم سے شادی کی تھی۔
- اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والدین سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حارث رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنو ہوازن کے ذیلی قبیلے بنوسعد بن بکر سے تھا۔

ان مضبوط نسبی اور سسرالی رشتہ داریوں کا دونوں خاندانوں کے جملہ معاملات میں خاصا گہرا اثر تھا۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی کی گفتگو دونوں خاندانوں میں موجود محبت و احترام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آیئے عروہ بن مسعود ثقفی کی اس موقع پر کی گئی گفتگو پڑھ کر اس خاندانی قربت کا اندازہ لگائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ صلح حدیبیہ کی طویل حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں:

''عروہ بن مسعود کھڑا ہوا اور بولا: اے قوم! کیا تم میری اولاد کے درجے میں نہیں ہو؟ کیا میں تمھارے نزدیک والد کی حیثیت نہیں رکھتا؟ سب نے کہا: کیوں نہیں۔ عروہ نے سوال کیا کہ کیا تم لوگ مجھ پر کسی قسم کی تہمت لگاتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ عروہ نے پوچھا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے اہل عکاظ کو تمھاری مدد کے لیے کہا تھا؟ جب انھوں نے انکار کر دیا تو میں نے اپنے گھرانے کے جوانوں، اپنی اولاد اور اپنے ہمنواؤں کو تمھاری مدد کے لیے لا کھڑا کیا۔ قریش نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: محمد (ﷺ)



نے تمھارے سامنے ایک اچھی تجویز رکھی ہے، اسے قبول کرلو۔ اور مجھے اجازت دو کہ میں ان سے گفتگو کرکے درپیش صورتحال کا کوئی حل نکالوں۔ قریش نے کہا: ٹھیک ہے، تم ان (محمد ﷺ) کے پاس (مذاکرات کے لیے) چلے جاؤ۔“[1]

اس طرح عروہ بن مسعود ثقفی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں قریش کا ترجمان بن کر آیا تھا۔ پورا عرب قریش کی عزت کرتا تھا کیونکہ وہ بیت اللہ کے متولی تھے اور حاجیوں کی خوب خدمت کرتے تھے۔ اس لیے قریش کا سفارت کار

1 صحيح البخاري: 2732،2731.

ہونا بجائے خود بہت بڑا اعزاز تھا اور یہ دونوں خاندانوں کے مابین مضبوط رشتہ داری اور محبت کی دلیل بھی ہے۔[1]

مشترکہ مفادات کا بندھن ہوازن اور قریش نسبی اور سسرالی رشتہ داریوں کے مضبوط بندھن میں بندھے ہونے کے علاوہ باہمی طور پر کاروباری شراکت دار بھی تھے۔ عرب کے مشہور تجارتی بازار مکہ اور طائف کے درمیان ہوازن کے علاقے میں لگتے تھے جن سے دونوں فریق مستفید ہوتے تھے۔ چونکہ طائف کا علاقہ مختلف پھلوں کا مرکز اور کاشت کاری کے لیے نہایت زرخیز تھا، اس لیے اہل مکہ نے بھی طائف میں باغ خرید رکھے تھے، وہ ان کے پھل مکہ لا کر بیچتے اور خود بھی کھاتے تھے۔ مثلاً عتبہ اور شیبہ کا طائف میں ایک باغ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سفر طائف میں ہوازن کے بدنہاد شریروں کے ہاتھوں شدید زخمی ہونے کے بعد اسی باغ میں پناہ لی تھی۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا انگوروں کا باغ بھی طائف ہی میں تھا۔ وہ اس باغ کے انگور مکہ لاتے اور موسم حج میں حاجیوں کو انگور کی نبیذ (مشروب) پلاتے تھے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے حاجیوں کی یہ خدمت جاری رکھی۔ ان کے بعد یہ خدمت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سنبھال لی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی یہ خدمت انجام دیتے رہے۔[2]

اسی طرح ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا باغ ''ذوالہرم''[3] اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باغ ''الوہط'' بھی طائف میں تھا۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ باغ دس لاکھ بیلوں پر مشتمل تھا۔ انھوں نے ایک بیل ایک درہم میں خریدی تھی۔ جب انگور توڑ کر باغ کے وسط میں ڈھیر لگایا جاتا تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ باغ سیاہ پتھریلی زمین والے حروں کا مجموعہ ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کی ذمہ داری سنبھالی۔[4]

طائف کی زمین نہایت زرخیز اور آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ اس میں کھجور، انار، انگور اور ہر قسم کے پھلوں کے باغات بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس میں چشموں اور برساتی نالوں کی بھی بہتات ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ خشک اور سنگلاخ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے اہل مکہ گرمیوں میں طائف کا رخ کرتے اور وہاں کے ٹھنڈے موسم اور لذیذ انگوروں اور اناروں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

اہل مکہ تجارت پیشہ تھے اور ثقیف والے ان کے تجارتی حلیف تھے۔ مشترکہ تجارتی قافلوں اور میلوں کے انعقاد کی بدولت وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔[5]

اہل طائف عزت و جاہ اور قوت و طاقت میں اہل مکہ کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے۔ سورۂ احزاب میں ان کی برابری اور

---

1 مرویات غزوۂ حنین، ص: 33، 34 2 المغازي للواقدي: 268/2 3 المغازي للواقدي: 364/2 4 معجم البلدان: 386/5، مزید دیکھیے سنن النسائي: 5673 5 معجم البلدان: 9/4، مرویات غزوۂ حنین، ص: 34، 35

ہمسری کا ایک اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝ ﴾

''اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ اور طائف تھی۔ اسی طرح کئی مفسرین نے کہا ہے کہ عظیم آدمی سے مراد ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔[2]

دعوتِ توحید سے ہوازن اور ثقیف کا عناد

ہوازن اور ثقیف بت پرستی کے شیدائی تھے، وہ اپنے آباء و اجداد کی قدیم رسوم پر عمل کرنا اپنے لیے فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اسلامی دعوت مسترد کر دی۔ آپ ﷺ کی دعوت توحید مسترد کرنے کی دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ ہوازن اور ثقیف بھی دیگر عربی قبائل کی طرح قریش پر نظریں جمائے بیٹھے تھے کہ قریش اپنے ہی خاندان کے مدعی نبوت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔ قریش کو بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کی خدمت کی بدولت پورے عرب میں نہایت ممتاز مقام حاصل تھا، اس لیے جب قریش ہی نے دعوت حق سے عداوت کی انتہا کر دی تو دیگر قبائل بھی اس نئی دعوت کو قبول کرنے سے ہچکچانے لگے۔



ثقیف کے علاقے میں مسجد [illegible]

ہوازن اور ثقیف نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں قریش کا بغض و عناد دیکھا تو انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آئیے قریش و ہوازن کے اس موقف پر چند تاریخی دلائل پڑھتے ہیں جنھیں محدثین رحمہم اللہ نے مختلف زاویوں سے تحریر کیا ہے اور ان سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے۔

1 جناب خالد بن ابی جبل عدوانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ثقیف کے مشرق میں کھڑے دیکھا۔ آپ اپنی کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اہل طائف کے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا۔ آپ سورت ﴿ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴾ کی تلاوت فرما رہے تھے، آپ نے مکمل

1 الزخرف 31:43. 2 تفسیر ابن کثیر، الزخرف 31:43.

سورت پڑھی۔ میں نے وہ ساری سورت زبانی یاد کر لی، حالانکہ اس وقت میں مشرک تھا۔ پھر میں نے مسلمان ہونے کے بعد یہ سورت دوبارہ پڑھی۔ مجھے ثقیف والوں نے بلایا اور پوچھا: تم نے اس شخص سے کیا سنا ہے؟ میں نے انھیں مکمل سورت سنا دی، تو ان کے ساتھ موجود قریشی لوگ کہنے لگے:

نَحْنُ أَعْلَمُ بِصَاحِبِنَا، لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا يَقُولُ حَقًّا لَاتَّبَعْنَاهُ.

''ہم اپنے آدمی کو بخوبی جانتے ہیں۔ اگر ہم اس کی دعوت کو سچا مانتے تو اس کی اتباع ضرور کرتے۔''[1]

2 سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم ایک چشمے پر رہائش پذیر تھے جو لوگوں کے لیے عام گزرگاہ تھا۔ ہماری طرف سے جو مسافر سوار گزرتے، ہم ان سے پوچھتے رہتے کہ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ اور اس شخص کی کیا کیفیت ہے؟ (یہ اشارہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہوتا تھا۔) لوگ جواب دیتے: وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ اس پر وحی اتارتا ہے، یا یوں کہا کہ اللہ نے اس پر یہ وحی بھیجی ہے۔ (پھر وہ لوگ قرآن کی کوئی آیت سناتے تو) میں وہ کلام یاد کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی اسے میرے سینے میں جما دیتا ہے۔ اہل عرب مسلمان ہونے کے لیے فتح مکہ کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر محمد ﷺ ان پر غالب آ گئے تو وہ یقیناً نبی برحق ہیں۔ پھر جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے چاہا کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائے اور میرے باپ نے مسلمان ہونے میں اپنی قوم سے بھی زیادہ جلدی کی۔ جب میرا باپ مسلمان ہو کر آیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی قسم! میں نبی حق سے ملاقات کر کے تمھارے پاس آیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا ہے:

صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا.

''فلاں وقت یہ نماز پڑھا کرو اور فلاں وقت وہ نماز پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو، وہ جماعت کرائے۔''

لوگوں نے ڈھونڈا تو مجھ سے زیادہ قرآن پڑھنے والا کسی کو نہ پایا کیونکہ میں مسافروں سے سن سن کر خاصا قرآن یاد کر چکا تھا، لہٰذا سب نے مجھے امام منتخب کر لیا، حالانکہ میں اس وقت صرف چھ سات برس کا تھا۔ اس وقت میرے تن پر صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو سکڑ جاتی تھی۔ قبیلے کی ایک

1 مسند أحمد: 335/4

عورت نے یہ منظر دیکھ کر کہا: تم ہم سے اپنے قاری کے سرین کیوں نہیں چھپاتے؟ آخرکار انھوں نے ایک کپڑا خریدا۔ میرا کرتا بنایا۔ میں اس کرتے سے اس قدر خوش ہوا کہ اتنا کسی چیز سے کبھی خوش نہیں ہوا۔“[1]

3 امام بخاری ؒ نے ام المومنین عائشہ ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا آپ کی زندگی میں جنگ احد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لقد لقيت من قومك ما لقيت، وكان أشد ما لقيت منهم يوم العقبة، إذ عرضت نفسي على ابن عبد ياليل بن عبد كلال، فلم يجبني إلى ما أردت، فانطلقت وأنا مهموم على وجهي، فلم أستفق إلا وأنا بقرن الثعالب، فرفعت رأسي، فإذا أنا بسحابة قد أظلتني، فنظرت فإذا فيها جبريل، فناداني فقال: إن الله قد سمع قول قومك لك وما ردوا عليك، وقد بعث إليك ملك الجبال لتأمره بما شئت فيهم، فناداني ملك الجبال، فسلم علي ثم قال: يا محمد! فقال: ذلك فيما شئت، إن شئت أن أطبق عليهم الأخشبين، فقال النبي ﷺ: بل أرجو أن يخرج الله من أصلابهم من يعبد الله وحده لا يشرك به شيئا»

”میں نے تمھاری قوم کی طرف سے بڑی سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے۔ ان لوگوں سے میں نے جو سب سے زیادہ سخت تکلیف اٹھائی، وہ عقبہ کے دن تھی۔ اس دن میں ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس گیا۔ اس نے (اسلام قبول نہیں کیا اور) میری دعوت کو رد کر دیا۔ میں رنجیدگی سے چلتا ہوا وہاں سے لوٹا۔ مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ قرن ثعالب پہنچا تو ہوش آیا۔ میں نے اوپر سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے آواز دے کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا، پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (حکم دیں، میں تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔) اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں، ان لوگوں پر لا کر ملا دوں (جس سے وہ چکنا چور ہو جائیں)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“[2]

1 صحيح البخاري :4302. 2 صحيح البخاري :3231.

درج بالا دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ مشرکین مکہ اور ہوازن کو ان کی محفلوں، میلوں اور تجارتی منڈیوں میں جا کر دعوت توحید دیتے تھے مگر مختلف قبائل یہ کہہ کر آپ کی یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے کہ جس شخص کو اس کی اپنی قوم سچا (پیغمبر) نہیں سمجھتی، ہم اسے کیسے سچا مان لیں؟ یہ شخص ہمیں کیا فائدہ دے گا جبکہ اس کی دعوت نے خود اس کی اپنی قوم کو بلا کر رکھ دیا ہے اور اس نے اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔[1] اس طرح ہوازن اور دیگر قبائل کے لیے بت پرستی، جاہلانہ روایتیں، آبائی رسوم و رواج اور قریش کی عداوت اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔

البتہ تاریخی مصادر سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ہوازن نے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کوئی محاذ آرائی کی ہو۔ بدر، احد یا خندق میں شرکت کی ہو۔ بالخصوص فتح مکہ کے موقع پر بھی انھوں نے اپنے حلیف مشرکین مکہ کی کوئی مدد نہیں کی، حالانکہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے انھیں اپنے حلیفوں سے مالی اور فوجی امداد کی اشد ضرورت تھی۔

مسلمانوں کے خلاف مسلح کشمکش میں حصہ نہ لینا ہوازن کا عمومی موقف تھا۔ البتہ انفرادی طور پر بعض افراد نے مختلف مواقع پر مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا جیسا کہ اخنس بن شریق ثقفی نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے حلیف بنو زہرہ کا ساتھ دیا۔ جب ابوسفیان قریش کا قافلہ بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا تو اخنس نے اپنے حلیفوں کو مشورہ دیا کہ ہمارا بدر آنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے، اس لیے اب مسلمانوں سے جنگ کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا واپس چلے چلو۔ بنو زہرہ نے اخنس کا مشورہ قبول کر لیا۔ اس طرح وہ بدر کے میدان میں تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہونے سے بچ گئے۔[2]

انفرادی شمولیت کی دوسری دلیل صلح حدیبیہ کے موقع پر سامنے آتی ہے جب عروہ بن مسعود ثقفی اپنے اہل و عیال اور ہم خیال لوگوں کو لے کر اہل مکہ کی مدد کے لیے آیا اور اس نے قریش کی طرف سے سفارت کاری کے فرائض انجام دیے۔ اسی نے قریش کو مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح کر لو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ہوازن قریش مکہ کا ساتھ دینے اور ان کا دفاع کرنے کیوں نہیں آئے جبکہ وہ ان کے ساتھ عقیدے، تجارت و زراعت اور نسب و مصاہرت کے بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے؟

ہوازن نے قریش مکہ کو بڑی نازک حالت میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس کی دو اہم وجوہ ہو سکتی ہیں:

1 ہوازن اور ثقیف مسلمانوں کی فتوحات اور قوت و غلبے سے خوفزدہ ہو چکے تھے، جب انھیں خبر ملی کہ مسلمان

1 البداية والنهاية: 138/3. 2 الإصابة: 192/1، أسد الغابة: 55/1.

رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہیں تو ہوازن وثقیف کو خدشہ لاحق ہوا کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلے ہیں، چنانچہ وہ سب اکٹھے ہو گئے۔ پھر جب انھیں یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں پڑاؤ ڈالا ہے تو ہوازن اور ثقیف آپ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے پوری فوجی تیاری کے ساتھ حنین میں جمع ہو گئے اور مسلمانوں کی تاک میں بیٹھ گئے۔[1]

2 فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ حنین سے پہلے مسلمانوں نے متعدد عسکری کارروائیاں کیں۔ انھوں نے مکہ مکرمہ کے اردگرد بت پرستوں کو شکست فاش دی، ان کے صدیوں پرانے بت کدے جلا کر راکھ کر دیے اور مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح سے بت پرستوں کا صفایا کر دیا تو ہوازن وثقیف کو آگے بڑھ کر مشرکین مکہ کی مدد کرنے کے بجائے اپنی فکر پڑ گئی۔[2]

غزوۂ حنین کا سبب

ہوازن جزیرۂ عرب کی ایک زبردست طاقت تھے۔ مال و متاع، افرادی قوت اور جنگی اسلحے کے اعتبار سے وہ سب سے آگے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کی متعدد جنگوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے۔ جنگوں میں موت سے کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ انھیں اپنے بہادر جنگجوؤں پر ناز تھا۔ ہوازن جزیرۂ عرب کی ایسی قوت تھے جنھیں چیلنج کرنا دیگر قبائلِ عرب کے لیے تقریباً ناممکن تھا۔

جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں یہود و مشرکین کا صفایا شروع کیا تو ہوازن والے چوکنے ہو گئے۔ وہ اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی خفیہ خبریں حاصل کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کی عددی اور فوجی قوت کا حساب بھی لگاتے رہتے تھے۔ جب مسلمان مدینہ سے فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے جاسوس نے خبر دی کہ مسلمان ہوازن کو سبق سکھانے آرہے ہیں۔ لہٰذا ہوازن نے اپنے قبائل کو فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ انھیں اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا اور چاروں طرف مشرکین کی شکست سے بڑی تشویش اور تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر جب مسلمانوں نے اہل مکہ کو بھی زیر کر لیا اور حرم ابراہیم کو بت پرستوں سے آزاد کرا لیا تو ہوازن شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کا اگلا ہدف صرف ہوازن ہیں کیونکہ اب جزیرہ نمائے عرب میں اور کوئی ایسا قبیلہ باقی نہیں بچا تھا جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ اس صورت حال میں ہوازن کے سامنے دو ہی راستے تھے کہ یا تو وہ اسلام کی دعوت توحید قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن جاتے جس

1 تاریخ الطبري :2/344. 2 مرويات غزوة حنين، ص :36-43.

سے ان کا مال و متاع بھی محفوظ رہتا اور جان بھی بچ جاتی۔ یا پھر وہ دیگر مشرکوں کی طرح میدان جنگ میں کود پڑتے اور جو بھی نتیجہ نکلتا، اسے بہرحال قبول کرتے۔

ہوازن نے اپنے تیس سالہ بہادر جنگجو مالک بن عوف نصری کی قیادت میں جنگ کا راستہ چنا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے اب تک جتنی قوموں کو زیر کیا ہے، وہ سب ہم سے کم تر تھیں۔ انھیں جنگ و جدل کی وہ مہارت حاصل نہ تھی جو ہمیں حاصل ہے۔ ان قوموں کے پاس ہم جیسی فوجی اور افرادی قوت بھی نہیں تھی۔ اس لیے وہ کہنے لگے: مسلمانوں کو اب پتہ چلے گا کہ انھوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔ کیونکہ اب تک وہ جنگ و جدال کے پینتروں سے عاری اقوام ہی سے لڑتے آئے ہیں۔ اب ہم انھیں مزہ چکھائیں گے۔ مالک بن عوف نصری نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے حملے کا انتظار کرنے کی بجائے خود ان پر حملہ آور ہونا چاہیے، چنانچہ مالک بن عوف نے ہوازن کے قبائل کو تیاری کا حکم دے دیا۔

مالک بن عوف نصری نوجوان تھا، وہ نڈر کمانڈر ہونے کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ خطیب بھی تھا۔ اس نے اپنی قوم کا خون خوب گرمایا، انھیں اپنے عقیدے اور وطن کی حفاظت کا احساس دلایا اور بھرپور تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے مستعد و متحرک کر دیا۔ اس کی ترغیب پر ثقیف کے تمام قبائل جمع ہو گئے۔ نصر اور جشم کے لوگ بھی اسلحے سے لیس ہو کر مالک بن عوف کی قیادت میں آ کھڑے ہوئے۔ سعد بن بکر بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ البتہ بنو ہلال کے جنگجو بہت کم حاضر ہوئے۔ ان کی تعداد سو سے بھی کم تھی۔ قیس عیلان سے صرف یہی قبیلے آئے۔

ہوازن کے قبائل سے کعب اور کلاب غائب رہے۔ انھوں نے مالک بن عوف کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ میدان کارزار کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے مگر ان کو قبیلے کے سمجھدار شخص ابن ابی براء نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ محمد (ﷺ) سے بھاگ کر مشرق و مغرب کے مابین کسی بھی دور دراز علاقے میں چلے جائیں، محمد (ﷺ) ان پر ضرور غالب آ جائیں گے۔ اسے یقین تھا کہ محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لیے نکلنے والا ہر لشکر ناکام و نامراد ہوگا۔ لہٰذا اس نے اپنی قوم کو شکست و ہزیمت سے بچانے کے لیے جنگ سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح واقعی اس کی قوم ذلت و رسوائی سے بچ گئی۔

اس وقت ثقیف کے دو سردار تھے: 1 قارب بن اسود بن مسعود، یہ احلاف کا سردار تھا اور ان کی قیادت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ 2 سبیع بن حارث جو بنو مالک کا قائد تھا۔ واقدی نے لکھا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ احمر بن حارث قائد تھا۔ ابن اسحاق نے سبیع کے ساتھ اس کے بھائی احمر کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں بنو مالک

کی قیادت کر رہے تھے۔ بہر حال یہ لوگ اپنے اپنے مکمل قبائل کے ساتھ ہوازن کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ ثقیف کہنے لگے۔ ہم پیش قدمی کرکے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ مسلمان حملہ آور ہوں اور ہم دفاعی پوزیشن لینے پر مجبور ہوجائیں۔ البتہ اگر مسلمان ہم پر حملہ آور ہوگئے تو ہمارے پاس محفوظ قلعے موجود ہیں، ہم قلعہ بند ہوکر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے۔ ہمارے قلعوں میں وافر غذائی ذخائر بھی موجود ہیں۔ ہم قلعوں میں رہ کر لمبی جنگ لڑ سکتے ہیں۔ لیکن ان سب مواقع کے باوجود ہم پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا چلو مل کر نکل چلو تاکہ ہم یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔

اس طرح ہر قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی جگہ انفرادی طور پر بھی مختلف اقدامات کر رہے تھے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اپنے دس بیٹوں کو بلا کر کہا: میں تمھیں ایک اہم کام کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، تم میں سے ہر ایک گھوڑے پر سوار ہوکر حاضر ہو۔ چنانچہ وہ دس شاہسوار بھی اس جنگ میں شریک ہوگئے۔ لیکن جنگ ہوئی تو اس لشکر کو وادی اوطاس میں شکست فاش ہوئی اور یہ لوگ بھاگ کر طائف کے قلعوں میں محصور ہوگئے۔

جنگ کے لیے روانہ ہونے سے قبل کنانہ بن عبد یالیل نے انھیں مشورہ دیا تھا۔ اے ثقیف والو! تم اپنے قلعے چھوڑ کر میدان جنگ میں جا رہے ہو (یہ اقدام جنگی نقطۂ نظر سے غلط ہے)۔ تمھیں معلوم نہیں کہ تم فتح یاب بھی ہوسکو گے یا نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے قلعوں کی مرمت کے لیے کچھ افراد چھوڑ جاؤ، ہوسکتا ہے تمھیں ان کی ضرورت پڑ جائے۔ چنانچہ اس کے مشورے پر ثقیف والوں نے قلعوں کی مرمت کے لیے ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی اور خود جنگ کے لیے روانہ ہوگئے۔[1]

اس جنگ میں متعدد سردار اپنی اپنی قوم کی قیادت کر رہے تھے مگر ان سب کا بڑا کمانڈر ہوازن کا مالک بن عوف نصری ہی تھا جس کے حکم پر ساری فوج اپنے علاقے چھوڑ کر وادی اوطاس میں جمع ہوگئی۔

بنو جشم کے بوڑھے جرنیل کا جنگی تجزیہ اور صائب مشورہ

بنو جشم میں ایک نہایت تجربہ کار جنگجو بوڑھا درید بن صمہ بھی موجود تھا۔ اس کی عمر 160 سال تھی۔ وہ نابینا تھا۔ اس نے بھی اپنی قوم کا ساتھ دیا۔ ہرچند وہ اس وقت تلوار چلانے یا نیزہ بازی کی استطاعت سے محروم تھا مگر اس کے قیمتی مشورے اور جنگی تجربہ بہت بڑا سرمایہ تھا جسے قوم کھونا نہیں چاہتی تھی۔ لہذا قوم نے اسے ایک پالکی میں بٹھایا اور میدان جنگ میں ساتھ لے گئی۔ ادھر ہوازن و ثقیف مالک بن عوف نصری کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ

[1] المغازي للواقدي: 2/303،302، السيرة لابن هشام: 4/80.

کے لشکر سے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے تو اپنے بیوی بچے اور مال مویشی بھی ساتھ لے آئے۔ جب سارا لشکر اوطاس میں اترا تو بوڑھے جنگجو کو بھی پالکی سے اتارا گیا۔ یہ بوڑھا نیچے اترا تو اس نے زمین کو چھو کر دیکھا، پھر قوم سے پوچھا: تم نے کس وادی میں پڑاؤ کیا ہے؟ قوم نے جواب دیا: اوطاس میں۔

تجربہ کار جنگجو بولا: یہ وادی گھوڑوں کی بھاگ دوڑ کے لیے بہترین جگہ ہے۔ نہ یہ سطح مرتفع ہے، نہ یہاں نوکیلے پتھر ہیں، نہ یہ بھربھری مٹی کا میدان ہے۔ لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے، بکریوں کے ممیانے، گایوں کے ڈکرانے اور بچوں کے چیخنے کی آوازیں کیسی ہیں؟

قوم نے بتایا کہ مالک بن عوف کے حکم پر سب لوگ اپنے بیوی بچے اور مال مویشی بھی میدان کارزار میں ساتھ لے آئے ہیں۔ بوڑھے درید بن صمہ نے پوچھا: مالک کدھر ہے؟ لوگوں نے مالک کو بلایا اور عرض کی: لیجیے مالک حاضر ہے۔ پھر ان کے مابین یہ گفتگو ہوئی:

جنگی ماہر درید بن صمہ: اے مالک! تم اپنی قوم کے سردار بن گئے ہو۔ تم ایک نہایت معزز شخص سے لڑنے جا رہے ہو۔ آج کے دن کے اثرات مدتوں رہیں گے۔ مالک! کیا وجہ ہے کہ میں اونٹوں کے بلبلانے، بکریوں کے ممیانے، گایوں کے ڈکرانے، گدھوں کی ڈھینچوں ڈھینچوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سن رہا ہوں؟

مالک بن عوف: میں جنگجوؤں کے ساتھ ان سب کے بیوی بچے اور مال مویشی بھی لے آیا ہوں۔

درید: تم نے ایسا کیوں کیا؟

مالک: میں نے سوچا کہ ہر شخص کے بیوی بچے اور مال مویشی اس کے ساتھ ہوں گے تو وہ ان کی حفاظت کے لیے خوب جوانمردی کا مظاہرہ کرے گا اور بے جگری سے جان لڑا دے گا۔

درید (مالک کو ڈانٹتے ہوئے): ارے بکریوں کے چرواہے! تمھیں جنگی چالوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اللہ کی قسم! شکست خوردہ کو کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔ اگر تمھیں فتح نصیب ہوئی تو تمھارے کام وہی شخص آئے گا جو تلوار اور نیزے سے بہادری کے جوہر دکھائے گا۔ اور اگر تم کو شکست ہوئی تو تم اپنے اہل و عیال اور مال مویشی سب کچھ کھو دو گے اور ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔

پھر درید نے پوچھا: کعب اور کلاب کدھر ہیں؟

قوم نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی نہیں آیا۔

درید: ان کا نہ ہونا گویا شجاعت و بسالت کا غائب ہونا ہے۔ (تم نے نہایت بہادر جنگجوؤں کو کھو دیا ہے۔) اگر آج

کا دن فتح و کامرانی کا دن ہوتا تو وہ یہاں ضرور موجود ہوتے۔ کاش! تم بھی کعب اور کلاب جیسا فیصلہ کرتے، میری مانو، واپس چلے جاؤ۔ مگر قوم نے واپس جانے سے انکار کر دیا، پھر درید نے پوچھا: تم میں سے کون کون حاضر ہے؟

قوم نے عرض کیا: عمرو بن عامر اور عوف بن عامر حاضر ہیں۔

درید: یہ دونوں عامر کے بیٹے ہیں۔ ان سے کسی نفع و نقصان کی امید رکھنا دیوانگی ہے۔

پھر درید نے مالک بن عوف کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے مالک! تم نے اپنی پوری قوم کو شاہسواروں کے سامنے ڈال کر عقلمندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میری مانو، اپنی قوم کو قلعوں میں لے جاؤ۔ انھیں بلند و بالا پہاڑوں میں چھپا دو، پھر گھڑ سواروں کے لشکر کے ساتھ ان بے دینوں (مسلمانوں) کا مقابلہ کرو۔ اگر تم فتح یاب ہوئے تو تمھاری قوم تمھارے پاس آجائے گی۔ اگر تم شکست کھا گئے تو اس صورت میں تم سے کم تمھارے اہل و عیال اور مال مویشی تو محفوظ رہیں گے۔

مالک بن عوف اپنی جوانمردی، شجاعت اور نوعمری میں ملنے والی قیادت کے نشے میں چور تھا۔ اسے بزرگ حربی ماہر کی نصیحتیں چنداں پسند نہ آئیں۔ اس پر یہ بات بھی گراں گزری کہ اس کے فیصلے کے برخلاف اس بڈھے کی کوئی بات مان کر تاریخ میں اس کا نام رقم کر دیا جائے اور اقوام اسے اچھے لفظوں سے یاد کریں۔ لہٰذا وہ فوراً بولا: اللہ کی قسم! میں تیرا کوئی مشورہ قبول نہیں کروں گا۔ میں اپنا فیصلہ ہرگز تبدیل نہیں کروں گا۔ تو بڈھا ہو گیا ہے۔ سٹھیا گیا ہے۔ تیرے بعد تجھ سے زیادہ اچھے جنگی ماہر پیدا ہو چکے ہیں جو قوم کی بہتر قیادت کر سکتے ہیں۔ درید نے قوم کو مخاطب کر کے کہا: "اے ہوازن والو! اللہ کی قسم! اس کی رائے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ شخص تمھیں رسوا کرائے گا، یہ تمھیں دشمن کے حوالے کر دے گا اور خود فرار ہو کر ثقیف کے قلعے میں جا چھپے گا۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ اور اسے لڑنے مرنے کے لیے چھوڑ دو۔"

یہ سن کر مالک نے اپنی تلوار سونت لی اور بولا: اللہ کی قسم! اے ہوازن والو! تمھیں صرف میری اطاعت کرنی ہوگی ورنہ میں اپنی تلوار اپنے ہی پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کرلوں گا۔ اس دھمکی کا فوری اثر ہوا اور ہوازن والے بولے: یہ نوجوان ہے۔ اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو یہ کہیں جذبات میں آکر اپنے آپ کو قتل ہی نہ کر بیٹھے۔ اور اگر اس نے خودکشی کرلی تو ہمارے پاس درید رہ جائے گا جو نابینا اور ضعیف ہے۔ جنگ و جدال اب اس کے بس کی بات نہیں۔ تو پھر ہم کس کی قیادت میں یہ معرکہ سر کریں گے۔ لہٰذا وہ مالک سے کہنے لگے: ہم تمھاری اطاعت کریں گے۔ یہ سن کر درید بن صمہ نے بڑے رنج و غم سے کہا: یہ ایسی جنگ ہے جس میں میرا موجود ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ اب میں جنگ لڑنے کے قابل نہیں رہا اور تم میرے مشورے قبول نہیں کرتے۔ اس کے بعد اس نے افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعْ ... أَخُبُّ فِيهَا وَ أَضَعْ

أَقُودُ وَطْفَاءَ الزَّمَعْ ... كَأَنَّهَا شَاةٌ صَدَعْ

''اے کاش! میں جوان ہوتا تو اس معرکے میں کبھی تیز رفتاری سے حملہ کرتا اور کبھی رُک رُک کر وار کرتا۔ میں لمبے بالوں والے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتا جیسے پہاڑی بکرا زور دار حملہ کرتا ہے۔''

جب درید بن صمہ کی عمر بیس برس بھی نہیں تھی، اسی کمسنی کے زمانے میں اس نے شجاعت و جوانمردی کے جوہر دکھا کر اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ وہ اپنی قوم بنوجشم کا عالی نسب سردار تھا مگر کبر سنی نے اسے یہ دن دکھانے کہ قوم کے نوجوانوں نے اس کے قیمتی مشوروں پر کان نہیں دھرا اور وہ سوائے رنج و الم کے اظہار کے کچھ نہیں کر پایا۔[1]

ہوازن کے جاسوسوں کی دُرگت

ہوازن کے لوگ اپنے ہم عقیدہ بت پرستوں کی پے در پے شکستوں پر پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کی ہر نئی فتح ان کے لیے خوف و ہراس میں اضافے کا سبب بنتی تھی۔ اس لیے وہ اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی خبریں لیتے رہتے تھے اور مسلمانوں کی عددی اور فوجی قوت کا اندازہ لگاتے رہتے تھے۔ مکہ کی شاندار فتح نے ہوازن کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ اسی لیے وہ اپنے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں زبردست جنگی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس دوران میں مالک نے تین جاسوس روانہ کیے تاکہ وہ مسلمانوں کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہی حاصل کریں۔ تینوں جاسوس مسلمانوں کے لشکر کی ٹوہ لینے گئے مگر وہ ایسی دردناک حالت میں واپس آئے جو دل دہلا دینے والی تھی۔ ان کے تمام جوڑ ٹوٹ چکے تھے۔ وہ بمشکل واپس آئے۔ مالک بن عوف نے ان کی یہ حالت دیکھی تو حیرت اور خوف سے پوچھنے لگا: تمھارا ستیاناس! تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم نے چتکبرے گھوڑوں پر سفید رنگ کے کچھ لوگ دیکھے۔ پھر چند ہی لمحوں میں ہماری یہ درگت بن گئی۔ اللہ کی قسم! ہمارا مقابلہ انسانوں سے نہیں ہے۔ ہم فرشتوں سے لڑنے جا رہے ہیں جن کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہماری مانو، اپنی قوم کو واپس لے چلو۔ اسی میں ہماری سلامتی ہے۔ اگر باقی لوگوں نے بھی ان فرشتوں کو دیکھ لیا تو ان کی بھی ویسی ہی درگت بنے گی جیسی ہماری بنی ہے۔

مالک بن عوف نے ان خوفزدہ معذور فوجیوں کی ساری رپورٹ سنی اور انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا: ستیاناس ہو تمھارا! تم ساری فوج میں سب سے زیادہ بزدل اور پست ہمت ہو۔ پھر اس نے ان فوجیوں کو چھپا دیا، مبادا دوسرے جنگجو بھی انھیں دیکھ کر ہمت ہار جائیں اور اسلامی لشکر کا سامنا کرنے سے گریز کرنے لگیں۔ اپنی سپاہ کا مورال بلند رکھنے کے

[1] المغازي للواقدي 303/2-305، السيرة لابن هشام 80/4-82، ودلائل النبوة للبيهقي 121/5-123

لیے اس حادثے کو دبانا اشد ضروری تھا۔ لیکن اصل صورت حال جاننے کے لیے مزید جاسوس روانہ کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت تھی۔ لہٰذا مالک نے پوچھا: لشکر میں موجود سب سے بہادر شخص کون ہے؟ جب سب نے ایک شخص کی نشاندہی کی تو اسے جاسوسی کے لیے بھیجا گیا۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کا پکا یقین لے کر روانہ ہوا مگر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ بھی پہلے فوجیوں کی طرح اپنے جوڑ تڑوا کر نہایت خوفزدہ حالت میں واپس آگیا۔ مالک بن عوف نے پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ وہ کہنے لگا: میں نے خوبصورت چتکبرے گھوڑوں پر سفید گورے لوگ دیکھے۔ ان پر نظر ٹکتی نہ تھی۔ اللہ کی قسم! دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں میری یہ درگت بن گئی۔

اپنے جاسوسوں کی یہ قابل رحم حالت دیکھ کر بھی گھمنڈی نوجوان سردار اپنے جارحانہ ارادوں سے باز نہ آیا۔ وہ مسلسل مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرتا رہا۔[1]

یہ درحقیقت فرشتے تھے جنھوں نے جاسوسوں کی مرمت کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے نازل کیا تھا۔

ہوازنی جاسوس پکڑا گیا

اب دوسری طرف مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو آپ نے چند گھڑ سواروں کو حالات کے جائزے کے لیے آگے بھیجا۔ یہ دستہ ہوازن کے ایک جاسوس کو پکڑ لایا۔ یہ جاسوس شروع ہی سے اپنے لیڈر مالک بن عوف کے حکم پر مسلمانوں کے متعلق معلومات جمع کر رہا تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے بتایا کہ ہوازن نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ وہ سارے عرب کو جمع کر کے لے آئے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو جرش (دمشق) سے دبابات اور منجنیق لانے کے لیے بھی بھیجا ہے تاکہ ان کی فوج جدید اسلحے سے لیس ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ واضح رہے کہ دبابہ اس زمانے کی ویسی ہی گاڑی تھی جیسی آج کل بکتر بند گاڑی ہوتی ہے۔ دبابہ میں فوجی چھپ کر دشمن کے ہدف تک پہنچتے تھے۔



رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ پورے ہوازن کی قیادت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

[1] المغازی للواقدی 2/307، السیرۃ لابن ہشام 4/82، السیرۃ لابن إسحاق 2/549

سب کا کمانڈر مالک بن عوف ہے۔ آپ نے سوال کیا: کیا ہوازن کے تمام قبائل جنگ کے لیے تیار ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بنو عامر سے کعب اور کلاب نے اس جنگ کے لیے شمولیت اختیار نہیں کی۔ میں مکہ مکرمہ سے گزرا تھا تو وہ لوگ ابوسفیان کی دی گئی اطلاعات پر برہم تھے، لیکن وہ خوفزدہ بھی بہت تھے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، مَا أُرَاهُ إِلَّا صَدَقَنِي»

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس شخص نے صحیح معلومات دی ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد اس شخص کو بطور احتیاط حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور تاکید فرمائی کہ اسے اپنی نگرانی میں رکھو۔ یہ شخص فتح مکہ تک انھی کی تحویل میں رہا۔ پھر فتح مکہ والے دن مسلمان ہو گیا۔ بعد ازاں مسلمانوں کے ساتھ جنگ حنین میں شریک ہو کر شہادت سے سرفراز ہوا۔[1]

اسلامی لشکر کی تیاری

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ممکنہ اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ ہر غزوے سے قبل جنگی تیاری کرتے، ہتھیاروں اور سواریوں کا بندوبست کرتے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دستے بنا کر ان کی کمان کسی ماہر شخص کے حوالے کرتے تھے۔ ہوازن کے ساتھ معرکہ آرائی کے موقع پر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب تیاری کی:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○﴾

''اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت (تیر و تفنگ) اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو ڈرائے رکھو جنھیں تم نہیں جانتے (مگر) اللہ انھیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے، تمھیں (اس کا) پورا پورا ثواب دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[2]

جاسوسی کے لیے عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کی روانگی

جونہی رسول اللہ ﷺ کو ہوازن کے اجتماع کی خبریں ملیں، آپ نے ان کی سپاہ، اسلحے اور مالی وسائل کا اندازہ

[1] إمتاع الأسماع: 356/1. [2] الأنفال 8:60.

کرنے اور ان کے عزائم جاننے کے لیے سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ ان کی رہائش ہوازن کے علاقے کے بہت قریب تھی، اس لیے ان کا ہوازن میں گھل مل جانا، اپنی شناخت چھپانا اور پھر معلومات لے کر خفیہ راستوں سے واپس آ جانا زیادہ مشکل بات نہیں تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور حکم دیا:



«انْطَلِقْ فَادْخُلْ فِي النَّاسِ حَتّٰى تَأْتِيَ بِخَبَرٍ مِّنْهُمْ وَمَا خَبَرُ مَالِكٍ»

''جاؤ، لوگوں میں گھل مل جاؤ، ان کی معلومات حاصل کرو اور ان کے کمانڈر مالک کے جنگی پلان کی خبر لاؤ۔''

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے مطابق روانہ ہو گئے۔ وہ ہوازن کے لشکر میں داخل ہو کر دو دن تک معلومات حاصل کرتے رہے۔ لشکر کی تعداد، اسلحے اور مال مویشی کی تعداد کا اندازہ لگاتے رہے۔ ہوازن کی چھاؤنی میں گھومتے پھرتے وہ ہوازن کے کمانڈر مالک بن عوف کی مجلس میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے رئیسوں کے جمگھٹے میں بیٹھا تھا اور اپنی قوم کی شجاعت اور جنگی مہارت کی ڈینگیں مار رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''بلاشبہ محمد (ﷺ) نے آج تک ہماری قوم جیسی ماہر فوج سے کبھی جنگ نہیں لڑی۔ وہ ہمیشہ اناڑی لوگوں سے لڑتے آئے ہیں جنھیں جنگ کا سرے سے پتا ہی نہیں تھا۔ ان پر فتح پا کر اب وہ ہم جیسے ماہرین سے جنگ کی جرأت کر بیٹھے ہیں۔ لہٰذا تم کل صبح صف بندی کرنا۔ اپنے پیچھے اپنے بیوی بچوں اور مال مویشی کی صفیں بھی بنانا تاکہ ہر شخص پوری طرح جان لڑا کر جنگ کرے۔ اپنی تلواریں میان سے نکال لو، میانیں کاٹ پھینکو اور پھر بیس ہزار کا لشکر جرار بیک وقت ہلہ بول دے۔ خوب جان لو! غلبہ حملے میں پہل کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ یہ ساری معلومات اور جنگی پلان جان لینے کے بعد چپکے سے ان کے لشکر سے نکل آئے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری معلومات کی رپورٹ پیش کر دی۔ آپ نے ان معلومات کی روشنی میں پیش قدمی فرمائی۔[1]

1 السيرة لابن هشام 82/4، السيرة لابن إسحاق 550/2، دلائل النبوة للبيهقي 121/5، المغازي للواقدي 307/2، 308

اسلامی لشکر کی پیش قدمی

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر کیا جائے کیونکہ مکہ مکرمہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا بلد امین کے تقدس اور جنگی حکمت عملی کے خلاف تھا۔ مکہ مکرمہ پر مسلمانوں کی فتح کو ابھی صرف سترہ دن ہی گزرے تھے۔ ابھی مکہ میں بہت سے کافر اور اسلام کے دشمن موجود تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ کے لطف و کرم سے معافی مل چکی تھی، پھر بھی وہ ابھی تک جاہلانہ عقیدے ہی پر قائم تھے۔ ایسے قریشی سردار بھی موجود تھے جن کی زندگی کے شب و روز اسلام دشمنی میں گزرے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کی خاموشی اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے اور رسول اللہ ﷺ کو نبی برحق ماننے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ مسلمانوں کی طاقت سے مغلوب ہو گئے تھے اور بے بسی کے عالم میں دانت پیس رہے تھے۔ ان کے گھروں میں اسلحے کے انبار موجود تھے مگر انھیں چلانے والے بازو شل ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی قوت کا خوف ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا۔ اگر انھیں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع مل جاتا جیسا کہ ہوازن کے مکہ پر حملے کی صورت میں یہ موقع مل سکتا تھا، تو عین ممکن تھا کہ اسلام کے یہ پرانے دشمن پھر سے میدان میں کود پڑتے۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے اندرونی اور بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھرپور تیاری کر کے مکہ سے باہر نکل کر ہوازن کو سبق سکھانے کا پروگرام بنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو پوری طرح مسلح کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

1 مکہ مکرمہ کے اسلحے کے تاجر صفوان بن امیہ کے گھر پر اسلحے کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ امن میں ہوگا۔ اس طرح ہر وہ شخص جو اپنا تحفظ چاہتا تھا، اس نے اپنا دروازہ بند کر کے اپنا مال اور جان محفوظ کر لی۔

صفوان بن امیہ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ وہ اسلحے کا تاجر تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہوازن کے مقابلے کے لیے نکلے تو آپ ﷺ نے صفوان کو بلایا اور فرمایا: اے ابوامیہ! اپنی زرہیں ہمیں دے دو تاکہ ہم کل دشمن کا مقابلہ کریں۔ صفوان دل ہی دل میں ڈرا کہ بس اب اس کی شامت آ گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا: اے محمد (ﷺ)! کیا آپ میرا اسلحہ میری رضا مندی سے لیں گے یا زبردستی چھین لیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، تم ہمیں اپنی زرہیں اور دوسرا ضروری اسلحہ ادھار دے دو، یہ اسلحہ ہم تمھیں بحفاظت واپس کر دیں گے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ نے بخوشی ایک سو زرہیں ڈھال سمیت نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زرہیں 400

تھیں۔[1] پھر آپ ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ یہ اسلحہ میدان جنگ تک پہنچا دو۔ صفوان بن امیہ نے اپنے اونٹوں کے ذریعے یہ اسلحہ وادیِ اوطاس تک پہنچا دیا۔[2]

2 رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مختلف افراد سے قرض بھی لیا جو غزوۂ حنین کی غنیمت سے ادا کر دیا گیا۔ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث میں سیدنا عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے غزوۂ حنین کے موقع پر تیس یا چالیس ہزار درہم قرض لیے۔ پھر جب وہ غزوے سے واپس ہوئے تو رسالت مآب ﷺ نے انھیں ادائے قرض کے ساتھ ساتھ خیر و برکت کی دعا بھی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْوَفَاءُ وَالْحَمْدُ»

''اللہ تمھارے گھر والوں اور مال میں برکت دے۔ بلاشبہ قرض کا بدلہ (بروقت) ادائیگی اور شکریہ ادا کرنا ہے۔''[3]

3 نبی کریم ﷺ نے مکہ کے ایک اور مالدار شخص حویطب بن عبدالعزّٰی سے بھی چالیس ہزار درہم قرض لیا تھا۔ حویطب فتح مکہ والے دن مسلمان ہوئے تھے۔ پھر غزوۂ حنین و طائف میں شریک ہوئے۔[4]

4 رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچازاد نوفل بن حارث سے اس موقع پر مجاہدین کے لیے نیزے حاصل کیے۔ ان کے پاس نیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ انھوں نے تین ہزار نیزے دے کر اسلامی لشکر کی مدد کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس اعانت کو سراہتے ہوئے فرمایا:

«كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى رِمَاحِكَ تَقْصِفُ أَصْلَابَ الْمُشْرِكِينَ»

''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے نیزے مشرکین کی پشتوں کو چھلنی کر رہے ہیں۔''

ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ بھی مکہ مکرمہ کے اسلحے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ان کے گودام میں ہر وقت ہزاروں نیزے موجود رہتے تھے۔

عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ نوفل جنگ بدر میں مسلمانوں کے قیدی بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگے: میرے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہیں ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«افْدِ نَفْسَكَ بِرِمَاحِكَ الَّتِي بِجُدَّةَ»

1 شرح الزرقاني على المواهب: 3/499. 2 السيرة لابن هشام: 4/83، المغازي للواقدي: 2/306. 3 سنن ابن ماجه: 2424، سنن النسائي: 4687. 4 أسد الغابة: 2/71.



''اپنی جان چھڑانے کے لیے ان نیزوں کا فدیہ دو جو (تم نے) جدہ میں (چھپا رکھے) ہیں۔''

اس انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اللہ کے بعد میرے سوا کسی کو ان نیزوں کا علم نہیں تھا۔ وہ بے اختیار کلمۂ شہادت کا اقرار کرکے مسلمان ہو گئے اور جدہ میں چھپائے ہوئے ایک ہزار نیزے فدیے میں ادا کر دیے۔[1]

اسلامی لشکر کی تعداد

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو پوری طرح مسلح کرکے اوطاس کی طرف سفر شروع کیا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ 10 ہزار مجاہدین مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار افراد وہ تھے جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے نائب

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں اپنا نائب اور امیر مقرر کیا۔ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو نماز پڑھائیں اور اگر کوئی مشرک فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرے تو اس کا سدباب کریں۔ لوگوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ وہ لوگوں کو دینی احکام و مسائل اور اخلاق و آداب سکھاتے تھے۔[2]

اسلامی لشکر کی روانگی کی تاریخ

غزوۂ حنین کے لیے اسلامی لشکر کس تاریخ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ تشریف لانے کی تاریخ اور فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام فرمانے کی مدت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مؤرخین نے اسی تاریخ کے حساب سے غزوۂ حنین کی تاریخ مقرر کی ہے۔ اس سلسلے میں

1 السنن الکبرٰی 262/4، المستدرک للحاکم 246/3، حدیث 5074 2 السنن الکبرٰی 305/2، السیرۃ لابن ہشام 83/4، مزید دیکھیے: المستدرک للحاکم 270/3.

علمائے کرام کے دو اقوال ہیں۔ آپ انھیں دلائل کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

1 علامہ ابن اسحاق اور ابن جریر طبری وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ غزوۂ حنین 5 شوال 8 ھ کو ہوا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔[1] ان علمائے کرام کی دلیل یہ حدیث ہے:

أَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ خَمْسَ عَشْرَةَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ.

''رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام فرما رہے۔ اس دوران آپ ﷺ نماز قصر کرتے رہے۔''[2]

علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں: ''مکہ 8 ھ میں فتح ہوا جبکہ رمضان کے دس دن باقی تھے۔''[3]

2 علامہ واقدی کے بیان کے مطابق آپ غزوۂ حنین کے لیے بروز ہفتہ 6 شوال 8 ھ کو روانہ ہوئے اور منگل کی شام 10 شوال کو وادی حنین پہنچے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعے کے روز مکہ فتح کیا جبکہ رمضان کے دس دن باقی تھے۔ پھر آپ پندرہ دن مکہ میں قیام پذیر رہے۔ ہفتے کے روز 6 شوال کو آپ ﷺ حنین روانہ ہوئے اور بروز منگل 10 شوال کو شام کے وقت وادی حنین پہنچے۔[4] علامہ ابن سعد کا بھی یہی موقف ہے۔[5]

دونوں اقوال اور ان کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف معمولی سا ہے اور اسے دور کرنا مشکل نہیں۔ علامہ زرقانی یہ اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ اختلاف چاند نظر آنے کی تاریخ میں اختلاف کی وجہ سے ہوسکتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جن علماء نے تاریخ 6 شوال لکھی ہے، انھوں نے روانگی کی رات بھی شامل کرلی اور جنھوں نے پانچ شوال بتائی، انھوں نے روانگی کی رات اس میں شامل نہیں کی۔

کچھ علماء نے دونوں اقوال کو جمع کیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کی تیاری رمضان کے آخر میں شروع کی، 6 شوال کو روانہ ہوئے اور 10 شوال کو حنین پہنچ گئے۔[6]

6 شوال والی بات سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی درج ذیل روایت کے مطابق ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقَامَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ سَبْعَ عَشْرَةَ.

''رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ میں سترہ دن ٹھہرے۔''[7]

1 البداية والنهاية 321/4. 2 سنن ابن ماجه 1076، سنن أبي داود 1231، سنن النسائي 1454. 3 السيرة لابن إسحاق 547/2. 4 المغازي للواقدي 305/2 و 307. 5 الطبقات لابن سعد 150/2. 6 شرح الزرقاني على المواهب 498/3، فتح الباري 35/8. 7 مسند أحمد 315/1، سنن أبي داود 1230

کتب مغازی میں رسول اللہ ﷺ کے اس سفر کی جو تفصیل لکھی ہے، اس کے مطابق آپ فتح مکہ کے لیے مدینہ سے 10 رمضان کو روانہ ہوئے، 19 رمضان کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، مذکورہ بالا روایت کے لحاظ سے آپ کی غزوہ حنین کے لیے روانگی کی تاریخ 6 شوال ہی قرار پاتی ہے۔

البتہ جن صحیح روایات میں مدت اقامت 19 یا 18 دن آئی ہے، ان میں حافظ ابن حجر اور امام بیہقی ﷫ نے 19 دن والی روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ اکثر روایات میں 19 دن ہی کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہی وارد ہے۔ ان روایات کو اس طرح سے جمع کیا گیا ہے کہ 19 دن والی روایت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور روانہ ہونے کے دن بھی شامل ہیں۔ جن راویوں نے 18 دن کی روایت بیان کی، انھوں نے ان میں سے کوئی ایک دن شمار کیا ہے۔ اور جنھوں نے سترہ دن بیان کیے، انھوں نے آمد و رفت کے دونوں دن شامل نہیں کیے۔ جبکہ پندرہ دن والی روایت کے راویوں نے 17 دن والی روایت کو مدنظر رکھا کہ یہ اصل ہے اور پھر اس میں سے داخلے اور کوچ کا دن نکال کر پندرہ دن کا ذکر کر دیا۔

اس طرح سے تمام روایات جمع اور متحد ہو جاتی ہیں۔ 5 یا 6 شوال کا اختلاف معمولی ہے۔[1] واللہ اعلم

جاہلیت کی پکار پر رسول اللہ ﷺ کا انکار

رسول اللہ ﷺ تا ابد معلم انسانیت ہیں۔ سفر ہو یا حضر، جنگ ہو یا امن، آپ ﷺ ہر موقع پر اپنے صحابہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے تھے۔ موقع محل کی مناسبت سے اپنی سنہری تعلیمات کے ذریعے صحابہ کے اخلاق و اطوار سنوارتے تھے۔ کم علمی کی بنا پر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی تو آپ ﷺ فوراً حکیمانہ انداز میں اصلاح فرما دیتے تھے۔ صحابہ کرام ﷡ کی سیرت سازی ہر وقت آپ کے پیش نظر رہتی تھی۔ ایک ایسا ہی واقعہ غزوہ حنین کے لیے جاتے ہوئے راستے میں پیش آیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 2 ہزار نومسلم مجاہدین بھی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا ابھی مناسب وقت نہیں مل سکا تھا، اس لیے ان سے اپنے سابقہ عقائد و نظریات کے مطابق کوئی خطا سرزد ہو جانا ایک فطری بات تھی۔ مگر معلم انسانیت ﷺ اس کی اصلاح کے لیے ہر وقت تیار تھے۔ حنین جاتے ہوئے راستے میں کفار مکہ کا ایک تاریخی درخت تھا۔ یہ بہت بڑا سرسبز اور گھنا درخت تھا۔ اس کا نام ذات انواط تھا۔ کفار ہر سال اس درخت کے پاس میلہ لگاتے۔ اپنی تلواریں اس درخت کی شاخوں میں لٹکاتے۔ یہاں جانور ذبح کرتے اور پورا ایک دن اسی درخت کے پاس گزارتے تھے۔

[1] فتح الباري :2/725.

جب اسلامی لشکر اس درخت کے پاس سے گزرا تو کفار کے میلے کی یاد تازہ ہوگئی۔ آگے بڑھے تو بیری کا ایک بڑا سرسبز درخت نظر آیا۔ اس تناور درخت کو دیکھتے ہی مختلف گوشوں سے آوازیں آنے لگیں: اے اللہ کے رسول! اس درخت کو ہمارے لیے اسی طرح ذات انواط قرار دے دیجیے جس طرح کفار کا ذات انواط ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فوراً عقیدے کی اصلاح کی، اللہ اکبر کہا، اللہ کی یکتائی، کبریائی، بڑائی اور بزرگی کا اعلان کیا اور میلوں ٹھیلوں کے شوقین حضرات کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا

«اللّٰہ اکبر والذی نفس محمد بیدہ لقد قلتم کما قال قوم موسی لموسی: ﴿اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ إنها السنن، لترکبن سنن من کان قبلکم»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تمھارا یہ مطالبہ تو ویسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا: ''(اے موسیٰ!) تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا: بے شک تم (نرے) جاہل ہو۔'' یہ تو پچھلے لوگوں کے طور طریقے ہیں۔ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور طریقے ضرور اپناؤ گے۔''[1]

اس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو صاف پیغام دے دیا کہ اسلام میں میلوں ٹھیلوں اور سالانہ عرس و جشن جیسی کسی چیز کی مطلق گنجائش نہیں۔ عبادت و ریاضت، نذر و نیاز اور دعا و التجا کا مرکز و محور صرف اللہ رب العالمین ہے۔ اس کے سوا کوئی بزرگ یا حجر و شجر نذر و نیاز یا دعاؤں کا مرکز نہیں بن سکتا۔

''لَنْ نُّغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ'' ایک فخریہ کلمہ

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے 12 ہزار کا لشکر جرار لے کر حنین کی طرف روانہ ہوئے تو یہ تاریخ اسلامی کا پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کی طرف گامزن تھے۔ یہ غزوہ اس لحاظ سے بھی منفرد تھا کہ اس میں مدنی اور مکی مجاہدین شانہ بشانہ دشمن کو سبق سکھانے جا رہے تھے۔ ایسی شاندار طاقت دیکھ کر کسی مجاہد کی زبان سے یہ فخریہ کلمہ پھسل گیا:

«لن نغلب الیوم من قلۃ»

''آج ہم قلت فوج کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔''

[1] مسند احمد، دلائل النبوۃ 552/2، 563، جامع الترمذی، 2180، دلائل النبوۃ للبیہقی 125/5

یہ جملہ کس نے کہا؟ اس بارے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں مگر سند کے اعتبار سے کوئی ایک بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ یہ جملہ رسول اللہ ﷺ نے، یا بنو بکر کے کسی شخص نے کہا تھا۔[1]

علامہ واقدی کی روایت کے مطابق یہ فاخرانہ کلمہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے ادا ہوا۔[2] جبکہ مسند بزار کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ایک انصاری نوجوان نے کہی تھی۔[3] سنن بیہقی میں یہ قول ایک مجہول شخص سے منسوب کیا گیا ہے۔[4]

یہ روایات سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں۔ لیکن ان روایات کا تعدد اور قرآن کریم کا ایک اشارہ بتاتا ہے کہ یہ کلمہ کہا ضرور گیا تھا۔ البتہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خصوصی وزیر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا صدور ممکن نہیں کیونکہ یہ کلمہ ان کے عجز و انکسار، تواضع اور تعلق باللہ کے منافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری سیرت طیبہ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ آپ نے جنگی قوت پر کبھی بھروسا نہیں کیا، فوجی تعداد کی کثرت وقلت کو کبھی بنیاد نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ مقدور بھر تیاری کے بعد اللہ تعالیٰ ہی پر کامل بھروسا کیا اور اللہ رب العزت ہی سے مدد و نصرت کی دعا کی۔ آپ ﷺ کے عمومی اسوۂ حسنہ کی وضاحت کے لیے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا غَزَا قَالَ: «اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَضُدِي وَنَصِيرِي، بِكَ أَحُولُ، وَبِكَ أَصُولُ، وَبِكَ أُقَاتِلُ»

”رسول اللہ ﷺ جب غزوے کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ دعا مانگتے: ”اے اللہ! تو میرا بازو اور میرا مددگار ہے۔ میں تیری ہی مدد سے چلتا پھرتا اور (دشمن پر) حملہ آور ہوتا ہوں۔ اور میں تیری ہی توفیق سے جنگ لڑتا ہوں۔“[5]

فتح مکہ کے موقع پر بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر جرار آپ کے ہمراہ تھا۔ یہ ایسی زبردست فوجی قوت تھی جس کا سامنا کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود آپ کے عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ کا سر مبارک جھکا ہوا تھا اور اونٹ کے کوہان سے ٹکرا رہا تھا اور زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی، بڑائی اور تعریف و توصیف کے کلمات جاری تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ پر اور اپنے صحابہ پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کی بجائے عام معافی

1 السيرة لابن إسحاق: 2/554، السيرة لابن هشام: 4/87. 2 المغازي للواقدي: 1/305. 3 كشف الأستار عن زوائد البزار: 2/232. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 5/123. 5 سنن أبي داود: 2632.

کا اعلان کر کے فاتحین عالم کا دستور ہی بدل ڈالا تھا۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر ایسا فخر آمیز کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے؟!

قرآن مجید کا اسلوب بیان بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ کلمہ لشکریوں ہی میں سے کسی نے کہا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ﴾

''یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔''[1]

اس آیت میں لشکر کی کثرت پر خوش ہونے والوں کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صیغۂ جمع بیان کیا ہے۔ پھر آیت میں راہ فرار اختیار کرنے کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ میدان کارزار میں پوری استقامت کی شان سے ڈٹے رہے۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ میدان میں ثابت قدم رہنے والے صحابہ کی تعداد بہت کم تھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کلمہ کہنے والا کوئی عام مجاہد ہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمہ نہیں نکلا۔

بعض علمائے کرام نے اس کلمے کا مطلب یہ بیان کیا ہے: یہ کلمۂ افتخار نہیں بلکہ کلمۂ تسلیم و رضا ہے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ آج ہم تعداد میں کم نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ آج ہمیں شکست نہیں ہو سکتی۔ فتح، شکست، کامرانی یا ناکامی تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس اعتبار سے یہ کلمۂ اعجاب و فخر نہیں بلکہ یہ ایک کنایہ ہے، یعنی کہنے والے نے خوش ہو کر کہا: ''آج ہماری تعداد کس قدر زیادہ ہے۔''[2]

لشکر اسلام کے خوش نصیب پہریدار

سیدنا سہل بن حنظلیہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ہوازن کی طرف چلے تو آپ نے تیز رفتاری سے سفر جاری رکھا۔ اس دوران ظہر کا وقت قریب آگیا۔ ایک شخص نے آکر اطلاع دی: اللہ کے رسول! آپ کے صحابہ بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ رک گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دستے بھی آہستہ آہستہ

1 التوبة 25:9. 2 شرح الزرقاني على المواهب: 504/3.

آپ کے پاس پہنچ گئے۔ پھر آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں۔ اتنے میں ایک گھڑ سوار آیا اور عرض گزار ہوا: اللہ کے رسول! میں آپ کے آگے آگے فلاں فلاں پہاڑ تک چکر لگا کر آیا ہوں۔ وہاں وادی حنین میں ہوازن کا پورا قبیلہ اپنے بیوی بچوں اور مال مویشی سمیت موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی رپورٹ سن کر مسکرائے اور فرمایا:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''وہ سارے اموال کل مسلمانوں کی غنیمت ہوں گے۔ ان شاء اللہ!''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا فَارِسٌ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ؟»

''ہے کوئی شاہسوار جو آج رات ہمارا پہرہ دے؟''

یہ سن کر سیدنا انیس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر آگے بڑھے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«انْطَلِقْ حَتّٰى تَقِفَ عَلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَلَا تَنْزِلَنَّ إِلَّا مُصَلِّيًا أَوْ قَاضِيَ حَاجَةٍ وَلَا تُغَرَّنَّ مِنْ قِبَلِكَ»

''جاؤ، فلاں فلاں پہاڑ پر جا کر بسیرا کرو۔ صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے گھوڑے سے اترنا۔ اور اپنا فرض پوری ہوشیاری سے ادا کرنا، کہیں دشمن تمھارے لشکر کو دھوکے سے نقصان نہ پہنچائے۔''

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رات اطمینان و سکون سے گزاری، صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے شاہسوار کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ آگیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: جی نہیں۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ درختوں کی طرف دیکھنے لگے، اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْشِرُوا قَدْ جَاءَكُمْ فَارِسُكُمْ»

''خوش ہو جاؤ! تمھارا گھڑ سوار بحفاظت آگیا ہے۔''

جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اپنی رپورٹ پیش خدمت کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے حکم کے مطابق فلاں فلاں پہاڑ پر ٹھہرا رہا۔ میں صرف نماز اور قضائے حاجت ہی کے لیے گھوڑے سے اترتا تھا۔ صبح تک میں چوکس رہا۔ اس دوران میں دشمن کی کوئی نقل و حرکت سامنے نہیں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گھوڑے سے نیچے اترنے کا حکم دیا اور فرمایا:



«قَدْ أَوْجَبْتَ فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَعْمَلَ بَعْدَهَا»

''تم نے اپنے لیے (جنت) لازم کر لی۔ اس کے بعد اب کوئی اور عمل نہ بھی کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔''[1]

اس طرح سیدنا انیس بن ابی مرثد نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ساری رات پہرہ دیا۔ اس ذمہ داری کے دوران وہ مسلسل گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہے، نیچے نہیں اترے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس بے مثال اطاعت و فرمانبرداری اور مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت کرنے پر بخشش اور جنت کی عظیم الشان خوشخبری سنائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کس قدر عظیم عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مجاہدین کے لیے جنت کی مہمان نوازی کا اہتمام فرما رکھا ہے۔

لشکر کفار کی جنگی تیاریاں

اسلام دشمن ہوازن بھرپور جنگی تیاری کے ساتھ جنگ و جدل کے ماہر اپنے نوجوان کمانڈر مالک بن عوف نصری کی قیادت میں حنین پہنچ گئے۔ نوجوان ہوازنی کمانڈر کو اپنی 20 ہزار سپاہ کی طاقت اور حربی مہارت پر بڑا گھمنڈ اور اپنی جنگی چالوں، صلاحیتوں اور تجربے پر بے حد اعتماد تھا۔ اس نے اپنی فوج کو اچھی طرح مسلح کرنے کے بعد ان کا مورال بلند کرنے کے لیے ایک پُرجوش خطبہ بھی دیا۔ اس نے اپنی تعداد اور جنگی مہارت کا حوالہ دے کر کہا:

''آج تک محمد (ﷺ) کا مقابلہ تم جیسی بہادر سپاہ سے نہیں ہوا۔ وہ آج تک ناتجربہ کار، کمزور اور بے بس لوگوں ہی کو شکست دیتے آئے ہیں۔''

یقیناً اس پُرجوش تقریر نے اہل ہوازن کے جوش و جذبے کو جلا بخشی ہوگی، چنانچہ وہ معرکہ شروع ہونے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔ دشمن کے سپہ سالار نے ہر فوجی کے بیوی بچے بھی میدان میں لا کھڑے کیے۔ گویا اس نے اپنی سپاہ کو یہ پیغام دیا تھا کہ ''Do or Die'' مارو یا مر جاؤ۔ بھاگنے اور جنگ سے منہ موڑنے کی کوئی گنجائش نہیں،

[1] المغازي للواقدي 309،308/2، دلائل النبوة للبيهقي 126،125/5، سنن أبي داود 2501

اگر تم نے شکست کھائی تو میدان سے بھاگتے وقت اپنے بیوی بچے کس کے سپرد کر کے جاؤ گے۔ اس طرح ہوازنی کمانڈر نے اپنی سپاہ کو نفسیاتی طور پر بھی یہ مؤثر پیغام دیا کہ تمھارے لیے سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہیں۔

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ جب وہ کسی جنگ کو مرتے دم تک جاری رکھنے کا ارادہ کرتے تو تلواروں کی میانیں کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ اس امر کا اعلان ہوتا تھا کہ دشمن کو ختم کر کے دم لیں گے یا خود جان دے دیں گے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر ہوازنی سردار نے بھی اپنی فوج کو یہی پیغام دیا: ''اپنی تلواروں کی میانیں توڑ ڈالو اور صبح بیس ہزار جوہردار تلواروں کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔''

گوریلا کارروائی جنگوں میں ہمیشہ نہایت مؤثر سمجھی جاتی ہے۔ ذہین و فطین ہوازنی کمانڈر نے وادی حنین میں پہلے سے پہنچ کر اپنے لشکر کے لیے خوب جانچ کر مناسب جگہ کا انتخاب کیا تاکہ اس کا لشکر مؤثر طور پر حملہ آور ہو سکے۔ وادی حنین اونچی نیچی ڈھلانوں، پیچ دار دروں اور متعدد گھاٹیوں پر مشتمل ہے۔ مالک بن عوف نے اپنے شاہسواروں کو انھی ڈھلانوں اور دروں میں چھپا دیا۔ رات کے اندھیرے میں ان کے متعدد دستے بنا کر انھیں چھپ جانے کا حکم دیا اور کہا کہ صبح کے دھندلکے میں مسلمانوں پر ایک دم حملہ کر دینا۔

ہوازنی کمانڈر نے اپنی جنگی حکمت عملی کے تحت دفاع کی بجائے پیشگی حملہ کو ترجیح دی اور اپنی سپاہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اس نے نفسیاتی حربوں سے بھی کام لیا۔ اس نے مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لیے اپنی افواج کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر دکھانے کا ڈرامہ بھی رچایا۔ ہوازنیوں کی اصل فوج 20 ہزار تھی۔ ان کے کمانڈر نے فوج کے پیچھے اونٹوں کی صفیں بنائیں اور ان پر عورتوں کو بٹھا دیا۔ اس طرح ہوازنی فوج لاکھوں کی تعداد میں نظر آنے لگی۔[1]

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى للباشميل :1597/2-1600.

وادی حنین کا ایک منفرد منظر



اسلامی لشکر کی تیاری

رسول اللہ ﷺ بھی اسلامی لشکر کے ہمراہ رات کو وادیٔ حنین پہنچ کر پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ آپ ﷺ نے سحری کے وقت اسلامی سپاہ کو قبائلی بنیادوں پر مختلف دستوں میں تقسیم کیا اور انھیں جھنڈے عطا کیے۔ مہاجرین، انصار اور دیگر قبائل کو الگ الگ فوجی جھنڈے دے کر ان کے کمانڈروں کا تقرر فرمایا۔ جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کمان دی گئی اور پرچم عطا فرمائے گئے، ان کے اسمائے گرامی اور قبائل کی فہرست درج ذیل ہے:

نام	قبیلہ	نام	قبیلہ
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	قریش مہاجر	سیدنا سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ	بنو مازان
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	مہاجر	سیدنا بُریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	بنو اسلم
سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	مہاجر	سیدنا جندب بن اعجم رضی اللہ عنہ	بنو اسلم
سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ	خزرج	سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ	بنو غفار
سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	خزرج	سیدنا ابو واقد حارث بن مالک لیثی رضی اللہ عنہ	بنو ضمرہ و لیث، سعد بن لیث
سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	اوس [1]	سیدنا ابوشُریح رضی اللہ عنہ	بنو کعب بن عمرو
سیدنا ابو نائلہ رضی اللہ عنہ	بنو عبدالاشہل	سیدنا بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ	بنو کعب بن عمرو
سیدنا ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ	بنو حارثہ	سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ	بنو مزینہ
سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	بنو ظفر	سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ	بنو مزینہ
سیدنا جبر بن عتیک رضی اللہ عنہ	بنو معاویہ	سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ	بنو مزینہ
سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ	بنو واقف	سیدنا رافع بن مَکیث رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ	بنو عمرو بن عوف	سیدنا عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ	بنو ساعدہ	سیدنا ابوزرعہ معبد بن خالد رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ	بنو مالک بن نجار	سیدنا سُوید بن صخر رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا ابو سلیط رضی اللہ عنہ	بنو عدی بن نجار	سیدنا نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	بنو اشجع

[1] اوس وخزرج کے ذیلی قبائل کو بھی الگ الگ جھنڈے عطا کیے گئے۔

سیدنا سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ	بنو مازن	سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ	بنو اشجع
سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ	بنو سُلیم	سیدنا خُفاف بن ندبہ رضی اللہ عنہ	بنو سلیم
سیدنا حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ	بنو سلیم		

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو پہلے سلیم قبیلے میں آئے اور ان کے گھڑ سوار دستے کو بطور ہراول دستہ مقرر فرمایا۔ ان کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سونپی، وہ جعرانہ میں آمد تک ان کے قائد رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا غزوات میں یہی طریق کار تھا کہ جب بھی گھوڑے میسر آتے، آپ انھیں ہراول دستہ بنا دیتے تھے۔ گویا یہ اس دور کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تھیں جو دشمن پر ابتدائی بلہ بولنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اوس وخزرج کے جھنڈے سبز اور سرخ ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جھنڈوں کا رنگ برقرار رکھا جبکہ آپ ﷺ نے مہاجرین کو جو بڑا پرچم اور چھوٹے جھنڈے مرحمت فرمائے، وہ سفید اور سیاہ رنگ کے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی جنگی تیاری

مجاہدین اسلام کے سالار اعظم رسول اللہ ﷺ نے امت کو ذات الٰہی پر بھروسا کرنے کا صحیح مطلب سمجھاتے ہوئے دو زرہیں پہنیں، سر پر مغفر اور خود پہنا، پھر اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر وادیِ حنین کی گھاٹی سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ یوں آپ نے امت کو سبق دیا کہ بھرپور طور پر تمام ممکنہ مادی اسباب و وسائل اختیار کرنا توکل کے عین مطابق ہے۔ آپ ﷺ نے اسلامی سپاہ کو قتال کی ترغیب دی اور انھیں فتح و نصرت کی خوشخبری سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم صبر و استقامت کے ساتھ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرو گے تو یقیناً تمھی کامیاب رہو گے۔[1]

معرکے کی ابتدا اور مسلمانوں کی جزوی شکست

اسلامی لشکر فجر کے دھندلکے میں وادیِ حنین کی گھاٹی سے اترنا شروع ہوا تو اہل لشکر کا خیال یہی تھا کہ وادی کے وسیع میدان میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوگا۔ مگر ہوازنی کمانڈر نے بڑی مہارت سے وادی کی تنگ گھاٹیوں، دروں اور پیچ در پیچ نشیب و فراز میں بے شمار جنگجو گھات میں بٹھا رکھے تھے جو مسلمانوں پر اچانک حملے کے لیے بالکل تیار تھے۔ مسلمان ان خفیہ کمین گاہوں سے یکسر بے خبر تھے۔ وہ جونہی وادی میں داخل ہوئے، ان پر چاروں طرف سے یلغار کر دی گئی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک یہ حملہ آور کدھر سے نکل آئے ہیں۔ ابھی صبح کا اجالا پوری

1 المغازي للواقدي: 310,309/2، الطبقات لابن سعد: 150/2.



بنوسُلیم کی شاعرہ خنساء کی بستی (صفینہ)

طرح پھیلا بھی نہ تھا بلکہ فجر کا دھندلکا ہی چھایا ہوا تھا کہ اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور بنوسُلیم کا گھڑ سوار دستہ تیروں کی زد میں آگیا۔ یہ لوگ تیروں سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے، پھر انھوں نے کسی کی آواز پر کان نہ دھرے۔ وہ اپنے ہی لشکر کو روندتے ہوئے دور نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیادہ فوج کے نومسلم بھی راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ ہوازنی کمانڈر کا پلان کامیاب ہوتا دکھائی دے رہا تھا مگر اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت اور رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی سے جنگ کا نقشہ بدل گیا اور حتمی کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

اسلامی لشکر کی ابتدائی شکست کے اسباب

1 اسلامی لشکر فتح مکہ کی خوشی سے سرشار اور اپنی تعداد و قوت پر شاداں و فرحاں وادیٔ حنین کی طرف روانہ ہوا تو کسی کی زبان سے یہ فخر یہ کلمہ نکل گیا کہ آج ہماری کثرتِ تعداد کی وجہ سے ہمیں شکست نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو عجز و انکسار کا سبق فوراً ہی سکھا دیا۔ انھیں یہ حقیقت سمجھا دی گئی کہ فتح و نصرت فوجی طاقت سے نہیں ملتی بلکہ اس کا تمام تر دارومدار رب العالمین کے فضل و کرم اور نصرت و حمایت پر ہے۔

2 مسلمانوں کی شکست کی دوسری اہم وجہ ہوازنی کمانڈر کا ماہرانہ جنگی پلان تھا جس کے تحت ہوازنی لشکر نے فجر کے دھندلکے میں خفیہ کمین گاہوں سے نکل کر اچانک ہلہ بول دیا اور اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

3 اس شکست کی ایک بڑی وجہ بدوؤں، طلقاء اور نئے نوجوانوں کا میدان جنگ سے فرار تھا۔ طلقاء وہ لوگ تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن احسان فرماتے ہوئے آزاد کر دیا تھا اور وہ مسلمان ہوکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہو لیے تھے۔ دوسرے بدو تھے۔ جب ہوازنی لشکر نے زوردار حملہ کیا تو سب سے پہلے یہی لوگ بھاگے اور مسلمانوں کو سرآغاز ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کی میدان میں ثابت قدمی

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین والے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ ہی رہے۔ ہم ایک لمحے کے لیے بھی آپ سے جدا نہیں

ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے جو آپ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ جب کافروں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ ہوا تو (کفار کے اچانک اور بھیانک حملے کی وجہ سے) مسلمان الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نہایت پامردی سے اپنا خچر کفار کی طرف بڑھایا۔ میں نے آپ ﷺ کے خچر کی لگام تھام رکھی تھی اور اسے تیز چلنے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا (کیونکہ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا)۔ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی سواری کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا:

«أَيْ عَبَّاسُ! نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ»

''اے عباس! بیری کے درخت تلے بیعت (رضوان) کرنے والوں کو آواز لگاؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز مجاہد تھے۔ انھوں نے زوردار آواز سے پکارا: ''بیری کے درخت تلے بیعت کرنے والو! تم کہاں ہو؟''

یہ آواز سن کر ہر طرف سے مجاہدین ایسے والہانہ انداز میں لپکے جیسے گائے اپنے بچے کی آواز پر بے تابی سے دوڑتی ہے۔ وہ سب لبیک لبیک پکارتے ہوئے حاضر ہوگئے۔

پھر آپ کے حکم پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے انصار کو بلایا: یا معشر الأنصار! یا معشر الأنصار! ''اے انصاریو! ادھر آؤ۔ اے انصار کی جماعت! ادھر آؤ (تمھیں اللہ کے رسول ﷺ یاد فرما رہے ہیں)۔'' پھر انصار کے قبیلے بنوحارث بن خزرج کو پکارا گیا:

يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ! يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ!

''اے بنی حارث بن خزرج! یہاں حاضر ہو جاؤ۔ اے بنی حارث بن خزرج! ادھر آؤ۔''

یہ قبیلہ زمانۂ قدیم سے جنگوں میں ثابت قدمی اور دلیرانہ حملوں کی وجہ سے معروف تھا۔

یہ سب رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ خچر پر بیٹھے میدان کارزار کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے گھمسان کی جنگ ہوتی دیکھی تو فرمایا:

«هٰذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ»

''اب جنگ خوب بھڑک اٹھی ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور کفار کے منہ پر دے ماریں۔ پھر فرمایا:

اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ! اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!

''محمد ﷺ کے رب کی قسم! کافر شکست کھا گئے۔ رب کعبہ کی قسم! مشرک شکست کھا گئے۔''

میں نے میدان جنگ میں نظر دوڑائی، جنگ ابھی تک زوروں پر تھی لیکن اللہ کی قسم! جب آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں تو (وہ مشرکوں کی آنکھوں میں جا گئیں،) ان کی تلواریں کند ہو گئیں (ان کا زور ٹوٹ گیا) اور وہ منہ پھیر کر بھاگنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔[1]

علامہ واقدی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی پکار پر آپ ﷺ کے جاں نثار پلٹ آئے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ وَعْدَكَ، لَا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَظْهَرُوا»

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے وعدے (کی تکمیل) کا سوال کرتا ہوں، یہ مشرک ہم پر غالب نہ آنے پائیں۔''

پھر آپ نے مٹھی بھر کنکریاں مشرکین کے چہروں پر دے ماریں اور فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''یہ چہرے بگڑ جائیں (اور) ناکام و نامراد ہو جائیں۔''

پھر فرمایا: «انْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ» ''رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ شکست کھا گئے۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: ابو عمارہ! کیا آپ (سب) لوگ حنین والے دن بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ ثابت قدم رہے۔ لیکن وہ نوجوان جو نہتے تھے اور ان کے پاس مناسب تیر کمان، تلوار یا ڈھال نہیں تھی، وہ ہوازن کے لشکر کی تیر اندازی کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہوازن کا کوئی بھی تیر خطا نہ جاتا تھا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ پوری استقامت سے ثابت قدم کھڑے رہے۔ ابوسفیان بن حارث آپ ﷺ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر سے نیچے اترے اور صحابۂ کرام کو واپس آنے کے لیے پکارنے لگے۔ آپ ﷺ نے بلند آہنگی سے فرمایا:

«أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»

''میں سچا نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! نَزِّلْ نَصْرَكَ»

''اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما۔''

[1] صحيح مسلم: 1775. [2] المغازي للواقدي: 312/2.

اللہ کی قسم! جب جنگ بھڑک اٹھتی تھی، اس وقت ہم رسول اللہ ﷺ ہی کے پاس پناہ لیتے تھے اور ہم میں سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں جوانمردی سے لڑتا رہتا تھا۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حنین والے دن ہوازن اور غطفان وغیرہ اپنے بیوی بچوں اور مال مویشی سمیت میدان جنگ میں آگئے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ آپ کے ساتھ طلقاء بھی تھے، یہ لوگ پیٹھ پھیر کر نکل بھاگے حتی کہ آپ اکیلے رہ گئے۔ آپ ﷺ نے اس دن دو مرتبہ پکار لگائی۔ آپ ﷺ نے دائیں طرف رخ مبارک پھیرا اور فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے انصار کی جماعت!'' انھوں نے فورا کہا: لبیک اے اللہ کے رسول! آپ خوش ہو جائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر آپ بائیں طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے انصار کی جماعت!'' انھوں نے کہا: لبیک اے اللہ کے رسول! خوش ہو جائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ ہم نے مکہ فتح کیا، پھر ہم نے غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ مشرکین نے زبردست صف بندی کی، پہلے گھڑ سواروں کی صفیں بنائیں، پھر جنگجو کھڑے کیے، ان کے پیچھے عورتوں کو کھڑا کیا۔ پھر ان کے پیچھے بکریوں کے ریوڑ کھڑے کر دیے، بعدازاں اونٹوں کی قطاریں بنا دیں (تاکہ لشکر کی تعداد کئی گنا زیادہ دکھائی دے)۔ ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ ہمارے گھڑ سوار دستے کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہمارا گھڑ سوار دستہ بکھر گیا۔ بدو اور کچھ دیگر لوگ فرار ہو گئے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے پکارا:

«يَالَ الْمُهَاجِرِينَ! يَالَ الْمُهَاجِرِينَ!»

''اے مہاجروں کی جماعت! ادھر آؤ، اے مہاجرو! ادھر آؤ۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا لَلْأَنْصَارِ! يَا لَلْأَنْصَارِ!»

''اے انصار! اے انصار! ادھر آؤ۔''

آپ ﷺ کی پکار پر انصار اور مہاجرین لبیک لبیک کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔ پھر دشمن پر ایسا کاری حملہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی اور مسلمان ڈھیروں مال غنیمت لے کر واپس آئے۔[2]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست کی ایک وجہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ مسلمانوں

[1] صحیح مسلم: 1776. [2] صحیح مسلم: (136،135)1059.

نے کفار پر زبردست حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے۔ پھر مسلمان انھیں پوری طرح شکست دینے سے پہلے ہی مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ اس دوران ہوازن کے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے بچنے کے لیے مسلمان بھاگ نکلے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ قیس کے ایک شخص نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حنین والے دن آپ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ثابت قدم رہے۔ ہوازن والے ماہر تیر انداز تھے۔ جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے۔ ہم نے غنیمتیں جمع کرنی شروع کر دیں تو وہ ہم پر تیر برسانے لگے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے کھڑے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ»

''میں سچا نبی ہوں۔''[1]

علامہ حلبی فرماتے ہیں: اس حدیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو دو بار شکست ہوئی۔ ایک دفعہ جنگ کی ابتدا میں اور دوسری مرتبہ اس وقت جب مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے ثابت قدم فدائی

ہوازنی لشکر کے اچانک حملے سے جب اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں بہت کم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہ سکے۔ علامہ واقدی فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اس دن ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد سو تھی۔ ان میں سے تینتیس (33) مہاجر اور سڑسٹھ (67) انصاری تھے۔

ان ثابت قدم رہنے والے جاں نثاروں میں سیدنا ابوبکر، عمر، علی بن ابی طالب، عباس، ابوسفیان بن حارث اور ان کے بیٹے جعفر، فضل بن عباس، ربیعہ بن حارث، اسامہ بن زید اور ایمن بن ام ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں۔ ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہ اسی روز شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے۔[3] سیدنا ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑے کھڑے تھے اور اسے تیز دوڑنے سے روک رہے تھے۔ جبکہ لوگ چاروں طرف بھاگ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کمال شجاعت سے میدان میں ڈٹ کر مسلمانوں کو اپنے پاس جمع ہونے کے لیے پکارا تو

---

1 صحیح البخاري، 4317. 2 السیرة الحلبیة: 65/3. 3 السیرة لابن إسحاق: 553/2، 554، السیرة لابن هشام: 86,85/4.

مسلمان ہر طرف سے بھاگم بھاگ رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ جس کی سواری اڑیل ہو جاتی، واپس نہ مڑتی یا فرار ہونے والوں کے رش کی وجہ سے اسے پلٹنا دشوار محسوس ہوتا تو وہ شخص اپنی سواری سے کود پڑتا، سواری چھوڑ دیتا اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالے دیوانہ وار آپ ﷺ کی پکار پر لبیک لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے اپنے انصاری فدائیوں، مہاجرین اور اصحاب سمرہ کو الگ الگ پکارا تو وہ سب اس طرح واپس بھاگے چلے آئے جس طرح اونٹنی اپنے بچے کی طرف دیوانہ وار لپکتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک معقول تعداد جمع ہو جاتی تھی تو آپ ﷺ انھیں میدان کارزار میں آگے بڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ واپس آنے والوں کی خاصی تعداد دشمن پر حملہ آور ہو گئی۔

سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب لوگ دور بھاگ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

«يَا حَارِثَةُ! كَمْ تَرَى الَّذِينَ ثَبَتُوا؟»

''اے حارثہ! تمھارے خیال میں ثابت قدم رہنے والے لوگ کتنے ہوں گے؟''

میں نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور عرض کی: حضور! تقریباً سو افراد ہوں گے۔

بعدازاں ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد نبوی کے دروازے پر جبریل علیہ السلام سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے دریافت کیا: مَنْ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ؟ ''اے محمد (ﷺ)! یہ کون ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

«هٰذَا أَحَدُ الْمِائَةِ الصَّابِرَةِ يَوْمَ حُنَيْنٍ، لَوْ سَلَّمَ لَرَدَدْتُ عَلَيْهِ السَّلَامَ»

''جی ہاں! یہ ان سو صبر کرنے والے مجاہدین میں سے ایک ہیں جو جنگ حنین والے دن ثابت قدم رہے۔ اگر یہ سلام کرتے تو میں ان کے سلام کا جواب دیتا۔''

بعد میں نبی کریم ﷺ نے مجھے اس واقعے کی خبر دی تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو یہ سمجھا تھا کہ آپ سے دحیہ کلبی باتیں کر رہے ہیں۔[1] (جبریل علیہ السلام سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حلیے میں وحی لے کر آتے تھے۔)

صحابیات کی بے مثل شجاعت

مجاہدین اسلام جب کافروں اور مشرکوں سے جنگ میں مصروف ہوتے تھے تو اس وقت صحابیات رضی اللہ عنہن کی ذمہ داری یہ ہوتی تھی کہ وہ زخمیوں کو پانی پلائیں، ان کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کریں۔ جنگ حنین والے دن بھگدڑ مچی تو چند صحابیات

1 المغازی للواقدی 2/311-314

نے نہایت شجاعت و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ وہ ہتھیار سنبھال کر کافروں کو جہنم رسید کرنے پر تل گئیں اور مجاہدین کو واپس بلانے لگیں۔ ان عظیم خواتین نے اس نازک موقع پر مسلمانوں کو پکارا، انھیں ان کی شاندار دلیرانہ روایات یاد دلائیں اور کہا کہ آؤ! پوری قوت سے اللہ کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑو!

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس دن لوگ ہر طرف بھاگ رہے تھے، اس دن میں اور دیگر چار خواتین میدان کارزار میں ڈٹ گئیں۔ میرے ہاتھ میں تیز دھار تلوار تھی۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر تھا جو انھوں نے پیٹ کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ ان کے علاوہ سیدہ ام سلیط اور ام حارث رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انصاری صحابہ کو بڑے زور سے پکار کر کہا: ارے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ بھاگ جانا تو تمھاری فطرت نہ تھی، آج تمھیں کیا ہو گیا کہ تم میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟ یوں وہ انھیں احساس دلا رہی تھیں: ''اے جرِ شیرو! واپس آجاؤ اور اپنی بہادری کی روایتی شان دکھا کر اللہ کے دشمنوں کے چھکے چھڑا دو۔''

سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹی کھڑی ہیں۔ انھوں نے اپنی چادر خوب کس کر باندھ رکھی ہے۔ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ ان کے بطن میں عبداللہ بن ابی طلحہ سانس لے رہے تھے۔ ان کے پاس سیدنا ابوطلحہ کا توانا اونٹ تھا۔ اونٹ کی تیز رفتاری پر قابو پانے کے لیے انھوں نے اس کی نکیل پوری قوت سے کھینچ رکھی تھی۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچیں تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا آپ ام سلیم ہیں؟ انھوں نے عرض کی: جی ہاں اللہ کے رسول! میں ام سلیم ہوں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ پھر عرض کرنے لگیں: اللہ کے رسول! ان فرار ہونے والوں کو اسی طرح قتل کر دیجیے جس طرح آپ کافروں کو قتل کر رہے ہیں۔ بھاگنے والے اسی قابل ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَيَكْفِي اللّٰهُ يا أُمَّ سُلَيْمٍ! عافِيَةُ اللّٰهِ أَوْسَعُ»

''اے ام سلیم! کیا اللہ کافی نہیں ہے؟ اللہ کی عافیت بہت وسیع ہے۔''

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر دیکھ کر سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ خنجر کس لیے رکھا ہوا ہے؟ فرمانے لگیں: یہ خنجر اس لیے تیز کر رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آ گیا تو اس کا پیٹ چاک کر ڈالوں گی۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! ذرا سنیے! یہ ام سلیم الرمیصاء کیا کہہ رہی ہے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 315/2، السيرة لابن هشام: 89،88/4، السيرة لابن إسحاق: 556/2.

سیدہ ام حارث انصاریہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت و بسالت

اس روز سیدہ ام حارث رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابو حارث رضی اللہ عنہ کے اونٹ کی لگام پکڑ لی تھی۔ ان کے اونٹ کا نام جَمار تھا۔ انھوں نے اپنے خاوند سے کہا: اے حارث! یہ کیا حرکت ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان کارزار میں چھوڑ کر خود بھاگے جا رہے ہو؟ چنانچہ انھوں نے تیزی سے جھپٹ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ادھر اونٹ تیزی سے بھاگنا چاہتا تھا تا کہ آگے نکل جانے والے اونٹوں سے جا ملے۔ اس دوران لوگ چاروں طرف بھاگ رہے تھے لیکن سیدہ ام حارث رضی اللہ عنہا پوری قوت سے اپنے خاوند کو روکے کھڑی تھیں۔ اسی دوران سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو ام حارث رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے عمر! یہ کیا ہو رہا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی تقدیر غالب آ گئی ہے۔ یہ سن کر سیدہ ام حارث رضی اللہ عنہا جوش ایمانی سے بے قابو ہو گئیں۔ انھوں نے گرج کر کہا: اے اللہ کے رسول! ان مسلمانوں میں سے جو شخص بھی میرے اونٹ سے آگے نکلنے کی کوشش کرے گا، میں اسے قتل کر ڈالوں گی۔ اللہ کی قسم! آج جیسی شکست میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ ان بنو سلیم والوں اور دیگر نومسلموں نے فرار ہو کر ہماری جیت کھوٹی کر دی ہے۔[1]

سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما کے دلیرانہ حربے

ایک طرف نومسلم تیروں کی بوچھاڑ کی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ رہے تھے تو دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی بڑی بے جگری سے میدان قتال میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ ہر مجاہد ڈٹ کر لڑ رہا تھا۔ بڑے بڑے سورما جہنم رسید کیے جا رہے تھے۔ سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے ایک ہوازنی مشرک کو دیکھا جو سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا جو اس کے طویل نیزے سے بندھا ہوا تھا۔ وہ اپنے سامنے آنے والوں کو گھائل کرتا جا رہا تھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ بہت سے مسلمانوں کو بری طرح زخمی کر چکا تھا۔ سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ اس پر چیتے کی طرح جھپٹ پڑے اور اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹ بلبلا اٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتا، اللہ کے دو شیروں سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے اس مشرک ہوازنی پر حملہ کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک کاری وار کیا، اس کا دایاں ہاتھ ہوا میں اڑا دیا۔ جبکہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے دوسرا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر دونوں اسے قتل کرنے کے لیے لپکے تو ان کی تلواریں آپس میں ٹکرا گئیں۔ لہٰذا ایک نے اپنا ہاتھ روک لیا اور دوسرے نے اس مشرک کا کام تمام کر دیا۔ پھر یہ دونوں حضرات کہنے لگے: اس کا سامان اتری چھوڑو اور آگے بڑھو۔ پھر وہ قدم بڑھا

[1] المغازي للواقدي: 2/316.

کر رسول اللہ ﷺ کے آگے جا کھڑے ہوئے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔

اتنے میں دشمن کا ایک اور شاہ سوار سامنے آیا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ جھنڈا تھا۔ یہ دونوں مجاہد اس نئے شکار کی طرف لپکے۔ ایک نے زوردار وار کر کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ گھوڑا منہ کے بل گرا۔ پھر دونوں نے ہوازنی شاہ سوار کو دھر لیا، جہنم رسید کیا اور آگے بڑھ گئے۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے شکاروں سے فارغ ہوئے تو انھی دو مرداروں کے پاس سے گزرے۔ دیکھتے ہیں کہ کسی مسلمان نے ان دونوں کافروں کا اسلحہ اور دیگر مالِ غنیمت نہیں سمیٹا۔ لہٰذا وہ ان کا سارا مال سمیٹ کر خدمت نبوی میں پہنچے جہاں سیدنا عثمان بن عفان، علی، ابودجانہ اور ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے دادِ شجاعت دے رہے تھے اور دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے۔[1]

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حیرت انگیز بہادری

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین میں پہنچے، ہوازنی سورماؤں سے ٹکراؤ ہوا۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں فوراً اس کی طرف لپکا اور پوری قوت سے اس کی گردن پر تلوار کا وار کیا۔ وار اتنا کاری تھا کہ اس سورما کی زرہ کاٹتے ہوئے اس کی گردن تک جا پہنچا۔ وہ سورما اس قدر جاندار تھا کہ اتنا گہرا زخم کھانے کے باوجود پیچھے مڑا اور مجھے دبوچ لیا۔ اس نے اتنی زور سے دبایا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے موت نظر آنے لگی۔ پھر اچانک اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی کیونکہ اس کا بہت سا خون گردن سے بہہ گیا تھا۔ وہ دھڑام سے نیچے گرا تو مجھے چھٹکارا نصیب ہوا۔ میں نے تلوار کا وار کر کے اس کی گردن اڑا دی اور اس کا مال و اسباب وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔

جب ہوازنی لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا تو مسلمان ان لوگوں کو گرفتار کرنے لگے۔ پھر سارا مال غنیمت اٹھا کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع کر دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس روز ثابت قدم رہنے والے سرفروش مجاہدوں کی حوصلہ افزائی کے لیے خصوصی انعامات عطا کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ»

''جس مجاہد نے کسی کافر کو قتل کیا ہے، وہ آئے، دلیل و گواہ پیش کرے اور اس مقتول کا اسلحہ اور مال بطور انعام لے جائے۔''

[1] المغازي للواقدي: 314/2، السيرة لابن هشام: 88/4.

میں کھڑا ہو گیا کیونکہ میں نے بھی ایک سورما قتل کیا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر بیٹھ گیا کہ میری گواہی کون دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے دوبارہ وہی اعلان کیا کہ جس نے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ آئے، دلیل پیش کرے اور انعام وصول کرلے۔ میں دوبارہ کھڑا ہوا مگر دلیل و گواہ موجود نہ ہونے کی بنا پر پھر بیٹھ گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے تیسری مرتبہ اللہ کے شیروں کی حوصلہ افزائی کا اعلان فرمایا۔ میں پھر کھڑا ہوا لیکن یہ سوچ کر پھر بیٹھ گیا کہ مجھے گواہ کہاں سے ملے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تین بار کھڑے ہوتے اور بیٹھتے دیکھا تو دریافت فرمایا:

«مالك يا أبا قتادة؟»

''اے ابوقتادہ! تمھیں کیا ہوا؟ (کبھی کھڑے ہوتے ہو، کبھی بیٹھ جاتے ہو۔ آخر بات کیوں نہیں کرتے؟)''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایک نمایاں کام تو میں نے بھی کیا ہے لیکن میرا کوئی گواہ نہیں ہے۔ میں نے فلاں ہوازنی کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: حضور! ابوقتادہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے مقتول کا سارا سامان اور اسلحہ میرے پاس ہے۔ لیکن آپ ابوقتادہ کو اپنی طرف سے انعام دے کر خوش کر دیجیے اور وہ مال مجھی کو عطا کر دیجیے۔

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پرجوش لہجے میں بولے:

«لاها الله إذا لا يعمد إلى أسد من أسد الله يقاتل عن الله ورسوله ﷺ فيعطيك سلبه»

''اللہ کی قسم! نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑتا ہے، اس کا حق تمھیں دے دیا جائے۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ انھوں نے فرمایا:

«كلا لا يعطه أصيبغ من قريش ويدع أسدا من أسد الله يقاتل عن الله ورسوله ﷺ»

''ہرگز نہیں، اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ لڑتا ہے، اس کا حق قریش کے ایک بزدل کو نہیں دیا جا سکتا۔''

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے وہ سلب (کافر مقتول کا ساز و سامان) مجھے عطا فرما دیا۔ اس سے میں نے کھجوروں کا ایک باغ خریدا جو بنوسلمہ کے علاقے میں تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ میری پہلی ملکیت تھی۔ ہم اس باغ کی کمائی آج تک کھا رہے ہیں۔

دراصل سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ مال سلب سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سات اوقیے چاندی کے عوض خرید لیا

تھا۔ اور اسی چاندی سے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے باغ خریدا تھا۔ [1] (سات اوقیہ چاندی تقریباً: 857.304 گرام ہوتی ہے)

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا ناپاک ارادہ

جب میدان کارزار خوب گرم تھا، ہر طرف تیروں کی سنسناہٹ اور تلواروں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی اور دلیری کے جوہر دکھائے جا رہے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت جوش و خروش سے اسلامی لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس جمع ہونے والے سرفروشوں کو مختلف اطراف میں روانہ فرما رہے تھے اور مسلمان چاروں طرف بڑی بے جگری سے داد شجاعت دے رہے تھے۔ عین اس موقع پر ایک نو مسلم نے اپنے دل کی ناپاک حسرت پوری کرنے کی ٹھانی۔ یہ نو مسلم شیبہ بن عثمان تھے، وہ فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر سے مرعوب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے مگر ابھی ان کے دل میں اسلام پوری طرح جاگزیں نہیں ہوا تھا۔ بس وہ ظاہری طور پر مسلمان تھے۔ وہ زبان سے کلمۂ شہادت ادا کر کے مسلمانوں میں شامل تو ہو گئے تھے مگر دل میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی کی چنگاریاں بجھ نہیں پا رہی تھیں۔ ان کے والد عثمان بن ابی طلحہ جنگ احد میں مشرکین کے علم بردار تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے تھے۔ باپ کی موت کا بدلہ لینا ان کی اولین خواہش تھی مگر آرزو پوری ہونے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ صفوان بن امیہ بھی شیبہ ہی کے کینڈے کا آدمی تھا۔ اس کا والد امیہ بن خلف جنگ بدر والے دن مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے دیگر مسلمانوں کی مدد سے اس دشمن اسلام کو بری طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا کیونکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مکہ مکرمہ میں ایام غلامی کے دوران امیہ کے ہاتھوں بڑے ہولناک مظالم جھیلے تھے۔ جب انھوں نے جنگ بدر میں اسے دیکھا تو فوراً اس کی طرف لپکے، اپنے مسلمان بھائیوں کو مدد کے لیے پکارا اور پھر اس کے سارے ظلم و ستم کا حساب بے باق کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے حنین کے لیے روانہ ہوئے تو یہ دونوں افراد بھی ساتھ ہو لیے۔ یہ اس ارادے سے حنین گئے کہ جونہی انھیں موقع ملا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر کے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے لیں گے۔ چنانچہ جب گھمسان کا رن پڑا تو شیبہ بن عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت جا پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن وہ بیان کرتے ہیں کہ جونہی میں نے قدم بڑھایا، ٹھیک اسی وقت میری آنکھوں کے آگے تاریکی پھیل گئی اور مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میرے دل پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ پھر میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکا۔ مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ آپ کی حفاظت پر کوئی مامور ہے اور یہ مذموم فعل میرے بس کا روگ نہیں۔ [2]

---

1 صحیح البخاری 4321، 4322، مغازی للواقدی 318/2، 319۔ 2 السیرۃ لابن اسحاق 554/2، السیرۃ لابن ہشام 87/4

علامہ واقدی نے یہ واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو ہوازن کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سے میں نے دل میں سوچا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں، ممکن ہے مجھے اپنے والد کا بدلہ لینے کا موقع مل جائے۔ میرے والد کو جنگ احد والے دن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور میرے چچا کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مار ڈالا تھا۔ بس میں انتقام لینے کی یہی خواہش دل میں چھپائے حنین روانہ ہو گیا۔ موقع کی تاک میں رہا۔ جب ہوازن کے تیروں کی بوچھاڑ سے اسلامی لشکر تتر بتر ہوا تو میں رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب مڑا اور حملے کی غرض سے آگے بڑھا۔ آپ کی دائیں جانب آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ ان کے سر پر چاندی جیسی سفید خود تھی جس سے غبار جھڑ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ تو آپ کے چچا ہیں۔ میں ان کی طرف سے آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا میں بائیں جانب سے آگے بڑھا تو دیکھا کہ ادھر آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ تو آپ ﷺ کے چچا زاد ہیں۔ میں ادھر سے بھی حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں آپ ﷺ کے پیچھے جا پہنچا۔ اب آپ ﷺ کے اور میرے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ باقی رہ گیا کہ میں آپ پر تلوار کا وار کر دیتا۔ عین اسی لمحے میرے اور آپ ﷺ کے درمیان آگ کا ایک شعلہ بڑی تیزی سے بھڑکا۔ میں ڈر گیا کہ یہ شعلہ مجھے بھسم کر دے گا۔ مجھ پر اتنی ہیبت چھائی کہ میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے اور الٹے قدم چلنے لگا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور مجھے حکم دیا:

«يَا شَيْبُ! ادْنُ مِنِّي، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى صَدْرِي وَقَالَ: اللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُ الشَّيْطَانَ»

''اے شیب! میرے قریب آؤ۔'' پھر آپ نے اپنا دست شفقت میرے سینے پر رکھا اور دعا کی: ''اے اللہ! شیطان کو اس سے دور کر دے۔''

اس دعا کے بعد جب میں نے سر اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ مجھے میری سماعت، بصارت حتی کہ دل و جان سے بھی زیادہ محبوب ہو چکے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا شَيْبَ! قَاتِلِ الْكُفَّارَ»

''اے شیب! اب جاؤ اور کافروں سے لڑو۔''

میں آگے بڑھا اور کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ اللہ کی قسم! اب آپ ﷺ کا دفاع مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز تھا (حالانکہ تھوڑی دیر پہلے میں آپ کی جان لینے کے فاسد ارادے میں مبتلا تھا)۔ میں اپنی جان اور

مال سے آپ کا دفاع کرنے لگا۔ جنگ ختم ہوئی تو آپ واپس تشریف لے آئے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَرَادَ بِكَ خَيْرًا مِمَّا أَرَدْتَ»

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تیرے حق میں تیرے ارادے سے بہتر فیصلہ فرمایا۔''

پھر آپ نے مجھے میری ساری انتقامی منصوبہ بندی اور ناپاک کوشش کی داستان سنا دی۔[1]

نصرتِ الٰہی کا نزول

مسلمان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ تمام غزوات میں تمام تر دستیاب وسائل و اسباب اختیار کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے تھے اور خوب گڑگڑا کر نصرت و تائید کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ غزوۂ حنین میں بھی حتی المقدور اسباب جہاد جمع کرنے کے بعد آپ میدان جنگ پہنچے تھے۔

جب مسلمان لشکر تتر بتر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے التجا کی:

«اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ»

''اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تیرے ہی سامنے اپنا شکوہ پیش کر رہا ہوں اور تجھ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے (ہماری مدد فرما)۔''

اس پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی: آپ نے انھی کلمات کے ذریعے اپنے رب سے مدد کی التجا کی ہے جن کلمات کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت مدد کی درخواست کی تھی جب ان کے سامنے سمندر کی موجیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں تھیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی التجا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی اور فرشتے مومنوں کی مدد کے لیے اتر آئے۔ آیئے فرشتوں کے نزول کی کیفیت سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی زبانی سنتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: جب اسلامی لشکر اور ہوازنی جنگجو آمنے سامنے ہوئے تو ہم نے دشمن کا اتنا بڑا لشکر کبھی نہ دیکھا تھا۔ انھوں نے اپنے لشکر کی تعداد کو کئی گنا بڑھا کر دکھانے کے لیے اور مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لیے اپنی خواتین کو بھی اونٹوں پر سوار کر رکھا تھا۔ (پھر جب نصرت الٰہی کا نزول ہوا تو) آسمان سے سیاہ رنگ کی ایک چادر سی

---

1 المغازی للواقدی 2/319، 320، البدایة والنهایة 4/331، 332 2 المغازی للواقدی 2/313

نازل ہوئی۔ وہ چادر دونوں لشکروں پر چھائی اور دور افق تک پھیل گئی۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ وادی حنین سیاہ چیونٹیوں سے بھر گئی ہے۔ وہ ہمارے کپڑوں پر بھی گر رہی تھیں اور زمین پر بھی رینگ رہی تھیں۔ ہم ان سے چھٹکارے کے لیے کپڑے جھاڑ رہے تھے۔

سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یقین تھا کہ یہ مدد الٰہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اس روز فرشتے سرخ عمامے پہنے ہوئے تھے اور ان کا رعب دشمنوں کے جگر پاش پاش کر رہا تھا۔

یزید بن عامر السوائی جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، وہ بھی اس دن میدان کارزار میں موجود تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جس طرح تھالی پر کنکری ماریں تو ٹن کی آواز آتی ہے، اسی طرح فرشتوں کے رعب سے ہمارے دل یوں دھڑک رہے تھے کہ ان دھڑکنوں سے ٹن ٹن کی آواز آ رہی تھی۔

مالک بن اوس بن حدثان بیان کرتے ہیں کہ میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف مٹھی بھر کر کنکریاں پھینکیں جن سے ہر شخص کی آنکھ میں ذرے آ پڑے اور وہ بری طرح متاثر ہوا۔ (فرشتوں کا رعب اس قدر تھا کہ) ہمارے دلوں کی دھڑکن ہی بے قابو ہو گئی۔ ہماری دھڑکنوں سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کسی تھال پر زور سے کنکری ماریں تو ٹن کی آواز آتی ہے۔ نہ یہ خوفناک آواز تھمتی تھی، نہ ہمارے دلوں کی دھڑکن رکتی تھی۔ اس روز ہم نے سرخ و سفید لوگ دیکھے، وہ چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ انھوں نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے جن کے شملے کمر تک لٹک رہے تھے۔ یہ آسمان سے جوق در جوق اتر رہے تھے۔ ان کے رعب کی وجہ سے ہم مقابلے کے قابل ہی نہ رہے۔[1]

1 [illegible] 2/316، 317، [illegible] 4/91، دلائل [illegible] 5/144



وادی حنین کا ایک خوبصورت منظر

اسلام دینِ رحمت ہے

اسلام اپنی ابدی تعلیمات، اعلیٰ اخلاقیات، فطرت کے عین مطابق عبادات، شاندار عقائد، خوبصورت سماجی قوانین اور عدل و انصاف کے ساتھ ساتھ رحمت و شفقت کی تعلیمات کی وجہ سے دیگر مذاہب و ادیان سے بہت اونچا اور ممتاز نظر آتا ہے۔ دورِ حاضر کے مذاہب کی تعلیمات کا موازنہ اسلامی تعلیمات سے کیا جائے تو اسلامی تعلیمات کی برتری روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا، اسلام ہر حال میں انسانی ہمدردی اور رحمت و شفقت کا علمبردار ہے۔ جنگوں کے دوران اقوامِ عالم حریف کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو نہایت سفاکی سے کچل دیتی ہیں بلکہ جنگ سے لاتعلق رہنے والے اور روز مرہ کے معمولات میں مشغول بے گناہ اور نہتے لوگوں کا خون بہا کر جشن منانے والے وحشی فوجیوں کی بھی کبھی کمی نہیں رہی۔ آج شادی کی تقریبات کو بموں سے اڑا کر خوش ہونے والے لشکر بھی موجود ہیں۔ گھروں میں مقیم بچوں اور خواتین کو فاسفورس بموں سے پیوند خاک کر دینے والے سورما بھی جا بجا دندناتے پھرتے ہیں مگر بہیمیت اور دہشت گردی کی ان کارروائیوں کے برعکس اسلام امن اور رحمت کی کیسی شاندار تعلیمات دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال جنگ حنین میں نمایاں ہو کر سامنے آئی۔ آئیے اس واقعے کی روداد ملاحظہ فرمائیں۔

جنگ حنین میں افراتفری کے بعد مسلمان رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوبارہ جمع ہوئے تو آپ نے انھیں مل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اب مسلمانوں نے زبردست شجاعت کا مظاہرہ کیا، سامنے آنے والے کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں، پھر مجاہدین اسلام دشمن کے لشکر کے عقب میں پہنچ گئے۔ مکار دشمن نے اپنی تعداد کو کئی گنا زیادہ دکھانے کے لیے بچوں اور عورتوں کو بھی اونٹوں پر سوار کر کے صف بندی کرا دی تھی۔ مسلمان ان تک پہنچے تو جنگ کی گرما گرمی میں چند بچے بھی ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسلامی لشکر کے کمانڈر انچیف، رحمت عالم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کو بے حد صدمہ ہوا، آپ ﷺ نے سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ ذَهَبَ بِهِمُ الْقَتْلُ حَتّٰى بَلَغَ الذُّرِّيَّةَ، أَلَا لَا تَقْتُلُوا الذُّرِّيَّةَ» ثَلَاثًا

''بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ دشمن کو قتل کرتے کرتے ان کے بچوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ خبردار! بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے۔'' آپ نے تین بار یہ ممانعت فرمائی۔

آپ کی سخت سرزنش سن کر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ بچے مشرکوں

کی اولاد نہیں؟ اس لیے مشرکوں کے بچوں کو قتل کرنے میں کیا حرج ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ جواب مرحمت فرمایا:

«أَلَیْسَ خِیَارُکُمْ أَوْلَادَ الْمُشْرِکِینَ؟ کُلُّ نَسَمَةٍ تُولَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ حَتّٰی یُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا فَأَبَوَاهَا یُهَوِّدَانِهَا أَوْ یُنَصِّرَانِهَا»

''کیا تم میں سے بہترین لوگ مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں؟ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے حتی کہ (بالغ ہونے کے بعد) وہ اپنی زبان سے اپنے عقیدے کا اظہار کردے۔ (بچپن میں) اس کے والدین ہی اسے یہودی یا عیسائی بناتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو گھڑ سوار دستے کا قائد بنا کر بنوسلیم کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں ایک عورت قتل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ میں لوگوں کا جمگھٹا دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو قتل کر دیا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہیں۔ آپ نے فوراً ایک مجاہد کو بھیجا کہ خالد کو یہ پیغام دو:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ یَنْهَاكَ أَنْ تَقْتُلَ وَلِیدًا أَوِ امْرَأَةً أَوْ عَسِیفًا.

''اللہ کے رسول ﷺ تمھیں بچوں، عورتوں اور بیگاریوں کو قتل کرنے سے منع کر رہے ہیں۔''

اسی دوران آپ نے ایک اور عورت کی لاش دیکھی تو شدید رنج والم کا اظہار فرمایا اور اس عورت کے بارے میں تفصیل پوچھی تو ایک مجاہد نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اسے گرفتار کرنے کے بعد اپنے پیچھے سوار کرکے لے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ جوابی کارروائی پر یہ میرے ہاتھوں قتل ہوگئی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس مقتولہ کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ مجاہدین اسلام نے اسے دفن کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو احترام انسانیت اور بچوں، بوڑھوں اور خواتین کے حقوق کی حفاظت کا درس دیا ہے۔ آپ ﷺ کی یہ تعلیمات تاقیامت تابندہ رہیں گی اور ان قوانین کی خلاف ورزی ہمیشہ سنگین جرم قرار پائے گی۔

ہوازنی لشکر کی بدترین شکست اور مالک بن عوف کا فرار

رسول اللہ ﷺ کا صبر و ثبات بے مثال تھا۔ آپ ﷺ کی پکار سن کر سرفروش صحابہ رضی اللہ عنہم والہانہ انداز میں پلٹ

---

1 المعجم الکبیر للطبرانی 316/2، مزید دیکھیے: مسند أحمد 435/3۔ 2 المعجم الکبیر للطبرانی 322/2، تفسیر ابن کثیر 100/4

آ گئے تھے، پھر آپ کے حکم پر دشمن پر جھپٹ پڑے۔ وہی دشمن جو چند لمحے پہلے یقینی فتح حاصل کرتا دکھائی دیتا تھا، اب خشک پتوں کی طرح ادھر ادھر بکھرنے لگا۔ مسلمان چوٹ کھائے ہوئے شیروں کی طرح چاروں طرف سے لپک لپک کر آ رہے تھے اور مشرکوں کو خاک و خون میں نہلا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اللہ کے ان شیروں کا مشغلہ ہی یہ ہے۔

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا　　　　لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

اللہ کے یہ شیر جدھر جاتے تھے، مشرکوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ اب دشمن دم دبا کر بھاگ رہا تھا۔ پہاڑی دروں اور خفیہ نشیبی راستوں سے فرار ہونے والوں کا گویا مقابلہ ہو رہا تھا کہ کون پہلے بھاگتا ہے۔ وہ دشمن جو اپنی عددی کثرت، جنگی مہارت اور بلا کا اعتماد لے کر میدان جنگ میں اترا تھا، اب وہ بیوی بچوں کو لاوارث چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر چھپتا پھر رہا تھا۔ تجربہ کار جنگی لیڈر درید بن صمہ کا مشورہ نہ مان کر نوجوان ہوازنی کمانڈر نے جو مہلک فیصلہ کیا تھا، اب اس کے ہولناک نتائج اس کی پوری قوم بھگت رہی تھی۔ درید کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ ہوازن کا سارا مال و متاع اور اہل و عیال مسلمانوں کے لیے غنیمت بن گئے۔

اس موقع پر ایک مسلمان خاتون نے کہا:

قَدْ غَلَبَتْ خَيْلُ اللّٰهِ خَيْلَ اللَّاتِ　　　　وَاللّٰهُ　　أَحَقُّ　　بِالثَّبَاتِ

''اللہ کے گھوڑے لات کے گھوڑوں پر غالب آ گئے اور اللہ (کے لشکر) ثابت قدمی کے زیادہ حق دار ہیں۔''

ہوازنی قبائل میں سب سے زیادہ جانی نقصان قبیلہ ثقیف کو برداشت کرنا پڑا۔ ثقیف اپنے علمبردار قارب بن اسود کی قیادت میں جم کر لڑے لیکن جب مسلمانوں کے حملوں میں شدت آئی تو ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ ثقیف کی ذیلی شاخ بنو مالک کے جوان خوب دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ جب ان کا علمبردار قارب حوصلہ ہار گیا اور ایک درخت کے پاس جھنڈا پھینک کر خود بھاگ گیا تو اس کے پیچھے پیچھے اس کے چچازاد احلاف بھی بھاگ نکلے۔ ان کے فرار کی وجہ سے ان کے صرف دو آدمی مارے گئے۔ ایک وہب اور دوسرا الجلاح۔ جبکہ مجموعی طور پر ثقیف قبیلے کے تقریبا سو آدمی لقمۂ جنگ بنے۔ ان میں سے ستر افراد صرف بنو مالک سے تھے۔ بنو مالک بعد ازاں عثمان بن عبداللہ اور پھر ذو الخمار عوف بن ربیع کی قیادت میں لڑتے رہے مگر یہ دونوں شہسوار بھی یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

نبی کریم ﷺ کو الجلاح کی موت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُتِلَ الْيَوْمَ سَيِّدُ شَبَابِ ثَقِيفٍ»

''آج ثقیف قبیلے کے جوانوں کا سردار مارا گیا۔''

عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ کو عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کی موت پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ، وَأَبْعَدَ اللّٰهُ عُثْمَانَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبِيعَةَ، فَإِنَّهُ كَانَ يُبْغِضُ قُرَيْشًا»

''اللہ تعالیٰ عبداللہ بن ابی امیہ پر رحم فرمائے اور عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ کو (اپنی رحمت سے) دور کرے کیونکہ یہ شخص قریش سے بغض رکھتا تھا۔''

بنو مالک کے علاوہ بنو رباب کو بھی شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ بنو رباب کے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم کی دردناک حالت پر ترس آگیا۔ انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول! (میرا قبیلہ) بنو رباب ہلاک ہو گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے دعا کی: «اللّٰهُمَّ اجْبُرْ مُصِيبَتَهُمْ» ''اے اللہ! ان کی مصیبت کی تلافی فرما۔''

نوجوان ہوازنی کمانڈر شدید بدحواسی کے عالم میں ایک پہاڑی پر کھڑا اپنی قوم کا عبرتناک حشر دیکھ رہا تھا۔ اس کے گھڑسوار بھی میدان جنگ سے بھاگ کر اس کے پاس آگئے تاکہ محفوظ راہ فرار اختیار کی جا سکے۔ ہوازنی کمانڈر کہنے لگا: ٹھہرو! پہلے کمزوروں کو آگے نکلنے دو، اتنی دیر میں پیچھے رہ جانے والے بھی آملیں گے۔ پھر ہم نکل جائیں گے۔ پھر کہنے لگا: ذرا میدان کارزار پر نظر دوڑاؤ! کیا تمھیں دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لشکری مسلمانوں کے حملے کا



بستی العاصد (تہامہ) کی نئی اور پرانی عمارات

جواب دے رہے ہیں؟ ایک ہوازنی نے کہا: جناب! ایک قوم نیزے گھوڑوں پر رکھ کر بھاگم بھاگ واپس آتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ کمانڈر بولا: ارے یہ تو تمھارے بھائی بنوسلیم والے ہیں۔ ان سے تمھیں کچھ خطرہ نہیں۔ دوبارہ دیکھ کر بتاؤ کہ تمھیں اور کون دکھائی دے رہا ہے؟ انھوں نے پھر دیکھا اور بتایا: جنگ کے آخری دستے آخری گھوڑوں پر سوار چلے آرہے ہیں۔ ہوازنی کمانڈر نے کہا: یہ خزرج والے ہیں۔ ان سے بھی تمھیں کوئی خطرہ نہیں۔

کمانڈر نے کہا: ایک بار پھر دیکھو، کوئی اور لشکر تو نہیں آرہا؟ انھوں نے میدان جنگ پر نظر دوڑائی اور عرض کی: ایسے لوگ آرہے ہیں گویا گھوڑوں پر بت بنے بیٹھے ہیں۔ کمانڈر بولا: یہ کعب بن لؤی کے لوگ ہیں، یہ تمھیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ پھر جب وہ گھڑ سوار دستہ قریب آیا تو ہوازنی کمانڈر اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور درختوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا دُور بھاگ گیا۔

علامہ واقدی مزید لکھتے ہیں کہ ہوازنی کمانڈر نے چوتھی بار اپنی فوج سے پوچھا: کیا تمھیں کوئی اور آتا دکھائی دیتا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ایک شخص دو آدمیوں کے درمیان تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس نے زرد پگڑی باندھی ہوئی ہے اور کندھے پر نیزہ رکھا ہوا ہے۔ ہوازنی کمانڈر کہنے لگا: یہ صفیہ کا بیٹا زبیر ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تمھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

ادھر جونہی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس جتھے کو دیکھا تو وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے حتی کہ ان سے گھاٹی خالی کرالی اور یہ لوگ جانیں بچانے کے لیے آنا فانا بھاگ نکلے۔ مالک بن عوف تو سر پر پاؤں رکھ کر ایسا بھاگا کہ کسی کے ہاتھ نہ لگا۔ وہ ثقیف کے قلعے یا طائف کے نواح میں لیہ محل میں چھپ گیا۔[1]

تجربہ کار مشرک جرنیل درید بن صمہ کا انجام

ہوازنی لشکر کو تاریخی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسی شرمناک شکست انھیں کبھی نہ ہوئی تھی۔ بیس ہزار مسلح جنگجو اپنے بیوی بچے، مال و متاع اور اپنے پیاروں کی لاشیں حنین کے دامن میں لاوارث چھوڑ کر الٹے پاؤں بھاگ گئے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، اسی طرف بھاگ نکلا۔ کچھ طائف کے قلعوں میں چھپ گئے۔ کچھ وادی اوطاس میں جان کی امان ڈھونڈنے گئے۔ کچھ نخلہ کی طرف بھاگے، کچھ ثنایا (گھاٹیوں) کی طرف رواں دواں تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان شکست خوردہ لشکروں کے تعاقب میں مجاہدین کے دستے روانہ کیے۔ اسی تعاقب میں سیدنا ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ کو جن کا تعلق بنوسلیم سے تھا، ایک اونٹ ملا۔ اس پر ڈولی رکھی ہوئی تھی اور ڈولی میں ایک

1 المغازي للواقدي 321/2، 325، [illegible] 92/4، 93، 98، 99

شخص سوار تھا۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی عورت ہے۔ اس لیے وہ اس اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیے۔ جب اونٹ کو بٹھایا گیا تو اس ڈولی میں سوار ایک بوڑھا شخص برآمد ہوا۔ اس کا نام درید بن صمہ تھا۔

درید بن صمہ جشم قبیلے کا مشہور شاعر اور بہادر جنگجو تھا۔ اس وقت اس کی عمر ایک سو ساٹھ برس تھی۔ عمر رسیدہ جنگجو اب تیر و تلوار کی مہارت دکھانے سے قاصر تھا مگر اس کے تجربات اور صائب مشوروں سے مستفید ہونا ممکن تھا۔ اسی لیے اس کی قوم اسے ڈولی میں بٹھا کر میدان جنگ میں لے آئی تھی۔ جنگ سے پہلے اس نے نوجوان کمانڈر مالک بن عوف کو نہایت مفید مشورہ دیا تھا مگر بدقسمتی ہوازن کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی، اس لیے ہوازنی کمانڈر نے اس کے مشورے کو رد کر دیا اور اپنی قوم کے جذبات مشتعل کر کے اپنی رائے منوالی۔ اب جنگ کے مہلک نتائج نے عمر رسیدہ تجربہ کار درید بن صمہ کے مشوروں کی اصابت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور ہوازنی نوجوان کمانڈر کا جوش و جذبہ اور بیس ہزار کا لشکر جرار اپنی قوم کو تاریخ کی بدترین ذلت و رسوائی سے نہ بچا سکا۔ جب ہوازنی لشکر میدان سے بھاگا تو اس نے اپنے بوڑھے جرنیل کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا، وہ اسے اس کے حال پر تنہا چھوڑ گیا۔ اس کا اونٹ اسے لے کر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ادھر ادھر پھرتا رہا۔ سیدنا ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ اسے نہیں جانتے تھے۔ وہ تو اسے مال غنیمت سمجھ کر لے جا رہے تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ یہ بڈھا مسلمانوں کے کسی کام کا نہیں تو اس کا کام تمام کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دوران بوڑھے جرنیل نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں ربیعہ بن رفیع السلمی ہوں۔ درید نے کہا: تم میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ سیدنا ربیعہ نے کہا کہ میں تمھیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا

حنین کا میدان



ہوں۔ پھر معاً تلوار سے ایک وار کیا مگر درید کو اس وار سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر جرأت مند بوڑھا بولا: تمھاری والدہ نے تمھیں بڑی ناکارہ تلوار دی ہے۔ جاؤ ڈولی میں میری تلوار رکھی ہے، وہ تلوار نکال لاؤ اور اس سے وار کرو۔ لیکن وار میری گردن پر کرنا کیونکہ میں اپنے دشمنوں کو اسی طرح ٹھکانے لگاتا تھا۔ پھر جب گھر پہنچو تو اپنی والدہ کو بتانا کہ تم نے درید بن صمہ کو قتل کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے تمھارے خاندان کی بہت سی عورتوں کی جان بچائی تھی۔ سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ایک بھرپور وار سے اسے ہلاک کر دیا۔ جب اس کی لاش زمین پر گری تو اس کا ستر کھل گیا۔ اس کی رانیں گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر مسلسل سواری کرتے رہنے کی وجہ سے تختہ بن چکی تھیں۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ شخص ساری زندگی میدان جنگ کا شاہ سوار رہا ہے۔

جب سیدنا ربیعہ نے یہ واقعہ اپنی والدہ کو سنایا تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے تمھاری ماؤں (بنوسلیم کی خواتین) کو ایک ہی دن میں تین بار آزاد کرایا تھا۔ یہی شخص تھا جس نے تمھارے والد کو بھی بچایا تھا۔ سیدنا ربیعہ نے کہا: مادر مہربان! مجھے اس کے ان احسانات کا علم نہیں تھا۔ والدہ بولیں: بیٹے! جب اس نے تمھیں اپنا احسان جتایا تھا تو تم نے اسے احسان کرتے ہوئے کیوں نہ چھوڑ دیا؟ سیدنا ربیعہ نے عرض کی: امی جان! بھلا اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے سامنے اس کے احسانات کی کیا حیثیت تھی؟ میں نے اسے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے قتل کیا ہے۔

درید بن صمہ کی بیٹی عمرہ نے اپنے والد کے قتل پر اس کی شان اور مقام و مرتبے کے متعلق کچھ اشعار کہے تھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ درید ہوازن کا نہایت بلند مرتبہ سردار تھا۔ اس کی بیٹی کہتی ہے:

قَالُوا قَتَلْنَا دُرَيْدًا قُلْتُ صَدَقُوا ... فَظَلَّ دَمْعِي عَلَى السِّرْبَالِ يَنْحَدِرُ

لَوْلَا الَّذِي قَهَرَ الْأَقْوَامَ كُلَّهُمُ ... رَأَتْ سُلَيْمٌ وَكَعْبٌ كَيْفَ تَأْتَمِرُ

''بنوسلیم نے کہا: ہم نے درید کو قتل کیا ہے۔ میں نے کہا: وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہوگئی۔ آنسو میری قمیص سے نیچے گرتے چلے گئے۔

اگر وہ (درید) نہ ہوتا جس نے ساری اقوام کو زیر کرلیا تھا تو بنوسلیم اور بنوکعب کو اپنی اوقات معلوم ہو جاتی کہ وہ کیسے سردار بنتے ہیں (ان کی سرداری درید ہی کی مرہون منت ہے)۔''[1]

[1] المغازي للواقدي :2/324,323، السيرة لابن هشام :4/95-97.

سریۂ اوطاس

سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی شہادت

حنین کے میدان جنگ سے فرار ہونے والوں نے مختلف علاقوں میں پناہ لے لی۔ کچھ قلعہ بند ہو گئے اور بعض بھگوڑوں نے زبردست دفاعی پوزیشن لے لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بھگوڑوں کی خبر لینے اور انھیں سبق سکھانے کے لیے مجاہدین کے دستے روانہ کیے۔ وادی اوطاس میں بھی بھگوڑوں کی ایک فوج نے اہم مقامات پر دفاعی ٹھکانے بنا لیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ ان کی قیادت میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل صحابی بھی لڑنے گئے۔

جب یہ اسلامی لشکر اوطاس پہنچا تو ان کا سامنا بڑی زبردست تیاری کرنے والے ہوازنی لشکر سے ہوا۔ وہ لوگ جنگی لحاظ سے اہم جگہوں پر قابض تھے اور جنگ کے لیے خوب تیاری کیے بیٹھے تھے۔ ان کا ایک آدمی سامنے آیا اور اس نے مقابلے کے لیے للکارا تو سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ خود آگے بڑھے۔ اسے اسلام کی دعوت دی اور دعا کی: اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ''اے اللہ! تو گواہ رہ۔'' اس نے اسلام کی دعوت قبول نہ کی تو سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ نے چند ہی لمحوں میں اس کافر کا کام تمام کر دیا۔ اس کے انجام بد کو دیکھتے ہوئے اس کے بھائی نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو دعوت مبارزت دے ڈالی۔ انھوں نے اسے بھی واصل جہنم کر دیا۔ دوسرے بھائی کی لاش گرتی دیکھ کر تیسرا میدان میں کود پڑا۔ ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی خاک و خون میں نہلا دیا۔ یہ کل دس بھائی تھے جن میں سے نو یکے بعد دیگرے سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کی شمشیر جوہر دار کی خوراک بن گئے۔ جب دسواں اور آخری بھائی زرد پگڑی باندھے میدان میں اترا تو سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی: اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ''اے اللہ! گواہ رہنا۔''

یہ سن کر اس کافر نے بھی التجا کی: اللّٰهُمَّ لَا تَشْهَدْ عَلَيَّ ''اے اللہ! میرے خلاف گواہ نہ بن۔''

سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ التجا سن کر اپنا ہاتھ روک لیا، وہ مشرک بھاگ نکلا۔ بعد ازاں مسلمان ہو گیا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی اسے دیکھتے تو فرماتے

«هٰذَا شَرِيدُ أَبِي عَامِرٍ»

”یہ ابو عامر کے ہاتھ سے بچ نکلنے والا (خوش نصیب) ہے۔“

پھر عام لڑائی شروع ہوئی جس میں سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایک تیر لگا۔ وہ شدید زخمی ہو گئے۔ انھیں یہ تیر کس نے مارا؟ اس بارے میں علامہ ابن ہشام نے دو روایات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ پر دو بھائیوں العلاء اور اوفی بن حارث نے حملہ کیا۔ ایک نے ان کے دل میں تیر پیوست کر دیا اور دوسرے نے ان کے گھٹنے میں تیر مارا۔ انھی زخموں کی تاب نہ لا کر وہ جام شہادت نوش فرما گئے۔

موصوف دوسری جگہ رقمطراز ہیں کہ سلمہ بن درید نے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو تیر مارا۔ جب اس کا تیر آپ کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا تو اس نے یہ شعر پڑھے:

إِنْ تَسْأَلُوا عَنِّي فَإِنِّي سَلَمَهْ ... ابْنُ سَمَادِيرَ لِمَنْ تَوَسَّمَهْ

أَضْرِبُ بِالسَّيْفِ رُءُوسَ الْمُسْلِمَهْ

”اگر تم میرے بارے میں پوچھتے ہو تو میں بتائے دیتا ہوں کہ میں سلمہ بن سمادیر ہوں۔ جو مجھے جاننا چاہے جان لے۔ میں تلوار کے وار سے مسلمانوں کی گردنیں اڑاتا ہوں۔“[1]

بہر حال یہ قاتل اتنا بہادر بھی نہیں تھا جس قدر یہ اپنے شعروں میں شیخی مار رہا ہے، نہ اسے اتنی مہلت ملی کہ وہ اپنا یہ کارنامہ لوگوں کو سناتا پھرے۔ آیئے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے جام شہادت نوش کرنے اور اس کافر کے انجام بد کی روداد صحیحین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جب نبی ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر ایک لشکر کے ساتھ اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہاں پہنچے، درید بن صمہ (کے لشکر) سے نبرد آزما ہوئے۔ درید مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھیوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے بھی ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایک جشمی آدمی نے تیر مارا جو گھٹنے ہی میں پیوست ہو کر رہ گیا۔ میں سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ انھوں نے ابو موسیٰ اشعری کو اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے میرا قاتل کھڑا ہے۔ اسی نے مجھے تیر مارا ہے۔ میں دوڑ کر اس کے پاس جا پہنچا مگر جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگ نکلا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے اس سے کہا: تجھے شرم

1 السيرة لابن هشام: 97/4 و100,99، المغازي للواقدي: 324/2.

نہیں آتی، اب ٹھہرتا کیوں نہیں؟؟ آخر کار وہ رک گیا۔ پھر میرے اور اس کے مابین تلوار کے دو وار ہوئے۔ بالآخر میں نے اسے مار ڈالا۔ پھر واپس آکر میں نے ابو عامر ؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اب یہ تیر نکالو۔ میں نے تیر نکالا تو زخم سے پانی بہنے لگا۔ انھوں نے فرمایا: بھتیجے! نبی ﷺ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنا اور درخواست کرنا کہ میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ پھر ابو عامر ؓ نے مجھے اپنی جگہ لوگوں کا سپہ سالار مقرر کیا، تھوڑی دیر بعد وہ انتقال کر گئے۔ میں واپس آیا۔ نبی ﷺ کے گھر حاضر ہوا۔ اذن باریابی کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ بان سے بنی ہوئی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ہلکا سا بستر ہے۔ چارپائی کے بان کے نشانات آپ کے پہلو اور پشت پر نمایاں تھے۔ میں نے آپ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سیدنا ابو عامر ؓ کی شہادت کا واقعہ بھی گوش گزار کیا اور ان کی طرف سے دعائے مغفرت کی درخواست بھی پیش کی۔ آپ نے پانی منگوایا، وضو کیا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ»

''اے اللہ! عبید، یعنی ابو عامر ؓ کو بخش دے۔''

اس وقت میں آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے پھر عرض کیا:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ»

''اے اللہ! اسے قیامت کے دن انسانوں میں سے اکثر پر برتری عطا فرما۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے لیے بھی مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کی:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ، وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا»

''اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ بخش دے اور روز قیامت اسے بھی عزت کی جگہ داخل فرما۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی ہمشیر شیماء کا اعزاز و اکرام

حنین کے مفرور دشمنوں کا تعاقب کرنے والے گھڑ سوار دستے کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا:

«إِنْ قَدَرْتُمْ عَلَى بِجَادٍ فَلَا يُفْلِتَنَّ مِنْكُمْ»

''اگر تم بجاد کو گرفتار کر سکو تو ضرور گرفتار کرو، وہ تمھارے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔''

[1] صحيح البخاري: 4323.

بجاد بنو سعد کا ایک شخص تھا، اس نے ایک مسلمان کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی گرفتاری کا خصوصی حکم جاری فرمایا۔ مسلمانوں نے بجاد اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کرلیا۔ ان قیدیوں کو لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان میں شیماء بھی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس حقیقت سے لاعلم تھے۔ اس لیے انھوں نے قیدیوں کو سختی کے ساتھ چلایا تو شیماء بول اٹھیں: اللہ کی قسم! میں تمھارے رسول کی رضاعی بہن ہوں۔ مگر انھیں قید کرنے والے انصاری صحابہ کو یقین نہ آیا۔ یہ انصاری ہوازن کی جنگ میں سب سے زیادہ جری اور ثابت قدم رہے تھے۔

جب یہ قیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیے گئے تو شیماء نے عرض کی: اے محمد! میں آپ کی بہن ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا:

«وَمَا عَلَامَةُ ذٰلِكَ؟»

”اس کا ثبوت کیا ہے؟“

اس پر شیماء نے وضاحت کی: اس کا ثبوت میری کمر پر وہ نشان ہے جو آپ کے دانت لگ جانے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا، آپ نے لاڈ پیار کیا۔ اس طرح آپ کے دانت میری کمر پر لگ گئے۔ ان دنوں ہم وادی سرر میں رہتے تھے۔ میرے والد آپ کے والد اور میری والدہ آپ کی رضاعی والدہ تھیں، ہم دودھ شریک بہن بھائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دودھ شریک بہن کو پہچان گئے۔ آپ فوراً اٹھے، اپنی چادر مبارک بچھائی اور بہن کو خوش آمدید کہا، انھیں بڑے احترام اور محبت سے بٹھایا۔ پھر رضاعی والدین کا حال دریافت فرمایا۔ بہن نے بتایا کہ انھیں تو فوت ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ آبدیدہ ہوگئے۔ پھر آپ نے اپنی بہن سے کہا:

«إِنْ أَحْبَبْتِ فَأَقِيمِي عِنْدِي مُحَبَّبَةً مُكَرَّمَةً، وَإِنْ أَحْبَبْتِ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى قَوْمِكِ وَصَلْتُكِ، رَجَعْتِ إِلَى قَوْمِكِ»

”اگر تم پسند کرو تو ہمارے پاس بڑی محبت اور اعزاز واکرام سے رہو۔ اور اگر اپنے عزیز واقارب اور قوم کے پاس واپس جانا چاہو تو ان کے پاس بخوشی جاسکتی ہو۔“

شیماء نے عرض کی: میں اپنی قوم میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ پھر وہ مسلمان ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہن کو تین غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی۔ ایک غلام کا نام مکحول تھا۔ اس کی شادی اسی لونڈی سے کردی گئی۔ ان کی نسل بنو سعد میں خوب پھلی پھولی۔

سیدہ شیماء رضی اللہ عنہا اپنے قبیلے میں واپس پہنچیں تو اہل قبیلہ کو شیماء رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت کا پتہ چلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہن کو جس عزت و احترام سے نوازا، اس سے ان کی اپنے قبیلے میں بڑی عزت افزائی ہوئی۔ قبیلے والوں نے شیماء رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبے سے فائدہ اٹھانے کا پروگرام بنایا۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں بجاد کی جان بخشی کے لیے سفارش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ سیدہ شیماء دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور بجاد کی سفارش کی۔ کہنے لگیں: اللہ کے رسول! بجاد مجھے ہبہ کر دیں اور اس کی غلطی سے درگزر فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہن کی سفارش پر بجاد کو رہا کر دیا اور بہن کو ایک یا دو اونٹ عطا فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہن سے ان کے بقیہ خاندان کا حال احوال بھی دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ان کی ایک بہن، بھائی اور چچا موجود ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

الْحَقِي بِالْجِعْرَانَةِ تَكُونِينَ مَعَ قَوْمِكِ، فَإِنِّي أَمْضِي إِلَى الطَّائِفِ

''تم اپنی قوم (بنو سعد) کے ساتھ جعرانہ چلی جاؤ کیونکہ میں طائف جا رہا ہوں۔''

پھر جب آپ نے طائف سے واپسی پر جعرانہ میں غنیمتیں تقسیم کیں تو آپ نے اپنی بہن کو بھی اونٹوں اور بکریوں



مسجد جعرانہ کا ایک منظر

سے نوازا اور ان کے بقیہ خاندان کے افراد کو بھی خصوصی تحائف دے کر رخصت فرمایا۔[1]

ہوازنی لشکر کے شدید نقصانات

جنگ حنین میں ہوازنی لشکر کو زبردست نقصانات اٹھانے پڑے۔ اسلامی لشکر کے آگے بھاگتے ہوئے سینکڑوں ہوازنی جنگجو مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ مگر ان سب کی تفصیلات تاریخی مصادر میں موجود نہیں۔ البتہ جن مشاہیر کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

1 درید بن صمہ۔ بنوجشم کا سردار اور مشہور شاعر

2 عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ۔ حنین میں ہوازن کا علمبردار

3 الجلاح یا الجلاج

4 ذوالخمار سبیع بن حارث بن مالک۔ بنو مالک کا پرچم بردار

5 ذیب

6 عیسائی غلام

بیس ہزار کے ہوازنی لشکر نے اپنے تجربہ کار ماہر حرب درید بن صمہ کا مشورہ نہ مان کر اور اپنے جذباتی کمانڈر کی باتوں میں آکر جو خمیازہ بھگتا، اس کی تفصیلات تاریخ نے محفوظ کر لی ہیں۔ چونکہ ہوازنی لشکر اپنے تمام کنبوں، خاندانوں اور مال مویشی کو بھی میدان جنگ میں کھینچ لایا تھا، اس وجہ سے درج ذیل کثیر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا:

غلام اور لونڈیاں: 6 ہزار

اونٹ: 24 ہزار

بکریاں: 40 ہزار سے زائد

چاندی: 4 ہزار اوقیہ = 489880 گرام = 489 کلو 88 گرام = 12 من 247 گرام۔[2]

یہ تمام غنیمتیں جمع کر کے جعرانہ روانہ کر دی گئیں اور رسول اللہ ﷺ طائف روانہ ہو گئے۔ یہ مال غنیمت کس کے سپرد کیا گیا؟ انھیں تقسیم تک جعرانہ میں کس نے سنبھالا؟ اس بارے میں اصحاب مغازی اور مؤرخین کی متعدد آراء

1 المغازي للواقدي 2/322، 323، السيرة لابن هشام 4/100، 101 2 الطبقات لابن سعد 2/152، زاد المعاد 3/473، مرويات غزوة حنين: 1/209.

ہیں۔ ان میں سے دو قابلِ ذکر ہیں:

1 سیدنا مسعود بن عمرو القاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ میں اموالِ غنیمت کا نگہبان مقرر کیا تھا۔

2 نبی کریم ﷺ نے اموالِ غنیمت کی حفاظت پر سیدنا بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا اور انھیں حکم دیا تھا کہ آپ کی واپسی تک یہ اموال جعرانہ میں محفوظ رکھیں۔ سیدنا بدیل نے یہ ذمہ داری بطریق احسن نبھائی۔

مالِ غنیمت کی کثرت اور مختلف انواع پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ امکان بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں اصحاب کو یہ ذمہ داری سونپی ہو اور ہر ایک پر مختلف اموال کی حفاظت کا فریضہ عائد فرمایا ہو۔[1] واللہ اعلم

غزوۂ حنین کے شہدائے کرام

غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم کامیابی سے سرفراز کیا۔ اس شاندار کامیابی کے لیے مسلمانوں نے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ جہاں بے شمار کافر مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی اور قتل ہوئے، وہاں مسلمانوں کو بھی زخم لگے اور چند صحابہ کو شہادت بھی نصیب ہوئی۔ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شدید زخمی ہوئے، ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

1 سیدنا عبدالرحمان بن ازہر بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ختم ہوئی تو مسلمان اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ اپنے گھڑ سوار دستے کے قائد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہے تھے اور دریافت فرما رہے تھے:

«مَنْ یَدُلُّ عَلٰی رَحْلِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیدِ؟»

1 الإصابة :1/409، أسد الغابة :4/122,121، مرويات غزوة حنين :1/214-216.

شہدائے غزوۂ حنین



"خالد بن ولید کے ٹھکانے کا کسے پتہ ہے؟"

لہٰذا میں آپ کے آگے آگے یہی آواز لگاتے لگاتے بھاگنے لگا کہ خالد بن ولید کا ٹھکانا کسے معلوم ہے؟ حتی کہ ہم انھیں تلاش کرتے کرتے ان تک پہنچ گئے۔ وہ شدید زخمی تھے اور اپنے اونٹ کے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگا کر نڈھال بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے زخم دیکھے، پھر ان پر اپنا لعاب دہن لگایا (تو وہ صحت یاب ہو گئے)۔[1]

2 سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین والے دن ہمارے ایک انصاری نوجوان نے کہا: یا کہ آج ہم اپنی تعداد کم ہونے کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے (کیونکہ آج ہماری فوجی طاقت بہت زیادہ ہے۔) لیکن پھر جونہی دشمن سے سامنا ہوا تو ہماری فوج کے ہراول دستے بھاگ نکلے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اور سیدنا ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی رکاب پکڑ رکھی تھی۔ ہم وادیٔ حنین کے گرد و غبار والے علاقے میں تھے۔ جب دونوں لشکر ٹکرائے تو اتنا غبار اڑا کہ ہاتھ پڑی چیز بھی جھائی نہ دیتی تھی۔ اس دوران ایک صاحب آئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«إِلَيْكَ مَنْ أَنْتَ؟»

"رکو! تم کون ہو؟"

انھوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، میں ابوبکر ہوں۔ انھیں نو جگہ میں زخم لگے تھے۔ پھر ایک اور صاحب آپ کی طرف بڑھے تو آپ نے انھیں بھی روکا اور پوچھا:

«إِلَيْكَ مَنْ أَنْتَ؟»

"ٹھہرو، تم کون ہو؟"

انھوں نے عرض کیا: میں عمر بن خطاب ہوں۔ میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ انھیں بھی نو جگہ میں زخم آئے تھے۔

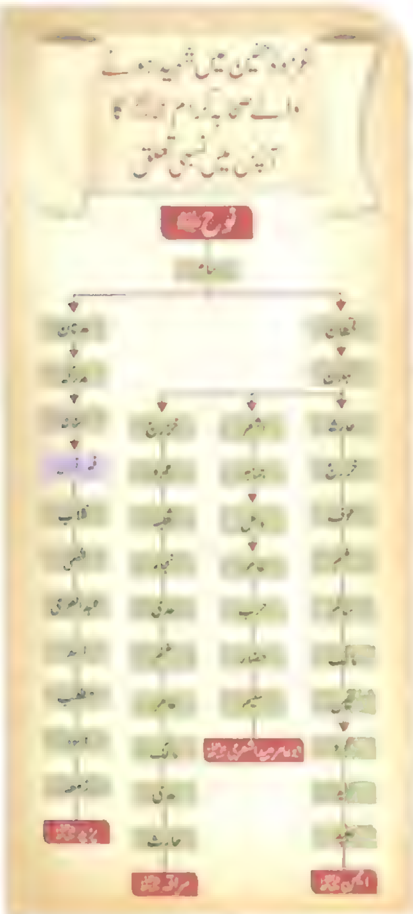
چند ہی لمحوں بعد ایک اور صاحب آپ کی طرف آئے تو آپ نے ان سے بھی رکنے کو کہا اور ان کی شناخت پوچھی تو انھوں نے عرض کیا: میں عثمان بن عفان ہوں، میرے والدین آپ پر قربان ہوں۔ انھیں بھی تیروں اور تلواروں کے تقریباً 20 زخم لگ چکے تھے۔ ان کے بعد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

[1] مسند أحمد: 88/4.

«إِلَيْكَ مَنْ أَنْتَ؟»

”رک جاؤ، تم کون ہو؟“

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں علی بن ابی طالب ہوں، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ان کے جسم پر بھی تقریباً بیس زخم تھے۔[1]



اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی قریبی فدائی اس روز شدید زخمی ہوئے مگر اس حالت میں بھی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ وہ آپ ﷺ کے چاروں طرف ڈٹ کر دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے۔ یوں کسی دشمن کو آپ تک پہنچنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ رضی اللہ عنہم

اس تاریخی معرکے میں جن خوش نصیبوں کو شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1. سیدنا ایمن بن عبید۔ ان کا تعلق بنو ہاشم سے ہے۔
2. یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد۔ یہ بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے ہیں۔
3. سراقہ بن حارث بن عدی انصاری۔ یہ بنو عجلان سے ہیں۔
4. ابو عامر اشعری۔ رضی اللہ عنہم

علامہ واقدی نے یزید بن زمعہ کو غزوۂ طائف کے شہداء میں شامل کیا ہے اور ان کی جگہ یہاں رُقیم بن ثابت بن ثعلبہ بن زید بن لوذان کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

غزوۂ حنین کے اسباق اور حکمتیں

غزوۂ حنین مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوا اور مسلمانوں کو بہت سے سبق، عبرتیں اور نصیحتیں دے گیا۔ اس غزوے

1 [illegible] 128/13، حدیث 6518. 2 [illegible] 101/4، [illegible] 328/2، 340، [illegible] 338/4.

میں بے شمار الٰہی حکمتیں بھی آشکارا ہوئیں۔ آیئے! ان اسباق، عبرتوں اور حکمتوں میں سے کچھ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

■ **عجز و انکسار، کامیابی کی کنجی ہے:** فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کا وہ جانی دشمن زیر ہو گیا جس نے گزشتہ دو دہائیوں سے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا اور مسلمانوں کو جانی، مالی اور سماجی نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اس مرکزی اور جانی دشمن کو زیر کرنے کے دن رسول اللہ ﷺ نہایت عاجزی اور انکسار سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے حتی کہ آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ اونٹ کے کوہان سے ٹکرا رہا تھا اور آپ ﷺ کی زبان مبارک اپنے رب کی حمد و ثنا کر رہی تھی۔

آپ کے اسوۂ حسنہ کے برعکس بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت خوش و خرم دکھائی دیتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں غلبہ عطا کیا ہے تو اس مرکزی دشمن کو اچھی طرح سبق سکھانا چاہیے اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیے۔

اپنے غلبے، طاقت اور کثرت تعداد کا یہی احساس غزوۂ حنین والے دن بھی اسلامی لشکر کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ابتدائی ہزیمت سے یہ سبق سکھایا کہ اسے فخر و غرور پسند نہیں۔ وہ عجز و انکسار والوں ہی پر اپنی مدد نازل فرماتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو یہ دائمی درس دے دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت شامل حال نہ ہو تو تمھاری کثرت اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے کسی کام نہیں آسکتی۔ لہٰذا جب ابتدائی ہزیمت کے ذریعے کثرت تعداد کا گھمنڈ توڑ دیا گیا اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکسار کے ساتھ خوب گڑگڑائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و رحمت نازل فرما دی۔ فرشتے ان کی مدد کے لیے فوج در فوج اتر آئے اور مسلمانوں کی ہزیمت شاندار فتح میں بدل گئی۔

■ **بے مثال عفو و کرم:** فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ پر بے مثال کرم و احسان فرمایا۔ ان کے اموال، مال غنیمت بنائے نہ ان کے بیوی بچوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا بلکہ سب کو عام معافی عطا کر کے عفو و درگزر کی عدیم النظیر روایت قائم کی۔

مدینہ منورہ سے روانہ ہونے والا عظیم لشکر مادی اسباب کا ضرورت مند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ ضرورت ہوازن کو مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کے لیے روانہ کر کے پوری فرما دی۔ جب ہوازن والے اپنے تمام اموال لے کر بیوی بچوں سمیت میدان جنگ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

"یہ (سارے اموال) کل مسلمانوں کی غنیمت ہوں گے، ان شاء اللہ۔"[1]

اگلے روز آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوگئی۔ یہ تمام اموال، بچے اور عورتیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ پھر ہوازن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کر دی تو وہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کی خوشی اور قدر شناسی کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورے کے بعد ان کے بیوی بچے انھیں واپس کر دیے۔ یقیناً توبہ کر کے اسلام کو دل میں بسا لینے والوں کی اللہ تعالیٰ اسی طرح عزت افزائی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

"اے نبی! جو قیدی تمھارے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[2]

■ **بدر و حنین:** مسلمانوں کا عربوں کے خلاف سفر جہاد غزوۂ بدر سے شروع ہوا تھا جو بالآخر غزوۂ حنین میں رفیع الشان فتح پر منتج ہوا۔ اسی لیے دونوں غزوات اکٹھے بیان کیے جاتے ہیں اور تحریر و تقریر میں بیک وقت "بدر و حنین" کہا جاتا ہے، حالانکہ ان دونوں غزووں کے مابین سات برس کا زمانی فاصلہ موجود ہے۔

ان دونوں غزوات میں کئی چیزیں مشترک ہیں، مثلاً:

1 بدر میں عربوں کی طاقت کو پہلی بار مسلمانوں نے للکارا اور اسے توڑ کر رکھ دیا، جبکہ غزوۂ حنین میں عربوں کی آخری اجتماعی طاقت کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ ان کے بعد عربوں میں مسلمانوں کا کوئی قابل ذکر دشمن باقی نہ رہا اور مسلمان اپنے زمانے کی روم و فارس جیسی سپر پاورز کو چیلنج کرنے لگے۔

2 دونوں غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے اترے۔

3 دونوں غزووں میں نبی کریم ﷺ نے کفار کے چہروں پر کنکریاں ماریں۔

■ **اہل مکہ پر مسلمانوں کے احسانات:** فتح مکہ کے روز عام معافی کا اعلان اہل مکہ کے لیے سب سے بڑی خوشخبری اور عظیم ترین احسان تھا، حالانکہ آج مسلمان اپنے بدترین دشمن سے گن گن کر بدلے لینے کے لیے تلے بیٹھے تھے۔ مگر

---

1 سنن أبي داود :2501. 2 المغازي للواقدي :308/2، زاد المعاد :478/3.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخلاق عالیہ سے فاتحین کو حلم و کرم کا سبق دے کر ایک نئی شان احترام انسانیت عطا کر دی۔ ضمناً غزوۂ حنین والے دن اہل مکہ پر ایک اور عظیم الشان احسان ہوا۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں نے ان کے زبردست دشمن کو شکست فاش دے کر ان کے خطرے کا ہمیشہ کے لیے سدِّ باب کر دیا۔ ورنہ اہل مکہ ہمیشہ ہوازن سے خوفزدہ رہتے تھے اور ان کے مقابلے کی سکت ہی نہ رکھتے تھے۔ اگر مکہ والوں سے ان کا مقابلہ ہو جاتا تو یقیناً ہوازن والے اہل مکہ کو چبا ڈالتے۔ اس لیے ہوازن کی شکست گویا اہل مکہ کی بہت بڑی کامیابی تھی جو انھیں مسلمانوں کے طفیل نصیب ہوئی۔[1]

■ اسلامی لشکر کی راہنمائی کے لیے دشمن کی جاسوسی کرنا ایک صحیح عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ دشمن کی نقل و حرکت اور قوت و استعداد کا اندازہ لگانے کے لیے اپنے جاسوس روانہ فرمایا کرتے تھے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر بھی آپ نے یہی جنگی حربہ استعمال کیا تھا۔

■ اگر اسلامی لشکر کے پاس مناسب قوت ہو تو مجاہدین کو دفاعی جنگ لڑنے کی بجائے خود پیش قدمی کرنی چاہیے اور جارحانہ اسلوب اختیار کر کے دشمن کو سبق سکھانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین اور تبوک کے موقع پر امت مسلمہ کو یہی سبق دیا ہے۔

■ کفار سے اسلحہ خریدنا اور بوقت ضرورت ادھار لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان سے زرہیں، ڈھالیں اور نیزے وغیرہ ادھار لیے تھے، حالانکہ صفوان اس وقت مشرک تھا۔

■ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کامل ترین توکل کی خوبی سے متصف تھے۔ اسی لیے وہ غزوۂ فتح مکہ اور حنین میں بھرپور تیاری کر کے شریک ہوئے۔ اس موقع پر آپ کے سر پر خود اور ہاتھ میں تلوار تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زرہیں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ وہ تلواروں، ڈھالوں، نیزوں اور تیر کمان سے پوری طرح مسلح تھے۔ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے یہ شعر غور سے پڑھیے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ضروری اسباب اختیار کرنے کے بعد انجام کار کی پروا نہ کرتے ہوئے صرف اللہ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کر کے اعمال انجام دیے جائیں۔

[1] زاد المعاد: 479/3.

■ ادھار لی ہوئی چیز بحفاظت واپس کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان سے زرہیں لیتے وقت فرمایا تھا: «بَلْ عَارِيَةً مَضْمُونَةً» ”(ہم تمھاری زرہیں چھین نہیں رہے) بلکہ ادھار لے رہے ہیں۔ یہ تمھیں واپس دے دی جائیں گی۔“[1]

■ دشمن پر غلبہ پانے کے لیے ان کے جانور ہلاک کرنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہوازن کے علمبردار کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں، البتہ بلا وجہ جانوروں کو اذیت دینا اور انھیں زخمی کرنا شریعت اسلامی میں سختی سے منع ہے۔

■ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ناپاک ارادے سے آنے والے شیبہ بن عثمان کو رحمت للعالمین ﷺ نے نہ صرف معاف فرما دیا بلکہ اس کے لیے دعائے خیر بھی کی، آپ ﷺ کے اس بے مثل لطف و کرم سے متاثر ہو کر وہ ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کا فدائی بن گیا۔ یہ آپ کے بالیدہ اخلاق اور درگزر کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

■ رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ بھی جنگ حنین میں رونما ہوا کہ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں دشمن کو ماریں تو بیس ہزار کا لشکر آنکھیں ملتا رہ گیا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں کنکریوں کے ذرے نہ گئے ہوں۔

■ مال غنیمت تقسیم ہونے تک کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اسلامی لشکر کا امیر دشمن کے اسلام لانے کی امید پر تقسیم کو مؤخر بھی کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کا مسلسل انتظار کیا۔ وہ مسلمان نہیں ہوئے تو آپ نے ان کے اموال اور بیوی بچے مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔ بعد میں جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کے بعد انھیں ان کے بیوی بچے واپس دلا دیے مگر اموال تقسیم ہو چکے تھے، اس لیے وہ انھیں واپس نہیں ملے۔

■ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کی رضامندی سے ہوازن کے بیوی بچے واپس کیے تھے۔ آپ نے اعلان کرایا تھا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! رُدُّوا عَلَيْهِمْ نِسَاءَهُمْ وَأَبْنَاءَهُمْ، فَمَنْ تَمَسَّكَ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ فَلَهُ سِتُّ فَرَائِضَ مِنْ أَوَّلِ شَيْءٍ يُفِيئُهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْنَا»

”اے لوگو! انھیں ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دو، البتہ جو شخص اس غنیمت سے اپنے حصے کو برقرار رکھنا چاہے تو اسے (اس حصے کے عوض) اس مال میں سے چھ اونٹ مل جائیں گے جو پہلے پہل اللہ عزوجل ہمیں عطا فرمائے گا (لیکن اب وہ اپنا حصہ چھوڑ دے)۔“[2]

■ مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں خصوصی انعامات سے نوازنا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

[1] السنن الكبرٰى للنسائي: 409/3. [2] سنن النسائي: 3718.

کو ہوازن کے مشہور جنگجو کو قتل کرنے پر اس کا اسلحہ بطور انعام عطا فرما دیا تھا۔[1]

اس روز سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس مشرکین کو واصل جہنم کیا اور ان سب کا اسلحہ اور سامان بطور انعام وصول کیا۔[2]

غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خصوصی انعام حاصل کیا۔ آیئے اس کی روداد انھی کی زبانی سنیے:

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حنین کی جنگ لڑی، اس دوران ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کھانا کھا رہے تھے کہ سرخ اونٹ پر ایک آدمی آیا، اس نے اونٹ کو بٹھایا، پھر اپنے پٹکے سے چمڑے کی ایک ڈوری نکالی، اس سے اونٹ کو باندھ دیا، پھر وہ ہم لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے آگے بڑھا اور ہمارا جائزہ لینے لگا، ہم لوگ کمزور تھے، ہماری سواریاں کم تھیں، ہم میں کچھ پیدل بھی تھے، اچانک وہ دوڑا، اپنے اونٹ کے پاس گیا، اس کی رسی کھولی، اسے بٹھایا، اس پر سوار ہوا اور اسے اٹھایا تو وہ (اونٹ) اسے لے کر بھاگ اٹھا۔ (یہ دیکھ کر) ایک آدمی خاکستری رنگ کی اونٹنی پر بیٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی دوڑتا ہوا نکلا، اور (پیچھا کرنے والے مسلمان کی) اونٹنی کے پچھلے حصے کے پاس پہنچ گیا، پھر میں آگے بڑھا یہاں تک کہ اونٹ کے پچھلے حصے کے پاس پہنچ گیا، پھر میں اور آگے بڑھا حتی کہ میں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اسے بٹھا دیا، جب اس نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا تو میں نے اپنی تلوار نکالی اور اس شخص کے سر پر وار کیا تو اس کا سر گردن سے الگ ہو گیا، پھر میں اونٹ کو نکیل سے چلاتا ہوا لے آیا، اس پر اس شخص کا پالان اور اسلحہ بھی موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سمیت میرا استقبال کیا اور پوچھا:

«مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ؟»

''اس آدمی کو کس نے قتل کیا؟''

لوگوں نے کہا: ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے فرمایا:

«لَهُ سَلَبُهُ أَجْمَعُ»

''اس کا چھینا ہوا سارا سامان اسی کا ہے۔''[3]

---

1 صحيح البخاري: 4321. 2 سنن أبي داود: 2718. 3 صحيح مسلم: 1754.

باب 4

سیرت انسائیکلوپیڈیا

غزوۂ طائف

اہل طائف کی بے بسی، قبول اسلام اور لات نامی بت کی تباہی
کا منظر، مسلمانوں میں حنین کی غنیمتوں کی فیاضانہ تقسیم
اور واقعہ ایلاء کا پس منظر اور پیش منظر



لَقَدْ جَآءَكُمْ

رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

''لوگو! بلاشبہ یقینا تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں گزرتا ہے، وہ تمھارے لیے بھلائی کا حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔''

(التوبۃ 9:128)

اس باب میں

اہل طائف اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ انھوں نے دعوت اسلام کے آغاز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک خون سے رنگین کر دیے اور فتح مکہ کے بعد بھی یہ لوگ آپ سے برسر پیکار رہے لیکن رحمت دو عالم ﷺ نے دونوں مواقع پر ان کی ہدایت کے لیے دعا کی جس کی برکت سے یہ سب مسلمان ہو گئے۔ اس مرحلے پر سیدالبشر ﷺ کا بے مثال گوہر فیاضی بھی پوری آب و تاب سے چمکا۔ آپ ﷺ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں تو نومسلموں کی حوصلہ افزائی کے لیے پچیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور کئی من سونا چاندی چشم زدن میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد جب ازواج مطہرات نے باہم مل کر نان نفقہ میں اضافے کی درخواست کی تو آپ ﷺ ان سے ناخوش ہو کر ایک مہینہ تک بیگانہ تعلق رہے۔ یہ واقعہ، واقعۂ ایلاء کے نام سے مشہور ہے۔ اس باب میں آپ کو معرکۂ حنین کے مشرک کمانڈر اور ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود نیز معروف شاعر کعب اور حاتم طائی کے خاندان کے قبول اسلام کی ایمان افروز سرگزشت ملے گی۔



معرکۂ طائف

طائف مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہ سروات کی مشرقی پہاڑی ڈھلانوں پر سطح سمندر سے 5600 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ جبکہ جنوبی پہاڑوں کی بلندی 8000 فٹ تک ہے۔ اسی لیے طائف کا موسم نہایت خوشگوار ہے۔ گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 20 سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سعودی حکومت کے اکثر و بیشتر ارکان و وزراء اور اعلیٰ افسران گرمیوں میں طائف کا رخ کرتے ہیں اور یہ سعودی عرب کے دارالحکومت کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ شادی بیاہ کی رنگا رنگ تقریبات اور سرکاری و غیر سرکاری میٹنگز کی وجہ سے طائف شہر میں خوب رونق لگتی ہے۔ طائف کو زرعی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے زمانہ قدیم ہی سے اہم مقام حاصل ہے۔ یہاں کے پھل خصوصاً انگور اور انار اپنی لذت اور مٹھاس کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔ یہ باغات اور زرعی کھیتوں کی بہتات کی وجہ سے خالص شہد کا بھی مرکز ہے۔

مکہ مکرمہ سے طائف کا سفر تقریباً 90 کلومیٹر ہے۔ اگر براستہ عقبہ الہدیٰ طائف کی طرف روانہ ہوں تو یہ سفر تقریباً 68 کلومیٹر ہے۔ 1431ھ کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی تقریباً 10 لاکھ 11 ہزار ہے۔

طائف شہر کا نام طائف کیسے پڑا؟ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں، مثلاً:

جامعہ طائف اور شہر طائف



1 علامہ ابن اثیر ؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''جامع الاصول فی أحادیث الرسول'' میں بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں (حفاظت کے پیش نظر) ثقیف والوں نے اپنے اس شہر کے گرد دیوار تعمیر کر دی تھی، اس لیے اس شہر کا نام ''الطائف'' (چاروں طرف سے گھرا ہوا) پڑ گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب بیت اللہ کی حفاظت اور خدمت کا فریضہ ادا کرنے پر اپنی قوم کی مدح سرائی کرتے ہوئے ثقیف کی اس دیوار کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

حمينا بيتنا من كل شر كما احمت بطائفها ثقيف

أتاهم معشر كي يسلبوهم فحالت دون ذلكم السيوف

''ہم نے اپنے گھر (کعبۃ اللہ) کو ہر برائی سے بچایا جس طرح ثقیف نے اپنے شہر کو طائف (چاردیواری) کے ذریعے محفوظ کیا۔ انھیں لوٹنے کے لیے ایک جماعت آئی مگر اس دیوار نے انھیں اسی طرح بچایا جس طرح تمھاری تلواروں نے کعبۃ اللہ کی حفاظت کی (یا ان کی دیوار تلواروں کی طرح دشمن کے لیے رکاوٹ بن گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے)۔''

2 علامہ البکری الاندلسی نے اپنی کتاب ''معجم ما استعجم'' میں بیان کیا ہے کہ بنو عامر جو نجد کے رہائشی تھے، پہلے پہل انھوں نے طائف پر قبضہ جمالیا۔ وہ موسم گرما طائف میں گزارتے کیونکہ گرمیوں میں طائف کا مسحور کن موسم اور رس بھرے پھلوں کی بہتات انھیں کسی اور طرف جانے ہی نہ دیتی تھی۔ لیکن جب موسم سرما شروع ہوتا تو اپنے اصل علاقے نجد روانہ ہو جاتے جو وسیع و عریض چراگاہوں کی وجہ سے انھیں بڑا محبوب تھا۔ اس طرح بنو عامر سارا سال خوب نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ ثقیف کے لوگوں نے طائف کی زرخیز زمین اور خوشگوار موسم کی وجہ سے طائف منتقل ہونا چاہا مگر بنو عامر کی رضامندی کے بغیر ایسا ممکن نہ تھا، اس لیے انھوں نے کمال ہنرمندی سے بنو عامر کو رام کرنے کے لیے ایک پیش کش کی جو بنو عامر نے قبول کر لی۔ ثقیف کے لوگوں نے بنو عامر سے کہا: طائف کی زمین کھیتی باڑی اور پھل دار درختوں کی کاشت کے لیے بڑی موزوں ہے۔ موسم سرما میں تم اپنے آبائی علاقوں کی چراگاہوں کی طرف منتقل ہو جاتے ہو تو طائف کے باغات اور کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہیں رہ جاتا جس سے تمھارا خاصا نقصان ہو جاتا ہے۔ ہم کاشتکاری کے بڑے ماہر ہیں۔ اگر تم یہ علاقہ ہمارے سپرد کر دو تو ہم کھیتی باڑی کریں گے، نئے پودے کاشت کریں گے، چشموں کی

1 جامع الأصول: 547/12۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام)، 201,200/1

کھدائی کریں گے اور تمھاری غیر موجودگی میں علاقے کو خوبصورتی سے آباد کریں گے۔ تم مزے سے اپنے آبائی علاقے میں موسم سرما گزارو اور ہم اپنی محنت سے طائف کو سرسبز و شاداب رکھیں گے۔ جب پھل پکیں گے اور فصل تیار ہوگی، ہم تمھیں اس کا نصف دیں گے۔ اس طرح تم اپنے جانوروں کی بہترین پرورش کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے کے زرعی فوائد سے بھی بہرہ ور ہو سکو گے۔

ثقیف کی پرکشش پیش کش کو بنو عامر ٹھکرا نہ سکے۔ لہٰذا طائف کی زمین ثقیف کے حوالے کر دی اور خود نجد چلے گئے۔ جب پھلوں کی کٹائی کا موسم ہوتا، بنو عامر آتے اور اپنا حصہ وصول کر لیتے۔ اس طرح طائف کا انتظام بنو عامر اور ثقیف کے ہاتھوں چلتا رہا۔ وہ دونوں مل کر دیگر قبائل کو طائف کا رخ کرنے سے روکتے رہے۔ یہ سلسلہ ایک مدت تک چلتا رہا حتی کہ ثقیف کی تعداد خاصی زیادہ ہوگئی اور انھوں نے قلعے تعمیر کر لیے اور شہر کے گرد دیوار بنا لی جس کے ذریعے سے شہر کی حفاظت کی جاتی تھی۔

اس دیوار کی وجہ سے اس شہر کا نام الطائف پڑ گیا (یعنی چاروں طرف سے گھیرا ہوا شہر)۔ پھر جب ثقیف اپنے مضبوط قلعوں اور کثرت تعداد کی وجہ سے خوب طاقتور ہوگئے تو انھوں نے بنو عامر کے ساتھ معاہدہ توڑ ڈالا۔ بنو عامر نے اس عہد شکنی کی وجہ سے ان پر حملہ کر دیا مگر وہ ثقیف کے مضبوط قلعوں اور شہر کے گرد پختہ دیوار کی وجہ سے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ عرب کے دیگر قبائل کے پاس ایسا مضبوط اور محفوظ شہر نہ تھا۔[1]

3 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طائف شہر سیدنا ابراہیم ؑ کی دعا کا نتیجہ ہے۔ جب آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ہاجرہ ؑ اور اپنے لخت جگر اسماعیل ؑ کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا تو ان کے لیے دعا کی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد ایک بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، لہٰذا تو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے، تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور جبریل ؑ کو حکم ہوا کہ وہ ملک شام کے باغات اور لہلہاتے کھیتوں

1 معجم ما استعجم: 78,77/1. 2 إبراهيم 37:14.



حماۃ شہر (شام)

میں سے ایک خوبصورت ٹکڑا مکہ کے قریب پہنچا دیں۔ لہٰذا انھوں نے ملک شام سے چشموں، انگوروں اور اناروں سے لدھے ہوئے درختوں سمیت سرسبز و شاداب قطعے کو زمین سے اکھاڑا اور موجودہ طائف والی جگہوں پر لاکر نصب کر دیا۔ یہاں نصب کرنے سے پہلے اس ٹکڑے کو بیت اللہ کا طواف کرایا، لہٰذا اس نئے علاقے کا نام الطائف پڑ گیا۔

طائف میں ہر وہ پھل پیدا ہوتا ہے جو اس کے اصلی علاقے شام میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً: زیتون، انار، انگور وغیرہ۔ دونوں علاقوں کے پھل حیرت انگیز حد تک شکل و صورت، ذائقے اور مٹھاس میں مماثلت رکھتے ہیں۔[1]



غزوۂ طائف: تاریخ اور سبب

ہوازن کے مختلف قبائل حنین میں ذلت آمیز شکست کا ٹیکہ اپنی پیشانیوں پر سجائے مختلف پہاڑوں اور وادیوں میں جا چھپے تھے۔ فرار ہوتے وقت اپنے بیوی بچوں کو بھی مسلمانوں کا مال غنیمت بننے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ یقیناً ایسی رسوائی اور مصیبت ہوازن نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔

ہوازن کا نوجوان لیڈر مالک بن عوف بھاگ کر طائف کے قلعے میں چھپ گیا تھا۔ ثقیف کے اکثر لوگ بھی اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے

[1] فتح الباري: 55/8، شرح الزرقاني: 5،4/4، وکی پیڈیا۔

تھے۔ انھوں نے اپنے مضبوط قلعوں کے اندر اشیائے خورونوش کو جمع کر لیا اور طویل جنگ کے لیے بھرپور تیاری کر کے بیٹھ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انھی مفرور قبائل کی بیخ کنی کے لیے شوال 8ھ میں ان کا پیچھا کرنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ آئندہ کبھی انھیں اسلام کے خلاف جمع ہونے کی جرأت نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا بھول جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے گھڑ سوار دستے کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ راستے کے ماہرین کو ہمراہ لیا اور اسلامی لشکر کو لے کر طائف روانہ ہو گئے۔ راستے میں آنے والے قبائل کو عبرت ناک سبق سکھاتے ہوئے اسلامی لشکر طائف پہنچا تو ثقیف قلعہ بند ہو چکے تھے۔[1]

ذوالکفین کی بربادی

قبیلہ دوس نے اپنے نامور سردار اور شاعر عمرو بن حممہ کا بت بنا رکھا تھا اور اس کی باقاعدہ پوجا کی جاتی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ عمرو بن حممہ نے 390 سال کی طویل عمر پائی۔ وہ حکمت و دانائی میں ضرب المثل تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس جھوٹے معبود کی بربادی کی اجازت چاہی تو رسول اکرم ﷺ نے انھیں ذوالکفین کی بربادی کے لیے روانہ فرمایا۔



جبال حجاز میں بنی مالک کے قلعہ کے آثار



قبیلہ دوس کی شاخ بنی فہم کا علاقہ (جبال السروات)

آپ ﷺ نے انھیں یہ ہدایات دیں کہ ذوالکفین کی تباہی کے بعد اپنی قوم کے بہادر جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر طائف آ جانا۔ اس موقع پر سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے خصوصی نصیحت کرنے کی التجا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْشِ السَّلَامَ وَابْذُلِ الطَّعَامَ وَاسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ كَمَا يَسْتَحْيِي الرَّجُلُ ذُو الْهَيْئَةِ مِنْ أَهْلِهِ، إِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ، إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِينَ»

1 السيرة لابن إسحاق: 571/2، فتح الباري: 55/8.

''سلام کو عام کرو، (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسے صاحب مقام و مرتبہ اپنے اہل و عیال سے حیا کرتا ہے (کہ وہ اس کے کسی عیب پر مطلع ہوں)۔ جب تم سے برائی سرزد ہو جائے تو نیکی کرو، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔''[1]

طائف کی طرف روانگی

رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو مال غنیمت کو جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا اور خود لشکر اسلام کی قیادت کرتے ہوئے طائف روانہ ہوگئے جہاں حنین کے بھگوڑے مشرکین نے پناہ لے لی تھی۔ آپ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل ہر اول دستہ آگے روانہ کیا۔ اور خود اسلامی لشکر کو لے کر وادی نخلہ سے گزرے۔ اس وادی کا موجودہ نام ''السعائد'' ہے۔ پھر آپ وادی قرن سے ہوتے ہوئے لیہ پہنچے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کی تعمیر شروع کی اور صحابہ کرام پتھر لا کر آپ کو پیش کرتے رہے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا کی۔ اس سفر میں آپ نے متعدد گائیڈ مقرر کیے جو لشکر اسلام کی طائف تک پہنچانے میں راہنمائی کرتے رہے۔[2]

---

1 المعجم الكبير للطبراني، حديث: 7822، مسند البزار، حديث: 2642، المغازي للذهبي: 2/329. 2 السيرة لابن إسحاق: 2/574، المغازي للواقدي: 2/330، فتح الباري: 8/55.

وادی لیہ نزد طائف کا ایک منظر



مالک بن عوف کے قلعے کی تباہی

رسول اللہ ﷺ نے لیہ میں ایک مضبوط محل نما قلعہ دیکھا تو دریافت کیا: ''یہ محل کس کا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا کہ یہ مالک بن عوف نصری کا قلعہ ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''مالک کہاں ہے؟'' عرض کیا گیا کہ وہ طائف کے قلعے میں چھپا بیٹھا ہے اور آپ کی آمد کا منتظر ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ ''محل میں کون کون ہے؟'' عرض کی گئی: سب فرار ہو چکے ہیں اور محل اس وقت خالی ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ ''یہ محل نما قلعہ جلا دیا جائے۔'' لہٰذا اسلامی لشکر نے تعمیل حکم کرتے ہوئے عصر سے مغرب تک قلعے کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

اس کے بعد پھر آپ نے سفر طائف جاری کیا تو آپ نے راستے کا نام پوچھا۔ راہبروں نے بتایا کہ اس راستے کا نام الضیقہ (دشوار گزار) ہے۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، یہ الیسریٰ (آسان و سہل) ہے۔'' پھر آپ نخب پہنچے اور ایک بیری کے درخت تلے قیام کیا جسے الصادرہ کہا جاتا تھا۔ یہاں ایک ثقفی شخص کا باغ تھا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ خود کو اسلامی لشکر کے حوالے کر دو اور باغ سے باہر آ جاؤ ورنہ سخت کارروائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی اس مشفقانہ پیش کش کو ٹھکرا دیا اور مقابلے کی ٹھانی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرکشی دیکھی تو صحابہ کو حکم دیا کہ اسے سبق سکھا دو۔ لہٰذا صحابۂ کرام نے اس کے باغ کو تباہ کر دیا اور پھر اسلامی لشکر آگے بڑھ گیا۔[1]


بحرۃ الرغاء کے آثار

اسلام میں پہلا قصاص

جب رسول اللہ ﷺ طائف سے چند میل کے فاصلے پر بحرۃ الرغاء پہنچے تو بنولیث اور ہذیل قبیلے کے لوگ ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بنولیث کے ایک شخص نے ایک ہذلی شخص کو قتل کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے لیثی شخص کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لہٰذا لیثی شخص کو قبیلہ ہذیل کے حوالے کر دیا گیا اور انھوں نے اپنے مقتول کے بدلے میں اسے قتل کر دیا۔ اس طرح اسلام کا یہ پہلا حکم قصاص نافذ ہوا۔[2]

1 السيرة لابن هشام: 125/4، المغازي للواقدي: 330/2، السيرة لابن إسحاق: 574/2. 2 السيرة لابن إسحاق: 574/2، المغازي للواقدي: 330/2، السيرة لابن هشام: 125/4.

ثقیف کے جد اکبر ابو رغال کی قبر

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں طائف روانہ ہوئے تو راستے میں ایک قبر آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے قبر دیکھ کر فرمایا: ''یہ ابو رغال ثقیف کے جد اکبر کی قبر ہے۔ اور وہ قوم ثمود کا فرد تھا۔''

قوم ثمود نے اپنے نبی سیدنا صالح علیہ السلام کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کر دیا۔ اس موقع پر انھوں نے توبہ و استغفار کرنے اور اپنے نبی کی فرمانبرداری کرنے کے بجائے ان کو للکارنا شروع کر دیا اور ان سے عذاب کا مطالبہ کر ڈالا۔ قرآن مجید میں ان کی سرکشی اور انجامِ بد کا تذکرہ متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے:

﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝﴾

''پھر انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں اور انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا: اے صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ پھر انھیں زلزلے نے پکڑ لیا، تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (مردہ) گرے پڑے تھے۔''[1]

اس طرح صالح علیہ السلام کی قوم اپنے کیے کی سزا پا کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئی۔ جس وقت ثمودیوں پر زلزلے یا چیخ کا عذاب نازل ہوا، اس وقت ابو رغال حدودِ حرم میں مقیم تھا۔ حرم کی برکت سے وہ اس عمومی عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔ لیکن جب وہ حدودِ حرم سے باہر نکلا تو اسے بھی عذاب الٰہی نے گھیر لیا۔ جہاں وہ مرا تھا، وہیں اسے دفن کر دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی قبر کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا:

«وَآيَةُ ذَالِكَ أَنَّهُ دُفِنَ مَعَهُ غُصْنٌ مِنْ ذَهَبٍ، إِنْ أَنْتُمْ نَبَشْتُمْ عَنْهُ أَصَبْتُمُوهُ مَعَهُ»

''اس کی نشانی یہ ہے کہ ابو رغال کے ساتھ سونے کی ایک چھڑی بھی دفن کی گئی تھی۔ اگر تم اس کی قبر کو کھودو گے تو تمھیں اس کے ساتھ وہ طلائی چھڑی بھی مل جائے گی۔''

یہ سنتے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ابو رغال کی قبر کھود ڈالی اور اس میں سے سنہری چھڑی نکال لی۔[2]

[1] الأعراف 7:77، 78. [2] سنن أبي داود: 3088، دلائل النبوة للبيهقي 6/297، تاريخ الطبري 4/616

اہلِ طائف کے حسن و جمال کے چرچے

طائف کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی حسن و جمال سے مالا مال کیا ہے۔ سرسبز و شاداب باغات، پھلوں سے لدے درخت، خوبصورت نظارے اور خوشگوار موسم کی بدولت طائف ہمیشہ ہی سے لوگوں کا مطمحِ نظر رہا ہے۔ ایک طرف قدرتی حسن و جمال تو دوسری جانب نسوانی رعنائیاں کچھ لوگوں کے لیے خصوصی توجہ کا مرکز رہتی ہیں۔ اسلامی لشکر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تاجدارِ مدینہ ﷺ کی قیادت میں طائف روانہ ہوا تھا۔ مگر کچھ لوگ صرف طائف کے فطری حسن و جمال پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ طائف کے ضمن میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی ہے:

وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس ہیت نامی ہیجڑا بیٹھا تھا۔ وہ میرے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے کہہ رہا تھا: اگر کل طائف فتح ہو جائے تو تم بادیہ بنت غیلان کو پکڑ لینا کیونکہ وہ ایسی خوبصورت ہے کہ آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں۔ جاتی ہے تو آٹھ۔ اہل سیر نے اس ہیجڑے کا نام ماتع بیان کیا ہے۔ وہ رسول ﷺ کی خالہ فاختہ بنت عمرو کا غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں اسے آنے جانے کی اجازت تھی۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ یہ عورتوں کے بارے میں مردانہ خیالات سے محروم اور بے ضرر ہے، اس لیے یہ ان بچوں کے حکم میں ہے جو نابالغ ہوں اور عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہیت سیدنا عبداللہ بن ابی امیہ کے علاوہ سیدنا خالد بن ولید سے بھی بادیہ بنت غیلان کی صفات بیان کر رہا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے ہیت کی یہ گفتگو سنی کہ وہ سیدنا خالد بن ولید یا عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو بتا رہا تھا کہ اگر کل رسول اللہ ﷺ نے طائف فتح کر لیا تو تم بادیہ بنت غیلان کو ہاتھ سے نہ نکلنے دینا کیونکہ اس کا حسن و جمال بے مثال ہے، وہ ایسی فربہ اور حسین ہے کہ آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار چار بل پڑتے ہیں اور جاتے ہوئے آٹھ بل کھاتی گزرتی ہے، جب وہ بیٹھتی ہے تو وہ بڑی ہو جاتی ہے، جب بات کرتی ہے تو نغمے الاپتی ہے، لیٹتی ہے تو مردوں کی خواہش کرتی ہے، تو آپ نے اس کی آزادانہ نقل و حرکت پر قدغن لگا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا أرى هذا الخبيث يفطن لما أسمع لا يدخلن عليكن هؤلاء»

''میرا خیال نہیں تھا کہ یہ خبیث عورتوں کے متعلق یہ خیالات رکھتا ہے، خبردار! آئندہ یہ تمھارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔''

علامہ واقدی نے ہیت اور ماتع دو الگ الگ ہیجڑے بیان کیے ہیں۔ ماتع غزوۂ طائف میں آپ کے ہمراہ تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ماتع کا نام مانع یا منہ بھی لکھا ہے۔

واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ہیجڑوں کی مدینہ منورہ میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ آپ نے انھیں مسلمان خواتین کے پاس جانے اور خصوصاً اپنے گھرانوں میں جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ آپ نے انھیں مدینہ کے باہر حمی نامی جگہ پر منتقل کر دیا۔ پھر ایک عرصے کے بعد یہ لوگ فقر و فاقے کی شکایت لے کر آئے تو آپ نے انھیں آٹھ دن کے بعد مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دی کہ وہ آئیں اور اپنی ضروریات زندگی لے کر چلے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ جلاوطن رہے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ واپس آ گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے بھی انھیں یہ کہتے ہوئے جلاوطن کر دیا کہ تمھیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے نکالا تھا، میں تمھیں واپس آنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟ لہٰذا انھیں واپس بھیج دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ پھر آ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمھیں جلاوطن کیا تھا، پھر بھلا! میں کیسے تمھیں مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے سکتا ہوں؟ تم اس جگہ چلے جاؤ جہاں رہ رہے تھے۔ اس طرح وہ واپس اپنی جگہ چلے گئے۔[1]

محاصرہ طائف

رسول اللہ ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ آگے بڑھتے رہے۔ آپ کی منزل طائف کا مضبوط قلعہ تھا جہاں لات کے پجاری ثقیف چھپے بیٹھے تھے۔ وہ لات کے دفاع کے لیے پر جوش اور اپنے عقیدے اور معبود کی حفاظت کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ انھوں نے اپنے قلعے کی ضروری مرمت کر لی تھی۔ ایک سال تک کے لیے ضروریات زندگی بھی جمع کر لی تھیں۔ انھوں نے قلعے کے دو دروازے بنانے اور ہر طرح کے جدید و مہلک اسلحے کے انبار لگا لیے تھے۔ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ اس مقصد کے لیے جرش (سعودی شہر خمیس مشیط کے قریب) میں منجنیق اور دبابہ کے استعمال کی تربیت لے رہے تھے تاکہ طائف کے دفاع کے لیے یہ جدید ہتھیار استعمال کیے جا سکیں۔ اسی ٹریننگ کے حصول کی وجہ سے وہ معرکۂ حنین میں شرکت نہیں کر سکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو قلعہ طائف کے سامنے کھلے میدان میں لشکر اسلام کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ جنگی حکمت عملی کے مطابق زیادہ مناسب نہ تھی۔ کیونکہ دشمن بلند قلعے میں تھا اور اوپر سے تیروں، نیزوں اور دہکتے فولادی انگاروں سے قیامت برپا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔

[1] صحیح البخاري، 4324، وصحیح مسلم، 2180، والبدایة والنهایة 617/4، والمغازي للواقدي 2/336، 337

ابھی مسلمان اپنا سامان سواریوں سے اتار ہی رہے تھے کہ دشمن نے تیروں، نیزوں اور فولادی انگاروں کی بارش برسادی۔ بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔ ایسے لگتا تھا جیسے ندی دل نے بلہ بول دیا ہو۔ دشمن کا نشانہ ٹھیک ٹھیک لگ رہا تھا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معسکر کی جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ نیز اس موقع پر سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم قلعے کے بالکل قریب آ گئے ہیں۔ اگر یہ حکم الٰہی سے ہے تو ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اگر یہ جگہ مشورے اور رائے سے منتخب ہوئی ہے تو پھر پیچھے منتقل ہو جانا ہی بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کی رائے کو سراہا اور انھیں حکم دیا:

«انْظُرْ مَكَانًا مُرْتَفِعًا مُسْتَأْخِرًا عَنِ الْقَوْمِ»

''اسلامی لشکر کے لیے بلند اور دشمن سے کچھ فاصلے پر مناسب جگہ تلاش کرو۔''[1]

سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ مناسب جگہ کی تلاش میں نکلے اور واپس آ کر اطلاع دی کہ بستی سے باہر ایک بلند اور نہایت موزوں جگہ موجود ہے۔ لہٰذا مسجد طائف کی موجودہ جگہ پر رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ کی دو ازواج مطہرات سیدہ زینب اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ آپ نے ان کے لیے دو خیمے نصب کرائے اور پھر مسلمانوں کو قلعے کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔

ابتدائی حملے اور پہلا شہید

مشرکین کا ٹڈی دل قلعہ بند ہو کر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھلے میدان میں آ کر اپنا زور بازو آزمانے کی جرأت ان میں نہیں تھی، اس لیے قلعے کے اوپر ہی سے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابومحجن کو دیکھا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ چوڑے اور طویل نیزے برسا رہا تھا۔ اور وہ تیروں کی طرح ٹھیک ٹھیک نشانے پر لگ رہے تھے جس سے مسلمان شدید زخمی ہو رہے تھے۔ انھی حملوں سے اسلامی لشکر کو بچانے کے لیے آپ نے اسلامی معسکر کی جگہ تبدیل کی۔ مگر دشمن اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ جدید اسلحے کے استعمال کے ساتھ ساتھ اپنے غلیظ جنگی حربے بھی آزما رہا تھا۔ ثقیف نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اپنی ایک جادوگرنی کو برہنہ حالت میں قلعے سے باہر بھیجا لیکن وہ اللہ رب العزت پر غیر متزلزل ایمان کی قوت سے معمور مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور ناکام و نامراد لوٹ گئی۔

[1] السیرۃ لابن ہشام 4/125، 126، [illegible] 2/331، 332، فتح الباری 8/56

جب اسلامی لشکر اپنے نئے معسکر میں اتر گیا تو مجاہدین اسلام نے دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ تیروں اور نیزوں سے انھیں جواب دیا گیا۔ پھر پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ سیدنا یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے نکل کر ثقیف کو آواز دی کہ مجھے امان دو، میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ثقفی مشرکین نے انھیں پناہ دے دی مگر پھر دھوکے سے انھیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ یہ غداری معروف شاعر امیہ بن ابی الصلت کے بھائی ہذیل بن ابی الصلت نے کی تھی۔ عربوں کے ہاں نسل در نسل امان دینے اور اس کی پاسداری کا رواج چلا آرہا تھا۔ امان دینے والے شخص کا قبیلہ اپنی جانوں پر کھیل کر اس اصول اور عہد کو نبھاتا تھا۔ مگر ہذیل نے صدیوں سے رائج اس اصول کی خلاف ورزی کی اور اپنی بدبختی کو آواز دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس غدار کو بہت تھوڑی مہلت دی اور یہ اپنے انجامِ بد کو پہنچ گیا۔

ہذیل بن ابی الصلت قضائے حاجت کے لیے چپکے سے قلعے سے باہر آیا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی مسلمان کو اس کی خبر نہیں ہوگی اور وہ قضائے حاجت کے بعد واپس قلعے میں چلا جائے گا۔ مگر اس کی عمر کی گھڑیاں گنی جا چکی تھیں۔ سیدنا یزید بن زمعہ کے بھائی سیدنا یعقوب بن زمعہ رضی اللہ عنہ اس کی تاک میں بیٹھے تھے۔ ہذیل جیسے ہی قلعے سے باہر آیا تو انھوں نے ہذیل کو دبوچ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا قاتل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ سیدنا یعقوب رضی اللہ عنہ نے پلک جھپکتے ہی اس غدار کو واصل جہنم کر دیا۔

منجنیق استعمال کرنے کا مشورہ

دونوں طرف سے تیروں اور نیزوں سے شدید حملے جاری رہے مگر کوئی فیصلہ کن نتیجہ سامنے نہیں آرہا تھا۔ لہٰذا آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا:

آپ منجنیق نصب کروائیں اور اس سے مشرکین پر حملہ آور ہوں۔ کیونکہ ہم فارسی لوگ قلعوں کو فتح کرنے کے لیے منجنیق ہی کا استعمال کیا کرتے تھے۔ ہمارے دشمن بھی ہم پر منجنیق سے حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح کبھی انھیں اور کبھی ہمیں فتح نصیب ہوتی تھی۔ اگر قلعوں کو فتح کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال نہ کریں تو پھر محاصرہ طول پکڑ جاتا ہے۔ اس مشورے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے منجنیق منگوائی اور اسے اپنے دست مبارک سے نصب کیا۔ یہ منجنیق اور دو عدد دبابے جرش سے یزید بن زمعہ یا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ساتھ لے کر آئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔ اسلامی لشکر نے منجنیق سے قلعے پر تابڑ توڑ حملے کیے مگر اسے خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ اس

طرح مشرکین ثقیف اپنے قلعے میں محفوظ بیٹھے مسلمانوں پر تیر اندازی کے جوہر دکھاتے رہے۔ اہل ثقیف ماہر تیر انداز تھے اور نشانہ بازی میں پورے عرب میں معروف تھے۔[1]

مجاہدین کی فدائی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور جنگی تدبیر اختیار کی کہ طائف کے قلعے کے گرد کانٹے دار لوہے کے ٹکڑے بکھیرنے کا حکم دیا۔ گویا یہ اس دور کی بارودی سرنگیں تھیں۔ تاکہ قلعے سے نکل کر حملہ آور ہونے والوں کی نقل و حرکت کو روکا جا سکے۔ یہ کانٹے سواریوں کے پاؤں اور پیدل چلنے والوں کے قدموں میں چبھ کر انھیں حرکت سے روکتے تھے۔

اس کے بعد گائے کے چمڑے سے تیار شدہ دبابہ کے نیچے چھپ کر مسلمان قلعہ پر فدائی حملے کے لیے روانہ ہوئے۔ دبابہ آج کے ٹینک یا بکتر بند گاڑی کی ابتدائی شکل ہو سکتی ہے۔ مسلمان اس کے نیچے چھپ کر حملہ آور ہوئے تاکہ قلعے کی دیوار میں سوراخ کر کے اپنے لیے اندر جانے کا راستہ بنائیں۔ مجاہدین آہستہ آہستہ قلعے کی دیوار کی طرف بڑھتے۔ مگر دشمن ہر دم چوکس تھا۔ انھوں نے لوہے کے انگاروں کی بارش کر دی جس سے دبابہ کا چمڑا جل اٹھا اور مسلمان اس کے نیچے سے نکل کر دشمن کے سامنے کھلے میدان میں آنے پر مجبور ہو گئے۔ اب ثقفی تیر اندازوں کے لیے مسلمانوں کو نشانے پر لینا آسان ہو گیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے متعدد مجاہدین شہید اور کئی ایک کو شدید زخمی کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کو شدید صدمہ ہوا۔ آپ نے ان بزدلوں کو قلعے سے نکالنے کے لیے ایک اور حربی تدبیر چلی۔ آپ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ ثقیف والوں کے باغات کاٹ ڈالو۔ آپ نے ہر مجاہد کو پانچ پانچ انگور کی بیلیں کاٹنے کا حکم دیا۔ اپنی برسوں کی محنت کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھ کر مشرکین کی جان نکل گئی۔ جبکہ مسلمان پورے زور و شور سے فصلیں تباہ کر رہے تھے اور درخت کاٹ کاٹ کر دشمنوں کے سینوں میں آگ جھونک رہے تھے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر رؤسائے ثقیف رحم کی اپیلیں کرنے لگے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو بآواز بلند کہا: اللہ کی قسم! اے سفیان! ہم تیری نسل کا رزق ختم کر دیں گے۔ سفیان بولا: درخت کاٹ ڈالو گے تو کیا ہوگا، طائف کی مٹی اور پانی تو ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔ ہم دوبارہ کاشت کر لیں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجاہدین ہر قسم کے

1 السیرۃ لابن ہشام 126/4، المغازی للواقدی 332/2، فتح الباری 56/8، موسوعۃ الغزوات الکبری للمسلمین 1646،1647/2.

درخت کاٹ رہے ہیں۔ پھل دار اور پھلوں سے خالی بھی تباہ ہو رہے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ "جو درخت پھل سے خالی ہو چکے ہیں، صرف وہی کاٹو۔"

اس دوران سفیان ثقفی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رحم کی اپیل کر دی اور عرض کی: اگر آپ ہم پر فتح پائیں تو یہ باغات آپ کے ہو جائیں گے یا پھر آپ انھیں اللہ اور رشتہ داری کی خاطر سلامت چھوڑ دیں، اس طرح برباد تو نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اپیل قبول کرتے ہوئے فرمایا:

«فإني أدعها لله وللرحم»

"میں یہ باغات اللہ کی اور تمھاری رشتہ داری کی خاطر چھوڑتا ہوں۔"[1]

خاندانی عزت و شرف کی حفاظت

رؤسائے قریش کے ثقیف کے سرداروں کے ساتھ گہرے خاندانی روابط تھے جیسا کہ ہم غزوۂ حنین کے شروع میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو رئیس قریش ابوسفیان بن حرب کو اپنی خاندانی عزت و شرف کی حفاظت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ کیونکہ اہل مکہ کی متعدد صاحبزادیاں اہل ثقیف کے عقد میں تھیں۔ خدشہ یہ تھا کہ اہل طائف کو شکست ہوئی تو یہ خواتین بھی لونڈیاں بنالی جائیں گی اور خاندانی شرف خاک میں مل جائے گا۔ ان خواتین میں آمنہ بنت ابوسفیان بھی تھیں جو عروہ بن مسعود کے عقد میں تھیں۔ ان سے اس کا ایک بیٹا داود بن عروہ بھی تھا۔

دوسری خاتون فراسیہ بنت سوید بن عمرو بن ثعلبہ تھیں۔ یہ قارب بن اسود کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ایک بیٹا عبدالرحمان بن قارب پیدا ہوا۔ تیسری خاتون فقیمیہ امیمہ بنت ناسی امیہ بن قلع تھیں۔ ان خواتین کے معاملے کو حل کرنے کے لیے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ثقیف سے بات چیت کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ دونوں ثقیف کے پاس آئے اور امان طلب کی تاکہ گفتگو کی جا سکے۔ ثقیف والوں نے انھیں امان دے دی۔ انھوں نے قریشی عورتوں کو طلب کیا اور اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ان خواتین نے اپنے خاندان چھوڑ کر ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ خواتین کے اس رویے سے دونوں کو مایوسی ہوئی۔ وہ واپس جانے لگے تو اسود بن مسعود کے بیٹے کہنے لگے: اے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ! تم جس مقصد کے لیے آئے تھے، کیا ہم تمھیں اس سے بھی بہتر چیز بتائیں؟ بنو اسود کے باغات کا تمھیں علم ہے۔ پورے طائف میں ایسے شاندار باغات کسی کے

[1] المغازي للواقدي: 333/2، السيرة لابن هشام: 126/4.

پاس نہیں۔ یہ پھلوں سے لدے سرسبز و شاداب ہیں۔ اگر اسلامی لشکر نے انھیں برباد کر دیا تو دوبارہ انھیں آباد کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لہٰذا تم محمد ﷺ سے بات کرو۔ یا تو یہ باغات اپنے لیے رکھ لیں یا اللہ اور رشتہ داری کی خاطر صحیح سلامت چھوڑ دیں۔ یقیناً ہماری ان سے رشتہ داری کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ بنو اسود کی اس اپیل کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے ان مشرکوں سے رشتہ داری کی خاطر اور اللہ کی رضا کے لیے باغات چھوڑ دیے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا خواب

محاصرۂ طائف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنِّي رَأَيْتُ أَنِّي أُهْدِيَتْ لِي قَعْبَةٌ مَمْلُوءَةٌ زُبْدًا فَنَقَرَهَا دِيكٌ فَهَرَاقَ مَا فِيهَا»

''اے ابوبکر! میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے مکھن سے بھرا ہوا پیالہ پیش کیا گیا۔ اسے ایک مرغ نے ٹھونگ مار کر گرا دیا اور سارا مکھن ضائع کر دیا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے خیال میں اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ہم آج فتح یاب نہ ہو سکیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرماتے ہوئے کہا:

«وَأَنَا لَا أَرٰى ذٰلِكَ»

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔''[2]

خصوصی انعامات کا اعلان

محاصرۂ طائف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے خصوصی انعامات کا اعلان فرمایا۔ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فَلَهُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ»

''جس نے (اللہ کی راہ میں) تیر چلایا اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہوگا۔''

میں نے اس روز سولہ تیر چلائے۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا:

1 السيرة لابن هشام: 127/4، المغازي للواقدي: 336/2، السيرة لابن إسحاق: 576/4 2 السيرة لابن إسحاق: 576/2، البداية والنهاية: 619/4، السيرة لابن هشام: 127/4.

من رمى بسهم في سبيل الله فهو عدل محرر، ومن شاب شيبة في سبيل الله كانت له نورا يوم القيامة، وأيما رجل أعتق رجلا مسلما فإن الله جاعل كل عظم من عظامه وقاء كل عظم من عظامه، وأيما امرأة أعتقت امرأة مسلمة فإن الله عز وجل جاعلٌ كُلَّ عَظْمٍ مِّنْ عِظَامِهَا وِقَاءً كُلِّ عَظْمٍ مِّنْ عِظَامِهَا مِنَ النَّارِ»

''جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا تو وہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوگیا تو (اس کے بالوں کی سفیدی) قیامت کے روز اس کے لیے نور بن جائے گی۔ جس کسی مرد یا عورت نے کسی مسلمان مرد یا عورت کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہڈی کو آزاد کرے گا۔ آزاد ہونے والے کی ہر ہڈی کے بدلے ایک ہڈی جہنم سے آزاد کر دے گا۔''[1]

قلعے سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہونے والے غلام

رسول اللہ ﷺ نے محاصرے کے دوران یہ اعلان بھی کرایا:

«أَيُّمَا عَبْدٍ نَزَلَ مِنَ الْحِصْنِ وَ خَرَجَ إِلَيْنَا فَهُوَ حُرٌّ»

''جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے، وہ آزاد ہوگا۔''

آپ کے اس اعلان کے بعد تقریباً بیس غلام قلعے سے نکل کر مسلمانوں سے آملے۔ آپ نے انھیں آزادی عطا فرما دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ طائف کے بیان میں ان غلاموں کی تعداد 23 بیان کی ہے۔ جناب ابوعثمان بیان کرتے ہیں میں نے سیدنا سعد اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا۔ سیدنا سعد وہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ابوبکرہ چند لوگوں کے ہمراہ طائف کے قلعے کو پھلانگ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یہ دونوں صحابی بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم فالجنة عليه حرام» ''جس نے جانتے ہوئے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف کی تو اس پر جنت حرام ہے۔''

ابوعثمان کے شاگرد عاصم فرماتے ہیں: جن دو ہستیوں نے یہ گواہی دی ہے، وہ آپ کے لیے کافی ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، ان میں سے ایک وہ ہے جس نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، جبکہ دوسرا طائف کے

[1] السيرة لابن هشام: 660/3، سنن أبي داود: 3965، جامع الترمذي: 1638.

قلعے سے اتر کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچنے والا تئیس میں سے تئیسواں تھا۔[1]

اس روز قلعے سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہونے والوں کے نام یہ ہیں

1 ابوبکرہ نفیع بن مسروح۔ بکرہ چرخی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک چرخی کے ذریعے قلعے سے اترے تھے، اس لیے ان کی کنیت ابوبکرہ پڑ گئی اور وہ اسی سے مشہور ہو گئے۔ یہ حارث بن کلدہ کے غلام تھے۔

2 منبعث۔ اس کا نام مضطجع (پہلو کے بل لیٹا ہوا) تھا، آپ نے اسے تبدیل کر کے منبعث (اٹھا ہوا) رکھ دیا۔ یہ عثمان بن عمار بن معتب کے غلام تھے۔

3 ازرق بن عقبہ بن ازرق۔ یہ کلدہ ثقفی کے غلام تھے۔ انھوں نے بنی امیہ کو اپنا حلیف بنایا اور ان کے ساتھ تعلقات بنا لیے۔ ان کے ساتھ رشتہ داریاں بھی کر لیں۔

4 وردان۔ یہ عبداللہ بن ربیعہ ثقفی کے غلام تھے۔

5 یحنّس النبال۔ یہ یسار بن مالک کے غلام تھے۔ بعد ازاں ان کے مالک بھی مسلمان ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی ولاء[2] ان کے سابقہ مالک کو عطا کر دی۔

6 ابراہیم بن جابر۔ یہ خرشہ ثقفی کے غلام تھے۔

7 یسار۔ عثمان بن عبداللہ کا غلام تھا۔

8 نافع ابوالسائب۔ یہ غیلان بن سلمہ کے غلام تھے۔ بعد میں غیلان مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے نافع کی ولاء کا حق انھیں لوٹا دیا۔

9 مرزوق۔ یہ بھی عثمان کے غلام تھے۔

ان تمام غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد فرما دیا اور ان سب کو ایک ایک صحابی کے حوالے کیا تاکہ وہ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ چنانچہ ابوبکرہ کو سیدنا عمرو بن سعید بن عاص، ازرق کو سیدنا خالد بن سعید، وردان کو ابان بن سعید، یحنّس النبال کو سیدنا عثمان بن عفان، یسار کو سیدنا سعد بن عبادہ، ابراہیم بن جابر کو سیدنا اسید بن حضیر کے حوالے کیا۔ اور انھیں حکم دیا کہ انھیں قرآن مجید پڑھاؤ اور سنت نبوی کی تعلیم دو۔

جب قبیلہ ثقیف بعد ازاں مسلمان ہوا تو ثقیف کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے غلاموں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مطالبہ یہ فرماتے ہوئے رد کر دیا: ”أُولٰئِكَ عُتَقَاءُ اللهِ لَا سَبِيلَ إِلَيْهِمْ“ ”وہ

[1] صحيح البخاري، 4326، 4327۔ [2] ولاء وراثت کی اصطلاح میں وہ اس رشتے کو کہتے ہیں جو آزاد کرنے والے مالک اور غلام کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر غلام آزادی حاصل کرنے کے بعد فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو مالک اس کا وارث بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، ان کی واپسی ممکن نہیں۔''

یہ فرمان نبوی اہل طائف پر بجلی بن کر گرا۔ انھیں اپنے غلاموں پر شدید غصہ آیا۔ مگر اب وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے، اس لیے بالآخر خاموش ہو گئے۔[1]

عیینہ بن حصن: احمق مخدوم کی غداری

جب کوئی شخص اسلام کی حقانیت کو صدق دل سے تسلیم کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسلام اس کے

بلاد ثقیف (نزد طائف)



یقین ہوتا ہے کہ ان سب کے بدلے اسے رضائے الٰہی اور رحمت ربانی ملنے والی ہے۔ جنت اس کا ٹھکانا ہوگا اور خوشیوں سے مالا مال زندگی اس کا مقدر ہوگی۔ لیکن جب کوئی شخص لالچ، ہوس یا اسلامی دبدبے سے خوفزدہ ہو کر صرف زبانی کلامی مسلمان ہوتا ہے تو وہ بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود کفر و نفاق ہی میں ٹکریں مارتا رہتا ہے۔ اس کا ہر عمل اس کے ایمان کی نفی کرتا دکھائی دیتا ہے کیونکہ اس کا مقصود آخرت اور رضائے الٰہی کی بجائے صرف حصول دنیا ہوتا ہے۔ کچھ ایسی ہی بدنصیبی، ذلت و رسوائی اور خفت و ندامت غطفان کے سردار اور جنگجو قائد عیینہ بن حصن کے حصے میں آئی۔ مؤرخین نے اسے ''احمق مخدوم'' کا لقب دیا ہے۔ اس نے اسلام کے خلاف یہودیوں کی تمام معرکہ آرائیوں میں یہودیوں کا ساتھ دیا۔ جب یہودی بری طرح پٹ گئے اور ان کی شان و شوکت خاک میں مل گئی تو یہ مجبوراً مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی قربت میں آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاندانی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے سرداری عطا کی۔ اور فتح مکہ والے دن

1 المغازي للواقدي: 335/2، الإصابة: 687/1، البداية والنهاية: 617،616/4

یہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اپنی قوم کی قیادت کر رہا تھا۔ غزوۂ حنین کی غنیمت میں سے اسے سو اونٹ عطا کیے گئے تا کہ اس کا دل اسلام کی طرف مزید مائل ہو۔ مگر اس کا لالچ اور ہوس ختم ہونے کو نہ آتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ طائف روانہ ہوئے تو یہ بھی اپنی پچھلی خواہشات کی تکمیل کے لیے ساتھ ہولیا۔ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھا مگر اس کی قلبی ہمدردیاں کافروں کے ساتھ تھیں۔ غنیمت کا لالچ بھی تھا مگر کافروں کی شکست بھی اسے دکھی کیے دیتی تھی۔

آیئے اس کی غداری اور بدکرداری کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عیینہ محاصرۂ طائف کے دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں ثقیف سے بات چیت کرتا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت سے نواز دے اور وہ مسلمان ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ صلح جوئی کو بے حد پسند کرتے تھے۔ آپ نے بخوشی عیینہ کو مذاکرات کی اجازت دے دی۔ عیینہ آپ کی خدمت سے اٹھا اور ثقیف کے پاس جا پہنچا۔ ان سے امان طلب کی تو انھوں نے امان دے دی۔ ابومحجن نے اسے پہچان لیا اور اسے اپنے ساتھ قلعہ کے اندر لے گیا۔ عیینہ اپنے دوستوں کے درمیان پہنچا تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور دل کی باتیں خوب سنائیں۔ کہنے لگا: اے ثقیف والو! میرے ماں باپ تم پر قربان، اللہ کی قسم! تم نے محمد کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا منہ توڑ جواب دے ہی نہیں سکا۔ آج تک محمد کا پالا تم جیسے جوانمردوں سے نہیں پڑا۔ اللہ کی قسم! ہماری حالت غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ اگر تمھاری جنگ ہوئی تو یقیناً عزت و شرف تمھارا مقدر ہے۔ ڈٹے رہو، تمھارا قلعہ نہایت مضبوط ہے۔ تمھارے پاس اسلحے کی فراوانی ہے، اور پانی کے چشمے جاری ہیں، پھر تمھیں کس چیز کا ڈر ہے۔ محمد (ﷺ) اور اس کا لشکر تنگ آچکا ہے۔ وہ مایوس ہو کر لوٹنے ہی والے ہیں۔ وہ مسلسل محاصرہ کرنے سے عاجز آرہے ہیں۔ اور تمھارے قلعے میں نقب بھی نہیں لگا سکے، اس لیے فتح تمھاری ہی ہے۔ انگوروں کی چند بیلوں کے کٹ جانے کا غم نہ کرو اور نہ کبھی ہتھیار ڈالنے کا سوچنا۔ بس ڈٹے رہو۔ اپنے قلبی دوستوں کو یہ دلاسہ دینے کے بعد عیینہ واپس لوٹا تو ثقیف والے ابومحجن کو کہنے لگے: آپ نے اس بدو کو قلعے کے اندر بلا کر اچھا نہیں کیا۔ یہ ہمارے کمزور مقامات نوٹ کر کے لے گیا ہوگا اور انھیں ضرور بتائے گا۔ ابومحجن کہنے لگا: میں اسے بڑی مدت سے جانتا ہوں، اس سے بڑھ کر محمد کا دشمن تم میں سے کوئی نہیں ہے اگرچہ یہ محمد کے ساتھ ہے۔ گویا ابومحجن بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اس کی تلوار مسلمانوں کے ساتھ مگر اس کا دل ہمارے ساتھ ہے، لہٰذا تم فکر مت کرو۔ یہ کچھ نہیں بتائے گا۔ واقعی ہوا بھی ایسے ہی۔ عیینہ واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتا دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا عیینہ! کیا خبر لائے ہو؟ تم نے ثقیف والوں سے کیا بات چیت کی؟ کہنے لگا: اللہ کے

رسول! میں نے انھیں اسلام کی دعوت دی، جنت کی خوشخبری اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا۔ میں نے انھیں خبردار کیا کہ تم محمد ﷺ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ تم سے پہلے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہود محمد کے ہاتھوں پٹ چکے ہیں جبکہ ان کے پاس تم سے مضبوط اور تعداد میں زیادہ قلعے موجود تھے، ان کے جنگجو تم سے زیادہ بہادر اور ماہر تھے اور مال و دولت کے خزانے بھی تم سے کہیں زیادہ تھے۔ وہ جدید ترین اسلحے کی فراوانی کے باوجود ٹھہر نہیں سکے تو پھر بھلا تم کب تک ڈٹ سکو گے۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ ہتھیار ڈال دو۔ اپنے لیے امان حاصل کرلو اور صلح کرکے معاملات طے کرلو۔ رسول اللہ ﷺ خاموشی سے اس کی تقریر سن رہے تھے۔ جب عیینہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے انھیں یہ یہ باتیں کہی ہیں۔''

حقیقت حال کھلنے پر عیینہ شرمساری سے زمین میں گڑ گیا۔ سب کے سامنے احمق سردار ذلت و رسوائی کا طوق پہنے مجرم بنے کھڑا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، اس کی گردن اتار پھینکوں۔ آپ نے فرمایا: «لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنِّي أَقْتُلُ أَصْحَابِي» ''میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں: محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرادیتا ہے۔''

عیینہ کہنے لگا: میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طلب گار ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

اس موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ملامت کی اور فرمایا: عیینہ تیری بربادی ہو! تو ہمیشہ باطل کا ساتھ دیتا ہے۔ تو نے بنو نضیر، بنو قریظہ اور خیبر ہر موقع پر ہمارے خلاف فوجیں چڑھائیں اور مقابلہ کیا، پھر اب مسلمان ہونے کے بعد بھی ہمارے دشمنوں کو ہمارے خلاف اکساتا ہے اور ان کا ساتھ دیتا ہے۔ کیا تجھے ذرا شرم نہیں آتی؟! عیینہ گویا ہوا: اے ابوبکر! مجھے معاف کرو، میں توبہ کرتا ہوں۔ میں عزم کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

دربار نبوی سے معافی ملنے کے بعد بھی اس احمق سردار کے طور طریقے تبدیل نہیں ہوئے بلکہ یہ اپنی خباثت پر قائم رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دشمن کے باغات تباہ کرنے کا حکم دیا تو ہر شخص انگوروں کی بیلیں کاٹ کر جلا رہا تھا مگر عیینہ اس وقت بھی اپنے دوستوں کی حمایت کر رہا تھا۔ عیینہ بن حصن نے یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے لیے حرام ہے کہ میں اپنے حصے کی بیلیں کاٹوں۔ سیدنا یعلی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمھارے حصے کے درخت کاٹ دیتا ہوں؟ عیینہ کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ تم یہ درخت کاٹنے کی وجہ سے جہنم رسید ہو گے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے شدید ناراضی کا اظہار فرمایا۔ عیینہ کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور

فرمایا: أنت صاحب العمل أولى لك فأولى ''تم بد عمل ہو، تباہی و بربادی کے حقدار تم ہی ہو۔''

یہ بدنصیب انسان رسول اللہ ﷺ کی بے پایاں شفقت و رحمت کے باوجود اسلام کی حقیقی مٹھاس اور ایمان کی لذت آشنائی سے محروم ہی رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس نے سب سے پہلے مرتد ہونے کا اعلان کیا اور پھر اپنی قوم بنوفزارہ اور بنواسد کی قیادت کرتا ہوا اسلامی دارالحکومت مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑا۔ مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تچی قیادت نے ایسے مرتدین کو مار بھگایا اور ان کے تخریبی منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اسلام کے خلاف ان کی بغاوت سے ان کی تمنائیں پوری نہ ہوسکیں۔

جب اسلامی لشکر سیدنا خالد بن ولید کی قیادت میں مرتدین کی سرکوبی کے لیے میدان کارزار میں اترا تو عیینہ بن حصن اپنے قبیلے غطفان کی سربراہی کررہا تھا اور طلیحہ بن خویلد اس کا نائب تھا۔

اسلامی لشکر کے ہاتھوں بری طرح پٹنے کے بعد مرتدین بھاگ نکلے، سینکڑوں ہزاروں قتل ہوکر جہنم رسید ہوئے اور ''احمق مخدوم'' قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا۔ جب اہل مدینہ نے اسے ملامت کی اور مرتد ہونے پر عار دلائی تو عیینہ گویا ہوا: ''اللہ کی قسم! اسلام کبھی میرے دل میں رچا بسا ہی نہیں تو پھر میرے مرتد ہونے کی کیا بات ہے۔''

مؤرخین کا اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا عیینہ بن حصن کو سردار مرتدین ہونے کی بنا پر قتل کر دیا گیا تھا یا اس کی توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کی گردن اڑا دی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس نے سچی توبہ کر لی تھی اور بقیہ زندگی ایک اچھے مسلمان کی طرح گزاری تھی۔[1] واللہ اعلم

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی للکار

ثقیف کے مشرک اپنے قلعے سے مسلمانوں پر ہر قسم کے ہتھیار آزما رہے تھے۔ مسلمان بھی ہر ممکن طریقے سے انھیں جواب دے رہے تھے۔ وہ دشمن کو قلعے سے اتار کر میدان کارزار میں لانے کے لیے متعدد حربے استعمال کر رہے تھے۔ اس اثنا میں سنجیدہ مذاکرات بھی ہو رہے تھے اور ایمانی جوش اور ولولے سے مزین گفتار و للکار بھی جاری تھی۔ ابومحجن بن حبیب ثقفی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کا خوب مقابلہ کر رہا تھا۔ وہ دہکتے فولادی انگاروں، تیروں اور نیزوں سے متعدد مسلمان شہید اور زخمی کر چکا تھا۔ اپنے قلعے کی مضبوطی، اسلحے کی فراوانی اور اشیائے خورد و نوش کے ذخیرے پر نازاں و فرحاں ابومحجن نے اسلامی لشکر کو پکارا اور کہا: اے محمد کے غلامو! اللہ کی قسم! تم نے آج

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/163، 164، المغازي للواقدي 2/336، البداية والنهاية 4/619، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :2/1650-1653.

تک ہمارے جیسے ماہرین حرب سے پنجہ آزمائی کی ہی نہیں۔تم جب تک چاہو محاصرہ کیے رکھو۔اس دوران تم بدترین قید میں مبتلا رہو گے۔ پھر جب واپس جاؤ گے تو تمھیں خالی ہاتھ ہی لوٹنا پڑے گا۔ ہم قسیّ (سنگ دل) ہیں اور ہم سنگ دل باپ کی اولاد ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم تاحیات کبھی مسلمان ہونے والے نہیں اور ہم نے طائف کو مضبوط قلعہ بنایا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بے ہودہ گوئی سنی تو جواب دیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لیے ابومحجن کو للکارا اور فرمایا: اے ابن حبیب! اللہ کی قسم! ہم تمھیں تمھاری بل سے نکال کر دم لیں گے۔ ہم تمھارا کھانا پینا بند کر دیں گے حتی کہ اس قلعے سے اترنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ تمھاری حیثیت اس لومڑی جیسی ہے جو بھاگ کر اپنے بل میں گھس جاتی ہے مگر زیادہ دیر اندر رک نہیں سکتی، بالآخر اسے باہر آنا ہی ہوتا ہے۔ تم بھی جلد باہر آؤ گے۔

ابومحجن نے یہ مسکت جواب سنا تو پھر بول اٹھا: اے ابن خطاب! اگر تم انگور کی بیلیں کاٹ ڈالو گے تو ہم انھیں دوبارہ کاشت کر لیں گے۔ ہمارے پاس زرخیز زمین اور کاشتکاری کے لیے مفید پانی وافر موجود ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس پانی اور زمین تک کبھی پہنچ نہ پاؤ گے۔ ہم تمھارے دروازے گھیرے رکھیں گے حتی کہ تم اندر ہی مر جاؤ گے۔

اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! ایسا مت کہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو فتح طائف کی اجازت نہیں ملی۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو طائف فتح کرنے کی اجازت نہیں ملی؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی مشاورت اور اعلان واپسی

محاصرہ طائف نے طول پکڑا تو مسلمانوں کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ مسلمان کھلے میدان میں بیٹھے تھے جبکہ دشمن بلند قلعے میں محفوظ تھا۔ وہ اوپر سے تیر، نیزے اور فولادی انگارے برسا کر مسلمانوں کو شدید زخمی کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے پاس اجناس خورونوش کی کمی بھی ہو رہی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے ماہرین حرب سے مشاورت کی۔ آپ نے نوفل بن معاویہ دیلی کو بلایا جو کہ تجربہ کار اور صاحب فہم و فراست تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارا کیا مشورہ ہے، محاصرہ جاری رکھا جائے؟'' نوفل نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لومڑی بل میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ ڈٹے رہے تو یہ قابو ضرور آئے گی اور اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

1 المغازي للواقدي: 336/2.

محاصرے کے دوران سیدہ خولہ بنت حکیم ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرما دے تو مجھے فارعہ بنت خزاعی یا بادیہ بنت غیلان کے زیورات عنایت فرما دینا۔ یہ دونوں ثقیف کی سب سے حسین و جمیل خواتین تھیں اور بہترین زیورات زیب تن کرتی تھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اے خولہ! اگر ہمیں ثقیف کو فتح کرنے کی اجازت ہی نہ ملی تو؟'' یہ سن کر سیدہ خولہ واپس چلی گئیں اور جا کر سیدنا عمر ؓ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہمیں طائف فتح کرنے کی اجازت ہی نہیں ملی۔ سیدنا عمر ؓ یہ سن کر فوراً نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیدہ خولہ ؓ کی خبر کی تصدیق چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمیں فتح طائف کی اجازت نہیں ملی۔'' اس پر عمر فاروق ؓ نے اجازت مانگی: کیا میں لوگوں کو روانگی کی اطلاع دے دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں ضرور اطلاع کر دو۔'' سیدنا عمر ؓ نے واپسی کا اعلان کیا تو مجاہدین کی صفوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ وہ مجاہدین جو کئی روز سے نامساعد حالات کے باوجود ڈٹے ہوئے تھے، ان کے لیے فیصلہ کن جنگ کے بغیر واپس جانے کا فیصلہ خاصا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ وہ آپس میں کہنے لگے: ہم قریش اور ہوازن کے ٹڈی دل کو شکست دے چکے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اہل طائف کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ تعداد میں ان سے کہیں کم ہیں۔ پھر بھلا انھیں فتح کیے بغیر کیوں جائیں؟ ہمیں انتظار کرنا چاہیے حتی کہ یہ لوگ اندر ہی بھوکے پیاسے مر جائیں یا باہر آ کر ہم سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

مجاہدین اسلام اپنے انھی جذبات و احساس کی ترجمانی کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس گئے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کریں۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے ان کے جذبات کو بغور سنا اور پھر انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ پر آسمان سے وحی اترتی ہے، اس لیے آپ کا فیصلہ ہی بہتر اور اعلیٰ ہے۔ لہٰذا جو حکم ہوا ہے، اس کی تعمیل کرو۔ تمھاری بہتری اسی میں ہے۔

لیکن مجاہدین اسلام کے جذبات کی تشفی نہ ہوئی تو وہ عمر ؓ کے پاس پہنچے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے وزیر خاص ہیں اور جرأت اظہار کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا عمر ؓ کافروں کے بارے میں شدید جذبات رکھتے ہیں، اس لیے وہ ان کی ترجمانی ضرور کریں گے۔ سیدنا عمر ؓ نے مجاہدین کے گرما گرم جذبات سنے اور پھر ذاتی تجربے کی روشنی میں ان کی راہنمائی کی، فرمایا: حدیبیہ والے دن میرے جذبات بھی کچھ ایسے ہی گرم تھے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے فیصلے کے خلاف اپنی رائے کا اظہار بڑے گرم جذبات

کے ساتھ کیا تھا۔ اے کاش! میرے گھر والے اور مال و دولت چلا جاتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ تکرار نہ کی ہوتی۔ (یاد رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس خطا کی معافی کے لیے غلام آزاد کیے، صدقہ خیرات کرتے اور نفلی روزے رکھتے رہے۔) پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی کے فیصلے کے ذریعے سے خیر و برکت عطا فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے ذریعے بغیر جنگ و جدال کے اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے بعثت سے لے کر صلح حدیبیہ کی تحریر تک ہوئے تھے۔ لہٰذا تم اپنی رائے کو ناقص سمجھو اور اسے ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کرو۔ میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے خلاف نہیں بولوں گا۔ یہ تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ اپنے نبی کو وحی کے ذریعے سے جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔

سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی مشفقانہ نصیحت کے باوجود مجاہدین کے جذبات ٹھنڈے نہ ہوئے اور لشکر میں بدستور بے چینی اور اضطراب برپا رہا۔ رسول اللہ ﷺ اس ساری صورت حال سے بخوبی واقف تھے۔ آپ اپنے جاں نثاروں سے بالکل ناراض نہیں ہوئے بلکہ ان کے جذبات کی تسکین کے لیے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انھیں حکم دیا:

«اُغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ»

''صبح حملہ آور ہو جاؤ۔''

صبح جب اسلامی لشکر حملے کے لیے قلعہ طائف کے سامنے صف آرا ہوئے تو طائف والوں نے قلعے کے اوپر سے مسلمانوں پر تیروں، نیزوں، سلگتے فولادی انگاروں کی بارش کر دی۔ متعدد مسلمان شدید زخمی ہوئے اور کچھ جام شہادت نوش فرما گئے۔ جبکہ مسلمان چند فٹ بھی پیش قدمی نہ کر سکے۔ قلعے کی بلندی کی وجہ سے ان کے تیر اور نیزے بے کار ثابت ہو رہے تھے۔ لہٰذا شام تک اسلامی لشکر زخموں سے چور واپس معسکر میں آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اعلان فرمایا:

[illegible]

''ہم صبح واپس روانہ ہوں گے، ان شاء اللہ۔''

یہ اعلان سن کر مجاہدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اب اتنے زخم کھانے کے بعد جب روانگی کی خبر پر وہ خوش ہو رہے تھے تو رحمت عالم ﷺ بھی انھیں دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ حالانکہ جب پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے واپسی کا اعلان کرایا تھا تو انھوں نے بڑی ہی بے دلی سے کہا تھا: ''کیا طائف کو فتح کیے بغیر ہی واپس جائیں گے؟'' اب سبھی خوشی خوشی واپسی کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ کہو:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے اکیلے ہی تمام لشکروں کو شکست دی۔''

جب مجاہدین سواریوں پر بیٹھ گئے تو حکم دیا کہ اب کہو:

«آئِبُونَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ»

''ہم واپس آنے والے ہیں، ان شاء اللہ، اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں، اس کی تعریف بیان کرنے والے ہیں۔''

اس طرح اسلامی لشکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوا واپس روانہ ہوا تو آپ سے عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! اہل طائف کو بددعا دیجیے۔ ان کے تیروں نے آپ کے جانثاروں کو شدید گھائل کیا ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو بڑی تکلیف دی ہے۔ مگر سراپا رحمت تاجدار مدینہ کی زبان مبارک سے اہل طائف کی رشد و ہدایت کی دعا نکلی۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَأْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے دے اور انھیں (مدینہ) لے آ۔''

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور 9 ھ میں ثقیف مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔[1]

شہدائے غزوۂ طائف

غزوۂ طائف میں مشرکین کا معسکر بلند و بالا قلعہ تھا، اس لیے ان کا جانی اور مالی نقصان نہیں ہوا۔ ان کے صرف دو سور مارے گئے۔ جبکہ مسلمانوں کا پڑاؤ کھلے میدان میں تھا، اس لیے مسلمانوں کو شدید زخم لگے اور بارہ صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان میں سے 9 مہاجرین، تین انصاری تھے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1. سیدنا سعید بن سعید بن امیہ اموی۔
2. سیدنا عُرفطہ بن حُباب بن حبیب بن عبد مناف الکنانی۔
3. سیدنا یزید بن زمعہ بن اسود اسدی۔

---

1 جامع الترمذی: 3942، [illegible] 339،338/2، فتح الباری: 56/8، [illegible] 619/4

4 سیدنا عبداللہ بن ابی بکر صدیق۔

محاصرے کے دوران ابو محجن نے عبداللہ بن ابی بکر ؓ کو تیر مارا جو ان کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ زخم سوجھ گیا تو تیر نکال لیا گیا۔ سیدنا ابو بکر ؓ نے یہ تیر سنبھال لیا۔ ان کے لخت جگر مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کی خلافت میں اسی زخم سے شہادت پا گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ابو محجن مدینہ منورہ آئے۔ اس وقت وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ سیدنا ابو بکر ؓ نے انھیں وہی تیر دکھایا اور کہا: کیا اس تیر کو پہچانتے ہو؟ ابو محجن نے عرض کی: میں بھلا اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے تیار کیا۔ اس کی نوک پلک سیدھی کی، اسے پر لگائے، اس کی تانت کسی اور پھر آپ کے بیٹے کو مارا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کے بیٹے کے ہاتھوں رسوا ہونے سے بچایا اور اسے میرے ہاتھوں عزت سے نوازا (شہادت عطا فرمائی)۔

5 سیدنا عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی۔

6 سیدنا عبداللہ بن عامر بن ربیعہ عنزی۔

7 سیدنا سائب بن حارث بن قیس سہمی۔

8 سیدنا عبداللہ بن حارث سہمی۔

9 جُلیحہ بن عبداللہ سعدی لیثی۔

10 سیدنا ثابت بن جذع انصاری۔

11 سیدنا حارث بن سہل انصاری۔

12 سیدنا منذر بن عبداللہ انصاری۔[1]



عیینہ بن حصن کی شرکت کا مقصد

جب رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کر کے روانگی کا اعلان فرمایا تو مشرکین نے خوشی کے شادیانے بجائے۔ سعید بن عبید نے نعرہ مارا: ثقیف زندہ باد۔ ثقیف اپنے علاقے کا دفاع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمان ان سے ان کا علاقہ چھیننے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

اس کا یہ نعرہ سن کر عیینہ کہنے لگا: جی ہاں، اللہ کی قسم! تم بڑے معزز اور عزت و شرف والے ہو۔ ایک مسلمان مجاہد نے اس کی یہ بکواس سنی تو فرمایا: اے عیینہ! اللہ تمھیں برباد کرے، تم کافروں کی تعریف کر رہے ہو کہ وہ فتح نہیں

1 المعازي للواقدي: 340/2، السيرة لابن إسحاق: 578/2، السيرة لابن هشام: 129/4.

ہوئے جبکہ تم رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لیے آئے تھے؟ عیینہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تمھاری مدد کے لیے ہرگز نہیں آیا تھا۔ ثقیف کے ساتھ لڑنا میرا مقصود نہیں تھا۔ میں تو صرف اس لیے آیا تھا کہ محمد (ﷺ) طائف فتح کرلیں گے تو مجھے ثقیف کی کوئی لونڈی مل جائے گی جو میرے لیے جوانمرد بیٹا جنے گی کیونکہ ثقیف والے بڑے ذہین و فطین اور ہوشیار لوگ ہیں۔ (میں بھی چاہتا تھا کہ میری نسل میں بھی ایسے ہی بہادر اور زیرک لوگ ہوں۔) یقیناً ثقیف بڑی بابرکت قوم ہے۔[1]

طائف کا محاصرہ کتنے دن رہا؟

طائف کا محاصرہ خاصا طویل رہا۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یہ چالیس روز جاری رہا۔ جبکہ اہل مغازی نے ان کی تعداد مختلف بیان کی ہے۔ کچھ نے بیس دن، کچھ نے انیس روز، کچھ نے اٹھارہ دن اور کچھ نے محاصرے کی مدت پندرہ دن بیان کی ہے۔

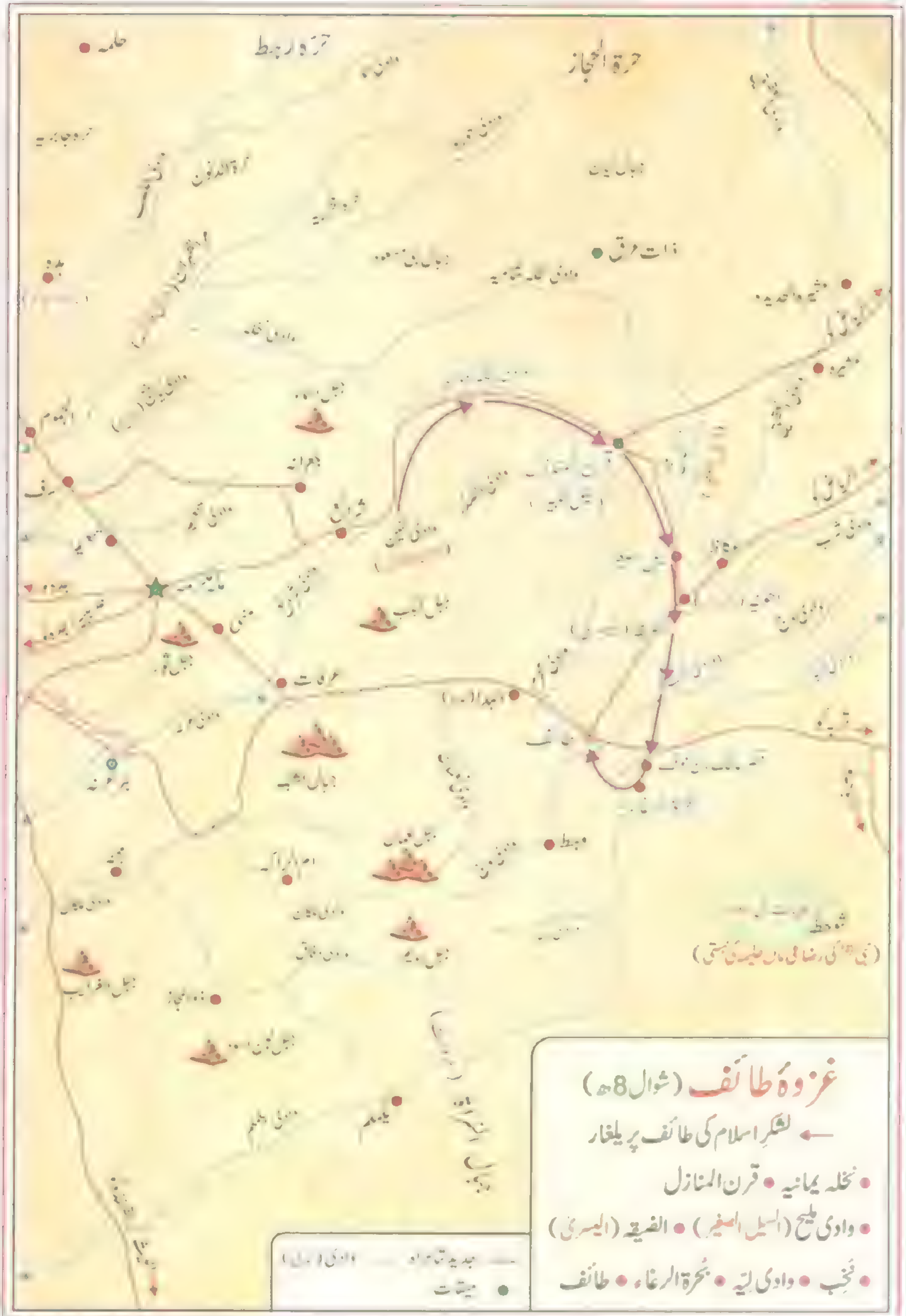
اس دوران میں رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں خیموں کے درمیان نماز قصر ادا کرتے رہے، بعدازاں جب ثقیف والے مسلمان ہوئے تو عمرو بن امیہ بن وہب بن معتب بن مالک نے اس جگہ مسجد تعمیر کر دی۔ اس مسجد میں ایک ستون تھا جب اس پر دھوپ پڑتی تو اس سے تقریباً دس بار آواز نکلتی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ستون اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا تھا۔[2]

فتح طائف حاصل نہ ہونے کی ایک حکمت

مؤرخین اور اہل سیرت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ طائف کرنے کے بعد اسے بغیر فتح کیے اسلامی لشکر کو مدینہ منورہ واپس جانے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح اسلامی لشکر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ لیکن سنن ابی داود کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اسلامی لشکر نے مشرکین کا محاصرہ کرلیا اور اس وقت تک محاصرہ جاری رکھا جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنے قلعے سے اترنے پر رضامند نہ ہوگئے۔ آئیے وہ روایت ملاحظہ فرمائیں جسے عثمان بن ابی حازم اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے بنو ثقیف سے جہاد کیا۔ صخر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو اپنے شہسوار لے کر نبی ﷺ کی مدد کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مگر جب وہاں پہنچا تو نبی ﷺ اسے فتح کیے بغیر ہی واپس جا چکے تھے۔ تو صخر نے اس دن اللہ کے

1 البداية والنهاية: 4/619 2 السيرة لابن هشام 4/125، 126، المغازي للواقدي 2/331، 332، فتح الباري 8/56، السيرة لابن هشام: 4/125.


حرۃ الحجاز
ذات عرق
عرفات
جعرانہ
غزوۂ طائف (شوال 8ھ)
لشکرِ اسلام کی طائف پر یلغار
نخلہ یمانیہ • قرن المنازل
وادی ملیح (السیل الصغیر) • الضیقہ (الیسریٰ)
نخب • وادی لیہ • بحرۃ الرغاء • طائف

ساتھ یہ عہد کیا اور اپنے ذمے لیا کہ جب تک یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم نہیں مان لیتے، اس وقت تک وہ اس قلعے کو نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور انھیں نہ چھوڑا حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ صخر نے یہ خبر رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھ بھیجی: حمد و صلاۃ کے بعد، اے اللہ کے رسول! بنو ثقیف نے آپ کا فیصلہ قبول کر لیا ہے اور میں ان کی طرف جا رہا ہوں اور یہ اپنے شہسواروں کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کروایا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ پھر آپ نے (صخر کی قوم) احمس کے لیے دس دعائیں فرمائیں: ''اے اللہ! احمس کے شہسواروں اور اس کے پیادوں کو برکت دے۔'' پھر وہ قوم نبی ﷺ کے پاس گئی اور مغیرہ بن شعبہ (ثقفی) نے آپ سے بات کی اور کہا: اے اللہ کے نبی! صخر نے میری پھوپھی کو پکڑ لیا ہے، حالانکہ وہ اس (عہد) میں داخل ہو چکی ہے جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں (یعنی مسلمان ہو چکی ہے)۔ پس آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا: ''اے صخر! کوئی قوم جب مسلمان ہو جائے تو وہ اپنی جان اور اپنے اموال محفوظ بنا لیتی ہے، لہذا مغیرہ کو اس کی پھوپھی واپس کر دو۔'' چنانچہ اس نے اسے واپس کر دیا۔ صخر نے نبی ﷺ سے بنو سُلیم کے پانی کا سوال کیا۔ وہ اسلام قبول کرنے سے بھاگ گئے تھے اور اپنا چشمہ چھوڑ گئے تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے اور میری قوم کو وہاں نزول (اتر کر اسے اپنی تحویل میں لینے) کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اور اسے وہاں اترنے کی اجازت دے دی۔ اور پھر بنو سُلیم والے اسلام لے آئے اور صخر کے پاس آ کر مطالبہ کیا کہ ہمارا چشمہ واپس کر دو تو اس نے انکار کر دیا۔ وہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: اے اللہ کے نبی! ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ہم صخر کے پاس گئے ہیں کہ ہمارا چشمہ ہمیں واپس کر دو مگر اس نے انکار کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے صخر کو بلایا تو اس سے فرمایا:

«يا صخر! إن القوم إذا أسلموا أحرزوا أموالهم ودماءهم، فادفع إلى القوم ماءهم»

''اے صخر! کوئی قوم جب مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے اموال اور اپنی جانیں محفوظ کر لیتی ہے۔ تم قوم کو ان کا چشمہ واپس کر دو۔''

اس نے کہا: بہت اچھا، اے اللہ کے نبی۔ (صخر کہتے ہیں کہ اس وقت) میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا چہرۂ مبارک حیا کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا کہ اس سے لونڈی لے لی گئی اور چشمہ بھی (حالانکہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا تھا)۔ [1]

[1] سنن أبي داود: 3067.

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ اس سال فتح طائف مؤخر کر دی جائے۔ کیونکہ فتح کی صورت میں اہل طائف کی قتل و غارت لازمی تھی اور یہ امکان تھا کہ ثقیف والے ختم کر دیے جائیں گے، حالانکہ ان کے لیے رحمت عالم ﷺ کی دعا بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے اسلام میں اپنے چچا کی وفات کے بعد طائف کا سفر کیا تھا اور اہل طائف کو اسلام کی دعوت تھی۔ اس موقع پر اہل طائف نے بہت برا رویہ اختیار کیا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے مسلمان ہونے کی امید پر ان کو بد دعا نہیں دی تھی۔ آیئے اس کی تفصیل ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں پڑھتے ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ پر اُحد کے دن سے سخت دن بھی کبھی آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے اور لوگوں سے سخت تکلیف جو میں نے اٹھائی وہ عقبہ کے دن تھی، جب میں نے خود کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا تو اس نے میری خواہش کے مطابق جواب نہ دیا۔ میں رنجیدہ ہو کر وہاں سے لوٹا۔ (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں؟) جب قرن ثعالب پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں سیدنا جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے، آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (میں تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوں)۔ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں (جس سے وہ چکنا چور ہو جائیں)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

"(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"[1]

آپ کی اسی خواہش کی تکمیل کے لیے فتح طائف مؤخر ہوگئی اور پھر اہل طائف اگلے سال رمضان المبارک میں اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوگئے۔[2]

[1] صحیح البخاری، 3231 [2] البدایۃ والنہایۃ: 621/4، و [illegible] 2/1666، 1667

رسول اکرم ﷺ کی جعرانہ روانگی

طائف کا محاصرہ ختم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ وحنا، قرن منازل اور نخلہ کے راستے جعرانہ روانہ ہو گئے۔ اس راستے میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت اور امت کے ساتھ رحمت و مودت کے متعدد واقعات رونما ہوئے۔ آیئے ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

مسجد میقات قرن المنازل (السیل الکبیر)



1 جنگجو سردار مالک بن عوف کا قبول اسلام

مالک بن عوف نصری حنین میں بیس ہزار جنگجو لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آیا تھا۔ وہ بڑی بے جگری سے لڑا۔ بدترین شکست اس کا مقدر تھی۔ اس لیے جب نوجوان جنگجو قائد نے اپنی قوم کی بربادی دیکھی تو سمجھ گیا کہ اب فتح کے کچھ امکان نہیں۔ جتنی دیر میدان معرکہ میں ڈٹا رہتا، اتنی ہی بلائیں بڑھ جاتیں۔ لہذا اپنے شاہسواروں کے ساتھ میدان معرکہ سے فرار ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔ بھاگتے بھاگتے وادی لیہ جا کر سانس لیتا ہے۔ اپنے قلعے میں پناہ لینے کے بعد اسے بھی غیر محفوظ خیال کرتا ہے، اس لیے وہاں سے نکل کر طائف جا کر ثقیف کے ساتھ قلعہ بند ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ حکمت و دانائی کی دولت سے سرفراز اور وحی الٰہی کی راہنمائی سے مالا مال تھے۔ آپ ہر شخص سے اس کی فطرت اور معاشرتی مقام و مرتبے کے لحاظ سے معاملات طے کرتے تھے۔ مقام جعرانہ میں آپ نے ہوازن کے قیدی اور اموال مجاہدین میں تقسیم کیے تو مالک بن عوف کے اہل خانہ کو مکہ مکرمہ میں ان کی پھوپھی

ام عبداللہ بنت ابی امیہ کے پاس محفوظ کرا دیا۔ مالک کے اموال کو بھی تقسیم نہ فرمایا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے ہوازن کے وفد سے پوچھا: ''مالک بن عوف کدھر ہے؟ اس کا کیا بنا؟'' ہوازن نے بتایا: اللہ کے رسول وہ بھاگ کر ثقیف کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا تھا، ابھی تک وہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: ''اسے اطلاع دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے تو نہ صرف اسے معاف کر دیا جائے گا بلکہ اس کے اہل و عیال اور اموال واپس کر دیے جائیں گے، نیز اسے سو اونٹ عطا کیے جائیں گے۔''

مالک بن عوف کو رسول اللہ ﷺ کی اس فیاضی اور رحمدلی کا علم ہوا تو وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ مگر اسے ڈر تھا کہ ثقیف کو رسول اللہ ﷺ کی اس پیش کش کا علم ہو گیا تو وہ مالک بن عوف کو آسانی سے جانے نہیں دیں گے۔ لہٰذا اس نے اپنے ایک وفادار کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مالک کی اونٹنی دحنا مقام پر تیار رکھے۔ پھر اپنے ایک راز دان کو حکم دیا کہ رات کے اندھیرے میں اس کا گھوڑا تیار کر کے لے آئے۔ پروگرام کے مطابق مالک بن عوف رات کے وقت چپکے سے ثقیف کے قلعے سے نکلا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ راتوں رات دحنا پہنچا اور پھر وہاں سے اونٹنی پر سوار ہو کر تیز رفتاری سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے سفر طے کرنے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حسب وعدہ اس کے بیوی بچے اور مال واپس لوٹا دیا۔ سو اونٹ خصوصی عنایت فرمائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر اپنے ایمان و یقین کو قرآن و سنت کی سنہری تعلیمات سے جلا بخشنے لگا۔[1]

2 سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی

سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہے تھے۔ ان کے قدموں میں چمڑے کے سخت جوتے تھے۔ چلتے چلتے ان کی سواری رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا گئی۔ ان کے جوتے کا کھردرا کنارہ رسول اللہ ﷺ کی پنڈلی پر لگا اور آپ کو سخت تکلیف پہنچی۔ رسول اللہ ﷺ نے شدت تکلیف کی وجہ سے ان کے پاؤں پر اپنا کوڑا مارا اور فرمایا: ''اپنا پاؤں دور کرو۔'' سیدنا ابورہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس حادثے سے مجھے بڑی شرمساری ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو انجانے میں تکلیف پہنچا کر میں رنج و الم میں ڈوب گیا۔ اب مجھے خدشہ تھا کہ کسی بھی وقت آسمان سے میرے بارے میں شدید وعید نازل ہوگی۔ پھر جب ہم جعرانہ پہنچے تو میں صبح کے وقت اونٹ چرانے نکل گیا تاکہ رسول اللہ ﷺ سے آمنا سامنا نہ ہو، حالانکہ یہ میری باری کا دن نہ تھا۔ میں بہت ڈرا ہوا

1 دیکھیے: دلائل النبوۃ 4/138، المغازی للواقدی 2/353، [illegible] 2/1689-1692

تھا کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوئی اور مجھے سزا ملے گی۔ جبکہ سراپا رحمت و شفقت آپ کو تلاش کرتے رہے۔ جب شام کو میں جانور لے کر واپس آیا تو مجھے ساتھیوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں تلاش کر رہے تھے، لہٰذا میں ڈرتے ڈرتے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا

«إنك أوجعتني برجلك فقرعتك بالسوط، فخذ هذه الغنم عوضا عن ضربتي»

''تم نے اپنے پاؤں سے مجھے تکلیف دی تھی تو میں نے بھی تمھیں کوڑا مارا تھا، لہٰذا میری اس چوٹ کے بدلے یہ بکریاں لے لو۔''

سیدنا ابورہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ کا مجھ سے راضی ہونا میرے لیے دنیا و مافیہا کی دولت سے زیادہ محبوب ہے۔

3 سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کا انعام

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ آپ میرے ساتھ محو گفتگو تھے۔ میری اونٹنی بڑی جوان اور مضبوط تھی۔ وہ بار بار رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا جاتی۔ میں کوشش کرتا رہا کہ وہ نہ ٹکرائے مگر وہ میرے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک بار وہ ٹکرائی تو آپ کا پاؤں دونوں اونٹنیوں کے درمیان دب گیا۔ شدت تکلیف سے آپ کے منہ مبارک سے اف کی آواز نکلی۔ آپ نے رکاب سے پاؤں نکالا تو وہ سرخ ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنی لاٹھی کے ساتھ میرے پاؤں کو پیچھے ہٹایا اور پھر کچھ دیر خاموش ہو گئے۔ آپ کی خاموشی میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ اللہ کی قسم! اونٹنی سے اترنے سے پہلے مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب میرے بارے میں سخت احکام نازل ہوں گے۔ جب ہم نے پڑاؤ ڈالا اور سواریوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آج میں اونٹ چراؤں گا، حالانکہ آج میری باری نہیں تھی۔ میں بس آپ سے دور نکلنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں اونٹ چرانے کے بہانے نکل گیا۔ جب شام کو واپس آیا تو میرے دل میں کھٹکا تھا کہ میرے بارے میں ضرور کوئی وعید نازل ہو چکی ہوگی۔ اس لیے میں نے آتے ہی اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: کیا میرے بارے میں کوئی پوچھنے آیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں رسول اللہ ﷺ نے تمھارا پوچھنے کے لیے ایک آدمی بھیجا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا: اللہ کی قسم! میرے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ نازل ہو گیا ہے۔ میں نے پھر پوچھا: کون میرا پوچھنے آیا تھا؟ جواب ملا: ایک انصاری صحابی آئے تھے۔ وہ شخص میرا پسندیدہ نہ تھا۔ شاید اس لیے کہ انصار ہمارے بارے میں کچھ سخت رویہ رکھتے تھے۔ پھر ایک قریشی مجھے تلاش کرنے آیا تو میں ڈرتے ڈرتے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی اپنی خوبصورت مسکراہٹ سے

نوازا۔ اب مجھے کچھ تسلی ہوئی کہ معاملہ اتنا خطرناک نہیں جتنا میں سمجھ رہا تھا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: [illegible] [illegible] ''کل میں نے تمھیں اپنی چھڑی ماری تھی۔'' [illegible] ''اس چھڑی کے بدلے یہ بھیڑوں کا ریوڑ لے لو۔'' میں یہ سن کر باغ باغ ہوگیا۔ یہاں تو معاملہ بالکل الٹ ہوگیا تھا۔ میں سزا سے ڈر رہا تھا جبکہ سراپا رحمت ﷺ مجھے بے حد نواز رہے تھے۔ میں نے خوشی خوشی بھیڑوں کا ریوڑ اپنے آگے لگایا اور چل دیا۔ ان کو شمار کیا تو وہ اسی سے زیادہ بھیڑیں تھیں۔

4 سیدنا ابوزرعہ جہنی رضی اللہ عنہ کی قسمت چمک اٹھی



سیدنا ابوزرعہ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محاصرۂ طائف کے بعد جب ہم نے قرن منازل سے روانگی کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کی سواری کو تیار کیا۔ میں نے آپ کو سوار کرانے کے لیے اونٹنی کو بٹھایا اور اس کی لگام اپنے ہاتھ میں سمیٹ لی۔ آپ سوار ہوئے تو میں نے لگام آپ کو دے دی اور میں گھوم کر پیچھے چلا گیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو چلانے کے لیے کوڑا مارا تو وہ مجھے لگ گیا۔ آپ نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا: [illegible] ''کوڑا تمھیں لگا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ پھر جب آپ جعرانہ میں تشریف فرما ہوئے اور غنائم تقسیم کرنی شروع کیں تو ایک کونے میں بکریوں کا ایک ریوڑ جمع تھا۔ آپ نے غنیموں کے نگران سے کچھ معلومات لیں، پھر اعلان کرایا: [illegible] ''ابوزرعہ کہاں ہے؟'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: [illegible] ''میں نے کل جو کوڑا تمھیں مارا تھا، اس کے بدلے میں یہ ریوڑ لے جاؤ۔'' میں نے انھیں شمار کیا تو وہ ایک سو بیس بکریاں تھیں۔ ان بکریوں سے میں نے خوب دولت حاصل کی۔ میرے لیے یہ بکریاں بڑی بابرکت ثابت ہوئیں۔[1]

یومِ وفا

رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے تو قریش مکہ نے آپ کی گرفتاری

1 المغازي للواقدي: 342,341/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1662,1661/2

پر 100 اونٹوں کا انعام مقرر کر دیا۔ انعام کے لالچ میں ہر قبیلے کے شاہ سوار آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ بنو مدلج کے شاہ سوار سراقہ بن مالک بن جعشم بھی ان میں شامل تھے۔ آپ کی تلاش میں نکلنے والے سارے لوگ ناکام ہوگئے مگر سراقہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پریشان ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! دشمن بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا: ''ابوبکر گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' پھر آپ نے اپنے دست مبارک بلند کیے اور دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ»

''اے اللہ! تو جیسے چاہے ہمارے لیے اس سے کافی ہو جا۔''

دعائے حبیب فوراً قبول ہوئی اور سراقہ گھوڑے سے نیچے آ گرا۔ وہ دوبارہ اٹھا، سوار ہوا مگر اس بار گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ تیسری بار اٹھا، فال نکالی مگر وہ اس کے خلاف نکلی، پھر بھی وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آپ کی طرف بڑھا۔ اس بار وہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ گرا اور گھوڑے کے پاؤں زمین کے اندر دھنس گئے۔ سراقہ سمجھ گیا کہ یہ کام اس کے بس سے باہر ہے۔ لہٰذا اب امان نامے کے لیے منتیں کرنے لگا۔ آپ کے حکم سے اسے امان نامہ لکھ دیا گیا۔ اس طرح گرفتار کرنے کے لیے آنے والا خود قیدی ہو کر واپس مڑا۔ واپسی پر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے راستے سے روک کر آپ کے ساتھ کیا وعدہ نبھاتا رہا تاآنکہ رسول اللہ ﷺ بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔[1]

سراقہ نے یقین کر لیا تھا کہ ایک روز محمد ﷺ ضرور غالب آئیں گے اور ان کے دشمن مٹ جائیں گے۔ اس لیے سراقہ نے اپنا حفاظتی امان نامہ خوب سنبھال کر رکھا کیونکہ آنے والا دور مسلمانوں کی شان و شوکت اور غلبے کا دور تھا۔ اور پھر چند ہی سالوں بعد وہ دن آ گیا۔ آئیے اس دن کی روداد خود سراقہ کی زبانی سنیے:

سراقہ بن مالک بن جعشم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طائف کی گھاٹیوں سے اتر کر جعرانہ کی طرف گامزن تھے۔ جب مجھے آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو میں بھی تیاری کر کے آپ کی ملاقات کے لیے نکل پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلے آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ میں انصار کے شاہ سواروں میں گھس گیا۔ انھوں نے ایک اجنبی کو اپنے درمیان دیکھا تو اپنے نیزوں کی انیاں مجھے چبھونے لگے۔ وہ مجھے آگے بڑھنے سے روکنے اور گھورنے لگے مبادا میں نبی کریم ﷺ کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔ وہ مجھے بار بار کہہ رہے تھے: دور ہو جا، دور ہٹ جا، تم ہو کون؟ میں اسی کشمکش میں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میری آواز آپ سن لیں گے تو میں نے

[1] سراقہ کا تفصیلی واقعہ دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 4/285,284.

امان نامہ اپنی انگلیوں میں لے کر بلند کیا اور پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں سراقہ بن مالک ہوں اور میرے پاس آپ کا عطا کردہ امان نامہ ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ، اُدْنُهْ» ''آج وفاداری اور احسان کا دن ہے۔ اسے میرے قریب لے آؤ۔'' میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے قدم مبارک پر نظر پڑی جو رکاب کے اندر چمک رہا تھا۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا اور صدقہ پیش کیا۔ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے حوض بھرتا ہوں۔ کئی دوسرے اونٹ بھی پانی پینے آجاتے ہیں۔ اگر میں غیروں کے اونٹوں کو پانی پینے دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرَّى أَجْرٌ»

''ہاں، ہر جاندار کو پانی پلانے پر اجر و ثواب ہے۔''[1]

مشرک کا ہدیہ

سفر طائف سے واپسی پر راستے میں اسلم قبیلے کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ بھی تھا۔ آپ اپنی سواری پر سوار جا رہے تھے۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ہدیہ قبول فرمائیں، میں یہ آپ کو پیش کرنے کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے جواب دیا: اسلم قبیلے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔'' اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہوں، میں اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ اور آپ کو رسول مانتا ہوں۔ میں نے اپنی ان بکریوں کی زکاۃ سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو ادا کی ہے۔ اسی دوران سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے اپنے قبیلے کے اس شخص کی تصدیق کی اور عرض کی: یہ میری قوم کا شریف آدمی ہے اور صفاح مقام پر رہتا ہے۔ آپ نے پوچھا: ''تم نخلہ کیوں آئے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ان دنوں نخلہ صفاح سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے، بکریوں کے لیے چرنے کے زیادہ مواقع ہیں، اس لیے میں یہاں منتقل ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''ہم جعرانہ جا رہے ہیں، تم جعرانہ آ کر ہمیں ملو۔'' یہ سن کر اس نے آپ کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے: کیا میں اپنی بکریاں بھی جعرانہ لے آؤں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بکریاں ادھر ہی رہنے دو، تم جعرانہ آجاؤ! ہم تمھیں مزید بکریاں عطا کریں گے، ان شاء اللہ۔''

---

[1] المغازي للواقدي: 342/2، سیرت انسائیکلو پیڈیا (دارالسلام): 4/284-289.

پھر اس شخص نے چند دینی مسائل پوچھے۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، اونٹوں کے باڑے میں نماز مت پڑھو۔'' اس نے پھر پوچھا کیا بکریوں کے باڑے میں پڑھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، پڑھ لیا کرو۔'' اس نے تیسرا سوال کیا: اے اللہ کے رسول! بعض اوقات جہاں ہم پڑاؤ کرتے ہیں، وہاں پانی نہیں ہوتا، کیا ایسی صورت میں بیوی سے تعلقات قائم کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، پھر تیمم کر کے نماز ادا کرلو۔''

اس نے ایک اور سوال پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایسی صورت میں ہمارے درمیان موجود حائضہ عورت کیا کرے جبکہ وہ حیض سے فارغ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بھی تیمم کرلے (اور پھر نماز وغیرہ ادا کرلے)۔''

اس کے بعد یہ اسلمی شخص نبی کریم ﷺ کو جعرانہ آکر ملا تو آپ نے اسے سو بکریاں عطا کیں۔[1]

جعرانہ میں غنیمتوں کی تقسیم

غزوہ حنین میں مسلمانوں کو شاندار مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔ مال غنیمت اپنی تعداد اور مقدار کے اعتبار سے ایسا عظیم الشان تھا کہ ایسا مال غنیمت اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس میں چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، کئی من سونا چاندی اور تقریباً چھ ہزار غلام اور لونڈیاں حاصل ہوئیں۔ سکہ رائج الوقت کے قانون کے مطابق یہ سارا مال اب فاتح لشکر کی ملکیت تھا۔ حالانکہ ہوازن والے رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ماموں تھے۔ آپ نے ان تمام غنیمتوں کو سیدنا بدیل بن ورقاء اور سیدنا بسر بن سفیان خزاعی رضی اللہ عنہما کی نگرانی میں جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور خود لشکر اسلام کو لے کر مفرورین کی سرکوبی کے لیے طائف روانہ ہو گئے۔

اسلام دین رحمت و شفقت ہے اور رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ پھر بھلا ہوازن کے قیدی اس رحمت و شفقت سے کیسے محروم رہ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قائدین کو حکم دیا کہ قیدیوں کے لیے سائبان تعمیر کریں جہاں وہ آرام کرسکیں۔ آپ نے سیدنا بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے لیے مکہ کے بازار سے مناسب لباس خرید کر انھیں پہنائے جائیں۔ لہٰذا آپ کی طائف سے واپسی تک یہ دونوں کام سرانجام دے دیے گئے۔ ہر ہر قیدی کو لباس اور رہنے کے لیے سایہ دار چھپر مہیا کر دیا گیا۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ننھیالی رشتہ دار بھی تھے۔ آپ نے ایک ماہ تک ان قیدیوں کی تقسیم مؤخر رکھی۔ تاکہ اہل ہوازن آپ سے رحم کی اپیل کر کے اپنے قیدی چھڑا لیں۔ مگر طویل انتظار کے باوجود جب کوئی اپیل نہ کی گئی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے

[1] المغازي للواقدي: 343/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1665،1664/2.

طائف سے واپسی پر انھیں تقسیم کر دیا۔

مجاہدین اسلام کی بے مثال ایمانداری

مجاہدین اسلام ایمانداری، دیانتداری اور اطاعت رسول کے اعلیٰ ترین اوصاف سے متصف تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہر موقع کی مناسبت سے اپنے صحابہ کی روحانی تربیت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جعرانہ میں آپ نے بالوں کا ایک گچھا پکڑ کر فرمایا:

«ما لي من هذا الا مثل هذه لأحدكم إلا الخمس وهو مردود عليكم، فأدوا الخيط والمخيط فما فوقهما، وإياكم والغلول، فإنه عار وشنار على صاحبه يوم القيامة»

''تمھارے اس مال غنیمت میں سے میرے لیے یہ بھی حلال نہیں سوائے خمس کے۔ اور خمس بھی تمھیں ہی لوٹا دیا جائے گا (ضروریات پوری ہونے کے بعد بقیہ تم ہی میں تقسیم کر دیا جائے گا)۔ لہٰذا دھاگہ اور سوئی یا اس سے بھی کم تر ہر چیز مال غنیمت میں جمع کرا دو۔ خبردار! خیانت نہ کرنا کیونکہ خیانت قیامت کے دن عار و رسوائی کا باعث ہوگی۔''[1]

آپ کا یہ فرمان سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عظیم الشان فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا۔ آئیے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

1 رسول اللہ ﷺ کے اس اعلان سے قبل سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ محترمہ کے پاس آئے تو ان کی تلوار ابھی تک خون آلود تھی۔ وہ کہنے لگیں: مجھے معلوم ہے کہ آپ مشرکین سے بڑی بہادری سے لڑے ہیں، بتائیے غنیمت میں کیا ملا ہے؟ انھوں نے ایک سوئی ان کے حوالے کی اور کہا: لو یہ سوئی تمھارے لیے لایا ہوں، اس سے اپنے کپڑے سی لینا۔ ان کی زوجہ محترمہ ولید بن عتبہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے لیے یہ تحفہ کچھ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ وہ ایک قریشی سردار کی بیٹی تھیں۔ مگر ان کا یہ معمولی تحفہ بھی زیادہ دیر تک ان کے پاس نہ رہ سکا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: ''جس نے مال غنیمت میں سے کوئی چیز لی ہو، وہ واپس لوٹا دے۔''

وہ واپس اپنی زوجہ محترمہ کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ کی قسم! تمھاری سوئی تو گئی، پھر سوئی واپس لی اور لا کر مال غنیمت میں رکھ دی۔

[1] مسند أحمد: 127/4.

یہ تھے وہ عام جذبہ اتباعِ نبوی۔ اسی ایثار و قربانی سے اسلامی جھنڈا سربلند ہوا اور حق باطل کے مقابلے میں غالب ہوا۔ یہی وہ عظیم تربیت تھی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔ وہ ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر دم تیار رہتے تھے۔

2 سیدنا عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ نے دورانِ لڑائی ایک کمان اٹھالی تھی۔ اعلان سنتے ہی انھوں نے وہ کمان مالِ غنیمت میں لوٹا دی۔

3 ایک شخص بالوں کا ایک گولا لے کر حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر یہ گولا میرے اور میرے خاندان عبدالمطلب کے حصے میں آیا تو میں تمھیں دے دوں گا۔'' یہ سن کر اس نے یہ گولا واپس کر دیا۔

مالِ غنیمت میں سے اولین نوازش

رسول اللہ ﷺ جعرانہ پہنچے تو آپ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت کو شمار کرنے کا حکم دیا۔ سب اموال گن لیے گئے تو آپ نے سابقہ قاعدے کے مطابق مجاہدین میں اموال تقسیم کیا۔ ہر ایک مجاہد کے حصے میں چار اونٹ یا چالیس بکریاں آئیں۔ البتہ گھڑ سوار کو اس کے گھوڑے کے دو حصے بھی دیے گئے۔ چونکہ اس دور میں گھوڑا نہایت مفید کردار کا حامل تھا اور جنگوں میں اس کا استعمال فتح کی بنیادی چابی سمجھی جاتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ گھڑ سوار کو دیگر مجاہدین سے دو حصے زائد دیتے تھے۔ اس طرح گھڑ سوار مجاہد کو بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بھیڑ بکریاں عطا کیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے چاندی کا ڈھیر لگا تھا۔ ابوسفیان آئے اور مالِ غنیمت میں سے خصوصی نوازش کی درخواست کی۔ مؤرخین کے نزدیک سیدنا ابوسفیان پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس روز خصوصی عطا کی درخواست کی۔ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ قریش میں سب سے زیادہ مالدار بن گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ مسکرا دیے۔ سیدنا ابوسفیان نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اس مال سے عنایت فرمائیں۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ''ابوسفیان کو چالیس اوقیہ (تقریباً پونے پانچ کلوگرام) چاندی اور سو اونٹ دے دو۔'' سیدنا ابوسفیان کہنے لگے: حضور! میرے بیٹے یزید کو بھی عطا کیجیے۔ آپ نے حکم دیا: ''یزید کو چالیس اوقیے چاندی اور سو اونٹ دے دو۔'' یہ نوازش دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے معاویہ کو بھی عنایت فرمائیں۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو چالیس اوقیے چاندی اور سو اونٹ دے دو۔'' یہ بخشش و

عطا کی بارش دیکھ کر سیدنا ابوسفیان ؓ بے اختیار بول اٹھے: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ بہت بڑے سخی ہیں۔ میں نے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں، آپ اس وقت بہترین مدمقابل تھے۔ پھر میں نے آپ سے صلح کر لی، بلاشبہ آپ بہترین صلح کرنے والے ہیں۔ جزاک اللہ خیرًا۔[1]

حنین میں خصوصی نوازش

رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ تھا کہ آپ مجاہدین اسلام کی حوصلہ افزائی فرماتے اور انھیں خصوصی انعامات سے نوازتے۔ غزوۂ حنین کی شاندار کامیابی پر آپ نے جن صحابہ کرام ؓ کو نوازا، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 سیدنا عبدالرحمان بن عوف ؓ کو ایک لونڈی عطا کی۔

2 سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کو ریطہ بنت ہلال نامی لونڈی عطا کی۔

3 سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو زینب بنت حیان نامی باندی دی۔

4 سیدنا عمر بن خطاب ؓ کو ایک لونڈی عطا کی جو انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دے دی۔ سیدنا عبداللہ ؓ نے اسے اپنے ننھیال بنوجمح کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے تیار کر دیں۔ سیدنا عبداللہ طواف کرنے گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ طواف کے بعد اپنی لونڈی سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن جب آپ طواف کے بعد مسجد حرام سے باہر نکلے تو لوگوں کو بھاگتے دوڑتے دیکھا۔ انھوں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے قیدی لوٹا دیے ہیں۔ اس موقع پر سیدنا عبداللہ نے اتباع رسول اور حب رسول کی شاندار مثال قائم کی۔ انھوں نے وہیں کھڑے کھڑے فرمایا: تمھاری عورت بنوجمح میں ہے، جاؤ اسے بھی لے جاؤ، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا وہ اپنی عورت کو لے گئے۔

5 اسی طرح آپ نے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن عوام ؓ کو بھی ایک ایک لونڈی دی جن سے انھوں نے تعلقات قائم کر کے فائدہ اٹھایا۔

زاہد و عابد حکیم بن حزام

رسول اللہ ﷺ کی عطا و بخشش کی بارش خوب برس رہی تھی اور اہل ایمان اپنی اپنی قسمت سنوار رہے تھے۔ ہر کوئی جود و سخا کی اس فیض رسانی سے مستفید ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیدنا حکیم بن حزام ؓ بھی حاضر خدمت

1 المغازي للواقدي: 2/344-345، السيرة لابن هشام: 4/133.

ہوئے اور آپ سے سو اونٹ حاصل کیے۔ تھوڑی دیر گزری تو پھر آ گئے۔ اللہ کے رسول نے پھر سو اونٹ عطا کیے۔ تیسری بار حاضر ہوئے تو پھر سو اونٹ حاصل کر لیے۔ اس بار رحمت عالم نے دنیا کے اس مال کی عنایت کے ساتھ اخروی زاد راہ بھی عطا فرمایا جسے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے تاحیات دل سے لگائے رکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«يا حكيم! إن هذا المال خضرة حلوة، فمن أخذه بسخاوة نفس بورك له فيه، ومن أخذه بإشراف نفس لم يبارك له فيه، كالذي يأكل ولا يشبع، اليد العليا خير من اليد السفلى»

''حکیم! یہ مال سبز و شیریں ہے۔ جو شخص اس کو سخاوت نفس کے ساتھ لیتا ہے، اسے برکت عطا ہوتی ہے اور جو طمع کے ساتھ لیتا ہے، اس کو اس میں برکت نہیں دی جاتی اور ایسا آدمی اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے مگر سیر نہیں ہوتا، نیز اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

یہ ارشادات عالیہ سن کر سیدنا حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! آپ کے بعد میں کسی سے کچھ طلب نہیں کروں گا حتی کہ اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو سرکاری وظیفہ دیا مگر سیدنا حکیم نے لینے سے معذرت کر لی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ختم ہوئی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ وہ اپنے دور میں سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے ان کا وظیفہ دینے کی کوشش کرتے رہے مگر وہ ہر بار انکار کر دیتے۔ حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجلاس بلایا اور سیدنا حکیم بن حزام کے بارے میں وضاحت کی اور فرمایا: ''اے مسلمانو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے حکیم بن حزام کو اس کا وظیفہ دینے کی بھرپور کوشش کی مگر انھوں نے لینے سے معذرت کر لی ہے۔''

اس طرح سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد تا دم آخر نبھایا۔[1]

جود و سخا کی بارش

اسلامی لشکر کو حاصل ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا پانچواں حصہ اپنے رسول کے لیے خاص کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس پانچویں حصے سے اپنی ذاتی ضروریات پوری فرماتے اور بقیہ مال اسلامی لشکر کی ضرورت پر خرچ کر دیتے تھے۔ جنگ حنین کی غنیمتوں میں سے آپ کا پانچواں حصہ چار ہزار آٹھ سو

[1] صحيح البخاري: 1472، المغازي للواقدي: 345/2.

اونٹ، آٹھ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سی چاندی پر مشتمل تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اس حصے سے ان سرداروں کی تالیف قلبی کی جو فتح مکہ سے کچھ پہلے یا تھوڑی دیر بعد مسلمان ہوئے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ان سرداروں کے دلوں میں ایمان کی قوت راسخ ہو جائے اور وہ اسلام کے لیے اپنی خدمات بہتر طور پر پیش کریں۔ لہذا آپ نے اپنی بے پناہ جود و سخا کے ذریعے سے انھیں اپنا بنا لیا۔ اس روز آپ نے جنھیں فیض یاب کیا، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

	نام	اونٹوں کی تعداد		نام	اونٹوں کی تعداد
1	ابوسفیان بن حرب	100 اور 40 اوقیہ چاندی (4 کلو، 760 گرام)	12	اقرع بن حابس تمیمی	100
2	معاویہ بن ابوسفیان	100 اور 40 اوقیہ	13	عیینہ بن حصن فزاری	100
3	یزید بن ابوسفیان	100 اور 40 اوقیہ	14	مالک بن عوف نصری	100
4	حکیم بن حزام	300	15	عباس بن مرداس	100
5	نضیر بن حارث بن کلدہ	100	16	علقمہ بن علاثہ ثقفی	100
6	اسید بن حارثہ زہری	100	17	علاء بن حارثہ	50
7	حارث بن ہشام	100	18	مخرمہ بن نوفل	50
8	صفوان بن امیہ	100	19	سعید بن یربوع	50
9	قیس بن عدی	100	20	عثمان بن وہب	50
10	سہیل بن عمرو	100	21	ہشام بن عمرو	50
11	حویطب بن عبدالعزی	100			

عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کی پریشانی

اہل مغازی نے رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا کی تفصیلات لکھی ہیں۔ آپ نے ہر شخص کو حکمت پر مبنی عطا و بخشش سے نوازا۔ کسے کس قدر نوازنا ہے، یہ آپ سے بہتر کون جانتا تھا۔ آپ کو براہ راست رب العالمین ہدایات سے سرفراز فرماتا تھا۔ آپ انھی ہدایات کی روشنی میں فیصلے فرماتے تھے۔ اگرچہ یہ فیصلے بعض اوقات کچھ لوگوں کو سمجھ نہیں آتے تھے۔ جعرانہ میں غنیمت کی تقسیم میں بھی ایک فیصلہ ایسا تھا جو عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو پسند نہ آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں انھیں چار اونٹ عطا کیے تو وہ آزردہ ہو گئے اور انھوں نے اپنے جذبات کو درج ذیل شعروں میں بیان کیا جبکہ آپ نے عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دیے تھے۔

كَانَتْ نِهَابًا تَلَافَيْتُهَا ... بِكَرِّي عَلَى الْمُهْرِ فِى الْأَجْرَعِ

وَإِيقَاظِي الْقَوْمَ أَنْ يَرْقُدُوا ... إِذَا هَجَعَ النَّاسُ لَمْ أَهْجَعِ

[illegible]

وَقَدْ كُنْتُ فِي الْحَرْبِ ذَا تُدْرَإٍ ... فَلَمْ أُعْطَ شَيْئًا وَلَمْ أُمْنَعِ

إِلَّا أَفَائِلَ أُعْطِيتُهَا ... عَدِيدَ قَوَائِمِهَا الْأَرْبَعِ

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ ... يَفُوقَانِ شَيْخِي فِي الْمَجْمَعِ

وَمَا كُنْتُ دُونَ امْرِئٍ مِنْهُمَا ... وَمَنْ تَضَعِ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ



”میدان جنگ میں نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر حملہ آور ہونے کا میرا حصہ بس یہی ہے۔ لوگوں کو نیند سے بیدار رکھنے کا یہی صلہ ہے؟ جب لوگ سو جاتے تھے تو میں جاگ کر ان کی حفاظت کرتا تھا۔ پھر میرا اور میرے گھوڑے عبید کا حصہ عیینہ اور اقرع کو دے دیا گیا۔ حالانکہ میں جنگ میں اپنی قوم کا دفاع کرنے والا ہوں۔ پھر مجھے نہ کچھ عطا کیا گیا اور نہ محروم رکھا

گیا۔ سوائے تنق کے چار نوڈوں (اونٹنی کے بچوں) کے جو مجھے دے کر ٹرخا دیا گیا۔ حصن اور حابس لوگوں میں میرے باپ سے کم تر درجے کے لوگ ہیں۔ اور میں عیینہ اور اقرع سے بڑھ کر ہوں۔ (اے اللہ کے رسول!) آج جسے آپ نے گرا دیا، وہ تا حیات اٹھ نہیں سکے گا۔''

اللہ کے رسول ﷺ کو عباس بن مرداس کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اسے اتنے اونٹ دے دو جس سے وہ راضی ہو جائے اور اس کی زبان خاموش ہو جائے۔ لہٰذا انھیں سو اونٹ دے دیے گئے اور وہ راضی ہو گئے۔

علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں: جب عباس بن مرداس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: یہ شعر تم ہی نے کہا ہے:

فَأَصْبَحَ نَهْبِي وَنَهْبُ الْعُبَيْدِ بَيْنَ الْأَقْرَعِ وَ عُيَيْنَةَ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شعر کی تصحیح کراتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! شعر یوں ہے: ''بین عیینہ والاقرع'' شعر میں عیینہ کا ذکر پہلے اور اقرع کا بعد میں ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بات تو ایک ہی ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نہ شاعر ہیں، نہ شعر و شاعری آپ کی شان کے لائق ہے۔ اس لیے وزن شعری کو درست رکھنا آپ ضروری نہیں سمجھ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ [يٰس 36:69]

''اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔''[1]

منافقین کی الزام تراشی

رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ نو مسلم سرداروں کو اسلام پر پکا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مال عطا فرما رہے تھے۔ آپ ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں عطا کر رہے تھے جبکہ اپنے قریبی جانثاروں اور وفا شعاروں کو کچھ بھی نہیں دے رہے تھے۔ ابھی اہل ایمان کی زبانیں کچھ بھی نہ کہہ پائی تھیں کہ نفاق کے سانپ باہر نکل آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ تقسیم پر اعتراض کر دیا۔ آپ کی

[1] صحیح مسلم، 1060، فتح الباری 8/69، السیرۃ لابن ہشام 4/137، المعجم الکبیر للطبرانی 2/346، 347

عادلانہ تقسیم پر الزام تراشی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے طعن و تشنیع سے سخت تکلیف پہنچی مگر آپ نے عفوو درگزر سے کام لیا اور ان کی انتہائی بدزبانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کی غنیموں میں کچھ لوگوں کو خصوصی طور پر نوازا۔ آپ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو سو سو اونٹ عطا کیے۔ اسی طرح قریشی سرداروں کو بھی سو سو اونٹ دیے۔ آپ کی یہ نوازش دیکھ کر ایک منافق معتب بن قشیر کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ عادلانہ تقسیم نہیں۔ یہ تقسیم اللہ کی رضا کے حصول کا باعث نہیں۔ میں نے اسے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھاری یہ بات ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس منافق کی بدکلامی آپ کو سنائی۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ کو شدید غصہ آیا حتی کہ مجھے ندامت ہونے لگی کہ ایسی تکلیف دہ بات میں نے آپ کو کیوں بتائی۔ کاش! میں آپ کو منافق کی بے ہودگی نہ بتاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کو یاد کیا اور خود کو تسلی دے لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فمن يعدل إذا لم يعدل الله ورسوله»

''اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا؟''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى، قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ»

''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی تھی اور انھوں نے صبر کیا تھا (لہٰذا میں بھی صبر کرتا ہوں)۔''

میں نے یہ سن کر تہیہ کر لیا کہ آئندہ کبھی منافقین کی ہرزہ سرائی آپ کو نہیں بتاؤں گا۔[1]

منافقین کی ہرزہ سرائی نے جہاں رسول اللہ ﷺ کا دل دکھایا تھا، وہاں مومن مجاہدین کو بھی شدید قلبی رنج پہنچایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات مومنوں کے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا سرور تھی۔ کوئی منافق جب آپ کی ذات گرامی قدر پر انگلی اٹھاتا تو جاں نثار تڑپ جاتے تھے۔ ایک ایسی ہی دلگیر خبر سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی چادر میں چاندی رکھی تھی اور وہ آپ کے حکم سے لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ اس دوران میں ذوالخویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا:

[1] صحيح البخاري: 4335، صحيح مسلم: 1062، المغازي للواقدي: 248/2.

يَا مُحَمَّدُ! اعْدِلْ "اے محمد! عدل کرو۔" آپ نے اس کا اعتراض سن کر فرمایا:

وَيْلَكَ! وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ

"تو برباد ہو جائے! اگر میں نے عدل نہیں کیا تو پھر عدل کون کرے گا؟ اگر میں نے عدل نہ کیا تو میری ساری محنت رائیگاں گئی اور میں نے خسارہ پایا۔"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کے یہ گستاخانہ کلمات سنے تو فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی پناہ کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتا ہوں۔ بلاشبہ یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن (بکثرت) پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، یہ دین سے ایسے ہی گزر جائیں گے جیسے تیز رفتار تیر شکار کے آر پار ہو جاتا ہے (اور اس کے ساتھ کوئی گوشت وغیرہ نہیں لگا ہوتا)۔ شکاری تیر کی نوک، پر اور پھل کو دیکھتا ہے مگر وہ بالکل صاف ہوتے ہیں۔ وہ خون اور گوبر کو چیرتا ہوا نکل جاتا ہے۔"

آپ نے مزید فرمایا: "یہ اس قدر اہتمام کے ساتھ نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ روزے رکھیں گے اور تم ان کے سامنے اپنے روزوں کو کمتر سمجھو گے۔"[1]

اوس وخزرج کے شکوے آنسوؤں میں بہہ گئے

مدینہ منورہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کے زندہ دل لوگ جب سے بیعت کر کے رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں میں شامل ہوئے تھے، انھوں نے اپنے مال اور جانیں رسول اللہ ﷺ کے لیے قربان کر کے انصار ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے انھیں انصار کا لقب دیا تو انھوں نے اس لقب کو اسم بامسمیٰ ثابت کر دیا۔ مہاجرین کے لیے اپنے دل اور دروازے کھول دیے اور ان کی خدمت کچھ اس والہانہ محبت سے کی کہ عرش والے نے انھیں ایسا شاندار خراج تحسین پیش کیا جو تا قیامت اہل ایمان کے دلوں کو گرماتا رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

[1] صحیح مسلم، 1063، المغازی للواقدی 2/347،348، البدایة والنهایة 4/634،635

''اور ان (انصار) کے لیے ہے جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین کی ہجرت) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے۔ اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت (طلب اور خواہش) نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو، اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''[2]

انصار مدینہ نے خوشی اور غم، صلح اور جنگ، خوشحالی اور تنگ دستی ہر دو صورتوں میں رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے اپنی ہر چیز نچھاور کر دی۔ ہر جنگ میں ان کی تعداد باقی لوگوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی تھی۔ بدر سے حنین تک ہر معرکے میں ان کی لازوال قربانیوں کی داستانیں سنہری حروف سے لکھی گئی ہیں۔ اسلام کے ابتدائی کمزور دور سے لے کر عروج کی انتہا تک انصار آپ کی خدمت میں ہر دم حاضر رہے۔ جنگ کی ہولناکیوں میں انھیں پکارا گیا تو چاروں طرف سے لبیک لبیک کی آوازیں آئیں۔ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اسلام کو خدمت کی ضرورت ہو اور انصار وہاں موجود نہ ہوں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے انصار سے بے پناہ محبت تھی۔ اور آپ اپنی محبت کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انصاری عورتوں اور بچوں کو دیکھا جو ایک شادی سے واپس آرہے تھے تو آپ فرط محبت سے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ نے دو بار ارشاد فرمایا:

«اللَّهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ»

''اے اللہ! تو گواہ رہ! تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔''[3]

جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو ہر مجاہد کے حصے میں چار اونٹ یا چالیس بکریاں آئیں۔

1 الحشر 59:9 2 الأنفال 8:74 3 صحيح البخاري، 5180، صحيح مسلم، 2508

آپ نے کچھ قریشی سرداروں اور مختلف قبائل کے اشراف کو خصوصی نوازا۔ انھیں سو سو اونٹ عطا کیے اور ہزاروں بکریاں بھی انھی کو دے دیں۔ آپ کا مقصد انھیں اسلام پر جمانا تھا۔ آپ کی کوشش تھی کہ جن قریش مکہ کو فتح مکہ والے دن زبردست شکست ہوئی ہے، ان کی تالیف قلبی کا سامان ہو جائے۔ وہ اگر اسلامی قوت و طاقت سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوئے تھے تو اسلام کی سخاوت کے ذریعے انھیں پکا کر دیا جائے۔ اس لیے آپ نے اپنے جاں نثاروں کو معمولی حصہ دیا اور ایسے نومسلموں کو خوب مال عطا کیا، حالانکہ اسلام میں ان کی خدمات نہ ہونے کے برابر تھیں بلکہ ان کی ساری زندگی مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدال میں گزری تھی۔ یہ موقع تھا جب انصاری نوجوان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور ان کی زبانوں سے چند ایسے کلمات نکل گئے جو ان کے خاندان کے ایثار و وفا کے منافی تھے۔ قبیلے کے دانشور، عقلمند اور بزرگ خاموش تھے مگر نوجوانوں نے جو دل میں تھا، اس کا اظہار کر دیا اگرچہ وہ ناگوار تھا۔

ایک نے کہا: اللہ اپنے رسول کی بخشش فرمائے، آپ قریش کو عطا کر رہے ہیں جبکہ ابھی ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔

دوسرے نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بڑی عجیب بات ہے، جن کے قتل سے ہماری تلواریں خون آلود ہیں، انھی قریش کو مال غنیمت سے نوازا جا رہا ہے۔

جبکہ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ انصار نے کہا: جب مشکل آتی ہے تو ہمیں پکارا جاتا ہے اور غنیمت کی تقسیم کے وقت اوروں کو نوازا جاتا ہے۔

کسی کہنے والے نے یہ تک کہہ دیا: آج رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم مل گئی ہے (بس اسے ہی نواز رہے ہیں) جبکہ میدان جنگ میں تو ہم ہی آپ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ اب غنیمت کی تقسیم کی باری آئی ہے تو اپنی قوم اور کنبے کو عطا کر رہے ہیں۔ اے کاش! ہمیں معلوم ہو کہ یہ تقسیم کس طرح ہو رہی ہے؟ اگر یہ حکم الٰہی ہے تو ہم صبر کریں گے اور اگر یہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے ہے تو ہم اپنا حصہ لے کر رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے جاں نثاروں کے یہ کلمات پہنچے تو آپ ﷺ کو شدید رنج ہوا۔ اپنے محبین کے یہ شکوے آپ کو ناگوار گزرے۔ اسی دوران انصار کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے جذبات سے آگاہ کیا۔ آپ نے پوچھا: «أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذٰلِكَ يَا سَعْدُ؟» ''سعد! تمھارا کیا موقف ہے؟'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں لیکن یہ باتیں نوجوانوں

نے کی ہیں، سمجھدار اور بزرگوں نے نہیں کیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے موقف کی وضاحت ضروری سمجھی تاکہ ان کے دلی دوستوں کی تشفی ہو اور ان کے دل محبت والفت سے آباد رہیں۔ آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام انصار کو جمع کرو، ان کے ساتھ دوسرا کوئی شخص نہ ہو۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے انصار کو ایک بہت بڑے خیمے میں جمع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوستوں کے گلے شکوے دور کرنے کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! مجھے تمھارے جذبات کا علم ہوگیا ہے۔ تم نے میری تقسیم کو بہت محسوس کیا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ

«أَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ، وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ»

''میں تمھارے پاس آیا تھا تو تم گمراہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں (میرے ذریعے) ہدایت عطا کر دی۔ تم فقیر تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں غنی کر دیا، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا (اور تمھیں بھائی بھائی بنا دیا)۔''

انصاری جاں نثاروں نے عرض کی: آپ نے بالکل درست فرمایا، ہم سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کے احسان مند ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا تُجِيبُونِي يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ» ''اے جماعت انصار! بولو، جواب دو؟''

انصار نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں، یقیناً اللہ اور اس کے رسول کے بہت زیادہ احسانات ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَصَدَقْتُمْ وَصُدِّقْتُمْ: أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ، وَمَخْذُولًا فَنَصَرْنَاكَ، وَطَرِيدًا فَآوَيْنَاكَ وَ عَائِلًا فَآسَيْنَاكَ»

''اللہ کی قسم! اگر تم کہنا چاہو تو کہہ دو، تم سچے ہی ہو گے کہ حضور آپ ہمارے پاس اس وقت آئے جب آپ کو آپ کی قوم نے جھٹلا دیا تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ پر ایمان لائے، آپ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپ کی حمایت و مدد کی، آپ کو آپ کے علاقے سے نکال دیا گیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ کے پاس مال نہیں تھا، ہم نے اپنے مال نچھاور کیے۔''

''اے معشر انصار! تم نے دنیا کے مال کی وجہ سے غصہ کیا ہے، حالانکہ میں نے اس مال سے نومسلموں کے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کی ہے اور تمھیں اسلام کی پختگی کی وجہ سے وہ مال نہ دیا۔''

أَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبَعِيرِ وَتَرْجِعُوا بِرَسُولِ اللهِ إِلَى رِحَالِكُمْ؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ»

"اے انصار کی جماعت! کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں رسول اللہ (ﷺ) کو لے کر لوٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں ایک انصاری شخص ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک گھاٹی پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی پر چلیں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔"



دارین، بحرین (سعودی عرب) میں
شیخ محمد بن عبدالوہاب نجاتی کے آثار

"میرے انصار آؤ، میں تمھیں بحرین کا علاقہ لکھ دیتا ہوں۔ میرے بعد وہ تمھارے لیے خاص ہوگا۔" انصار کے فتح کردہ علاقوں میں بحرین سب سے شاندار تھا۔ لیکن انصار نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ ہمارے ہوگئے تو پھر ہم نے دنیا کے مال ومنال کا کیا کرنا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

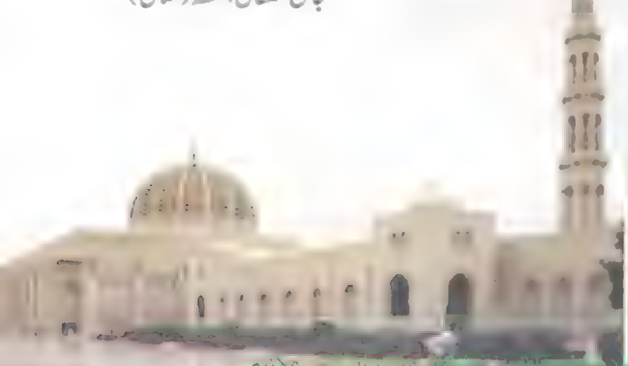
«إِمَّا لَا فَسَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوُا اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَهُوَ كَمَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَعُمَانَ وَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُومِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ وَأَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ»

"اگر تم نے دنیاوی مال لینے سے انکار کیا ہے تو پھر میرے بعد صبر سے کام لینا، کیونکہ میرے بعد تم پر دیگر لوگوں کو ترجیح دی جائے گی۔ تم اللہ اور اس کے رسول سے ملاقات تک صبر کرنا۔ بلاشبہ تم سے حوض کوثر کا وعدہ ہے۔ اس کی چوڑائی صنعاء اور عمان کے درمیانی فاصلے جیسی ہے۔ اس کے پیالوں کی تعداد ستاروں

صنعاء (یمن) کا ایک منظر



جامع سلطان، مسقط (عمان)



جنتی ہے۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں اور پوتوں پر بھی رحم فرما۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت اور اپنی محبت و وفا کے اظہار کے بعد انصار زار و قطار رو دیے حتی کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ وہ بیک زبان بولے: ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں اور اپنے حصے میں رسول اللہ ﷺ کو پا کر بے حد خوش ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مجلس سے تشریف لے گئے اور انصاری صحابہ بھی اٹھ گئے۔ کچھ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيبَةٍ وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أَجْبُرَهُمْ وَأَتَأَلَّفَهُمْ»

''بلاشبہ قریش والے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور شکست کے داغ بھی ابھی تازہ ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ (انھیں مال دے کر) ان کی تلافی کر کے اسلام پر پختہ کر دوں۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے چند افراد کو خصوصی نوازنے کی وضاحت کر کے اپنے جاں نثاروں کے شکوے دور کر دیے۔ پھر ان سے اپنی خصوصی محبت و الفت کا اظہار فرما کر انھیں دنیوی مال و منال سے بے نیاز کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْأَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ»

''تم اس کپڑے کی طرح ہو یعنی استر جو ہمیشہ جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے اور لوگ اوپر کے کپڑے کی طرح ہیں۔''

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«الْأَنْصَارُ كَرِشِي وَعَيْبَتِي»

''انصار میرے جسم و جان ہیں۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خلفاء کو خصوصی ہدایت کی کہ وہ انصار کے ساتھ خصوصی محبت و شفقت سے پیش آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي وَقَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ فَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ»

''میں تمھیں انصار کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے جسم و جان ہیں۔ انھوں نے اپنی ذمہ داریاں بڑی خوب نبھائی ہیں لیکن ان کا صلہ ابھی باقی ہے، اس لیے تم لوگ ان کے نیک لوگوں کی نیکیاں قبول کرنا، ان کی قدر کرنا اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرنا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ وَيَقِلُّ الْأَنْصَارُ حَتَّى يَكُونُوا كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ أَمْرًا يَضُرُّ فِيهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعُهُ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ

''اے لوگو! یقیناً لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے حتی کہ ان کی تعداد کھانے میں نمک کے برابر رہ جائے گی۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص کوئی ذمہ داری سنبھالے اور وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہو تو وہ انصار کے نیکو کاروں کی پذیرائی کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرے۔''[1]

دیہاتیوں کی بے ادبی

جزیرۂ عرب کے قبائلی خانہ بدوش تھے۔ کسی ایک جگہ جم کر رہنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اپنی فطری آزادی کے تحت پورے عرب میں گھومتے پھرتے تھے۔ جہاں پانی اور چارہ نظر آیا وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ جب اس جگہ پر پانی و چارہ ختم ہوا تو نئی منزل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ کسی معاشرے کے مستقل رکن نہ بنے اور نہ معاشرتی آداب سے واقف ہوئے۔ فطری سختی، درشتی اور بے ادبی کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے۔ اپنی چند ضروریات کی تکمیل کی خاطر کچھ بھی کر گزرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ لالچ و ہوس کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اس لیے بظاہر تعلقات کی بنیاد بھی مال ہی ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نہایت مدبر، حکیم و دانا تھے۔ آپ ان بدوؤں سے ان کے مزاج کے مطابق بات کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ انھیں عطا و بخشش کے ذریعے سے نرم کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ نے ایک اعرابی سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں تمھیں مال عطا کروں گا۔ جعرانہ میں وہ اعرابی بھی آ گیا اور آتے ہی سارے ادب و آداب بالائے پشت رکھتے ہوئے کہتا ہے: آپ نے مجھ سے جو وعدہ کر رکھا ہے، اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوش ہو جا (عنقریب ہم مال تقسیم کریں گے۔ یا صبر سے کام لو تمھیں اجر و ثواب ملے گا۔ صبر کی وجہ سے تمھیں

[1] صحیح البخاری: 3800، 4330، 4331، 4337، صحیح مسلم: 2510، مسند احمد: 76/3

جنت سے ملے گی)۔" وہ کہنے لگا: آپ خوش خبریاں تو پہلے بھی بہت دے چکے (اب مال عطا کریں)۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات بڑی ناگوار گزری کیونکہ آپ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا، آپ دل کھول کر خرچ کرتے اور ضرورت مندوں کو عطا کرتے تھے۔

آپ نے غصے کی حالت میں سیدنا ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھا اور فرمایا:

«رَدَّ الْبُشْرٰى فَاقْبَلَا أَنْتُمَا»

"اس بدو نے بشارت ٹھکرا دی ہے، تم دونوں وہ بشارت قبول کر لو۔"

دونوں صحابہ نے فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں آپ کی بشارت قبول ہے۔

پھر آپ نے پانی منگوایا اور وضو کیا۔ اور برتن میں اپنی بابرکت کلی کی۔ پھر فرمایا:

«اِشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلٰى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا»

"اس میں سے کچھ پانی پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو اور بشارت قبول کر لو (خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمھیں جنت عطا کرے گا)۔"



قصر معدان (نجران)

دونوں جاں نثاروں نے فوراً تعمیل کی۔ پانی پیا اور اپنے جسم پر بھی ڈالا۔ اسی دوران خیمے کے اندر سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی: بیٹو! تھوڑا سا پانی اپنی والدہ کے لیے بھی بچانا۔ تو خدمت شعار بیٹوں نے کچھ پانی بچا کر ماں جی کی خدمت میں بھی پیش کیا۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نے نجران شہر کی بنی ہوئی چادر اوڑھ رکھی تھی جس کا حاشیہ سخت اور چوڑا تھا۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کو (آپ کی چادر سے پکڑ کر) اتنا زور سے کھینچا کہ آپ کے شانہ مبارک پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ لیکن وہ اجڈ بے پروا اپنی ہی سنائے جا رہا تھا۔ اس گستاخی کے بعد اس نے مزید بے ادبی کی اور کہا: آپ کے پاس اللہ کا جو مال ہے، اس میں

[1] صحيح البخاري: 4328، البداية والنهاية: 631/4.

سے مجھے بھی عطا کیجیے۔ آپ اس جاہل بدوی کی حرکت پر مسکرائے، اس کی طرف التفات فرمایا اور پھر حکم دیا کہ اسے کچھ عطا کرو۔[1]

رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر سخی، شجاع اور رحم دل تھے۔ آپ کی شان کریمی تو یہ تھی کہ آپ سے کوئی کچھ مانگتا اور آپ کے پاس عطا کرنے کے لیے کچھ ہوتا تو آپ کی زبان مبارک سے ''نہیں'' کا لفظ نہیں نکلتا تھا۔ اور اگر وافر مال موجود ہوتا تو ایک ایک شخص کو وادی میں چرنے والی سینکڑوں بکریاں صرف ایک سوال پر عطا کر دیتے۔ اسی لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

لَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَجْوَدُ النَّاسِ ..... أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ

''رسول اللہ ﷺ سارے لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے ..... آپ بارش لانے والی ہوا سے بھی بڑھ کر سخاوت کرتے تھے۔''[2]

نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ آپ نو مسلموں کو زیادہ سے زیادہ مال عطا فرماتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ اس کی ایک حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ کوئی شخص صرف دنیوی مال کے لالچ میں اسلام قبول کر لیتا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ اسلام اسے دنیا و مافیہا کی دولت سے بڑھ کر عزیز ہو جاتا تھا۔

جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ نے اسی حکمت کے تحت ہزاروں اونٹ بکریاں اور منوں چاندی نو مسلموں میں تقسیم کی لیکن اس کے باوجود دیہاتی بدوؤں کا پیٹ نہ بھرا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو چمٹ گئے اور مسلسل مانگتے رہے۔ آپ سے مانگنے والوں کا رش بڑھا تو وہ آپ کو دھکیلتے دھکیلتے ببول کے ایک درخت تک لے گئے۔ آپ کی چادر اس میں اٹک گئی اور آپ رک گئے۔ آپ نے ان کے اس جاہلانہ رویے اور بے ادبی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور پھر اپنی صفات کریمہ کا اظہار فرما کر نہایت احسن انداز میں ان سے معذرت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَعْطُونِي رِدَائِي، لَوْ كَانَ لِي عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ، ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَخِيلًا وَلَا كَذُوبًا وَلَا جَبَانًا

''میری چادر دے دو، اگر میرے پاس ان کانٹے دار درختوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے تو میں وہ بھی تمھیں تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل ہرگز نہیں پاؤ گے۔''[3]

---

1 صحیح البخاري: 3149، البداية والنهاية: 631/4. 2 صحیح البخاري: 6. 3 صحیح البخاري: 3148، المغازي للواقدي: 343/2.

سیدنا جعیل بن سراقہ کی عطا

رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں نومسلموں کو مالا مال کر رہے تھے۔ آپ کی خدمت میں سیدنا جعیل رضی اللہ عنہ کی سفارش کی گئی۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دیے ہیں جبکہ جعیل رضی اللہ عنہ بھی مستحق ہیں۔ سیدنا جعیل رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ اصحاب صفہ کے فقراء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں شرکت کر چکے تھے۔ بنو قریظہ کے حصار کے دوران ان کی ایک آنکھ راہ حق میں شہید ہوئی تھی۔ ان تمام فضائل و مناقب کی وجہ سے جب آپ سے ان کی سفارش کی گئی تو آپ نے سیدنا جعیل رضی اللہ عنہ کے ایمان و یقین کی شاندار گواہی دی جو ان کے لیے کسی بھی عطا و بخشش سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَجُعَيْلُ بْنُ سُرَاقَةَ خَيْرٌ مِنْ طِلَاعِ الْأَرْضِ، كُلِّهِمْ مِثْلُ عُيَيْنَةَ بْنِ حِصْنٍ وَالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ، وَلٰكِنِّي تَأَلَّفْتُهُمَا لِيُسْلِمَا، وَوَكَلْتُ جُعَيْلَ بْنَ سُرَاقَةَ إِلٰى إِسْلَامِهِ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسے ساری دنیا کے لوگوں سے جعیل بن سراقہ بہتر ہے۔ لیکن میں نے ان دونوں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لیے مال دیا ہے اور جعیل کو اس کے (پختہ) اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔''[1]

ہوازن پر جود و سخا کی بارش

رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ طائف کے بعد تقریباً ایک ماہ تک ہوازن کا انتظار کیا۔ ان کے قیدی مجاہدین اسلام میں تقسیم نہ کیے۔ یہ قیدی فاتح اسلامی لشکر کا حق تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہوازن کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک کرنا چاہتے تھے۔ آپ منتظر تھے کہ کب رؤسائے ہوازن آئیں اور اپنے قیدیوں کی رہائی کی اپیل کریں۔ لیکن ہوازن والے ڈرے سہمے رہے اور اپنے قیدیوں کی معافی کے لیے کوئی کوشش نہ کر سکے۔ بالآخر آپ نے مجاہدین کا حق ان میں تقسیم کر دیا۔ جب ہوازن کے بچے، عورتیں اور مرد مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے تو ہوازن کے سرکردہ لیڈر ان کی رہائی کے لیے حاضر خدمت ہو گئے۔ یہ وفد چودہ افراد پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت ابو صرد زہیر بن صرد کر رہا تھا۔ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنے اسلام کی خبر دی

[1] المغازي للواقدي: 347/2، السيرة لابن هشام: 139/4، أسد الغابة: 324/1.

اور آپ کو بتایا کہ ہمارا وفد مسلمان ہے اور ہم اپنے قبیلے کے اسلام لانے کی خبر لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ پھر آپ سے اپنے قیدی رہا کرنے کی التجا کی۔ آپ کے رضاعی چچا ابو برقان نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! ان قیدی کیمپوں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور آپ کی پرورش کرنے والی بہنیں قید ہیں جو آپ کو اپنی گود میں کھلاتی رہیں، وہ مائیں ہیں جنھوں نے آپ کو اپنا دودھ پلایا، آپ کو پالا پوسا۔ اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو اپنے قبیلے میں دودھ پیتے ہوئے دیکھا ہے، آپ اس وقت بہترین مرضع (دودھ پینے والے بچے) تھے۔ پھر آپ بڑے ہوگئے اور آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا۔ میں نے آپ سے بہتر فطیم (دودھ چھوڑنے والا) نہیں دیکھا۔ پھر آپ جوان ہوگئے۔ میں نے آپ سے بہتر جوان نہیں دیکھا۔ آپ میں خیر و خوبی کی ہر صفت موجود تھی۔ اس سب کے ساتھ ساتھ ہم آپ کے اہل خانہ اور خاندان کے لوگ ہیں، ہم پر احسان فرمائیے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے دل کو گرما دینے اور محبت و الفت کو جگا دینے والی یہ تقریر سنی تو فرمایا:

«قَد اسْتَأْنَيْتُ بِكُمْ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّكُمْ لَا تَقْدَمُونَ»

''میں نے تمھارا انتظار کیا تھا حتی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ تم نہیں آؤ گے۔''

اب قیدی تقسیم ہو چکے ہیں اور مجاہدین اپنے اپنے حصے کو اپنے قبضے میں لے چکے ہیں۔

اس کے بعد وفد کے قائد ابوصرد زہیر بن صرد نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے کنبے کے رشتہ دار ہیں۔ ہم پر جو مصیبت ٹوٹی ہے، وہ کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ اے اللہ کے رسول! ان قیدی خیموں میں آپ کی پرورش کرنے والی عورتیں، آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں قید ہیں، وہ آپ کو بچپن میں کھلاتی رہی ہیں۔ اگر ہم نے غسانی شاہ حارث بن ابی شمر یا عراقی شاہ نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا، پھر ہم پر ایسی مصیبت ٹوٹتی جیسی آج ٹوٹی ہے تو ہم ان کی مہربانی اور حسن سلوک کے امیدوار ہوتے، حالانکہ آپ لطف و مہربانی میں سب سے بہتر ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ان کیمپوں میں آپ کی رشتہ دار خواتین قید ہیں، ان میں سے دور کے رشتے والی بھی آپ سے قریب تر ہے، لہٰذا آپ کرم فرمائیں۔ پھر اس نے یہ شعر کہے:

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ	فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَ نَدَّخِرُ
اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ عَاقَهَا قَدَرٌ	مُمَزَّقٌ شَمْلُهَا فِي دَهْرِهَا غِيَرُ
اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا	إِذْ فُوكَ تَمْلَؤُهُ مِنْ مَحْضِهَا الدُّرَرُ

امنن على نسوة قد كنت ترضعها إذ فوك يملؤه من محضها درر

الا تداركها نعماء تنشرها يا أرجح الناس حتى حين يختبر

لَا تجعلنا كمن شالت نعامته وَاستبق منا فإنا معشر زهر

إنا لنشكر آلاء وإن قدمت وعندنا بعد هذا اليوم مدخر

''اے اللہ کے رسول! اپنے فضل وکرم کے سبب ہم پر احسان فرمایئے کیونکہ آپ ہی وہ ذی وقار ہستی ہیں جن کے فضل وکرم کی ہم امید کرتے ہیں اور اپنی مشکلات میں ان کا سہارا لیتے ہیں۔ آپ ان عورتوں پر احسان فرمائیں جن کے مقدر پھوٹ گئے، جن کے خوشحالی کے دن بدحالی میں بدل گئے۔ آپ ان عورتوں پر مہربانی فرمائیں جن کا دودھ آپ بچپن میں پیتے تھے، جب آپ کا منہ ان کے وافر دودھ سے بھرتا تھا (آپ جی بھر کر دودھ پیتے تھے)۔ ان عورتوں پر کرم فرمائیں کہ جن کا دودھ آپ پیتے رہے ہیں، جب آپ کی ننھی منی حرکات آپ کو مزید حسین وجمیل بنا دیتی تھیں۔ کیا آپ کے جود وکرم سے ان کی تلافی نہیں ہوسکتی؟ کیونکہ جب آپ کی سخاوت کا امتحان ہوتا ہے تو آپ سب سے اعلیٰ وافضل ہوتے ہیں۔ آپ ہمیں مٹ جانے والوں جیسا نہ کریں۔ آپ ہماری نسل کو باقی رکھیں کیونکہ ہم آپ کے ننھیال بنوزہرہ ہیں۔ یقیناً ہم پرانے احسانات کی قدر دانی کرتے ہیں اور آج کیے جانے والے احسانات کو بھی ہمیشہ یاد رکھیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے قائد اور اپنے رضاعی چچا کی التجا سنی تو آپ کا دل پسیج گیا لیکن آپ نے مجاہدین میں تقسیم ہو جانے والی غنیمت کو ان کی رضامندی کے بغیر واپس لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

معي من ترون وأحب الحديث إلي أصدقه فاختاروا إحدى الطائفتين إما السبي وإما المال وقد كنت استأنيت بهم

''میرے ساتھ جو لوگ ہیں تم انھیں دیکھ ہی رہے ہو اور میرے نزدیک سب سے محبوب بات سب سے سچی بات ہے۔ تم دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو۔ قیدی واپس لے لو یا مال حاصل کرلو۔ میں نے تمھارا کافی انتظار کیا تھا (مگر تم نہیں آئے۔ اب قیدی تقسیم ہو چکے ہیں اور مال مجاہدین میں بانٹا جا چکا ہے)۔''

جب ہوازن کو یقین ہو گیا کہ اب دونوں چیزیں ملنا ناممکن ہے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ

نے ہمیں حسب نسب اور مال و دولت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا حکم دیا ہے تو ہم اپنے اہل و عیال پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ ہمیں ہمارا حسب نسب عزیز ہے، لہذا آپ ہمیں ہمارے قیدی واپس لوٹا دیں۔ ہمارے بیوی بچے ہمیں واپس کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ما كان لي ولبني عبد المطلب فهو لكم وسأسأل لكم الناس وإذا صليت الظهر فقوموا فقولوا: إنا نستشفع برسول الله إلى المسلمين وبالمسلمين إلى رسول الله»

''میں اپنا اور اپنے خاندان عبدالمطلب کا حصہ تمھیں دے دوں گا اور تمھارے بارے میں لوگوں سے بات بھی کروں گا۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاؤں تو تم کہنا: ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سفارش پیش کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمانوں کو اپنا سفارشی بناتے ہیں۔''

''تو میں لوگوں کے سامنے اعلان کر دوں گا کہ میں اپنے اور اپنے خاندان کا حصہ معاف کر رہا ہوں۔ لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ تمھارے قیدی لوٹا دیں۔''

لہذا ایسے ہی ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظہر کی نماز ادا کرائی تو ہوازن والے اٹھ کر سامنے آگئے اور عرض کرنے لگے: ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سفارش ڈالتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمانوں کو بطور سفارشی پیش کرتے ہیں، براہ کرام ہمارے قیدی واپس کر دیے جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی التجا پر فرمایا: ''میں اپنے اور اپنے خاندان بنو عبدالمطلب کے حصے میں آنے والے قیدی تمھیں واپس کرتا ہوں۔'' آپ کی یہ دریا دلی دیکھ کر انصار فوراً اٹھے اور بولے: ہمارا حصہ اللہ کے رسول کے سپرد ہے، وہ جو چاہیں حکم کریں۔ ہم بخوشی اپنا حصہ آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ بھلا مہاجرین کب پیچھے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بھی اپنا حصہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔

اقرع بن حابس اپنی فطری ہوس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: میں اور بنو تمیم اپنا حصہ واپس نہیں کریں گے۔ عیینہ بن حصن بولا تھا کہ وہ اور اس کا خاندان بنو فزارہ بھی اپنے حصے پر قابض رہیں گے۔ ان کی یہ بڑھک سن کر عباس بن مرداس بھی چودھراہٹ بنانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بولا: میں اور بنو سلیم بھی اپنا حصہ واپس نہیں کریں گے۔ لیکن اس کی چودھراہٹ اس وقت جاتی رہی جب بنو سلیم نے بیک آواز کہہ دیا کہ ہم عباس کی نہیں مانتے۔ ہم اپنا حصہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہیں۔ وہ جو چاہیں حکم فرمائیں، ہمیں منظور ہے۔

عباس نے قوم کی یہ للکار سنی تو کہنے لگے: تم نے دیگر قبائل کے مقابلے میں مجھے رسوا کر دیا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَاءُونَا تَائِبِينَ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ بِذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلٰى حَظِّهِ حَتّٰى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ»

''اما بعد! تمھارے یہ بھائی تائب ہو کر تمھارے پاس آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انھیں واپس کر دیے جائیں۔ تم میں سے جو شخص خوش دلی سے اس کو پسند کرے تو وہ قیدی واپس کر دے اور جو کوئی یہ پسند کرتا ہو کہ اس کا حصہ باقی رہے، تا آنکہ جو اول مال غنیمت آئے، ہم اس میں سے اسے معاوضہ دیں تو وہ بھی قیدی واپس کر دے۔''

چنانچہ سب مسلمانوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کی خاطر خوشی سے ان کو قیدی واپس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذٰلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتّٰى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ»

''ہمیں معلوم نہیں ہو رہا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ واپس چلے جاؤ، تمھارے فیصلے سے تمھارے سردار ہمیں آگاہ کریں۔''

لہٰذا لوگ واپس چلے گئے اور پھر ہر قبیلے کے سردار نے اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کی فرداً فرداً رضامندی معلوم کی۔ رسول اللہ ﷺ ہوازن کے قیدی رہا کرنے کے خواہش مند تھے، اس لیے آپ نے مجاہدین کی دلی رضامندی معلوم کرنا ضروری سمجھا۔ آپ نے مجاہدین کی دلجوئی کے لیے اعلان کرایا کہ ''جو اپنے حصے پر قائم رہنا چاہے، وہ رہ سکتا ہے، اس پر کوئی زبردستی نہیں اور جو بخوشی واپس کرنا چاہے وہ کر دے۔ اور جو اپنے قیدی کا تبادل لینا چاہتا ہے، وہ کچھ صبر کر لے، آئندہ حاصل ہونے والی پہلی غنیمت میں سے اسے ایک قیدی کے بدلے چھ اونٹ دیے جائیں گے۔''

چنانچہ آپ نے جاں نثاروں کی رضامندی معلوم کرنے کے لیے مہاجرین کے پاس سیدنا عمر بن خطاب، انصار کے پاس سیدنا زید بن ثابت اور دیگر قبائل عرب کے پاس سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ ایک ایک قبیلے اور ایک ایک فرد سے اس کی رضامندی معلوم کی گئی حتی کہ یہ نمائندے اور قبائل کے سردار واپس آئے اور آ کر رپورٹ دی

کہ سب لوگ بخوشی اپنے قیدی واپس کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لہٰذا تمام قیدی واپس لوٹا دیے گئے۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوف، علی، عثمان، صفوان بن امیہ اور ابن عمر ؓ کے پاس جو لونڈیاں تھیں، انھیں اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جانا چاہیں تو وہ آزاد ہیں۔ اور اگر وہ انھیں صحابۂ کرام ؓ کے پاس رہنا چاہتی ہوں تو رہ سکتی ہیں۔ ان سب حضرات کی لونڈیاں اپنی قوم میں جانا چاہتی تھیں، لہٰذا انھیں آزاد کر دیا گیا اور وہ چلی گئیں۔ البتہ سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کی لونڈی نے اپنے اہل و عیال کے پاس جانے کے بجائے سیدنا سعد ؓ کے پاس رہنے کو ترجیح دی، لہٰذا وہ انھی کے پاس رہی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لونڈی سے ایک بیٹا عطا کیا۔[1]

ایک رات کا اعتکاف

رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں مال غنیمت کی تقسیم میں مشغول تھے۔ سیدنا عمر ؓ کو کچھ فرصت ملی تو انھیں اپنی ایک پرانی نذر یاد آ گئی۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بار مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی مگر عرصہ گزر گیا اور یہ نذر پوری کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آج چند لمحے فراغت نصیب ہوئی تو فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد میں ایک رات کا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی، کیا اب میں وہ نذر پوری کر لوں؟ آپ نے فرمایا: «اذهب فأوف بنذرك»
''جاؤ اپنی نذر پوری کر لو۔''

جب سیدنا عمر ؓ اپنی نذر کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام میں معتکف تھے تو اس دوران میں انھوں نے لوگوں کا شور سنا۔ وہ کہہ رہے تھے: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے آزاد فرما دیا۔ ہمیں آپ نے آزادی عطا کر دی۔ سیدنا عمر ؓ نے پوچھا: کیسی آزادی؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں کی لونڈیاں آزاد کر دی ہیں۔ سیدنا عمر ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صوابدیدی حصے خمس سے ایک لونڈی عطا کی تھی۔ انھوں نے فوراً اتباع نبوی میں اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دیا: عبداللہ جاؤ اور اس لونڈی کو آزاد کر دو۔

یہ تھا صحابۂ کرام ؓ کا جذبۂ اتباع۔ سیدنا عمر ؓ کو عطا کردہ لونڈی اگرچہ خصوصی عطا میں سے ملی تھی مگر انھوں نے آپ کے عمومی حکم کے تحت فوراً اسے بھی آزادی دے دی۔[2]

---

[1] صحيح البخاري: 2308، سنن أبي داود: 2693، دلائل النبوة للبيهقي: 5/194، 195، المغازي للواقدي: 2/348-350، السيرة لابن هشام: 4/131-133. [2] صحيح البخاري: 4320، صحيح مسلم: 1656، دلائل النبوة للبيهقي: 5/197.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لونڈی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جو لونڈی عطا ہوئی تھی، انھوں نے اس سے تعلقات بھی قائم کر لیے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیاں واپس کرنے کا اعلان کیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لونڈی بھی اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی۔ حالانکہ وہ واجبی سی شکل وصورت اور نہایت کم تر شخص تھا مگر اپنے قبیلے کی محبت اور رشتہ داری کی تڑپ نے اسے مجبور کر دیا اور وہ اپنے قبیلے کے ساتھ چلی گئی۔ پھر ایک عرصے بعد وہ اپنے خاوند کے ساتھ سیدنا عمر یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں مدینہ منورہ آئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اس کے خاوند کو دیکھا تو حیرت سے پوچھا: تیرا بھلا ہو، اس خاوند کی خاطر تم نے مجھے چھوڑا۔ نہ شکل وصورت حسین، نہ مال و دولت کی فراوانی۔ جبکہ یہ دونوں چیزیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وافر موجود تھیں۔ پھر آخر اس نے اپنے خاوند کو کیوں ترجیح دی۔ اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا: جی ہاں مجھے میرا خاوند بہت عزیز ہے کیونکہ یہ میرا چچازاد ہے۔ گویا اسے اپنے خاندان کی محبت ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔[1]

لالچ بری بلا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی واپس کرنے کا اعلان فرمایا تو مہاجرین وانصار نے فوراً لبیک کہتے ہوئے اپنے قیدی آزاد کر دیے۔ دیگر قبائل عرب نے بھی آپ کی خواہش کو دل و جان سے تسلیم کیا اور قیدی آزاد کر دیے۔ صرف ایک شخص اپنی ہوس پر قائم رہا۔ آپ نے اسے آئندہ ملنے والی غنیمت میں سے ایک قیدی کے بدلے چھ اونٹ عطا کرنے کا وعدہ بھی کیا مگر اس نے یہ فراخدلانہ پیش کش ٹھکرا دی۔ یہ کم نصیب شخص عیینہ بن حصن تھا۔ اس نے قیدیوں میں سے ایک بڑھیا کا انتخاب کیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کسی قبیلے کی بزرگ خاتون ہیں۔ وہ اس کی رہائی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اس طرح وہ چھ اونٹوں سے کہیں زیادہ مال حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہٹ دھرمی دیکھی تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ عیینہ جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو چھوڑ کر اس بڑھیا کو لے کر دل ہی دل میں بڑا خوش تھا کہ ایک بڑا خزانہ ہاتھ آنے والا ہے۔ اسی دوران میں بڑھیا کا بیٹا آ گیا اور اس نے عیینہ کو کہا: سو اونٹ لے لو اور میری والدہ کو آزاد کر دو۔ یہ توانا پیشکش عیینہ کی ہوس کی تسکین کے لیے کافی نہ ہوئی اور اس نے بڑی بے دردی سے پیشکش ٹھکرا دی۔ بڑھیا نے یہ منظر دیکھا تو چلا کر بیٹے کو منع کر دیا۔ وہ کہنے لگی: ارے بیٹا! کیوں سو اونٹ ضائع کرتے ہو، تھوڑا صبر کر، یہ بغیر کچھ لیے ہی مجھے رہا

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 198/5.

کر دے گا۔ عیینہ نے یہ گفتگو سنی تو ٹپٹا گیا اور لگا واویلا کرنے: ہائے میں لٹ گیا، میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہو گیا لیکن میں بھی تمھیں چھوڑنے والا نہیں۔

پھر کچھ دیر کے بعد بڑھیا کا بیٹا وہاں سے گزرا تو عیینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ فوراً اٹھا اور اسے کہتا ہے: کیا تم اپنی آفر پر قائم ہو؟ بیٹا بولا: نہیں، اب میں پچاس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ اگر قبول ہوں تو بڑھیا کو چھوڑ دو۔ عیینہ بھی ڈٹ گیا، کہتا ہے: اس تعداد پر تو بالکل بھی نہیں، چلو بھاگو۔

عیینہ نے دوسری بار بڑھیا کے بیٹے کو واپس کیا تھا مگر اندر ہی اندر پشیمان بھی تھا کہ اس کی مرادیں پوری نہ ہو رہی تھیں۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ بڑھیا کا بیٹا دور سے گزرتا دکھائی دیا۔ عیینہ تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور بولا: لاؤ پچاس اونٹ دو اور اپنی بڑھیا لے جاؤ۔ اب کی بار بڑھیا کا بیٹا بھی کچھ درشت لہجے میں بولا: پچیس اونٹ لینے ہیں تو ٹھیک ورنہ رکھو اپنے پاس۔ یہ سن کر عیینہ آگ بگولا ہو گیا۔ کہتا ہے: پچیس اونٹوں کے عوض تو بالکل بھی نہیں دوں گا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل تم پچاس اونٹ دے رہے تھے، پھر بھلا اب میں نصف تعداد پر کیسے دے دوں۔ بہرحال عیینہ کو اس کے لالچ کی بہت بڑی سزا مل رہی تھی۔ ہر بار بڑھیا کا بیٹا اونٹوں کی تعداد کم کر رہا تھا اور وقت عیینہ کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا۔ اب قافلے روانگی کی تیاری کرنے لگے تو عیینہ اور بھی فکر مند ہو گیا۔ اب کی بار عیینہ خود ہی چل کر بڑھیا کے بیٹے کے پاس گیا اور بولا: لاؤ پچیس اونٹ دو اور اپنی والدہ لے جاؤ۔ اس بار بیٹے نے عیینہ کو مزید چڑاتے ہوئے کہا: چلو دس اونٹ لے لو اور معاملہ ختم کرو۔ یہ پیشکش عیینہ کے لیے رسوا کن تھی۔ اس نے صاف انکار کر دیا مگر دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ لالچ و ہوس کی تسکین کی کوئی سبیل نکلتی دکھائی نہ دیتی تھی۔

بالآخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب سب لوگ کوچ کر رہے تھے اور عیینہ حسرت و ندامت کی تصویر بنے بیٹھا تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی پیشکش ٹھکرانے کی بڑی کڑی سزا مل رہی تھی۔ عیینہ خود کو ملامت کر رہا تھا کہ اچھے بھلے سو اونٹ ۱۰۰ سے رہا تھا، نہ جانے کیوں انکار کر دیا۔ اسی وقت ہاں کر دینی چاہیے تھی۔

لوگ قافلہ در قافلہ جا رہے تھے۔ بڑھیا کا بیٹا بھی اپنے قبیلے کے ساتھ گزرنے لگا تو عیینہ نے اسے آواز دی: دس اونٹ دیتے ہو؟ بیٹے نے کہا: چلو بڑھیا کو چھوڑو، میں تمھیں سواری کے لیے ایک اونٹ دے دیتا ہوں۔ عیینہ ٹپٹا گیا۔ کہتا ہے: مجھے سواری کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اپنی عقل کا ماتم کرنے لگا۔ کہتا ہے: آج جیسا رسوا کن دن میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ میرے ساتھ جیسا دھوکہ آج ہوا، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

بڑھیا کے بیٹے نے جلتی پر مزید یہ کہہ کر تیل چھڑکا: یہ ساری سزا تیری اپنی کرتوت کی ہے۔ تو نے اتنی ساری

جوان وحسین وجمیل لونڈیاں چھوڑ کر ایک بڑھیا کا انتخاب کیا جس کی جوانی کی بہاریں لوٹ چکیں، جو بچوں کی پیدائش سے فارغ ہے، جس کے منہ کی ٹھنڈک ختم ہو چکی اور اس کا خاوند دنیا سے جا چکا ہے۔ لہٰذا اب پچھتانے کیا ہوت

عیینہ نے مایوسی کے ساتھ ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا: جاؤ بڑھیا کو لے جاؤ، اللہ تمھیں اس کی برکت نہ دے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ عیینہ کی یہ بات سن کر بڑھیا کا بیٹا بولا: اے عیینہ! رسول اللہ ﷺ نے تمام قیدیوں کو لباس عطا کیے ہیں، یہ بڑھیا غلطی سے محروم رہ گئی ہے، کیا تم اسے روانہ کرتے ہوئے ایک لباس بھی نہیں دے سکتے؟! عیینہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مگر بیٹا بھی بضد رہا حتی کہ ایک چادر لے کر ہی عیینہ کی جان چھوڑی۔ نوجوان نے چادر لی اور اپنی والدہ کو لے کر واپس مڑتے ہوئے عیینہ کو مزید آگ لگا گیا۔ جاتے جاتے کہتا ہے: ''تم نادان شخص ہو، موقع سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت سے عاری ہو۔''

عیینہ خود کو بڑا دانا اور صاحب فہم و فراست سمجھتا تھا۔ اپنی قوم کا لیڈر تھا مگر اس بار ایک نوجوان نے اسے حکمت و دانائی کے معرکے میں چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

عیینہ بن حصن یہ ساری ذلت سمیٹے اپنے دوست اقرع بن حابس کے پاس گیا اور اسے ساری روداد سنائی۔

اقرع نے ساری بات سننے کے بعد عیینہ کو مزید ملامت کی اور کہا: اللہ کی قسم! تیرا یہ حشر اس لیے ہوا ہے کیونکہ تو نے ایک بوڑھی کھوسٹ کا انتخاب کیا۔ نہ تو نے متوسط عمر کی عورت لی، نہ فربہ بدن جوان لونڈی پکڑی اور نہ کوئی خاندانی بڑھیا کو قبضے میں لیا۔ تو نے ہوازن کے ایک فقیر کی بیوی کو پکڑ کر سخت نادانی کا مظاہرہ کیا۔ عیینہ حسرت و یاس کا نمونہ بنے کہتا ہے: ہاں میرے ساتھ ایسے ہی ہوا ہے۔

اقرع بن حابس اور اس کے قبیلے بنوتمیم نے اپنے قیدی معاوضہ لینے کے وعدے پر رہا کیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک قیدی کے بدلے تین حقے (چار سالہ اونٹ) اور تین جذعے (پانچ سالہ اونٹ) دینے کا وعدہ فرمایا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، اس روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لو كان ثابتا على أحد من العرب ولاء أو رق لثبت اليوم ولكن هو إسار وفداء»

''آج کے بعد اگر کسی عربی کی غلامی اور ولاء ہوتی تو آج کے قیدیوں پر ثابت ہو جاتی لیکن (آئندہ) قید اور فدیہ ہے۔''[1]

[1] المغازي للواقدي 2/351، 352، السيرة لابن إسحاق 2/582، البداية والنهاية 4/624، السيرة لابن هشام 4/134

سیدنا مالک بن عوف کی قائدانہ صلاحیتیں

مالک بن عوف ہوازن کا جنگجو سردار تھا اور اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسے پذیرائی عطا فرمائی اور اسے بھی سو اونٹ خصوصی طور پر عنایت فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی قائدانہ صلاحیتوں کی قدر فرمائی۔ اسے ہوازن اور فہم قبائل کے مسلمان ہونے والے مجاہدین کا قائد مقرر کیا تاکہ وہ مشرکین کے ساتھ دو دو ہاتھ کر سکے۔ آپ نے اسے اسلامی جھنڈا بھی عطا کیا۔ مالک بن عوف جو کبھی اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے ارادے سے بیس ہزار جنگجو لے کر حنین کے میدان کارزار میں آیا تھا آج اسلام کی ترویج اور زمین پر اللہ کے نظام کی تنفیذ کے لیے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ علم نبوی لے کر میدان جہاد میں نکل رہا تھا۔ مالک بن عوف علم نبوی لے کر میدان میں نکلا تو مجاہدین اسلام چاروں طرف سے اس کے علم تلے جمع ہونے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک لشکر جرار تیار ہو گیا جس نے آنے والے دنوں میں مشرکین کا ناطقہ بند کر دیا۔ ثقیف کے مشرکین کا جینا مشکل بنا دیا گیا۔ ان کے قافلے اور چرنے کے لیے جانے والے ریوڑ اس لشکر کا ہدف بننے لگے۔ مشرکین کی آزادانہ نقل و حرکت ختم ہو گئی اور ان کے مال مویشی اس لشکر کی غنیمت بن گئے۔ مالک بن عوف نے صرف ایک دن میں مشرکین کی پانچ ہزار بھیڑ بکریوں پر قبضہ کر لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حصہ خمس مدینہ منورہ روانہ کیا۔ دوسری مرتبہ پانچ سو اونٹ ہاتھ لگے تو سو اونٹ خمس کے مدینہ منورہ پہنچا دیے۔ اس طرح اہل طائف اپنے ہی سابقہ قائد مالک بن عوف کے ہاتھوں برباد ہونے لگے۔ اس پر ابو محجن بن حبیب نے مالک بن عوف کو ملامت کرتے ہوئے درج ذیل شعر کہے:

تَهَابُ الْأَعْدَاءُ جَانِبَنَا ثُمَّ تَغْزُونَا بَنُو سَلِمَةْ

وَاَتَانَا مَالِكٌ بِهِمْ نَاقِضًا لِلْعَهْدِ وَالْحُرْمَةْ

وَاَتَوْنَا فِي مَنَازِلِنَا وَلَقَدْ كُنَّا أُولِي نَقِمَةْ

''ہمارا دشمن ہمارے علاقے سے خوف کھاتا ہے۔ پھر بنو سلمہ ہم پر حملہ آور ہونے لگے۔ مالک نے یہ عہد توڑ کر رشتہ داری کو پامال کر کے بنو سلمہ کے ہمراہ ہم پر لشکر کشی کی ہے۔ انھوں نے ہمارے گھروں پر بلہ بولا ہے، حالانکہ ہم بڑے جنگجو اور بدلہ لینے والے ہیں۔''

اس طرح وہ مالک جو کبھی مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، اب اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور داعی بن گیا۔ جو کبھی محمد ﷺ کو شکست دینے کے خواب دیکھتا تھا، اب جاں نثاران میں شامل ہو کر دشمنان اسلام پر قہر بن کر ٹوٹ

رہا تھا۔ وہی مالک جو محمد ﷺ کے بارے میں کچھ سننے کے لیے آمادہ نہ تھا، آج خود مدح سرائی کر رہا ہے۔ مالک بن عوف نے اسلام قبول کیا، رسول اللہ ﷺ کی عفو و درگزر، رحم دلی اور سخاوت دیکھی تو بے اختیار جذبات کو درج ذیل اشعار کی صورت میں پیش کیا:

مَا إِنْ رَأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ	فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدِ
أَوْفَى وَأَعْطَى لِلْجَزِيلِ إِذَا اجْتُدِي	وَمَتَى تَشَأْ يُخْبِرْكَ عَمَّا فِي غَدِ
وَإِذَا الْكَتِيبَةُ عَرَّدَتْ أَنْيَابُهَا	بِالسَّمْهَرِيِّ وَضَرْبِ كُلِّ مُهَنَّدِ
فَكَأَنَّهُ لَيْثٌ عَلَى أَشْبَالِهِ	وَسْطَ الْهَبَاءَةِ خَادِرٌ فِي مَرْصَدِ

”دنیا بھر کے انسانوں میں محمد ﷺ جیسا انسان میں نے دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ جب آپ سے عطا و بخشش کی اپیل کی جائے تو آپ مالا مال کر دیتے ہیں۔ اور جب تم چاہو تو وہ تمھیں کل کی خبریں سنا دیں گے۔ ہندی نیزوں اور تلواروں کی مار سے جب لشکر کے دانت خوب مضبوط اور تیز ہو جاتے ہیں تو وہ غبار جنگ میں اس شیر کی مانند معلوم ہوتے ہیں جو اپنے ننھے بچوں کی حفاظت کے لیے دشمن کی گھات میں بڑا غضب ناک ہو کر اپنی کچھار میں بیٹھا ہو۔“ [1]

عمرۂ جعرانہ

رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ میں 5 ذوالقعدہ سے 18 ذوالقعدہ تک تیرہ دن گزارے۔ اس دوران میں آپ نے مجاہدین اسلام میں غنیمتیں تقسیم کیں۔ جب آپ غنیمتوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے خمس میں سے بچ جانے والی غنیمتوں کو مرالظہران کے کنارے مجنہ نامی جگہ پر جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ مدینہ منورہ واپسی پر راستے میں آنے والے بدوؤں میں تقسیم کی جا سکیں۔ ان انتظامات سے فراغت ملی تو آپ نے بیت اللہ شریف کی زیارت کا پروگرام بنایا۔ اس دوران میں صحابۂ کرام اور نومسلم عرب بھی عمرے کی زیارت حاصل کر رہے تھے۔ وہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل بھی دریافت کر رہے تھے۔ آپ جعرانہ میں تشریف فرما تھے جب ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کو کیا حکم دیتے ہیں جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور اس کا پورا جسم خوشبو میں لتھڑا ہو؟ نبی کریم ﷺ اس کا یہ سوال سن کر خاموش

[1] السیرۃ لابن ہشام 134/4، المغازی للواقدی 353/2، موسوعۃ الغزوات الکبری 1689/2-1692

ہو گئے۔ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دکھانے کے لیے سیدنا یعلیٰ بن امیہ کو بھی بلا لیا۔ انھوں نے ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے وحی کے نزول کا پر کیف منظر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلا لیا کہ آؤ اور وحی نازل ہونے کا منظر اپنی آنکھوں میں سجا لو۔ سیدنا یعلیٰ رضی اللہ عنہ بھاگم بھاگ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ پر ایک چادر سے سایہ کیا گیا تھا۔ سیدنا یعلیٰ نے اپنا سر چادر کے اندر داخل کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو چکا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں۔ پھر یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيْنَ الَّذِي سَأَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ؟»

''وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرے کے بارے میں سوال کیا تھا؟''

وہ اعرابی فوراً بولا: حضور میں حاضر ہوں، فرمائیے کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

«اغْسِلِ الطِّيبَ الَّذِي بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَانْزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ، وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجَّتِكَ»

''جو خوشبو تم نے لگا رکھی ہے، اسے تین بار دھو ڈالو اور اپنا جبہ اتار دو۔ اپنے عمرے میں بھی اسی طرح کرو جیسے اپنے حج میں کرتے ہو۔''

امام عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین مرتبہ دھونے کا مقصد یہ تھا کہ خوشبو اچھی طرح صاف ہو جائے۔[1]



رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ روانگی سے قبل عمرہ ادا کیا۔ آپ 18 ذوالقعدہ کو جعرانہ سے نکلے اور وادی کے آخری کنارے پر واقع مسجد کے پاس سے احرام باندھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ آپ نے احرام باندھ کر وادی کو عبور کیا۔ راستے میں آپ مسلسل تلبیہ پکارتے رہے۔ بیت اللہ پہنچ کر تلبیہ پڑھنا بند کر دیا۔ آپ نے باب بنی شیبہ کے پاس اپنی سواری کو باندھا۔ بیت اللہ پہنچ کر حجر اسود کا استلام کیا۔ طواف کے سات چکر لگائے۔ پہلے تین چکروں میں رمل بھی کیا۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہو کر صفا و مروہ کی سعی کی۔ جب آپ نے آخری چکر مروہ پر ختم کیا تو سیدنا ابو جندل یا خراش

1 صحيح البخاري: 1536، البداية والنهاية: 641/4

بن امیہ ؓ نے آپ کے سر کے بال مونڈ تھے۔ اور آپ احرام کی پابندیوں سے فارغ ہو گئے۔ آپ نے اس عمرے میں قربانی نہیں کی۔ آپ کا یہ عمرہ آپ کے چار عمروں میں سے ایک ہے۔

قتادہ ؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس ؓ سے پوچھا: نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے ادا کیے تھے؟ انھوں نے فرمایا: چار۔ عمرہ حدیبیہ ذی قعدہ میں جہاں مشرکوں نے آپ کو روکا تھا۔ پھر آئندہ سال ذی قعدہ ہی میں ایک عمرہ قضا جس کے متعلق آپ نے مشرکوں سے صلح کی تھی۔ اور تیسرا عمرہ جعرانہ سے جس موقع پر آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کی تھیں۔ چوتھا عمرہ آپ کے حج کے ساتھ۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے کتنے حج کیے؟ انھوں نے فرمایا: ایک۔[1]

عمرے کی ادائیگی کے بعد اسی رات آپ جعرانہ واپس آئے، رات کو آرام کیا اور صبح کو جمعرات کے دن وادی جعرانہ سے مدینہ منورہ واپسی کا سفر شروع کیا۔ آپ جعرانہ سے سرف، پھر مرالظہران آئے اور وہاں سے مدینہ منورہ کی راہ لی۔

نوجوان گورنر مکہ مکرمہ کی تعیناتی

مکہ مکرمہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے لیے نہایت محترم رہا ہے۔ مشرکین مکہ بھی اس کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی مشرکین مکہ کو بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے پورے عرب میں بلند مقام حاصل تھا۔ پوری دنیا سے لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کے نزدیک مکہ مکرمہ کی عزت و تکریم میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کافروں اور مشرکوں کے تسلط و غلبے کے خاتمے کے بعد اسلامی حکومت کی فرمانروائی شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و آداب کی نشو و نما کے لیے سیدنا معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری ؓ کو مقرر کیا۔ ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ مسلمانوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں، انھیں دینی مسائل و احکام سکھائیں تاکہ ان کی زندگی صحیح اسلامی طرز معاشرت کے تحت گزرے۔ ان کو پیش آمدہ مسائل میں راہنمائی دیں اور انھیں بہتر سے بہتر مسلمان بننے میں مدد دیں۔ جبکہ مکہ مکرمہ کے انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کے لیے آپ نے اہل مکہ کے رؤساء اور شرفاء کے لیے ایک نوجوان مگر صلاحیتوں سے مالا مال سیدنا عتاب بن اسید ؓ کو گورنر مکہ مقرر کیا۔ ان کی تعیناتی پر اعتراض کیا گیا مگر آپ کو ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کا اندازہ تھا، اس لیے آپ نے انھیں مقرر فرما دیا۔ آئندہ آنے والے حالات و واقعات نے آپ کے فیصلے کی درستی کی تصدیق کر دی۔ اس وقت

[1] صحيح البخاري: 1778، المغازي للواقدي: 355/2، البداية والنهاية: 638/4.

گورنر صاحب کی عمر صرف 23 سال تھی۔ انھیں مکہ مکرمہ کے بزرگوں، سرداروں اور جہاندیدہ قائدین پر ترجیح دی گئی تھی۔ اس کی حکمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ مگر زمانہ ارتداد میں گورنر صاحب کا کردار اور دینی قوت اسلام اور مسلمانوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ سیدنا عتاب ؓ اہل ایمان کے لیے نہایت نرم اور رحم دل تھے۔ اہل نفاق اور اسلام مخالف قوتوں کے لیے نہایت سخت گیر حکمران تھے۔ سیدنا ابوبکر ؓ کے دور خلافت میں فتنہ ارتداد ابھرا تو گورنر مکہ سیدنا عتاب ؓ نے بڑے سخت قانون لاگو کر دیے۔ فرمایا:

وَاللهِ لَا أَعْلَمُ مُتَخَلِّفًا عَنِ الصَّلَاةِ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا ضَرَبْتُ عُنُقَهُ فَإِنَّهُ لَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ.

''اللہ کی قسم! جس شخص کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ نماز باجماعت ادا نہیں کرتا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا کیونکہ نماز باجماعت سے صرف منافق ہی پیچھے رہتا ہے۔''

ان کا یہ اعلان سن کر کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ مرتدین کا ساتھ دے یا علم بغاوت بلند کرنے کی کوشش کرے۔ ان کی کوششوں سے فتنہ پرور لوگوں کی خواہشات ان کے دلوں ہی میں مر گئیں۔ اہل مکہ اس دور میں پرسکون رہے۔ صحابہ کرام ؓ نے ان کے موقف کو سراہا اور اس کڑے وقت میں اسلام کی تقویت بننے والے ان کے فیصلوں کی تحسین فرمائی۔

سیدنا ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿ وَاجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴾ ''(اے میرے رب) مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ عطا کر۔''[1] کا مصداق عتاب بن اسید ہیں۔

سیدنا عتاب بن اسید ؓ نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر اور عمر ؓ کے دور میں بھی گورنر مکہ رہے۔ نہایت عبادت گزار اور زاہد صحابی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی ضروریات زندگی کے لیے ایک درہم روزانہ تنخواہ دی تھی۔ ایک روز اہل مکہ کو خطاب فرماتے ہوئے اپنی تنخواہ کا تذکرہ بڑے خوبصورت الفاظ میں کیا۔ فرمایا لوگو! جو ایک درہم تنخواہ سے سیر نہ ہو، اللہ اسے بھوکا ہی رکھے۔ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے روزانہ کے لیے ایک درہم عطا کیا ہے۔ مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں (کسی کے مال و دولت کی تمنا نہیں۔ میرے لیے یہی ایک درہم کافی ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں خصوصی ہدایت کی تھی۔ فرمایا: ''عتاب! جانتے ہو میں نے تمھیں کن لوگوں کا گورنر بنایا ہے؟'' سیدنا عتاب ؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

[1] بنی إسرآءیل 80:17

«استعملتك على أهل الله فأبلغهم عني أربعا: لا يصلح شرطان في بيع ولا بيع وسلف ولا بيع ما لم يضمن ولا تأكل ربح ما ليس عندك»

"میں نے تمھیں اہل اللہ (اللہ والوں) کا گورنر بنایا ہے۔ میری طرف سے چار احکامات انھیں پہنچا دینا: 1 ایک سودے میں دوہری شرط لگانا جائز نہیں۔ 2 بیع اور قرض بیک وقت درست نہیں۔ 3 جو چیز تاجر کے پاس موجود نہ ہو، اس کی فروخت جائز نہیں۔ 4 جو مال تمھارے پاس فروخت کے لیے موجود نہ ہو، اس کا نفع مت کھاؤ۔"[1]

مدینہ پہنچ کر عاملین زکاۃ کی تقرری

رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے مدینہ منورہ جمعہ کے روز پہنچے۔ ذوالقعدہ کے تین دن باقی تھے جب آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ نے ذوالقعدہ کے بقیہ دن اور ذوالحجہ کا مہینہ آرام فرمایا۔ پھر آپ نے وسیع اسلامی مملکت کے انتظام و انصرام کو مزید مربوط اور مستحکم بنانے کے لیے عمال مقرر کیے۔ ہر علاقے کا گورنر تعینات کیا اور پھر ہر اسلامی علاقے سے زکاۃ کی وصولی کے لیے صحابۂ کرام بھیجے تاکہ امراء اور صاحب حیثیت لوگوں سے اسلامی قوانین کے مطابق زکاۃ وصول کریں، وصول شدہ اموال مدینہ منورہ پہنچائیں تاکہ مستحق افراد کی مدد کی جا سکے۔

آپ نے جن صحابۂ کرام کو مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا، ان کے نام اور علاقے درج ذیل ہیں:

گورنر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	علاقے کا نام	گورنر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	علاقے کا نام
سیدنا عتاب بن اسید	مکہ مکرمہ	خالد بن سعید بن العاص	صنعاء
سیدنا علی بن ابی طالب (کو قاضی اور معلم مقرر کیا)	یمن	سیدنا زیاد بن لبید انصاری	حضرموت
ابوسفیان بن حرب	نجران	سیدنا ابوموسیٰ اشعری	عدن اور زبید
باذان بن ساسان	یمن	سیدنا معاذ بن جبل	یمن

رسول اللہ ﷺ نے 9ھ ماہ محرم کی ابتدا میں زکاۃ کے وصول کنندگان کو جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا۔ آپ نے انھیں خصوصی ہدایات سے نوازا۔ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

«إنك تقدم على قوم أهل كتاب فليكن أول ما تدعوهم إليه عبادة الله فإذا عرفوا الله

[1] الإصابة: 4/356، 357، المعجم الكبير للطبراني: 2/355، البداية والنهاية: 4/642، 643، [illegible]: 4/144

فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم، فإذا فعلوا الصلاة فأخبرهم أن الله فرض عليهم زكاة تؤخذ من أموالهم وترد على فقرائهم، فإذا أطاعوا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ»

''تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، اس لیے سب سے پہلے انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں، یعنی توحید کا اقرار کر لیں۔ جب وہ اس عقیدۂ توحید کو سمجھ جائیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے غریب لوگوں پر خرچ کی جائے گی۔ پھر جب وہ اس کا بھی اقرار کر لیں تو ان سے زکاۃ وصول کرنا لیکن زکاۃ وصول کرتے وقت لوگوں کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا۔''[1]


تاریخی شہر صنعاء کی ایک عمارت

آپ ﷺ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زکاۃ کی وصولی کے لیے روانہ کیا، ان کے نام اور علاقے یا قبائل درج ذیل ہیں:

[1] صحيح البخاري: 1485 و 7372.



صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	قبیلوں کے نام	صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	قبیلوں کے نام
سیدنا بریدہ بن حصیب / یزید بن حصین	اسلم وغفار	سیدنا بشر بن سفیان العتکی	بنو کعب
سیدنا کعب بن مالک	اسلم وغفار	ابن اللتبیہ ازدی	بنو ذبیان
سیدنا عباد بن بشر اشہلی	سلیم ومزینہ	سیدنا عیینہ بن حصن	بنو تمیم
سیدنا رافع بن مکیث	جہینہ	سیدنا مہاجر بن ابی امیہ	صنعاء
سیدنا عمرو بن عاص	فزارہ	سیدنا زیاد بن لبید	حضرموت
سیدنا ضحاک بن سفیان کلابی	بنو کلاب	سیدنا عدی بن حاتم	طے و بنو اسد
سیدنا مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ	الزبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم	بنو سعد
سیدنا العلاء بن حضرمی	بحرین	سیدنا علی (جزیے کی وصولی کے لیے روانہ کیا)	نجران [1]

عروہ بن مسعود کا اسلام

جرش (عسیر) کے آثار "ارشیفیہ"



عروہ بن مسعود ثقیف کے بلند پایہ سرداروں میں سے ایک تھے۔ اپنی عقل و دانش، تجربہ اور مہم جوئی کی مہارت کی بدولت جنگ حنین میں ثقیف کی قیادت انھی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے تھی مگر یہ ان دنوں اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے یمن کے علاقے جرش میں جدید جنگی ہتھیاروں کی تربیت لے رہے تھے۔ ثقیف جرش میں تیار ہونے والا بھاری اسلحہ جیسے منجنیق، دبابہ اور عرادہ وغیرہ خریدنے کے خواہش مند تھے۔ اس لیے وہ اپنی قوم کی قیادت نہ کر سکے۔ یہ ٹریننگ اور سفر تقریباً تین ماہ جاری رہا۔ اس دوران ان کی قوم پر مشکل ترین دو ماہ گزرے۔ جنگ حنین اور محاصرۂ طائف میں ان کا بے تحاشا نقصان ہوا۔ حنین میں ہزاروں جانور اور ہزاروں افراد مسلمانوں کے لیے

[1] المغازي للواقدي: 2/366، زاد المعاد: 3/508، 509.

مال غنیمت بن گئے تھے۔ جنگ ثقیف کے لشکر جرار کو بدترین تاریخی شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

عروہ بن مسعود یہ جدید بھاری اسلحہ لے کر طائف پہنچے تو رسول اللہ ﷺ محاصرہ ختم کر کے واپس جا چکے تھے۔ عروہ نے حالات و واقعات کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ انھوں نے اپنی قوم کی قوت، اسلحے، جنگی تیاری، سابقہ مہارت اور جنگ حنین میں ان کی شرمناک شکست کی وجوہات و اسباب کا بڑے تحمل سے جائزہ لیا۔ عقل و بصیرت اور جنگی مہارت سے بہرہ ور عروہ کو یہ نتیجہ نکالنے میں مشکل پیش نہ آئی کہ اب دنیا میں کوئی ایسا لشکر باقی نہیں جو اسلامی لشکر کا سامنا کر سکے۔ کوئی ایسی قوم باقی نہیں رہ گئی جو مجاہدین اسلام کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن سکے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ بت پرستی کا دور چلا گیا ہے۔ اب بت پرستوں کے لیے جینا دشوار ہوگا۔ اب یا وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے مجاہد بن کر دنیا فتح کریں گے یا دنیا سے مٹ جانے کے لیے انھیں تیار ہونا پڑے گا۔

چنانچہ عروہ نے دل ہی دل میں اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا، اسلام قبول کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر رحمتِ عالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

عروہ نے اپنی قوم کے ساتھ اپنے سابقہ تعلق کو مکمل ایمانداری سے نبھایا۔ بھاری اسلحہ کی تنصیب کی، ان کی ترکیب اور چلانے کا طریقہ قوم کو سکھایا اور پھر خود بغیر کسی کو بتائے اور کسی سے مشورہ لیے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے تاکہ اپنے ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی سفیر مکہ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر چکے تھے۔ اس لیے آپ کو ان کی نرم دلی، حق پرستی اور عقل و دانش کا علم تھا۔ عروہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں دیا اور کلمہ حق کی گواہی دے کر جاں نثاران اسلام میں شامل ہو گئے۔ پھر آپ سے اجازت مانگی کہ وہ واپس طائف جا کر اپنی قوم کو بھی دعوت حق پہنچانا چاہتے ہیں۔ آپ نے انھیں سمجھایا کہ تم ابھی ادھر ہی رہ جاؤ، تمھاری قوم بہت جذباتی اور بت پرستی کی پکی ہے، وہ تمھیں قتل کر دے گی۔ عروہ نے اصرار کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اسلام ایسے شاندار مذہب سے روگردانی کرنا نہایت کم عقلی ہے۔ میں اپنی قوم کو قائل کر لوں گا۔ میں اسلام کی شاندار دعوت کا تحفہ لے کر اپنی قوم کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ امید ہے وہ میری بات مان لیں گے کیونکہ میں متعدد مواقع پر اپنی قوم پر سبقت حاصل کر چکا ہوں۔ پھر وہ میرے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے میں بھی میری پیروی کریں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے سابقہ دو تجربات کی روشنی میں انھیں منع کیا۔ پہلی بار جب آپ اپنے چچا کی وفات کے بعد اہل طائف کو دعوت اسلام دینے گئے تھے تو اہل طائف نے

بڑی درشتی اور سنگ دلی سے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا اور قبیلے کے اوباشوں کو آپ پر سنگ باری اور آپ کو اذیتیں دینے پر لگا دیا تھا۔ دوسری بار جنگ حنین کے بعد جب آپ نے محاصرۂ طائف کیا تھا تو ان کی سنگ دلی اور بت پرستی پر ان کے پختہ یقین کا آپ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی لیے آپ بار بار کہہ رہے تھے کہ وہ تمھاری دعوت قبول کرنے کے بجائے تمھیں قتل کر دیں گے۔ جبکہ عروہ کا اصرار تھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ میں انھیں ان کے پہلوٹھی کے بیٹوں سے بھی بڑھ کر محبوب ہوں۔ وہ میری بڑی عزت کرتے ہیں۔ وہ میرا اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ اگر میں سو جاؤں تو وہ مجھے جگاتے نہیں۔ اپنی ضروریات کے لیے میرے جاگنے کا انتظار کرتے ہیں۔ میں ان کا محبوب بیٹا اور نہایت معزز قائد ہوں۔ وہ میری بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو اہل طائف کے مزاج اور سختی کا خوب اندازہ تھا۔ آپ جانتے تھے کہ انھیں دعوتِ اسلام منوانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ ضرور دشمنی پر اتر آئیں گے۔ اہل طائف عروہ کی محبت، پیار، احترام اور اپنے قائد کی خدمات اور قوم کے ساتھ حسن سلوک کو بھلا دیں گے۔ وہ آسانی سے عروہ کا نیا دین قبول نہیں کریں گے بلکہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے اپنی دشمنی اور نفرت کا اظہار ضرور کریں گے۔

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خدشات کے اظہار کے بعد عروہ رضی اللہ عنہ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

عروہ رضی اللہ عنہ پانچ دن کی مسافت طے کر کے اپنے وطن پہنچ گئے۔ قوم اپنے محبوب قائد کی واپسی پر خوش تھی مگر ان کے بدلے ہوئے رویے پر سخت حیران بھی تھی۔ وہ پریشان ہو گئے کہ عروہ نے خاندانی روایات کے مطابق سفر سے واپسی پر خاندانی بت لات کو سلام نہیں کیا۔ اس کے سامنے ماتھا نہیں ٹیکا، کوئی ہدیہ بھی پیش نہیں کیا اور سیدھے اپنے گھر چلے گئے ہیں۔ قوم پریشان ہو کر ان کی خبر لینے ان کے گھر پہنچی اور جا کر مشرکانہ سلام کیا۔ عروہ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور انھیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر کچھ اس انداز سے دی۔

عروہ رضی اللہ عنہ بولے: اے میری قوم! کیا تم مجھے کوئی الزام دیتے ہو؟ میں بہرحال تمھارا خیر خواہ ہوں۔ تم میں اعلیٰ نسب ہوں۔ تم سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ میرا کنبہ نہایت شریف اور معزز ہے۔ تعداد میں بھی تم سے بڑھ کر ہے۔ میں نے اسلام اس لیے قبول کیا ہے کہ یہ مذہب واقعی قابل اتباع ہے۔ اس شاندار مذہب سے روگردانی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ میری بات مانو اور تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! آج تک کوئی شخص اس سے اچھا تحفہ لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا۔ میری اطاعت کرو اور یہ خوبصورت دین قبول کر لو۔ یہ سننا تھا کہ شور و غل بلند ہونے لگا۔ وہ کہنے لگے: ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے جب تم نے خاندانی روایات کو پس پشت ڈال کر لات کی توہین کی تھی۔ تم نے

اسے سلام کیا نہ اس کے سامنے سر منڈایا اور نہ اس کو نذرانہ پیش کیا۔ تم بے دین ہو گئے۔ پھر قوم نے انھیں برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جس کے منہ میں جو آیا، اس نے کہہ دیا۔ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ ان کے گھر سے نکل گئے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اس بے دین کا کیا علاج کیا جائے۔ قبیلے والے انھیں مارنے یا مرنے کی تیاری کرنے لگے۔

رات گزری اور صبح ہوئی تو عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان کہنی شروع کر دی۔ اپنے گھروں میں نعرہ توحید سن کر مشرکین آگ بگولہ ہو گئے۔ چاروں طرف سے تیر اور تلواریں نکل آئیں۔ وہ عروہ رضی اللہ عنہ کو دھمکیاں دینے لگے۔ اسی دوران میں بنو مالک کے ایک شخص اوس بن عوف نے تیر مارا جو ان کی رگ جاں میں لگا۔ وہ شدید زخمی ہو کر گرے تو ان کے اپنے کنبے کو غیرت آئی۔ وہ قاتل کی طرف لپکے مگر سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ کہہ کر روک دیا کہ میں اس شخص کو اپنا خون معاف کرتا ہوں۔ تم جنگ و جدال سے باز رہو۔ یہ تو کرم الٰہی ہے کہ اس نے مجھے شہادت سے سرفراز کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی تھی کہ تم مجھے قتل کر دو گے۔ لہٰذا ان کی خبر سچ ثابت ہوئی۔ تم مجھے شہدائے طائف کے ساتھ دفن کر دینا۔ اس کے بعد سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کی قوم نے حسب وصیت انھیں شہدائے طائف کے ساتھ دفن کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو فرمایا:

«مَثَلُ عُرْوَةَ مَثَلُ صَاحِبِ يَاسِينَ، دَعَا قَوْمَهُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَتَلُوهُ»

''عروہ کی مثال صاحب یاسین کی سی ہے، انھوں نے اپنی قوم کو اللہ عزوجل کی طرف بلایا تو انھوں نے اسے شہید کر دیا۔''

سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے ابو ملیح بن عروہ اور بھتیجے قارب بن اسود نے اہل طائف سے کہا آج کے بعد ہم تمھارے ساتھ ہرگز نہیں رہیں گے کیونکہ تم نے عروہ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر یہ دونوں حضرات طائف چھوڑ کر مدینہ منورہ آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ آپ نے انھیں فرمایا:

«تَوَلَّيَا مَنْ شِئْتُمَا»

''جنھیں چاہو اپنا دوست بنا لو۔''

انھوں نے عرض کی: ہم اللہ اور اس کے رسول کو اپنا دوست منتخب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے ماموں ابوسفیان بن حرب کے حلیف بن جاؤ۔'' دونوں نے تعمیل کی اور سیدنا ابوسفیان کے حلف میں آگئے، پھر سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کے گھر میں رہائش رکھی۔ پھر وہ دونوں ثقیف کے مسلمان ہونے (9 ھ) تک مدینہ منورہ ہی میں رہے۔[1]

عمرو بن امیہ کا دانشمندانہ فیصلہ

ثقیف نے اپنی روایتی جہالت، گنوار پن اور بت پرستی کی شدت کی بنا پر اپنے خیر خواہ و دور اندیش سردار سیدنا عروہ بن مسعود ؓ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور انھیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد ثقیف کے نہایت معاملہ فہم قائد عمرو بن امیہ نے اپنی قوم کی درست راہنمائی کی ٹھانی۔ انھوں نے اپنی عقل و بصیرت سے بھانپ لیا کہ اب معاملات ثقیف کے ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔ عروہ بن مسعود ؓ کا مشورہ بالکل درست تھا مگر قوم کی ہٹ دھرمی مجموعی نقصان کا سبب بن رہی تھی۔ اب جبکہ اردگرد کے قبائل مسلمان ہو رہے تھے اور ثقیف کا اپنا قائد مالک بن عوف نصری مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ یہ وہی لیڈر تھا جو حنین میں 20 ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا تھا۔ مگر اب وہی قائد اسلامی لشکر کے ساتھ اہل طائف پر یکے بعد دیگرے حملے کر رہا تھا۔ ان کی چراگاہیں اور راستے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ چرنے کے لیے نکلنے والا کوئی ریوڑ ان کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا تھا۔

اب اس قسم کے حالات میں ثقیف اکیلے کب تک بت پرستی کے سہارے جی سکتے تھے۔ چاروں طرف سے مسلمان قبائل کی یلغار کا مقابلہ اب ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے زیرک سردار عمرو بن امیہ نے ان مشکل حالات میں قوم کی راہنمائی کرنے اور انھیں نجات دلانے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے دشمن عبدیالیل سے صلح کا پروگرام بنایا۔ عبدیالیل ثقیف کا سمجھدار اور ہوشیار سردار تھا۔ عمرو بن امیہ ساری نفرتیں اور عداوت بھلا کر اس کے گھر چلا گیا۔ عبدیالیل بھی عمرو سے صلح کا خواہش مند تھا مگر دونوں بدوی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے تھے۔ ہر کوئی تکبر و نخوت پر قائم تھا۔ مگر اب حالات نے دیرینہ دشمنی مٹا کر صلح جوئی کو ممکن بنا دیا تھا۔ عبدیالیل عمرو کو اپنے گھر میں موجود پا کر حیران ہو رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ عمرو صلح کے لیے اس کے گھر چل کر آئے گا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ عمرو بن امیہ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا کہ ہم محمد ﷺ کے لشکر کے ساتھ مقابلے کی سکت نہیں رکھتے۔ ہم میں سے کوئی شخص اپنے قلعے سے باہر نہیں نکل

[1] المستدرك للحاكم: 6579، المغازي للواقدي: 2/356 و 357.

ملتا۔ آئے روز گرد و پیش کے قبائل کی ہزیمت کی خبریں بھی تواتر سے مل رہی ہیں۔ آخر تم کیسے اسلامی لشکر کا مقابلہ کرو گے؟ اور ہم کب تک قلعہ بند رہ سکیں گے؟

عبد یالیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرا خیال بھی بالکل یہی ہے۔ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ محمد ﷺ سے صلح کر لی جائے۔ اس کے بغیر جینا ممکن نہیں۔ دونوں سرداروں نے قوم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر ساری قوم کو عمومی اجلاس کے لیے بلایا۔ اس میں انھیں موجودہ حالات کی سنگینی اور نجات کے راستے کی وضاحت کی۔ باہمی گفت وشنید کے بعد تمام قابل ذکر لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اب اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ صرف اسی ایک حل کے ذریعے وہ ان شدید مشکلات سے نجات پا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ سردار عبد یالیل مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کریں۔ یہ وہی عبد یالیل ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے سفر طائف کے دوران سخت اذیت دی تھی۔ آپ کی سچی دعوت کو نہایت حقارت سے ٹھکرایا تھا۔ اس نے کہا تھا: ''اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں غلاف کعبہ کو اتار پھینکوں گا۔'' اس کے بھائی نے گستاخانہ لہجے میں یہ توہین کی تھی: ''کیا اللہ کو تیرے سوا رسول بنانے کے لیے کوئی آدمی نہیں ملا۔''

وفد ثقیف راہِ ہدایت پر

حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ آج اسی متکبر، اجڈ اور گستاخ سردار کو رحم کی اپیل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا جا رہا تھا۔ عبد یالیل اپنے سابقہ رویے کی وجہ سے بالکل پریشان نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ محمد ﷺ نہایت رحم دل اور مہربان ہیں۔ وہ اپنی خدمت میں حاضر ہونے والوں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ اس لیے اسے امید تھی کہ اس کا جرم بھی آپ کی شان کریمی کی وجہ سے معاف ہو جائے گا۔ لیکن اسے اندر ہی اندر یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کی بد قوم واپسی پر اس کے ساتھ بھی سیدنا عروہ بن مسعود ؓ جیسا سلوک نہ کرے۔ اسی خدشے کی بنا پر عبد یالیل نے قوم سے معذرت کر لی کہ وہ ان کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ قوم کسی اور نمائندے کا بندوبست کرے۔ لیکن قوم نے اصرار کیا کہ یہ اہم کام صرف تم ہی کرو گے۔ قوم کا اصرار دیکھ کر عبد یالیل نے یہ شرط رکھی کہ ہر کنبے کا ایک اہم شخص اس کے ساتھ جائے اور واپسی پر اپنی اپنی برادری کو حالات سے آگاہ کرے۔ قوم نے یہ شرط مان لی اور ان کے ساتھ پانچ دیگر آدمی بھیجنے کا بندوبست کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

1 عثمان بن ابی العاص۔ 2 اوس بن عوف۔ 3 نمیر بن خرشہ۔ 4 الحکم بن عمرو۔ 5 شرحبیل بن غیلان بن سلمہ۔

کچھ سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دس سے زائد افراد تھے۔ ان میں سفیان بن عبداللہ بھی تھے۔ یہ وفد

عبدیالیل کی سربراہی میں مدینہ منورہ روانہ ہوا تاکہ آپ کے ساتھ اپنی قوم کی بقا کے لیے مذاکرات کر سکے۔ اس طرح ایک سال قبل کی جانے والی رسول اللہ ﷺ کی دعا کی قبولیت کا وقت آپہنچا۔ محاصرۂ طائف کے بعد اسلامی لشکر زخموں سے چور واپس آرہا تھا تو کسی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اہل طائف کو بددعا دیجیے۔ اس کی اس فرمائش کو سن کر رحمت عالم ﷺ نے بددعا کے بجائے اہل طائف کے لیے دعائے خیر کی:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّ ائْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے دے اور انھیں (میرے پاس) لے آ۔''

مدینہ میں خوشیوں کی بہار

اہل طائف کا وفد غیر محسوس طریقے سے چپکے چپکے چلتا ہوا مدینہ منورہ کے نواح میں وادی قناۃ پہنچ گیا۔ راستے میں کسی اسلامی لشکر کو ان کی خبر نہ ہوئی۔ وادی قناۃ پہنچے تو وہاں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنی باری کے دن سرکاری اونٹ چرا رہے تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کے چیدہ چیدہ افراد کو مدینہ منورہ آتے دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ وہ اہل طائف کے ہاں زندگی کی کئی بہاریں گزار چکے تھے، اس لیے وفد کے ایک ایک فرد کو بخوبی جان گئے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وفد اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہے تو انھیں بے حد خوشی ہوئی۔ انھوں نے اپنی قوم کا حال احوال پوچھنے کے بعد اپنے اونٹوں کو انھی کے پاس چھوڑا اور خود مدینہ منورہ کی طرف دوڑ لگا دی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خوشخبری سنا سکیں۔ اہل طائف کا اسلام قبول کرنا بلاشبہ بہت اہم تھا۔ ان کے بعد اسلام کے دشمنوں کا جزیرۂ عرب سے خاتمہ ہو جاتا تھا۔ ان کی مالی اور افرادی قوت سے اسلام

جبل احد کے دامن میں وادی قناۃ



کی قوت دوبالا ہوئی تھی۔ لہٰذا خوشی و مسرت کے والہانہ جذبات کے ساتھ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے مدینہ منورہ داخل ہوئے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھیں اپنی قوم کی آمد کی خبر سنائی تو انھوں نے فرمایا: مغیرہ! تمھیں اللہ کی قسم ہے، یہیں رک جاؤ۔ یہ خوشخبری مجھے رسول اللہ ﷺ کو سنانے دو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ثقیف کو یاد کرتے ہوئے سنا ہے۔ چنانچہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ دروازے پر رک گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور اہل طائف کی آمد کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ کو سنائی۔ پھر باہر تشریف لائے تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ رحمت عالم ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا ہے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر مسرت سے نہال ہو گئے۔ ان کی خوشی الفاظ میں بیان نہ ہو سکتی تھی۔ ایک طرف ان کی قوم اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ منورہ پہنچ گئی تھی اور دوسری طرف تاجدار مدینہ کو بھی ان کی آمد سے بے حد خوشی ہو رہی تھی۔ یہ دونوں خوشیاں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے لیے دنیا جہاں کی نعمتوں سے بڑھ کر فرحت کا باعث تھیں۔

یہ خوشخبری سنانے کے بعد سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بھاگم بھاگ واپس گئے اور اپنی قوم کی خدمت میں لگ گئے۔ ان کی سواریوں سے سامان اتارا۔ خیمے لگانے میں ان کی مدد کی۔ پھر انھیں ملاقات کے اسلامی آداب سکھانے لگے تاکہ خدمت نبوی میں پہنچ کر وہ اسلامی انداز سے آداب بجا لائیں۔ انھیں خطرہ تھا کہ کہیں اپنی جاہلانہ رسوم کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو ناراض نہ کر بیٹھیں کیونکہ جاہلی رسوم و رواج اور دیہاتی اجڈ پن ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ شہری تہذیب سے وہ نا آشنا تھے۔ اس لیے کچھ ضروری آداب انھیں سکھانا اشد ضروری تھا۔ لیکن مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ ساری محنت اس وقت رائیگاں گئی جب ثقفی وفد نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا روایتی سلام پیش کیا۔ انھوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے اپنا خاندانی سلام ''أَنْعِمْ صَبَاحًا'' صبح بخیر، Good Morning کہہ کر آپ کو آداب پیش کیا۔

ابتدائی مرحلے میں ثقفی وفد وادی قناۃ میں ٹھہر گیا اور اپنی بات چیت سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے نبی کریم ﷺ تک پہنچاتا رہا۔ نبی کریم ﷺ ان کے لیے کھانے پینے کا بندوبست فرماتے کیونکہ وہ آپ ہی کے مہمان تھے۔ لیکن اپنے دیہاتی شکی مزاج کی وجہ سے وہ آپ کا بھیجا ہوا کھانا اس وقت تک نہ کھاتے تھے جب تک سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہ ہوتے، حالانکہ ان کا یہ خوف بلا وجہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ جیسے مہربان شفیق اور رحم دل میزبان کی ضیافت سے لطف اندوز ہونے والے اس قسم کے خدشات سے ہمیشہ محفوظ رہتے تھے۔ پھر بھلا انھیں کیا خوف ہو سکتا تھا۔

اہل طائف کے خدشات اور احکام الٰہی

اگلے مرحلے کی بات چیت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے گھر بقیع میں تین خیمے نصب کرائے اور مہمانوں کو ان میں ٹھہرایا گیا۔ یہاں رہ کر مہمانوں کے لیے ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے شب و روز کو بغور دیکھ سکیں۔ وہ تہجد کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رقت آمیز تلاوت سنتے، رسول اللہ ﷺ کے خطبات شیریں سے لطف اندوز ہوتے۔ صحابہ کرام کو وضو کرتے، نماز کی تیاری، صف بندی اور دیگر عبادات کی ادائیگی کرتے ہوئے دیکھتے۔ اس طرح کئی دن وہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ وفد میں سب سے کم عمر عثمان بن ابی العاص تھے جن کی ذمہ داری وفد کے سامان کی حفاظت تھی۔ ہر روز وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ عثمان کو خیموں میں چھوڑ جاتے۔ جب وفد واپس آ کر آرام کرنے لگتا تو یہ چپکے سے نکلتے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ آپ سے قرآن مجید سیکھتے اور آپ کے اعلیٰ آداب سے خود کو مزین کرتے۔ اگر آپ قیلولہ فرما رہے ہوتے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم کے موتی چنتے۔ اس طرح وفد کو علم بھی نہ ہوا کہ ان کا کم سن رکن مسلمان ہو کر ان سے پہلے اسلام کی ابدی تعلیمات سے اپنا سینہ منور کرتا رہا۔ اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی راہنمائی میسر نہ آتی تو نبی کریم ﷺ کے قاری سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کسب فیض کرتے۔ یہ ساری تعلیم خفیہ ہی چل رہی تھی۔

کافی دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری قوم اسلام قبول کرنے کے لیے چند شرائط رکھنا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ہر وہ شرط یا معاہدہ جو دیگر قبائل کو دیا گیا ہے، وہ تمھاری قوم کو بھی دے دیا جائے گا، لہٰذا تم انھیں خوش خبری سنا دو۔''

ہر روز وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ انھیں اسلام کی دعوت دیتے۔ ایک روز وفد کے سربراہ عبد یالیل نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ معاہدہ کریں گے تاکہ ہم اپنے بیوی بچوں اور قوم کے پاس واپس جا سکیں؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمھارے ساتھ معاہدہ کر لوں گا۔ اور اگر تم اسلام قبول نہ کرو تو پھر صلح کا کوئی معاہدہ ممکن نہیں۔'' عبد یالیل بولا: زنا کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے کیونکہ ہم نوجوان کنوارے ہیں۔ اپنے وطن سے بھی دور ہیں، کنوارا رہنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''زنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝﴾

"اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"[1]

اس نے دوسرا سوال کیا: سود کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: "سود بھی حرام ہے۔" عبدیالیل بولا: ہمارے سارے مال سود کی پیداوار ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھارے لیے تمھارے اصل مال لینا جائز ہے (سود چھوڑ دو)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے، وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔"[2]

عبدیالیل نے تیسرا سوال کیا: شراب کے بارے میں فرمائیے کیونکہ شراب ہمارے انگوروں کا رس ہے۔ ہم اسے پیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آپ نے فرمایا: "شراب اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"[3]

ثقفی وفد کے مطالبات تسلیم نہ ہوئے تو وہ اٹھ گئے۔ واپس جا کر عبدیالیل بولا: تمھارا بھلا ہو، اگر ان تین چیزوں کی حرمت کی خبر لے کر ہم قوم کے پاس گئے تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ثقیف والے زنا اور شراب نوشی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ سفیان بن عبداللہ ایک سمجھدار اور صاحب بصیرت آدمی تھے۔ وہ بولے: جناب! اگر اللہ نے ثقیف کو بھلائی عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو انھیں ان چیزوں پر صبر بھی آجائے گا۔ یہ جتنے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ بھی ان چیزوں کے عادی تھے، انھوں نے بھی صبر کر لیا ہے، پھر ثقیف بھلا کیونکر صبر نہیں کریں گے جبکہ ہمیں مسلمانوں کے حملے کا خطرہ بھی ہے۔ ہمارے اردگرد اسلام پھیل چکا۔ ہم چاروں طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم بلاشرط مسلمان ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر مسلمانوں نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ مجھے تو اہل مکہ جیسی ذلت و رسوائی کا خدشہ ہے۔

اس گفت و شنید کے بعد وہ پھر حاضر خدمت ہوئے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمارے بت لات کے

[1] بنيّ إسرآءيل 32:17. [2] البقرة 278:2. [3] المآئدة 90:5.

بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے منہدم کردو۔'' وہ کہنے لگے: اگر ہمارے دیوتا کو علم ہو گیا کہ ہم نے اسے گرانے کا پروگرام بنایا ہے تو وہ ہمارے اہل خانہ کو قتل کر دے گا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا: اے عبدیالیل! تیرا برا ہو۔ یہ دیوتا ایک پتھر ہے۔ اسے کیا معلوم کس نے اس کی پوجا کی اور کون اس کا منکر ہے؟ عبدیالیل نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مسکت جواب سنا تو کھسیانا ہو کر کہتا ہے: اے عمر! ہم تمھارے پاس نہیں آئے (تم اپنی رائے اپنے پاس ہی رکھو)۔

اگرچہ ثقیف کی ساری شرائط رد ہو رہی تھیں اور انھیں اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا گراں گزر رہا تھا لیکن پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے، مسلمان ہونے اور صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھا۔ صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ ثقفی وفد مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک التجا پھر کر دی کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے دیوتا کی بربادی میں تین سال کی مہلت دے دیجیے کیونکہ فوری انہدام سے ہمارے بچے اور عورتیں بھڑک اٹھیں گی۔ وہ نسل در نسل اس کی پوجا کرتے رہے ہیں۔ انھیں سمجھانے کے لیے ہمیں کچھ وقت چاہیے۔ آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا۔ ثقفی وفد نے پھر دو سال، ایک سال اور آخر میں صرف ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا کہ اسلام اور بت پرستی اکٹھے نہیں چل سکتے۔ تمھیں اس بت کو پاش پاش کرنا ہوگا اور اپنے نئے عقیدے کا برملا اظہار کرنا پڑے گا۔ مگر ثقفی وفد اپنے قبیلے کی تندمزاجی اور گنوار پن سے واقف تھا، اس لیے وہ ڈر رہے تھے کہ اگر انھوں نے جاتے ہی لات کو گرایا تو قبیلے میں بہت بڑا فساد ہو جائے گا۔ بالآخر انھوں نے التجا کی کہ اگر اس بت کو فوری گرانا ضروری ہے تو پھر آپ ہمیں اس خدمت سے معذور سمجھیں اور یہ کام کسی اور کے سپرد کر دیں۔ آپ ﷺ نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ فرمایا: ''ٹھیک ہے، ہم یہ کام ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کے ذمے لگاتے ہیں، وہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے۔''

اس کے بعد ثقفی وفد نے نماز کی ادائیگی میں خصوصی رخصت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَا صَلَاةَ فِيهِ»

''جس دین میں نماز نہ ہو، وہ خیر سے محروم ہے۔''

سنن ابوداود میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ»

''جس دین میں رکوع نہ ہو، اس میں خیر نہیں۔''[1]

چنانچہ ثقفی وفد نے عہد کیا کہ وہ نماز ادا کریں گے، روزہ رکھیں گے۔ پھر دیگر فرائض اسلام کی تعلیم بھی حاصل کی۔ یہ وفد ماہ رمضان میں آپ کی خدمت میں پہنچا تھا، اس لیے آپ نے حکم دیا کہ بقیہ رمضان کے روزے رکھو۔ ثقفی وفد کی سحری اور افطاری کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ افطاری لے کر ان کے پاس پہنچتے تو انھیں محسوس ہوتا جیسے ابھی سورج غروب نہیں ہوا۔ آپس میں باتیں کرتے کہ یہ سورج سے قبل افطاری دے کر ہمیں آزمایا جا رہا ہے۔ ہمارا اسلام چیک کیا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ افطاری کرنے میں تأمل کرتے۔ پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افطاری کرنے کے بعد تمھارے لیے افطاری کا سامان لے کر آتا ہوں۔ بہرحال ثقفی وفد کو یہ مسئلہ ہمیشہ یاد رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہوتے ہی افطاری کر لیتے تھے، البتہ سحری بالکل آخری وقت میں کرتے تھے۔



اس طرح ثقفی وفد مسلمان ہو گیا اور ان کے مسلمان ہونے سے جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کی ٹکر کی کوئی فوج باقی نہیں رہی۔ ان کے بعد چاروں طرف سے وفود اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ منورہ آنے لگے۔[2]

---

1 سنن ابی داود، حدیث: 3026، اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ 2 المغازی للواقدی 2/358-362، [illegible] 3/498،499

امیر ثقیف کی تقرری

ثقفی وفد اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی بنیادی تعلیمات سیکھتا ہے۔ پھر اپنے اہل و عیال اور قوم کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارا کوئی امیر مقرر فرما دیں تاکہ ہم پیش آمدہ مسائل میں اس سے راہنمائی لے سکیں، جو ہمیں نماز پڑھائے اور دیگر لوگوں کو تربیت دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ دین کی بنیاد پر تقرری فرماتے تھے۔ جو شخص قرآن مجید کا زیادہ بڑا عالم ہوتا، اسے دیگر پر فوقیت دی جاتی اگرچہ وہ قوم کا کم سن فرد ہی ہو۔ اس موقع پر بھی آپ نے ثقفی وفد کے سب سے کم عمر عثمان بن ابی العاص کو ثقیف کا امیر مقرر کر دیا۔ بنیادی دینی تعلیم کے حصول میں سارا وفد برابر تھا، مگر یہ نوجوان دینی تعلیم کا شدید حریص تھا۔ وفد سے پہلے مسلمان ہوا اور انھیں بتائے بغیر قرآن مجید سیکھتا رہا۔ جب تک باقی وفد مسلمان ہوا، وہ نبی کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کئی سورتیں سیکھ چکا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے جذبۂ دین اور جوش کی تعریف کی۔ لہٰذا انھیں پورے ثقیف کا امیر بنا دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں امیر مقرر کرنے کے بعد خصوصی ہدایات دے کر رخصت فرمایا:

«أنت إمامهم، واقتد بأضعفهم، واتخذ مؤذنا لا يأخذ على أذانه أجرا»

''تم ان کے امام ہو۔ اور ان کے کمزور ترین کی اقتدا کرنا (رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا) اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔''[1]

آپ نے انھیں ہدایت کی کہ کمزور نمازیوں کا خیال رکھتے ہوئے ہلکی نماز پڑھانا، البتہ جب خود نوافل ادا کرنے لگو تو جتنی چاہو طویل نماز ادا کرلو۔ بغیر اجرت کے مؤذن مقرر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ البتہ آج کل مصروفیات کے دور میں اگر بلا اجرت مؤذن نہ ملے تو ایسا مؤذن مقرر کیا جاسکتا ہے جو اپنی دیگر مصروفیات ختم کرکے یہ فریضہ ادا کر سکے۔ اس طرح اس کی ذاتی ضروریات مسلمانوں کے بیت المال یا مسجد انتظامیہ کے ذمے ہوں گی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے التجا کی: اے اللہ کے رسول! شیطان میری نماز میں شکوک و شبہات ڈال دیتا ہے۔ میری نماز خراب کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس شیطان کا نام خنزب ہے۔''

«فإذا أحسسته فتعوذ بالله منه، واتفل على يسارك ثلاثا»

''جب تمھیں شیطانی وسوسے کا احساس ہو تو (اعوذ باللہ پڑھ کر) اللہ کی پناہ لے لیا کرو، پھر اپنی بائیں جانب

[1] صحيح مسلم: 468، سنن أبي داود: 531.

تین بار تھتکار دیا کرو۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا تو شیطانی وسوسے دور ہو گئے اور میں شیطان کے شر سے محفوظ ہو گیا۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھیں نبی کریم ﷺ نے حکم دیا: اَمَّ قَوْمَکَ ''اپنی قوم کی امامت کراؤ۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے وسوسے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے قریب ہو جا۔'' پھر مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا، پھر فرمایا:

«أُمَّ قَوْمَكَ، فَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ، وَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ، وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ، وَإِنَّ فِيهِمْ ذَا الْحَاجَةِ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ»

''اپنی قوم کی امامت کرو۔ جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے تو اسے ہلکی نماز پڑھانی چاہیے کیونکہ ان میں بزرگ ہوتے ہیں۔ اور بے شک ان میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور بے شک ان میں کمزور ہوتے ہیں، یقیناً ان میں ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص اکیلا نماز ادا کرے تو جتنی چاہے (طویل) نماز پڑھ لے۔''[2]

اس طرح ثقفی وفد اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے وطن طائف کی طرف روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں صلح نامہ تحریر کرا دیا، ان کا امیر مقرر کر دیا اور اسے خصوصی ہدایات دے کر الوداع کیا تاکہ وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں اور آپ سے مذاکرات کے نتیجے سے آگاہ کریں۔

[1] صحیح مسلم: 2203، دلائل النبوۃ للبیہقی 5/307 [2] صحیح مسلم: 468.

لات کی تباہی

لات، عربوں کا سب سے بڑا بت تھا۔ یہ چوکور پتھر تھا۔ ایک یہودی اس پتھر کے پاس مسافروں کو ستو کھلایا کرتا تھا۔ وہ فوت ہو گیا تو لوگوں نے اسی پتھر کی پوجا شروع کر دی۔ پھر اس کے گرد شاندار عمارت تعمیر کر دی گئی اور طائف کے بنو عتاب بن مالک اس کے مجاور بن گئے۔ اس طرح ہزاروں سال سے اس بت کی پوجا کی جارہی تھی۔ پورا عرب اس کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ یہ مسجد طائف کے بائیں منارے کے پاس تھا حتی کہ اہل طائف مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اسے گرا دیا گیا۔



آیئے اس کے انہدام کی دلچسپ روداد پڑھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ثقفی وفد کی معذرت پر سیدنا ابوسفیان بن حرب اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ لات کو ختم کر دیں۔ ثقفی قائد عبد یالیل اپنی قوم کی بت پرستی اور مزاج سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لات کا انہدام بہت بڑا واقعہ ہوگا اور اسے گرانا آسان نہیں ہوگا۔ اس کی قوم اسے بڑی مشکل سے برداشت کرے گی۔ اسی لیے اس نے اس مہم سے معذرت کر لی تھی۔ وفد طائف شہر کے قریب پہنچا تو اہل طائف نے ان کا استقبال کیا۔ پوری قوم شدت سے انتظار کر رہی تھی کہ ان کا وفد کیا خبر لے کر آتا ہے۔ وفد نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور سواریوں کو تیز کر دیا گویا وہ شدید غمگین اور پریشان ہیں، وہ کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے۔ جب وفد شہر میں داخل ہوا تو حسب روایت لات بت کے قریب اترے مگر پہلے والا انداز محبت نہیں تھا۔ لات کے پاس نہ سر منڈائے نہ اس کی تعظیم بجالائے بلکہ ایسے ظاہر کیا جیسے وہ لات کو جانتے ہی نہ ہوں۔ پھر وفد کے ارکان اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ آخر قوم

پریشان ہو کر وفد کے ارکان کے پاس آئی۔ پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو، کچھ تو بتاؤ۔ انھوں نے بڑے غمگین لہجے میں بتایا کہ تمھارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں۔ ہم ایک نہایت سخت طبیعت، سنگ دل شخص کو مل کر آ رہے ہیں (قوم کو اعتماد میں لینے کے لیے چند ایسے جملے بولنے کی اجازت انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے لے لی تھی)۔ وہ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ تلوار کے زور پر سارے عرب پر غالب آگئے ہیں۔ لوگ ان کے تابع ہو چکے ہیں۔ عیسائی اپنے قلعوں میں ان سے خوف کھاتے ہیں۔ اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ اس کے دین کو قبول کر کے اس کے ہمنوا بن رہے ہیں یا تلوار کے وار کے لیے خود کو تیار کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیں بڑے مشکل کام بتائے تھے۔ ہم نے صاف معذرت کر دی۔ انھوں نے ہمیں زنا کاری، سود اور شراب سے منع کیا تو ہم نے یہ شرائط ماننے سے انکار کر دیا۔ اور تو اور انھوں نے ہمارے دیوتا لات کی مسماری کا حکم دے دیا۔ بھلا ہم یہ کیسے قبول کر سکتے تھے۔ قوم مطمئن ہوگئی کہ وفد واقعی ان کے جذبات کا بھرپور پاس کر کے آیا ہے۔ کہنے لگے: یہ شرائط تو ہم کبھی نہ مانیں گے۔ وفد نے کہا: ہم بھی اسی لیے انکار کر آئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ انھوں نے ہمارا لحاظ نہیں کیا۔ سو تم بھی جنگی تیاری کرلو۔ اپنے قلعے کی مرمت کرلو۔ اسلحہ اور سال دو سال کا اناج جمع کرلو۔ اپنے قلعے کے باہر خندق کھود دو۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ دو سال سے زائد ہمارا محاصرہ نہیں کر سکیں گے۔ یہ سارے انتظامات جلدی کرلو کیونکہ وہ کسی بھی وقت حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ یہ سن کر قوم پریشان ہوگئی۔ صرف دو دن بعد رعب اور خوف کے مارے ان کی حالت غیر ہوگئی۔ دوبارہ اپنے وفد کے ارکان کو کہتے ہیں: تم واپس جاؤ اور ان کی شرائط پر صلح کرلو کیونکہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سارا عرب مغلوب ہو چکا ہے تو ہم کب تک ڈٹ سکیں گے۔ جاؤ اور صلح نامہ تحریر کرالو..... جلدی کرو کہیں اسلامی لشکر حملہ آور نہ ہو جائے۔

وفد کے ارکان نے جب دیکھا کہ ان کی قوم خوفزدہ ہوگئی۔ اب وہ جنگ کے بجائے امن اور بت پرستی کے بجائے اسلام کی طرف راغب ہوگئی ہے۔ اس لیے قوم کو بتا دیا کہ ہم سب سے بڑے رحمدل، مہربان، صلہ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ وفادار اور سچے انسان کے پاس سے ہو کر آئے ہیں۔ انھوں نے ہمیں تحریر لکھ دی ہے اور ہمیں لات کو گرانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ کام کرنے کے لیے اپنے ساتھی روانہ کیے ہیں۔

یہ سن کر قوم کچھ مطمئن ہوگئی۔ مگر لات کی بربادی انھیں پریشان کر رہی تھی۔ ایک بزرگ کہنے لگے: اگر بت ٹوٹ گیا تو مسلمان سچے اور ہم جھوٹے اور اگر بت نے اپنا دفاع کر لیا تو پھر میرے دل میں اس کی تعظیم اور بڑھ جائے گی۔ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب دیا: بزرگوار! آپ کو آپ کا نفس بے کار امیدیں دلا رہا

ہے، بھلا! یہ دیوتا کیا چیز ہے!؟ کیا اسے معلوم ہے کہ کون اس کا پجاری ہے اور کون اس کا منکر؟ جیسا کہ عزیٰ بت اسی طرح بے جان پتھر تھا، اسے سیدنا خالد بن ولید نے تنہا ہی راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ اسی طرح اساف، نائلہ، ہبل اور مناۃ ابھی کل کی بات ہے جب یہ ایک ہی شخص کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح سواع کو بھی اکیلے آدمی نے مسمار کیا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنا دفاع نہ کر سکا، پھر بھلا یہ کیا کر لے گا؟! عنقریب تم اپنی آنکھوں سے اس کی بربادی دیکھو گے۔

سیدنا ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے دو تین دن انتظار کیا اور پھر لات کی مسماری کے لیے روانہ ہوئے۔ سیدنا ابوسفیان نے کہا: مغیرہ! تم آگے بڑھو۔ ان کی قوم بھی اہل طائف میں سے تھی، اس لیے چند نوجوان سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیے مبادا قوم عروہ بن مسعود کی طرح انھیں ہلاک کر دے۔ یہ گروہ رات کو بت کے قریب پہنچ گیا اور صبح کے وقت مسماری کا کام سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا۔ طائف کی عورتیں اور بچے، نوجوان اور بوڑھے سبھی یہ المناک حادثہ دیکھنے کے لیے پہنچ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جو بھی یہ جرم کرنے کے لیے آگے بڑھے گا، ان کا دیوتا اسے بھسم کر دے گا۔ وہ ان کے دیوتا کے غیظ و غضب سے بچ نہیں سکے گا۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ مضبوط ایمان و یقین سے سرفراز تھے۔ انھیں ایسا کوئی خوف لاحق نہیں تھا بلکہ وہ تو قوم کو ہنسانے کے موڈ میں تھے۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: آج میں ثقیف کو رلاؤں گا اور تمھیں ہنساؤں گا۔ جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کدال پکڑی اور بت کی طرف چل دیے۔ اس پر سوار ہوئے۔ پہلا ہی وار کیا تو دھڑام سے نیچے گر گئے اور بے ہوش ہونے کا بہانہ کیا۔ ثقیف والے خوب شور مچانے لگے۔ دیکھو ہمارے دیوتا نے کیسے انتقام لیا ہے۔ دیکھو اس کا کیا انجام ہوا ہے۔ وہ اسی طرح چیخ و پکار کر رہے تھے کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بالکل سیدھے بیٹھ گئے اور قوم کو گھورنے لگے۔ پھر فرمایا: اے ثقیف والو! عرب کہتے تھے کہ ثقیف والے سب سے بڑھ کر عقل مند ہیں۔ جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سے بڑھ کر احمق پورے عرب میں کوئی نہیں۔ تمھارا ستیاناس ہو! یہ لات، عزیٰ اور منات جیسے بت کیا ہیں؟ یہ تو بے جان پتھر ہیں۔ انھیں اپنے پجاری تک کا علم نہیں۔ تمھارا برا ہو، کیا لات سنتا اور دیکھتا، فائدہ دیتا یا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ یہ کہہ کر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پے در پے وار کر کے اسے مسمار کرنا شروع کر دیا۔ دیوتا کی بے بسی دیکھ کر قوم کو بڑی مایوسی ہوئی۔ پھر دیگر مسلمان بھی شریک ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں سال پرانا دیوتا ریت کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ مگر شرک کے بیج ابھی باقی تھے۔ لات کے مجاور بنو عتاب بن مالک کہنے لگے: ذرا بنیادوں تک پہنچو، تمھیں پتہ چل جائے گا کہ تم نے کس بڑے دیوتا کی توہین کی ہے۔ وہ غضبناک ہوگا اور تم سے بدترین انتقام لے گا۔ یہ سن کر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بنیادیں کھودنا شروع کر دیں۔ حتی کہ کھودتے کھودتے اس کے

مدفون خزانوں تک پہنچ گئے اور سونے چاندی کے ڈھیر نکال لیے۔ یہ وہ خزانہ تھا جو صدیوں سے لوگ نذرانے دیتے آئے تھے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ خزانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیے۔

سیدنا ابوملیح رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد شہید ہوئے تو ان کے ذمے دو سو مثقال سونا قرض تھا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو لات دیوتا کے خزانے سے یہ قرض ادا کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔ قارب بن اسود نے بھی عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے والد کا بھی قرض ہے، وہ بھی ادا کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارا والد تو کفر کی حالت میں فوت ہوا تھا۔ پھر ہم اسے کیوں ادا کریں؟'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب وہ میرے ذمے ہے اور میں نے اسے ادا کرنا ہے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قرض بھی لات دیوتا کے خزانے سے حاصل ہونے والے سونے سے ادا کر دیا۔ کچھ دیگر لوگوں کو بھی عنایت فرمایا اور بقیہ مال مسلمانوں کے لیے اسلحہ کی خریداری پر خرچ کر دیا۔

اس طرح لات بت اپنے انجام کو پہنچا۔ لات کی بربادی دیکھ کر ابن عارض جشمی نے اپنی قوم کو نصیحت کی کہ ایک عاجز و بے جان بت کی خاطر غضبناک ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا:

لَا تَنْصُرُوا اللَّاتَ إِنَّ اللّٰهَ مُهْلِكُهَا ۔۔۔ وَكَيْفَ نَصْرُكُمُو مَنْ لَّيْسَ يَنْتَصِرُ

إِنَّ الَّتِي حُرِّقَتْ بِالنَّارِ فَاشْتَعَلَتْ ۔۔۔ وَلَمْ تُقَاتِلْ لَدٰى أَحْجَارِهَا هَدَرٌ

إِنَّ الرَّسُولَ مَتَى يَنْزِلْ بِسَاحَتِكُمْ ۔۔۔ يَظْعَنْ وَلَيْسَ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا بَشَرُ

''لات کی مدد نہ کرو، بلاشبہ اللہ اس کو تباہ کر دینے والا ہے، وہ تمھاری مدد کیسے کر سکتا ہے جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا۔ یقیناً جو آگ سے جلا دیا گیا، آگ بھڑکتی رہی اور اس کے گرتے ہوئے پتھروں کے پاس کسی نے لڑائی نہ لڑی۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمھارے صحن میں تشریف فرما ہوں گے تو ان کی واپسی تک یہاں کوئی بت پرست باقی نہ ہوگا۔''[1]

اہل طائف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی وج کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کو خط لکھا جس کا مضمون درج ذیل ہے:

---

1 المغازي للواقدي :2/360-365، موسوعة الغزوات الكبرٰى :2/1714-1723.

«بسم الله الرحمن الرحيم هذا كتاب من النبي رسول الله إلى المؤمنين: إن عضاه وج وصيده لا يعضد، من وجد يفعل ذلك فإنه يجلد وتنزع ثيابه، فإن تعدى ذلك فإنه يؤخذ فيبلغ محمدا، وإن هذا أمر النبي محمد ﷺ وكتب خالد بن سعيد بأمر الرسول محمد بن عبد الله ﷺ فلا يتعداه أحد فيظلم نفسه فيما أمر به محمد رسول الله»

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ نبی رسول اللہ ﷺ کا مومنوں کے نام خط ہے: وادی وج کے کانٹے دار درخت اور شکار ممنوع ہے۔ جو شخص درخت کاٹتا یا شکار کرتا پایا گیا تو اسے کوڑے مارے جائیں گے اور اسے لباس اتار کر شرمسار کیا جائے گا۔ پھر اگر دوبارہ وہ اسی جرم کا مرتکب پایا گیا تو اسے محمد ﷺ کے پاس پہنچایا جائے گا۔ یہ محمد نبی ﷺ کا حکم ہے۔


وادی وج (طائف)

یہ خط خالد بن سعید نے رسول اللہ محمد بن عبداللہ ﷺ کے حکم سے تحریر کیا۔ لہٰذا کوئی شخص اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا، وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم کرے گا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے وادی وج کو سرکاری چراگاہ قرار دینے کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس کی نگرانی پر مقرر فرمایا۔

اس طرح ثقیف کے مسلمان ہونے اور لات کے پاش پاش ہونے کے بعد حجاز میں بت پرستی کا آخری اڈا بھی ختم ہوگیا اور اسلام کا پرچم چہار سو لہرا دیا گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 365/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1722/2.

کعب بن زہیر اسلمی کا قبول اسلام

کعب ایک ممتاز شاعر گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے والد زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ کے ساتھ لٹکائے جانے والے قصیدے کی بدولت شہرت دوام حاصل کر چکے تھے۔ اس کا بھائی اور بھتیجا بھی بلند پایا شاعر تھے۔ کعب نے اپنے والد کی موجودگی میں شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ والد نے ایک سخت امتحان لینے کے بعد انھیں شعر کہنے کی اجازت دے دی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کا چرچا ہوا تو یہ اپنے بھائی بجیر کے ساتھ ابرق العزاف نامی چشمے کے پاس بکریاں چرا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے بھائی بجیر کو بھیجا کہ جاؤ، اس نبی کی دعوت سنو اور اس کی دعوت کی تفصیل معلوم کرو۔ بجیر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام کے محاسن سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ کعب کو بھائی کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو اس کو شدید صدمہ پہنچا۔ اس نے بھائی کی مذمت میں چند شعر لکھے اور بھائی کو بھیج دیے۔ وہ کہتا ہے:

ألا أبلغا عني بجيرا رسالة ... فهل لك فيما قلت ويحك هل لكا

فبين لنا إن كنت لست بفاعل ... على أي شيء غير ذلك دلكا

على خلق لم تلف أما ولا أبا ... عليه وما تلفي عليه أبا لكا

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِآسِفٍ ... وَلَا قَائِلٍ إِمَّا عَثَرْتَ لَعًا لَكَا

ابرق العزاف (نجد) کا علاقہ



سقاك بها المأمون كأسا روية　　فأنهلك المأمون منها وعلكا

''میرا خط بجیر کو پہنچا دو۔ اسے کہہ دو کہ وہ اس نئے دین سے باز آجائے، کیا وہ اس سے باز آنے کا؟ اگر تم اپنے دین پر واپس نہیں آتے تو ہمیں بتاؤ کہ اس نبی نے کون سی نئی چیز تمھیں بتائی ہے۔ تم نے ایک ایسا دین قبول کر لیا ہے جو میرے اور تیرے والدین کا دین نہیں ہے۔ اگر تم اپنے والدین کے دین پر واپس نہیں آنے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا اور نہ میں تمھیں سلامتی کی دعا دوں گا۔ تمھیں مامون (نبی کریم ﷺ کا لقب) نے اپنے پیالے سے پے در پے (ایمان کے) مشروب پلا کر اپنا ہمنوا بنا لیا ہے۔''

کعب کا یہ منظوم خط اس کے شاعر بھائی بجیر کو ملا تو اس نے بھی منظوم جواب دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بھائی جس دین کے قبول کرنے پر تم مجھے ملامت کر رہے ہو، وہی دین سب سے مضبوط دین ہے۔ تمھاری ملامت باطل ہے۔ اگر نجات چاہتے ہو تو لات و عزیٰ کی پوجا چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت قبول کر لو۔ کیونکہ اس دین کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ ہمارے والد زہیر کا دین کوئی دین نہیں اور ہمارے دادا ابو سلمیٰ کا دین میرے اوپر حرام ہے۔

امام حاکم کی روایت کے مطابق کعب بن زہیر بھی ان مجرموں میں شامل تھا جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن حکم دیا تھا کہ اگر وہ بیت اللہ کے غلاف سے چمٹے ہوں تب بھی انھیں قتل کر دیا جائے۔ کعب اپنے شعروں کے ذریعے مسلمانوں کو تکلیف دیا کرتا تھا۔ اس لیے اس کا قتل جائز قرار دیا گیا تھا۔ کعب کے مسلمان بھائی بجیر نے یہ صورت حال دیکھی تو بھائی کی محبت نے جوش مارا۔ اسے نجات کا طریقہ بتانے کے لیے خط لکھا۔

بھائی! رسول اللہ ﷺ نے ایسے کئی شعراء کو قتل کرا دیا ہے جو آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ شعرائے قریش میں ابن الزبعریٰ اور ہبیرہ بن ابی وہب بچے ہیں اور وہ بھی جان بچانے کے لیے بھاگے پھرتے ہیں، لہٰذا اگر بچنا چاہتے ہو تو اڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ جاؤ اور اپنے گناہوں کی توبہ کر لو۔ جو شخص توبہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے، آپ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ اگر تمھیں یہ مشورہ قبول نہ ہو تو پھر اپنی نجات کی راہ تلاش کر لو کیونکہ اب تمھارا بچنا محال ہے۔ اب گستاخ رسول کے لیے زمین کا دامن تنگ ہو چکا ہے۔ اسے روئے زمین پر پناہ ملنا ناممکن ہے۔

اس کے بعد بھی بجیر نے اپنے بھائی کی راہنمائی کے لیے خطوط لکھے۔ اب کعب کو محسوس ہونے لگا تھا کہ راہ فرار بند ہو چکی ہے۔ اسے زمین کی فراخی اور وسعت تنگ محسوس ہونے لگی۔ دن رات اس کا خوف بڑھ رہا تھا اور نجات کی راہ دور دور تک دکھائی نہ دیتی تھی۔ بالآخر کعب نے مدینہ منورہ حاضر ہونے اور توبہ کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ کیونکہ اب حاسدین اور مخالفین بھی کہنے لگے تھے: کعب! تیرا مرنا یقینی ہے۔ تیری گردن اب اڑنا ہی چاہتی ہے۔ ان



خوفناک حالات میں کعب نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا۔ اس قصیدے کی ابتدا میں اپنی محبوب بیوی یا خیالی محبوبہ کی جدائی میں شاعرانہ کلام کی، پھر اس کی خوبیاں عمدہ الفاظ میں بیان کر کے معافی کا طلب گار بنا۔ کعب نے یہ قصیدہ لکھا اور پھر مدینہ منورہ کو روانہ ہو گیا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے ایک پرانے جہنی دوست کے ہاں قیام کیا۔ وہ جہنی دوست اسے نماز فجر میں مسجد نبوی لے گیا اور نماز کی ادائیگی کے بعد اسے اشارہ کیا کہ جاؤ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی سیاہی مٹالو۔ کعب چپکے سے اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب سے بیٹھا اور پھر آپ کا دست شفقت اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اللہ کے رسول اسے پہچانتے نہیں تھے۔ اس لیے کعب کا معاملہ مخفی رہا۔ کعب نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر کعب بن زہیر توبہ کر لے، مسلمان ہو جائے اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کرے تو کیا آپ اسے امان دے دیں گے؟ آپ نے اپنی شفقت و رحمت سے بھرپور جواب دیا "ہاں میں اسے امان دے دوں گا۔" یہ سن کر کعب کھل اٹھا۔ فوراً کہتا ہے: لیجیے اللہ کے رسول! میں ہی کعب ہوں۔ آپ کی خدمت میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور توبہ و معافی کا طلب گار ہوں۔

اتنے میں ایک انصاری صحابی لپکے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے میں اس اللہ کے دشمن کی گردن مار دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "چھوڑ دو، یہ توبہ کر کے گزشتہ غلطیوں کی معافی کا طلب گار بن کر آیا ہے۔"

پھر کعب نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھ کر سنایا۔

اس کے بعد کعب نے انصار کے اس خاندان کی مذمت میں بھی شعر کہے جس کے ایک فرد نے انھیں قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ مہاجرین کی بڑی تعریف کی کیونکہ تمام مہاجرین نے اس کے بارے میں نرم رویہ اختیار کیا تھا۔ وہ کہتا ہے:

يَمْشُونَ مَشْيَ الْجِمَالِ الزُّهْرِ يَعْصِمُهُمْ ضَرْبٌ إِذَا عَرَّدَ السُّودُ التَّنَابِيلُ

"وہ (مہاجر) خوبصورت مٹکتے اونٹوں کی طرح چال چلتے ہیں اور شمشیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے۔ جبکہ چھوٹے قد والے کالے کلوٹے لوگ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔"

لیکن جب کعب مسلمان ہو گیا اور اسے انصار کی فضیلت معلوم ہوئی تو اس نے ان کی مدح سرائی کی تاکہ گزشتہ تلخ کلامی کی تلافی ہو سکے۔ اس نے انصار کی شان میں درج ذیل اشعار کہے:

مَنْ سَرَّهُ كَرَمُ الْحَيَاةِ فَلَا يَزَلْ   فِي مِقْنَبٍ مِنْ صَالِحِي الْأَنْصَارِ

وَرِثُوا الْمَكَارِمَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ   إِنَّ الْخِيَارَ هُمْ بَنُو الْأَخْيَارِ

وَالْبَائِعِينَ نُفُوسَهُمْ لِنَبِيِّهِمْ   لِلْمَوْتِ يَوْمَ تَعَانُقٍ وَكِرَارِ

"جسے شریفانہ زندگی پسند ہو، وہ ہمیشہ صالح انصار کے دستے میں رہے۔ انصار نے بلند پایہ خوبیاں اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں پائی ہیں۔ یہ وہ جانثار ہیں جو گھمسان کی جنگ میں اپنے نبی کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔"

قصیدہ بانت سعاد

کعب بن زہیر نے اپنا شاندار قصیدہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کی ابتدا میں اس نے اپنا غم و حزن بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتْبُولُ   مُتَيَّمٌ إِثْرَهَا لَمْ يُفْدَ مَكْبُولُ

وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ الْبَيْنِ إِذْ رَحَلُوا   إِلَّا أَغَنُّ غَضِيضُ الطَّرْفِ مَكْحُولُ

هَيْفَاءُ مُقْبِلَةً عَجْزَاءُ مُدْبِرَةً   لَا يُشْتَكَى قِصَرٌ مِنْهَا وَلَا طُولُ

يَا وَيْحَهَا خُلَّةً لَوْ أَنَّهَا صَدَقَتْ   بِوَعْدِهَا أَوْ لَوَ انَّ النُّصْحَ مَقْبُولُ

أَمْسَتْ سُعَادُ بِأَرْضٍ لَا يُبَلِّغُهَا   إِلَّا الْعِتَاقُ النَّجِيبَاتُ الْمَرَاسِيلُ

"میری سعاد جدا ہو گئی، اس لیے آج میرا دل بیمار محبت ہے۔ اس کی تلاش میں وارفتہ اور بیڑیوں میں جکڑا ہے۔ اس کا فدیہ نہیں دیا گیا (کہ اسے رہائی مل جاتی بلکہ اس کی محبت کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے)۔ جدائی کے وقت سعاد کی آنکھیں کم سن مترنم آواز ہرنی کی سرمائی آنکھوں کی طرح جھکی ہوئی تھیں جبکہ اس کے گھر والے کوچ کر رہے تھے۔ جسے سامنے سے آتا ہوا دیکھو تو اس کی کوکھیں ڈھلی نظر آئیں گی اور واپس مڑے تو پر گوشت سرین نظر آئیں گے۔ اس طرح دیکھنے والا اس کے چھوٹے قد یا لمبے تڑنگے جسم کی شکایت نہیں کرے گا

بلکہ وہ ہرنی کی طرح متوسط اور متوازن جسم والی ہے۔ اے کاش! یہ محبوبہ اپنا وعدہ پورا کرتی یا میری نصیحت قبول کر لیتی تو اس کی محبت وصداقت کو چار چاند لگ جاتے۔ اور اب سعاد اتنی دور پہنچ گئی کہ اس تک صرف اعلیٰ نسل کی مضبوط تیز رفتار اونٹنیاں ہی پہنچا سکتی ہیں۔"

کعب نے اپنی محبوبہ کا طویل ذکر کرنے کے بعد اپنی معذرت پیش کی اور رسول اللہ ﷺ سے معافی کا طلب گار ہوا:

تسعى الوشاة جنابيها وقولهم ... إنك يا ابن أبي سلمى لمقتول
وَقَالَ كُلُّ صَدِيقٍ كُنْتُ آمُلُهُ ... لَا أُلْهِيَنَّكَ إِنِّي عَنْكَ مَشْغُولُ
فقلت خلوا سبيلي لا أبا لكم ... فكل ما قدر الرحمن مفعول
كل ابن أنثى وإن طالت سلامته ... يوما على آلة حدباء محمول
أنبئت أن رسول الله أوعدني ... والعفو عند رسول الله مأمول
مهلا هداك الذي أعطاك نافلة الـ ... ـقرآن فيها مواعيظ وتفصيل
لا تأخذني بأقوال الوشاة ولم ... أذنب ولو كثرت في الأقاويل
لَقَدْ أَقُومُ مَقَامًا لَوْ يَقُومُ بِهِ ... أَرَى وَأَسْمَعُ مَا لَوْ يَسْمَعُ الْفِيلُ
لَظَلَّ يُرْعَدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ ... مِنَ الرَّسُولِ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَنْوِيلُ
حتى وضعت يميني ما أنازعه ... في كف ذي نقمات قيله القيل
فَلَهُوَ أَخْوَفُ عِنْدِي إِذْ أُكَلِّمُهُ ... وَقِيلَ إِنَّكَ مَنْسُوبٌ وَمَسْئُولُ
مِنْ ضَيْغَمٍ بِضَرَاءِ الْأَرْضِ مُخْدَرُهُ ... فِي بَطْنِ عَثَّرَ غِيلٌ دُونَهُ غِيلُ
إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ ... مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ

"اس کے گرد چغل خور لوگ افواہیں اڑا رہے ہیں کہ اے ابن ابی سلمیٰ تم قتل کیے جانے والے ہو۔ میرے ہر دوست نے جس سے میں کچھ امید رکھتا تھا، کہہ دیا کہ میں تمھیں غافل کر کے نقصان نہیں دینا چاہتا۔

بلاشبہ میں تمھاری مدد سے قاصر ہوں۔ میں نے کہا: تمھارا باپ نہ رہے، میرا راستہ چھوڑ دو۔ پھر جو چیز رحمان نے مقدر کردی ہے، وہ تو ہو کر رہے گی۔ ہر ماں کا لخت جگر ایک روز نعش پر اٹھایا جاتا ہے اگرچہ اس نے امن وسلامتی والی طویل زندگی گزاری ہو، مجھے خبر ملی ہے کہ مجھے اللہ کے رسول نے قتل کی دھمکی دی ہے، حالانکہ مجھے آپ کی ذات اقدس سے عفو ودرگزر کی قوی امید ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ چغل خوروں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ وہ ذات آپ کی راہنمائی فرمائے جس نے آپ کو نصائح اور ہر چیز کی تفصیل سے بھرپور قرآن عطا کیا ہے۔ آپ ٹھہریں، میرے بارے میں بہت باتیں بنائی گئی ہیں۔ لیکن میں نے جرم نہیں کیا (جس کی بنا پر میری گردن اڑائی جائے)۔ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں، ایسی باتیں سن اور دیکھ رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہوتا اور ان باتوں کو دیکھتا اور سنتا تو وہ بھی لرز جاتا۔ سوائے اس صورت کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ کی مہربانی ہو جائے۔ حتی کہ میں نے اپنا ہاتھ بغیر کسی نزاع کے صاحب نقمات (دشمنوں سے بدلہ لینے والے) کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ کا فرمان ہی اصل فرمان ہے (جو نافذ ہو کر رہتا ہے)۔ جب میں آپ سے بات کرتا ہوں، جبکہ مجھے کہہ دیا گیا کہ تمھاری طرف فلاں فلاں بات منسوب ہے اور تمھارا محاسبہ ہوگا، تو وہ میرے نزدیک اس شیر سے زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جس کی کچھار کسی ہلاکت خیز وادی کے بطن میں واقع کسی ایسی سخت زمین میں ہو جس سے پہلے بھی ہلاکت ہی ہو۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ ایک نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔"[1]

[1] السيرة لابن إسحاق 2/589-594، السيرة لابن هشام 4/146-159، البداية والنهاية 4/643-650، الرحيق المختوم، ص: 598-601.

سریۂ عیینہ بن حصن فزاری

رسول اللہ ﷺ نے محرم 9 ھ میں زکاۃ کی وصولی اور جزیے کے حصول کے لیے اپنے اصحاب روانہ کیے تو بنو کعب کی طرف سیدنا بشر بن سفیان کو روانہ کیا۔ بنو کعب اس وقت ذات الاشطاط نامی جگہ پر اپنے ایک چشمے پر پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ بنو تمیم کے جہیم اور بنو عمرو بن جندب بھی ان کے ساتھ رہ رہے تھے۔ سیدنا بشر رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر خزاعہ کو اپنے مویشی جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کی زکاۃ کا حساب کرکے مال وصول کیا جاسکے۔ بنو کعب نے بخوشی اپنے مویشی جمع کر دیے لیکن بنو تمیم اپنی جاہلانہ ہٹ دھرمی، انا اور بخل کی وجہ سے آڑے آگئے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیا؟ کیا تم اپنے اموال اس طرح محمد ﷺ کو دے دو گے؟ یہ تو بڑا غلط طریقہ کار ہے۔ تم اپنے مال اپنے پاس رکھو۔ یہاں سے ایک جانور بھی مدینہ نہیں جائے گا۔ انھوں نے اپنی تلواریں سونت لیں، کمانیں تان لیں اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اس پر خزاعہ نے کہا: اے بنو تمیم! ہوش کے ناخن لو۔ ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے احکامات تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔ زکاۃ ارکان دین میں سے ہے، اس کی ادائیگی اشد ضروری ہے۔ لیکن بنو تمیم کے لوگ اپنی تلواریں سونتے، کمانیں تانے بضد رہے کہ زکاۃ کے وصول کنندہ کو ایک اونٹ بھی نہیں دیا جائے گا۔ سیدنا بشر بن سفیان نے یہ خوفناک منظر دیکھا تو فوراً مدینہ منورہ کی راہ لی اور رسول اللہ ﷺ کو بنو تمیم کی سرکشی کی اطلاع دی کہ کس طرح انھوں نے بخوشی زکاۃ ادا کرنے والوں کو بزور شمشیر روک دیا ہے۔

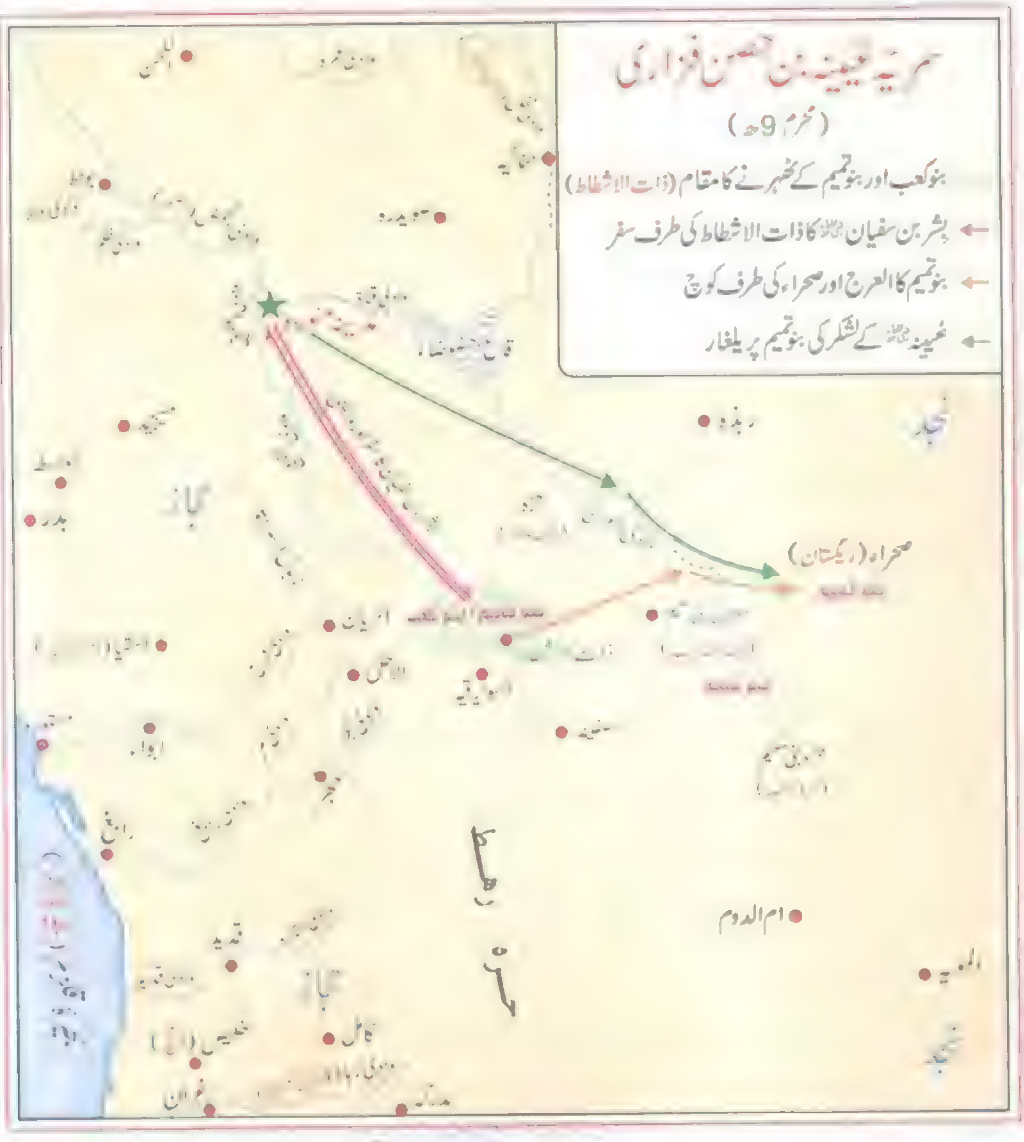
انھوں نے یہ بھی بتایا کہ خزاعہ نے بالآخر بنو تمیم کو اپنے علاقے سے نکال دیا اور انھیں دھمکی دی کہ اگر تمھارے ساتھ رشتہ داری نہ ہوتی تو آج تم اپنے علاقے میں واپس نہ جاسکتے تھے۔ تم محمد ﷺ کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے ہمیں بھی مصیبت میں ڈال رہے ہو جبکہ تم زکاۃ دینے والوں کو روک کر خود تو ہلاک ہونے ہی والے ہو۔ خزاعہ کی اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد بنو تمیم ان کے چشمے کو چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف روانہ ہوگئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو تمیم کی سرکشی کی یہ روداد سنی تو اعلان فرمایا:

«من لهؤلاء القوم الذين فعلوا ما فعلوا»

''کون ہے جو اس گستاخ قوم کو مزہ چکھائے اور مسلمانوں کی توہین کا بدلہ لے؟''

آپ کا یہ فرمان سن کر عیینہ بن حصن فزاری نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ان کے ٹھکانے خوب جانتا ہوں اگرچہ وہ یبرین تک چلے جائیں۔ میں انھیں آپ کی خدمت میں پیش کر کے دم لوں گا۔ پھر آپ جو فیصلہ فرمائیں گے، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے عیینہ کو 50 گھڑ سواروں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ اس دستے میں کوئی انصاری یا مہاجر صحابی شامل نہ تھا۔ عیینہ بن حصن اس دستے کی قیادت کرتے ہوئے تیزی سے بنوتمیم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہ لوگ دشمن کو اپنی پیش قدمی سے بے خبر رکھنے کے لیے



رات کے وقت سفر کرتے اور دن کو چھپ کر آرام کرتے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے یہ اسلامی دستہ عرج پہنچا۔ بنو تمیم، بنو سلیم کے علاقے کی طرف نکل گئے تھے، لہٰذا ان کا پیچھا کرتے ہوئے بنو سلیم کا رخ کیا۔ جب بنو سلیم کے علاقے میں اسلامی دستہ پہنچا تو بنو تمیم صحرا میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ ان کے مویشی چرنے گئے ہوئے تھے اور گھروں میں صرف عورتیں اور بچے تھے۔ جب انھوں نے اسلامی دستے کے شاہ سواروں کو دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے گھروں میں موجود گیارہ مرد، گیارہ عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لیے۔ اسلامی دستہ ان قیدیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرایا۔

پھر ان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بنو تمیم کے رؤسا، پر مشتمل دس رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ اس وفد میں درج ذیل رئیس شامل تھے: 1 عطارد بن حاجب بن زرارہ۔ 2 زبرقان بن بدر۔ 3 قیس بن عاصم۔ 4 قیس بن حارث۔ 5 نعیم بن سعد۔ 6 عمرو بن اہتم۔ 7 اقرع بن حابس۔ 8 ریاح بن حارث بن مجاشع۔

یہ وفد ظہر سے تھوڑی دیر پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ انھوں نے آتے ہی اپنے بیوی بچوں کے بارے میں پوچھا۔ انھیں بتایا گیا کہ وہ سیدہ رملہ بنت حارث کے گھر میں ہیں۔ لہٰذا وہ سیدھے اپنے قیدیوں کو ملنے چلے گئے۔



وادی العرج نزد معدن بنی سُلیم (مہد الذہب)



بیرین (نجد) کی ایک شاہراہ

انھیں دیکھ کر بچے اور عورتیں زار و قطار رونے لگے۔ انھیں روتا دیکھ کر یہ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ بچوں کی آہ و بکا نے سرداروں کو بے چین کر دیا۔ وہ تیزی سے دوبارہ مسجد نبوی میں آئے اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کس گھر میں آرام فرما رہے ہیں۔ آپ اس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے باآواز بلند آپ کو بلانا شروع کر دیا: اے محمد! باہر آؤ۔ اے محمد! ہماری بات سنو۔

اس دوران میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور آپ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں

بتایا کہ تھوڑا صبر کرلو، ابھی رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئیں گے۔ مگر وہ اپنی دیہاتی طبیعت اور آداب و اخلاق سے عاری فطرت کے مطابق چیختے چلاتے رہے، حتی کہ آپ ان کے شور وغل سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حسب سابق آپ کو دیکھ کر نماز کے لیے تکبیر کہی۔ مگر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو چمٹ گئے کہ پہلے ہماری بات سنیں۔ ہم اپنے نامور خطیب اور بلند پایہ شاعر کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔ آپ انھیں موقع دیں تو وہ خطبہ پڑھیں اور اپنی قوم کے مفاخر کے لیے اشعار پیش کریں۔ آپ کچھ دیر ان کی باتیں سنتے رہے۔ اس دوران آپ ان کی باتوں پر مسکراتے بھی رہے۔ پھر آپ آگے بڑھے اور نماز ظہر ادا کی۔ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد آپ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور دو رکعات ادا کیں۔ واپس آکر آپ مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ گئے اور بنو تمیم کے بدوؤں کو اپنی گفتگو مکمل کرنے کی اجازت عطا کی۔ وفد بنو تمیم نے اپنے شعلہ بیان خطیب عطارد بن حاجب تمیمی کو کھڑا کیا تاکہ وہ اپنی قوم کے فخر و اعزاز کو بیان کرے۔ چنانچہ ان کا خطیب کھڑا ہوا اور اس نے خطبہ دیا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهُ الْفَضْلُ عَلَيْنَا وَالَّذِي جَعَلَنَا مُلُوكًا، وَأَعْطَانَا الْأَمْوَالَ نَفْعَلُ فِيهَا الْمَعْرُوفَ وَجَعَلَنَا أَعَزَّ أَهْلِ الْمَشْرِقِ وَأَكْثَرَهُمْ مَالًا وَأَكْثَرَهُمْ عَدَدًا، فَمَنْ مِثْلُنَا فِي النَّاسِ؟ أَلَسْنَا بِرُءُوسِ النَّاسِ وَذَوِي فَضْلِهِمْ؟ فَمَنْ يُفَاخِرُ فَلْيُعَدِّدْ مِثْلَ مَا عَدَّدْنَا وَلَوْ شِئْنَا لَأَكْثَرْنَا مِنَ الْكَلَامِ وَلٰكِنَّا نَسْتَحْيِي مِنَ الْإِكْثَارِ فِيمَا أَعْطَانَا اللّٰهُ، أَقُولُ هٰذَا لِأَنْ تَأْتُوا بِمِثْلِ قَوْلِنَا وَأَمْرٍ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ قَوْلِنَا.

”سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کا بے پناہ فضل و کرم ہم پر ہے۔ جس نے ہمیں بادشاہ بنایا ہے۔ ہمیں مال و دولت سے نوازا ہے۔ ہم اسے عوامی خدمت میں خرچ کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں اہل مشرق میں سب سے زیادہ معزز، سب سے زیادہ مال و دولت اور سب سے زیادہ افرادی قوت والا بنایا ہے۔ لوگوں میں کون ہے جو ہماری ٹکر کا ہو؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور بلند مقام و مرتبہ کے حامل نہیں ہیں؟ لہذا جو شخص فخر و اعزاز میں ہمارا مقابلہ کرنا چاہے، وہ ہمارے مفاخر جیسے مفاخر و مناقب بیان کرے۔ اگر ہم چاہیں تو اس سے بھی زیادہ اپنے مناقب بیان کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی بکثرت تشہیر سے ہم کو حیا آتی ہے۔ اس لیے میں اپنا خطبہ انھی الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ہمارے مقابلے میں

آگر اس سے بہتر اور اعلیٰ کلام پیش کر سکتا ہو تو کرے۔''

یہ کہہ کر عطارد بیٹھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «قُمْ فَأَجِبْ خَطِيبَهُ» ''اٹھو اور ان کے خطیب کو جواب دو۔'' سیدنا ثابت بن قیس ذہنی طور پر تیار نہیں تھے اور نہ اس موقع پر تقریر کرنے کے لیے تیاری کیے ہوئے تھے۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل میں اٹھے اور فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسے سن کر فریق مخالف بھی کہہ اٹھا: واہ کیا شاندار خطبہ ہے۔ خطبے کے الفاظ یہ ہیں:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ خَلْقُهُ قَضَى فِيهِمَا أَمْرَهُ وَوَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمُهُ فَلَمْ يَكُ شَيْءٌ إِلَّا مِنْ فَضْلِهِ ثُمَّ كَانَ مِمَّا قَدَّرَ اللّٰهُ أَنْ جَعَلَنَا مُلُوكًا وَاصْطَفَى لَنَا مِنْ خَلْقِهِ رَسُولًا أَكْرَمَهُمْ نَسَبًا وَأَحْسَنَهُمْ زِيًّا وَأَصْدَقَهُمْ حَدِيثًا أَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ وَائْتَمَنَهُ عَلَى خَلْقِهِ وَكَانَ خِيرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ فَدَعَا إِلَى الْإِيمَانِ فَآمَنَ الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قَوْمِهِ وَذَوِي رَحِمِهِ أَصْبَحَ النَّاسِ وُجُوهًا وَأَفْضَلَ النَّاسِ فَعَالًا ثُمَّ كُنَّا أَوَّلَ النَّاسِ إِجَابَةً حِينَ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ نُقَاتِلُ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ مَنَعَ مِنَّا مَالَهُ وَدَمَهُ وَمَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ جَاهَدْنَاهُ فِي ذٰلِكَ وَكَانَ قَتْلُهُ عَلَيْنَا يَسِيرًا أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان میں اپنا حکم نافذ کیا۔ اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہر چیز اس کے فضل سے وجود میں آتی ہے۔ پھر اس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اور اپنی مخلوق میں سے ہمارے رسول کا انتخاب فرمایا جو حسب نسب کے لحاظ سے سب سے معزز، سب سے بڑھ کر حسین وجمیل اور سب سے زیادہ سچے ہیں۔ اللہ نے ان پر اپنی کتاب نازل کی اور اپنی مخلوق پر انھیں اپنا امین بنایا۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہستی ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ آپ کے رشتہ داروں میں سے مہاجرین آپ پر ایمان لائے جو حسب نسب اور خاندانی وجاہت میں ممتاز ہیں اور نیکی کے کاموں میں سب سے آگے ہیں۔ پھر ہم نے بقیہ لوگوں سے پہلے آپ کی اتباع کی، آپ پر ایمان لائے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے انصار ہیں۔ ہم لوگوں سے اس وقت

تک قتال کرتے رہیں گے جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہیں کر لیتے۔ پھر جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے گا، اس کا مال اور جان ہم سے محفوظ ہو جائے گی۔ جس نے اللہ پر ایمان لانے سے انکار کیا، ہم اس سے جہاد کریں گے۔ اسے قتل کرنا ہمارے لیے نہایت آسان ہوگا۔ میں اپنے انھیں الفاظ پر خطبہ ختم کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے مومن مردوں اور عورتوں کی بخشش کا سوال کرتا ہوں۔"

پھر سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ خطباء کے مقابلے میں واضح شکست کھانے کے بعد وفد بنو تمیم نے اپنے شاعر کے لیے کلام پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ بنو تمیم کا بلند پایہ شاعر الزبرقان بن بدر اٹھا اور اس نے اپنی قوم کی شان و شوکت اور فخر و اعزاز میں قلابے ملائے۔ اپنی قوم کی بہادری اور جنگی مہارت کا ذکر کیا اور اپنی جود و سخا کی ڈینگیں ماریں۔ جب وہ اپنا کلام پیش کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «أَجِبْهُمْ يَا حَسَّانُ بْنَ ثَابِتٍ!» "اے حسان بن ثابت! انھیں جواب دو۔" چنانچہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد کے صحن میں منبر نبوی سجایا گیا اور انھوں نے آپ کے حکم پر فی البدیہہ اشعار پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا دَافَعَ عَنْ نَبِيِّهِ»

"یقیناً اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے نبی کے دفاع میں شعر پڑھتے ہیں۔"

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بنو تمیم کے شاعر کے جواب میں اس سے زیادہ خوبصورت اور فصیح و بلیغ اشعار کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی۔ مسلمانوں نے یہ مقابلہ بھی جیت لیا تھا اور بنو تمیم کے خطیب و شاعر دونوں کو چت کر دیا تھا۔ بنو تمیم کا وفد اس شکست کے بعد آپس میں کہنے لگا: اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غیبی مدد حاصل ہے۔ ہر کام اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بلند مرتبہ اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر ہے۔ ان کے اقوال ہمارے اقوال سے بہتر ہیں۔ غرض ان کی ہر چیز ہم سے اعلیٰ و افضل ہے۔ پھر یہ سارا وفد مسلمان ہو گیا۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کا فرمانبردار ہو گیا تو آپ نے ان کے قیدی آزاد کر دیے اور انھیں خصوصی انعام و اکرام کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دی۔ آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ آپ مدینہ منورہ آنے والے وفود کو انعامات سے نوازتے تھے، لہٰذا بنو تمیم کو بھی ان سے نوازا

گیا حتی کہ ان کے غلاموں اور خادموں کو بھی اس عطا سے خصوصی نوازا گیا۔

سیدنا بلال ؓ نے ہر شخص کو ساڑھے بارہ اوقیے چاندی عطا کی جو 500 درہم بنتے ہیں۔ اور سب سے چھوٹے بچے کو بھی 200 درہم عطا کیے۔[1]

آداب نبوی کی تعلیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ کے جاں نثاروں کو آپ سے گفتگو کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا کہ جب تم اپنے نبی سے مخاطب ہونا چاہو تو اپنی آوازوں کو پست رکھا کرو۔ وفد بنو تمیم کی قیادت کے تعین میں مشورہ جاری تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے ایک شخص کو سربراہ مقرر کرنے کا مشورہ دیا تو سیدنا عمر ؓ نے ایک دوسرے شخص کے حق میں رائے دی۔ اس بات پر شیخین کے درمیان بلند آواز سے گفتگو ہونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ اختلاف اور بلند آواز سے بات چیت پر اللہ تعالیٰ نے وارننگ جاری کر دی۔ ارشاد ہوا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔"[2]

امام بخاری ؒ نے اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی ہے:

ابن ابی ملیکہ ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے کی بنا پر دو نیک ترین آدمی تباہ ہونے کو تھے، یعنی سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر ؓ۔ قصہ یوں ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا، ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کی سرداری کا مشورہ دیا جو بنو مجاشع سے تھا اور دوسرے نے کسی دوسرے کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا کہ ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر سیدنا ابوبکر ؓ نے سیدنا عمر ؓ سے کہا: تمھارا مقصد صرف میری مخالفت ہے۔ سیدنا عمر ؓ نے کہا: میرا ارادہ آپ سے اختلاف کرنا نہیں ہے۔ اس معاملے

[1] المغازي للواقدي: 2/366-370، زاد المعاد: 3/510-514. [2] الحجرٰت 49:2، 3.

میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ...... ﴾

اس وارننگ کے بعد شیخین نہایت محتاط ہو گئے اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے نہایت پست آواز میں بات چیت کرتے۔ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بلند پایہ مقرر و خطیب تھے۔ ان کی آواز فطری طور پر بہت بلند تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ کے نزول کے بعد وہ گھر بیٹھ گئے کہ اگر میں نے آپ کی خدمت میں بلند آواز سے بات کی تو میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی غیر حاضری کا علم ہوا تو انھیں بلا کر عظیم خوشخبری سنائی۔ آئیے وہ خوشخبری صحیح بخاری کی روشنی میں پڑھتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس میں گم پایا تو ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس کا حال معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا۔ چنانچہ وہ گیا تو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔ پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: برا حال ہے، میری تو آواز ہی نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہوتی تھی، لہٰذا میرے تو اعمال ضائع ہو گئے اور میں اہل دوزخ میں سے قرار دیا گیا ہوں۔ وہ آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو حالات سے آگاہ کیا کہ انھوں نے یہ یہ کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے پاس جاؤ اور انھیں بتاؤ کہ تم اہل دوزخ میں سے نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہو۔'' چنانچہ وہ دوبارہ ان کے لیے یہ عظیم بشارت لے کر حاضر ہوا۔[1]

ایک طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ آداب سکھائے گئے تو دوسری طرف آپ کا نام لے کر اونچی آواز سے آپ کو پکارنے والوں کو بھی ڈانٹ پلائی گئی۔ ارشاد ہوا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات 49: 4، 5)

''بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر بے شک وہ صبر کرتے، حتی کہ آپ (خود ہی) ان کی طرف نکلتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

[1] صحیح البخاری، 4845، 4846۔ [2] صحیح البخاری، قبل الحدیث 4847، و المسند: 510/3

بنومصطلق سے زکاۃ کی وصولی

بنومصطلق مسلمان ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے علاقے میں مساجد بھی تعمیر کی تھیں۔ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے۔ دیگر شرائع اسلام کے بھی پابند تھے۔ سیدنا حارث بن ضرار خزاعی فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ آپ نے مجھے اسلامی تعلیمات دیں اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اقرار کیا کہ میں زکاۃ بھی ادا کروں گا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں گا۔ جو مسلمان ہو گئے، ان سے زکاۃ بھی وصول کروں گا۔ آپ فلاں فلاں وقت پر زکاۃ کا وصول کنندہ بھیج دیجیے گا تاکہ وہ میرے قبیلے کے لوگوں سے زکاۃ وصول کر لے۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ مقررہ وقت پر زکاۃ کا وصول کنندہ بھیج دیا جائے گا۔ چنانچہ میں واپس آگیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے بخوشی قبول کر لی۔ میں نے انھیں زکاۃ جمع کرنے کا کہا تو انھوں نے وہ بھی جمع کر دی۔ پھر جب وقت مقررہ پر زکاۃ کا وصول کنندہ نہ پہنچا تو سیدنا حارث فرماتے ہیں کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کسی بات پر ناراض ہو گئے ہیں، اسی لیے آپ کا نمائندہ ہماری زکاۃ وصول کرنے نہیں آیا۔ ورنہ وعدہ پورا کرنا تو آپ کی صفت ہے۔ لہٰذا ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو آپ کا سفیر نہیں آیا۔ چنانچہ ہم نے اپنی قوم کے چند ممتاز لوگوں کو ساتھ لیا اور زکاۃ کا مال لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے مقررہ وقت پر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنومصطلق کی زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جب راستے میں اس نے سیدنا حارث اور ان کی قوم کے کئی افراد کو آتے دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے کہ یہ تو اسے مارنے آرہے ہیں۔ لہٰذا انھیں ملے بغیر اور بات کیے بغیر ہی تیزی سے واپس مڑ گئے اور مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو شکایت کر دی کہ بنومصطلق نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور اسے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ آپ نے حارث بن ضرار اور ان کی قوم کو سبق سکھانے کے لیے فوراً ایک فوجی دستہ روانہ کر دیا۔ جب یہ فوجی دستہ مدینہ منورہ سے باہر نکلا تو اسے بنومصطلق کا وفد آتا دکھائی دیا۔ دونوں گروہ ملے



تو سیدنا حارث نے پوچھا: یہ فوجی دستہ کدھر جا رہا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم تمھیں اور تمھاری قوم کو سبق سکھانے جا رہے تھے۔

سیدنا حارث نے پریشان ہو کر پوچھا: بھلا وہ کیوں؟ جواب ملا کہ تم نے زکاۃ دینے سے انکار کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ جواب نہایت پریشان کن تھا۔ سیدنا حارث نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! میں نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو دیکھا ہے نہ اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ بلکہ ہم تو از خود زکاۃ کے جانور لے کر حاضر ہو رہے ہیں کیونکہ آپ کا نمائندہ مقررہ وقت پر ہمارے پاس پہنچا ہی نہیں۔ اب فوجی دستے کے حیران ہونے کی باری تھی۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لہٰذا دونوں گروہ واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا حارث نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ولید سے پوچھیے کہ کیا یہ ہمارے پاس پہنچا تھا؟ کیا اس نے ہمارے ساتھ بات چیت کی تھی؟ ابھی سیدنا حارث بن ضرار اپنا عذر پیش کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنو مصطلق کی بے گناہی کی تصدیق کر دی تھی۔ مسلمانوں کو آئندہ کے لیے وارننگ دے دی کہ وہ معاملات کی تحقیق کیے بغیر کوئی اقدام نہ کریں مبادا انھیں کف افسوس ملنا پڑے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔''[1]

نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کر کے صحابہ کرام کو سنائی۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا حارث سے پوچھا

[1] الحجرٰت 6:49.

«مَنْ تُحِبُّونَ أَبْعَثُ إِلَيْكُمْ؟»

"تم کسے پسند کرتے ہو کہ میں اسے تمھارے ساتھ بھیجوں؟"

انھوں نے عرض کی: آپ ہمارے ساتھ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں۔ آپ نے سیدنا عباد کو حکم دیا:

«يا عَبَّادُ! سِرْ مَعَهُمْ، فَخُذْ صَدَقَاتِ أَمْوَالِهِمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ»

"اے عباد! ان کے ساتھ جاؤ، ان سے زکاۃ وصول کرلو اور ان کے عمدہ جانور زکاۃ میں مت لینا۔"

چنانچہ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ گئے۔ انھوں نے سیدنا عباد کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے بہترین گھر میں ٹھہرایا۔ وہ دس دن ان کے پاس ٹھہرے۔ انھیں قرآن پڑھایا اور شرائع اسلام کی تعلیم دی۔ پھر ان سے زکاۃ وصول کرکے رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔[1]

1 مسند أحمد: 279/4، الطبقات لابن سعد: 162,161/2، المغازی للواقدی: 371/2.



سریۂ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

9 ھ ماہ صفر میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہ کو بیس مجاہدین کے ہمراہ خثعم قبیلے کی طرف روانہ کیا۔ ان کی منزل بیشہ کے قریب تربہ نامی جگہ تھی۔ آپ نے انھیں ہدایات دیں کہ تم مکمل رازداری سے وہاں پہنچو۔ دن کے وقت چھپ جاؤ اور رات کے وقت پیش قدمی کرو۔ جب وہاں پہنچو تو چاروں طرف سے ہلہ بول دو۔ چنانچہ اسلامی دستہ دس اونٹوں کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہوا۔ ایک اونٹ پر دو مجاہد باری باری سواری کرتے تھے۔ اسلامی لشکر خثعم قبیلے کے پاس پہنچا تو انھوں نے ایک شخص کو گرفتار کر لیا۔ اس سے پوچھ گچھ کی تو وہ گونگا بن گیا لیکن جیسے ہی وہ اپنے گھروں کے قریب پہنچا تو اس نے چیخ چیخ کر قبیلے والوں کو خبردار کرنا شروع کر دیا۔ مجاہدین نے یہ صورت حال دیکھی تو اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ کچھ دیر کے لیے رک گئے۔ جب رات ہوئی تو مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ خثعم قبیلے والے بھی چوکنا تھے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ طرفین کے کافی لوگ زخمی ہوئے۔ سیدنا قطبہ نے کئی لوگ قتل کر دیے۔ پھر قیدی بننے والے افراد کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ ان کے ساتھ غنیمت کے اونٹ اور بکریاں بھی تھیں۔ صبح ہوئی تو خثعم قبیلے کے باقی لوگوں کو بھی خبر ہو گئی۔ وہ سب مل کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکل آئے اور اپنے قیدی اور اموال چھڑانے کے لیے مسلمانوں کے تعاقب میں نکلے۔ مسلمان اس وقت تک کافی دور نکل آئے تھے مگر ابھی خثعم والے تیزی سے پیچھا کرتے ہوئے مسلمانوں تک پہنچ گئے۔ اب مسلمانوں کو نصرت الٰہی نے سہارا دیا اور وہ خثعم کی پہنچ سے محفوظ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زوردار سیلاب بھیج دیا جو وادی میں تیزی سے بہنے لگا اور خثعم کے تمام راستے بند ہو گئے۔ وادی کے ایک کنارے مسلمان بڑے آرام سے ان کے بیوی بچے اور مویشی لے کر جا رہے تھے جبکہ دوسرے کنارے وہ حسرت و یاس لیے بے بسی سے انھیں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سیلاب نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ مسلمان بحفاظت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حصہ خمس نکال کر بقیہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر ایک کے حصے میں چار اونٹ یا چالیس بکریاں آئیں۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 162/2، زاد المعاد: 514/3، المغازي للواقدي: 372/2.


سریہ قطبہ بن عامر (صفر 9ھ)
مدینہ سے لشکر قطبہ کی یلغار
میقات
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)

سریۂ ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ

ربیع الاول 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بنو کلاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کی منزل القرطاء تھی اور ان کے قائد سیدنا ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ہمراہ سیدنا اصید بن سلمہ بن قرط رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسلامی لشکر کا زج لاوہ نامی جگہ پر بنو کلاب سے سامنا ہوا۔ مجاہدین اسلام نے بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے ٹھکرا دی اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ اسلامی لشکر نے انھیں شکست فاش دے دی۔

اصید بن سلمہ نے اپنے بھاگتے ہوئے والد کا تعاقب کیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ اسلام کی نعمت سے سرفراز بیٹے نے والد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اسے امان بھی دے دی کہ کوئی اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بیٹے کے ادب و احترام کے باوجود باپ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا اور اس نے بیٹے کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ پھر دین اسلام کے بارے میں مغلظات بکنے لگا۔ اس بار بیٹے سے برداشت نہ ہوا۔ وہ اپنی ذات کی حد تک تو برداشت کر گئے مگر دین اسلام کو گالیاں دیتا ہوا باپ ان سے برداشت نہ ہوا۔ لہٰذا انھوں نے اپنے والد کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور ان کا والد گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ جب وہ گھوڑے سے گرا تو فوراً اپنے نیزے کا سہارا لے کر تالاب میں اتر گیا۔ سیدنا اصید رک گئے۔ اتنے میں ایک اور مجاہد وہاں پہنچا اور اس نے سلمہ بن قرط کا کام تمام کر دیا۔[1]

1 [illegible] 2/162، 163، [illegible] 3/514، 515، [illegible] 2/373


سریّہ ضحاک بن سفیان کلابی
(ربیع الاول 9ھ)
قرطاء (...) کا مقام زج لاوہ
ضحاک رضی اللہ عنہ کا زج لاوہ کی طرف سفر
صحرائے نفود
حائل
نجد
حجاز
الوجہ
مدینہ منورہ
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
عنیزہ
المذنب
الدوادمی
عفیف

سریۂ علقمہ بن مُجزِز مُدلجی ؓ

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ جدہ کے ساحل پر کچھ حبشی دیکھے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے تعاقب کے لیے ربیع الآخر 9 ھ میں سیدنا علقمہ بن مجزز مدلجی ؓ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا لشکر جدہ روانہ کیا۔ یہ لشکر حبشیوں کے تعاقب میں ایک جزیرے تک جا پہنچا۔ اسلامی لشکر کو دیکھ کر حبشی فرار ہوگئے اور مسلمان واپس آگئے۔ واپسی پر کچھ مجاہدین نے جلد سے جلد اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچنے کی خواہش کی تو امیر لشکر نے انھیں اجازت دے دی۔ اس دستے کی کمان انھوں نے سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ کو سونپ دی۔ سیدنا عبداللہ بن حذافہ ؓ خوش مزاج تھے اور وقتاً فوقتاً خوش طبعی کرتے رہتے تھے۔ راستے میں ایک جگہ آرام کرنے کے لیے یہ دستہ رکا تو انھوں نے ٹھنڈک سے بچاؤ کے لیے آگ جلائی اور تاپنے لگے۔ اتنے میں امیر دستہ تشریف لے آئے اور حکم دیا: تمھیں امیر کا حکم ہے کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ وہ حیران ہوکر ان کا منہ تکنے لگے کہ یہ کیسا امتحان ہے۔ پھر کچھ ساتھی واقعی کودنے کے لیے تیار ہوگئے۔ تو انھوں نے فرمایا: رکو رکو، میں تو مذاق کر رہا تھا۔ واپسی پر یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «من أمركم بمعصية فلا تطيعوه» [1] ''جو تمھیں معصیت کا حکم دے، اس کی اطاعت مت کرو۔''

اسی سے ملتا جلتا قصہ صحیحین میں سیدنا علی ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگی دستہ روانہ کیا اور اس کا امیر ایک انصاری صحابی کو مقرر کیا۔ دستے کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی اطاعت کرنا اور ان کی فرمانبرداری کرنا۔



دوران سفر کسی بات پر امیر لشکر ناراض ہو گئے تو انھوں نے حکم دیا کہ ایندھن جمع کرو۔ جب ایندھن جمع ہو گیا تو حکم دیا کہ آگ جلاؤ۔ جب آگ بھڑک اٹھی تو فرمایا: کیا تمھیں یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھیں میری فرمانبرداری کا حکم دیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، ہمیں یاد ہے۔ فرمایا: تو پھر اس آگ میں کود جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے: آگ سے بچنے کے لیے ہی ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کی تھی۔ اگر آگ ہی میں جلنا ہے تو پھر مسلمان ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔ ابھی اسی کشمکش میں تھے کہ امیر صاحب کا غصہ فرو ہو گیا اور اپنا حکم واپس لے لیا۔ جب یہ لشکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ کو سفر کی روداد سنائی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَو دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا»

''اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکل پاتے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔''

اس قصے میں سابقہ قصے سے تین چیزیں مختلف ہیں:

1 یہ امیر انصاری صحابی تھے۔ 2 رسول اللہ ﷺ نے انھیں براہ راست مقرر کیا تھا۔ 3 غصے کی وجہ سے انھوں نے یہ حکم دیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

''تم اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''[1]

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں واقعات بظاہر مختلف ہیں۔ ان دونوں کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یا تو یہ دونوں دو الگ الگ واقعات ہیں اور اگر انھیں ایک ہی واقعہ قرار دیا جائے تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ صحیحین میں ہے۔[2] واللہ اعلم.

1 النساء 4:59. 2 صحیح البخاري: 4340، 4584، صحیح مسلم: 1840، مسند أحمد: 337/1، زاد المعاد: 516،515/3، الطبقات لابن سعد: 163/2، صحیح ابن حبان: 4558.

سریہ علی ؓ اور خانوادۂ حاتم کا قبول اسلام

9ھ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کی قیادت میں ایک سو پچاس انصاری صحابہ پر مشتمل ایک جنگی دستہ فلس کی طرف روانہ کیا۔ ان میں کوئی مہاجر صحابی نہیں تھا۔

ان کے پاس پچاس گھوڑے اور اونٹ تھے۔ انھوں نے اونٹوں پر سفر شروع کر دیا جبکہ گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے ساتھ ساتھ چلایا۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ یکبارگی اچانک حملہ کرنا۔ سیدنا علی ؓ اپنے لشکر کو لے کر چلے تو سیاہ جھنڈا سیدنا سہل بن حنیف کو سونپا اور سفید پرچم سیدنا جبار بن صخر سلمی ؓ کو عطا کیا۔ یہ لشکر بنو اسد کے راہبر حریث کی راہنمائی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔ راہبر لشکر کو لے کر فید کے راستے چلتا رہا حتی کہ ایک جگہ پہنچ کر رک گیا اور کہنے لگا: اب یہاں سے مطلوبہ قبیلے کا ایک دن کا سفر باقی ہے۔ اگر ہم اس طرح چلتے رہے تو ہم طے والوں کے چرواہے اور ارد گرد کے لوگوں کو پکڑ سکیں گے مگر وہ اپنے قبیلے کو خبردار کر دیں گے اور ہمارا اصل مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آج یہیں رک جاؤ۔ پھر شام کو سفر شروع کریں گے۔ صبح کے دھندلکے میں ہم انھیں جا ملیں گے اور زبردست ہلہ بول کر ان کا کام تمام کر دیں گے۔ صحابہ کرام ؓ کو اس کا مشورہ پسند آیا۔ لہٰذا امیر محترم کے حکم سے پڑاؤ کیا گیا۔ اونٹوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ لشکر کے لیے کھانا تیار کیا گیا اور سب نے کھانا کھایا۔



قصبہ فید (نجد) کا خوبصورت منظر

سیدنا علی بن ابی طالب ؓ نے اردگرد کی خبر گیری کے لیے

سیدنا ابوقتادہ، حباب بن منذر اور ابونائلہ رضی اللہ عنہم کو گھوڑوں پر سوار کر کے بھیجا۔ وہ اپنے معسکر کے گرد چکر لگا رہے تھے جب انھیں ایک سیاہ فام غلام نظر آیا۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے تفتیش کرنا شروع کر دی۔ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور ادھر کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا: میں اپنے کسی کام سے آیا ہوں۔ اسے گرفتار کر کے امیر محترم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے دریافت کیا: تم کون ہو اور اس علاقے میں کیسے آئے؟ غلام بولا: میں اپنی کسی حاجت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ جب اس نے مکمل جواب دینے سے گریز کیا اور کوئی مفید خبر دینے سے انکار کیا تو اس پر تھوڑی سختی کی گئی۔ اب کی بار اس نے منہ کھول دیا۔ کہنے لگا: میں بنونبہان کے ایک شخص کا غلام ہوں۔ انھوں نے مجھے اس علاقے میں بھیجا تھا کہ اگر تمھیں محمد (ﷺ) کے گھڑ سوار نظر آئیں تو ان سے بچ کر فوراً ہمیں خبر دینا۔ اس لیے جب میں نے تمھیں دیکھا تو میں واپس جانے لگا۔ پھر میں نے سوچا کہ ادھوری خبر پہنچانے کا کیا فائدہ ہے۔ ذرا ٹھہر جاتا ہوں تاکہ تمھارے لشکر کی تعداد، گھوڑوں اور اونٹوں کی گنتی کر کے واپس جاؤں۔ مجھے یہ ڈر نہیں تھا کہ میں پکڑا جاؤں گا، اس لیے بڑے اطمینان سے معلومات جمع کر رہا تھا۔ پھر آپ کے پہرے داروں نے مجھے گرفتار کر لیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: سچ بتاؤ کہ تمھارے قبیلے کی صورت حال کیا ہے؟ اس نے عرض کی: قبیلے کی ابتدائی





بستیاں یہاں سے ایک رات کی مسافت پر ہیں۔ اگر تم گھوڑوں پر جاؤ تو صبح سویرے انھیں جاملو گے۔ ان کی مرکزی آبادی میں تم دوپہر تک پہنچ سکتے ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب ان معلومات کی روشنی میں کیا کیا جانا چاہیے؟ سیدنا جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کے وقت سفر کرتے ہیں اور صبح سویرے ان پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس سیاہ فام غلام کو ساتھ لے چلتے ہیں اور راہبر حریث کو معسکر میں چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ بعد میں ہمیں آملیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں یہی رائے بہترین ہے۔

اسلامی لشکر گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑا۔ سیاہ فام غلام کو بھی ہاتھ جکڑ کر ساتھ بٹھا لیا گیا۔ مجاہدین باری باری اسے اپنی سواری پر بٹھا کر چلتے رہے۔ جب کافی رات گزر گئی اور بہت سا فاصلہ طے کر لیا گیا تو غلام کہنے لگا: مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، ہم غلط راستے پر آگئے ہیں، اصل راستہ پیچھے رہ گیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلو واپس چلتے ہیں، تم ہمیں درست راستے تک لے چلو۔ ایک میل یا اس سے زیادہ واپس آنے پر وہ پھر بولا کہ ہم غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ اس بار سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ہمیں دھوکہ دینے کی مسلسل کوشش کر رہے ہو۔ آپ نے حکم دیا کہ غلام کو نیچے اتارو۔ اس سے درست راستہ معلوم کرو۔ اگر صحیح راہنمائی نہ کرے تو اس کی گردن اتار دو۔ جب مجاہدین نے تلوار اس کے سر پر رکھی تو وہ بول اٹھا: اگر میں سچ بولوں تو کیا مجھے معاف کر دو گے؟ صحابہ نے کہا: ہاں اگر سچ سچ بات کرو گے تو تمھاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا: دراصل میں نے یہ کارروائی اس لیے کی ہے کہ میرے قبیلے کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں، اب مجھے شرم آئی کہ میں بغیر کوئی دکھ اٹھائے ان کے خلاف غداری کا مرتکب ہو جاؤں۔ ہاں اب جبکہ مجھے جان کا خطرہ ہو گیا ہے تو میرا عذر ہے کہ میں غداری کا مرتکب ہوں۔ آؤ میں تمھیں لے چلوں، یہاں سے قبیلہ بہت قریب ہے۔ لشکر آگے بڑھا حتی کہ قبیلے کے بہت قریب پہنچ گیا۔ اب کتوں کے بھونکنے اور مویشیوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنی شروع ہو گئی تھیں۔ سیاہ فام غلام بولا: یہ جھونپڑیاں اصل آبادی سے ایک فرسخ پر ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: آل حاتم کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ آبادی کے وسط میں ہیں۔ پھر باہمی مشورہ ہوا کہ ابھی حملہ نہ کیا جائے۔ اگر اس وقت حملہ کیا گیا تو ان لوگوں کی چیخ پکار سے بہت سے لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے ابھی اندھیرے کو

پہنچے ہیں، جیسے ہی صبح کی روشنی ہوئی تو ہم حملہ آور ہوں گے، پھر کوئی شخص فرار نہیں ہو سکے گا۔ اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی مدد سے انھیں پکڑ لیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس گھوڑے نہیں ہیں اور رات کے اندھیرے کا فائدہ بھی ختم ہو چکا ہوگا۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کیا۔ جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے بھرپور حملہ کر کے قبیلے کے لوگوں کو زیر کر لیا۔ کچھ مزاحمت کرنے والے کٹ گئے۔ باقی کو قیدی بنا لیا گیا۔ کوئی شخص بھاگ سکا نہ بچ سکا۔ بچوں، عورتوں اور مردوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ مویشی بھی جمع کر لیے گئے۔ اس دوران ایک بچی نے اپنے سیاہ فام غلام کو جکڑا ہوا دیکھا تو سمجھ گئی کہ یہ ساری آفت اسی کی وجہ سے آئی ہے۔ کہنے لگی: اسے کیا ہوا؟ کیا اس کی عقل جاتی رہی ہے؟ اسلم! تم برباد ہو جاؤ، تم نے اپنے قبیلے والوں کو بڑی مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ تم نے ہمیں دھوکہ دیا اور غداری کی۔ اگر تم یہ حرکت نہ کرتے تو ہمیں اس مصیبت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ اسلم نے یہ ملامت حوصلے سے سنی، پھر بولا: اے معزز و محترم کی لخت جگر! مجھے معاف کر دو۔ میں نے اس وقت تک معلومات نہیں دیں جب تک مجھے جان سے مارنے کی دھمکی نہ ملی۔ میں نے مجبوراً جان بچانے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔

اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ بچوں اور عورتوں کو علیحدہ کیا۔ جب آل حاتم کو الگ الگ کر رہے تھے تو سیاہ فام غلام اسلم بولا: حضور! اب مجھے رہا کر دیجیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کلمہ شہادت پڑھ لو تو تمھیں آزادی مل سکتی ہے۔ اسلم بولا: میں اپنی قوم کے دین پر قائم ہوں۔ یہ قیدی جیسے کریں گے میں بھی ویسے ہی کروں گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمھیں بھی انھی کے ساتھ باندھ دیا جائے تو کیسا رہے گا؟ اس نے جواب دیا: بہت خوب ہوگا۔ مجھے اپنی قوم کے ساتھ قید میں رہنا کسی دوسری قوم کے ساتھ ملنے والی آزادی سے زیادہ محبوب ہے۔ جو ان پر بیتے گی وہی میں بھی جھیلوں گا۔ اس کی یہ بڑھک سن کر قیدی ہنسنے لگے۔ اس کی خواہش پر اسے بھی قیدیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ وہ کہنے لگا: اب تم جو بھی فیصلہ کرو گے، میں انھی کے ساتھ ہوں۔ قیدیوں نے اس کی آمد پر اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ کوئی کہہ رہا تھا: دفع دور کرو اسے، اسی کی وجہ سے یہ بلا ہم پر نازل ہوئی ہے۔ کوئی اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ایک شخص نے کہا: اسلم! تم نے حق وفاداری ادا کر دیا ہے۔ تم پر اس سے زیادہ کچھ فرض نہ تھا۔ اگر تمھاری جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو وہ بھی جان بچانے کے لیے ایسا ہی کرتا۔ شاباش تم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

پھر قیدیوں کو باری باری اسلام کی دعوت دی گئی۔ جو اسلام قبول کر لیتا، اسے آزاد کر دیا جاتا اور جو انکار کرتا، اس کی گردن مار دی جاتی۔ جب اسلم کی باری آئی تو کہنے لگا: موت کے ڈر سے اسلام قبول کرنا بڑا بزدلانہ کام ہے جبکہ اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی تو کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اس کے یہ جرأت مندانہ کلمات سن کر ایک شخص کہنے لگا: اسلم

کتنے تعجب کی بات ہے۔ اگر اسی جرأت کا اظہار تم اس وقت کرتے جب تم گرفتار ہوئے تھے تو تمھارا قبیلہ اس بربادی سے بچ جاتا۔ اب جبکہ کئی مارے جا چکے، کچھ قیدی بن گئے اور کچھ اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے مسلمان ہو رہے ہیں تو تم یہ بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہو۔ تمھارا بھلا ہو مسلمان ہو جاؤ، دین محمد ﷺ قبول کرلو۔ اس پر اسلم نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے پر اسے آزادی مل گئی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کی وفات پر کچھ قبائل مرتد ہوگئے تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے سیدنا خالد بن ولید ؓ کی قیادت میں لشکر بھیجا۔ اسلم بھی ان کے ساتھ گیا اور مرتدین کے خلاف بہادری سے لڑتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا۔

فلس بت کی تاریخ

سیدنا علی ؓ قیدیوں کے معاملے سے فارغ ہو کر فلس بت کو مسمار کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ فلس طے قبیلے کا بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ طے قبیلے کی پہاڑیوں میں اُجا کی ایک نوکیلی چٹان تھی۔ وہ ایسی دکھائی دیتی تھی جیسے کسی انسان کا پتلا ہو۔ طے قبیلے والے اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے پاس تقرب کے حصول کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اور اس بت کے نام پر نذر و نیاز کے تحائف بھیجتے تھے۔ اس بت کو طے قبیلے میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اگر کوئی شخص اس کی پناہ لے لیتا تو جانی دشمن بھی اس شخص سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ وہ مکمل امن میں ہو جاتا۔ اگر کسی شخص کا کوئی جانور اس کے پاس آجاتا تو وہ اسے بت کے نام وقف کر دیتا۔ اس بت کے مجاور بنو بولان تھے۔ بولان ہی وہ شخص تھا جس نے اس بت کی پوجا کی ابتدا کی اور طے قبیلے میں اسے رواج دیا۔



جبل اُجا کی نوکیلی چٹان

مجاور کی کارستانی اور دہائی

فلس بت کا آخری مجاور بنو بولان کا صیفی نامی شخص تھا۔ اس مجاور نے بنو علیم قبیلے کی ایک عورت کی دو دھیل اونٹنی چرالی اور اسے لا کر فلس بت کے صحن میں باندھ دیا۔ گویا اب کوئی شخص اسے واپس لینے کا حقدار نہیں تھا کیونکہ اب یہ ان کے دیوتا کے لیے وقف ہو گئی تھی۔

جب اس عورت کو خبر ہوئی کہ اس کی اونٹنی چرالی گئی ہے تو اس نے دہائی دی اور اپنے ہمسائے مالک بن کلثوم شمخی کو بتایا جو نہایت معزز اور باوقار سردار تھا۔ مالک بن کلثوم نے فوراً اپنا گھوڑا نکالا، نیزہ پکڑا اور اپنی غریب ہمسائی کی اونٹنی کی بازیابی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مالک بن کلثوم جب فلس بت کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی وہاں بندھی تھی۔

مالک نے فلس کے مجاور سے کہا: میری ہمسائی کی اونٹنی چھوڑ دو۔ مجاور نے جواب دیا کہ اب یہ تمھارے دیوتا کے لیے وقف ہو چکی ہے۔ مالک نے پھر کہا: اونٹنی کھول دو۔ مجاور نے حیرانگی سے پوچھا: کیا تم اپنے دیوتا کی توہین کا ارتکاب کرو گے؟ مالک نے اپنا نیزہ مجاور کو ہدیہ کیا، اونٹنی کھولی اور واپس چل دیا۔ مجاور یہ منظر دیکھ کر سخت مایوس ہوا۔ اپنے دیوتا کے سامنے کھڑے ہو کر مالک کی شکایت کرنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مالک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

يا رب إن مالك بن كلثوم أخفرك اليوم بناب علكوم

وَكُنْتَ قَبْلَ الْيَوْم غَيْرَ مَغْشُوم

''اے میرے رب! آج مالک بن کلثوم نے تیری بڑی توہین کی ہے، حالانکہ آج سے پہلے تیرے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔''

مجاور اپنی اس آہ و زاری سے دیوتا کو مالک پر عذاب برسانے کی التجا کر رہا تھا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان کا دیوتا کس قدر طاقتور ہے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ کس قدر سختی سے نمٹتا ہے۔

ان دنوں عدی بن حاتم بھی فلس کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے وہاں جانور ذبح کیا تھا۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ وہ بھی مالک کی کارروائی کو غیر مناسب قرار دے رہے تھے اور اب خوفزدہ تھے کہ عنقریب مالک پر کوئی عذاب نازل ہوگا۔ سبھی انتظار میں تھے کہ آج مالک پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ کئی دن گزر گئے مگر مالک محفوظ رہا۔ اسے دیوتا کے غیظ و غضب کا قطعاً سامنا نہ کرنا پڑا۔

فلس کی بے بسی عیاں ہوگئی

بت فلس کے پجاریوں کے لیے یہ واقعہ چشم کشا ثابت ہوا۔ ان کا سابقہ عقیدہ زمین بوس ہوگیا۔ انھیں فلس کی لاچاری سمجھ میں آ گئی۔ عدی بن حاتم نے فلس سے براءت کا اعلان کر دیا اور عیسائیت کو گلے لگا لیا۔

مالک بن کلثوم وہ پہلا شخص تھا جس نے فلس کو للکارا تھا۔ پھر تو گویا راستہ ہی کھل گیا۔ مجاور جس شخص کا مال ہڑپ کرنے کے لیے فلس بت کے پاس لا کر باندھتا، اس کا مالک آ کر بے دھڑک کھول کر لے جاتا۔ البتہ طے قبیلے کے کم عقل مسلسل اس کی پوجا کرتے رہے حتی کہ اسلام غالب آ گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے منہدم کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مجاہدین اسلام کا ایک دستہ بھیجا جس نے اسے تباہ و برباد کر دیا۔[1] بت کے ساتھ والے کمرے سے تین تلواریں ملیں جن کے نام رسوب، مخذم اور یمانی تھے۔ اور تین زرہیں بھی ملیں۔

پھر اسلامی لشکر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔ بچوں اور عورتوں کو سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں دیا گیا جبکہ مویشی اور دیگر سامان کی ذمہ داری سیدنا عبداللہ بن عتیک سلمی رضی اللہ عنہ کو دی گئی۔

پھر یہ قافلہ چلا تو رکک جا کر رکا۔ یہاں پر مال غنیمت تقسیم کیا۔ نبی کریم ﷺ کے لیے خمس اور رسوب و مخذم تلواریں الگ کر لی گئیں۔ آل حاتم کو تقسیم نہیں کیا گیا حتی کہ وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ عدی بن حاتم کی بہن سفانہ کو سیدہ رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرایا گیا۔[2]

بنت حاتم قید میں

طے قبیلے کے قیدی مدینہ منورہ لائے گئے تو ان میں حاتم کی عمر رسیدہ بیٹی سفانہ بھی تھی۔ اسے مسجد نبوی کے دروازے کے پاس ایک کیمپ میں ٹھہرایا گیا۔ اس کیمپ میں قیدی ٹھہرائے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بنت حاتم نہایت سمجھدار اور جہاں دیدہ خاتون تھیں۔ کہنے لگیں: اللہ کے رسول! میرا والد فوت ہو چکا ہے اور میرا نگہبان فرار ہوگیا ہے، میں ایک بوڑھی خاتون ہوں جو کسی خدمت کے قابل نہیں، آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ کو نوازے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''تمھارا نگہبان کون ہے؟'' کہتی ہیں: میرا نگہبان عدی بن حاتم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا پھرتا ہے؟'' پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن آپ گزرے تو بڑھیا نے پھر فریاد کی۔ آپ نے کل کی طرح خاموشی اختیار کی اور

---

[1] معجم البلدان: 4/273، 274 [2] المغازی للواقدی: 2/375-378، الطبقات لابن سعد: 2/164، زاد المعاد: 3/517

آگے بڑھ گئے۔ تیسرے دن آپ وہاں سے گزرے تو بڑھیا بیٹھی رہی۔ وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اسے رہائی ملتی دکھائی نہ دیتی تھی، اس لیے وہ خاموش بیٹھی رہی۔ مگر آج رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے آنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ آج موقع اچھا ہے، اپنی فریاد کرلو۔ لہٰذا بڑھیا آگے بڑھی اور غم بھری آواز میں بڑے خوبصورت الفاظ میں التجا کی: اے اللہ کے رسول! میرا والد فوت ہو چکا ہے، نگران بھائی فرار ہو گیا ہے۔ میں بڑھیا کسی خدمت کے قابل نہیں۔ براہ کرم مجھ پر ترس کھایئے، اللہ آپ پر کرم فرمائے۔

امام بیہقی رقمطراز ہیں: بڑھیا نے کہا: اے محمد! اگر آپ ہمیں رہا کر کے کرم فرمائیں اور ہمارے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا والد بے شمار خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ نہایت خوددار اور غیرت مند تھا۔ غلام آزاد کرتا تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، محتاجوں کو لباس دیتا تھا، مہمان نوازی کرتا تھا، سخاوت کرتا تھا، کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا تھا۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اس کی یہ التجا سن کر اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس جانے میں جلدی نہ کرنا۔ جب کوئی قابل اعتماد ساتھی میسر آئے تو مجھے بتانا۔'' بڑھیا مدینہ منورہ ہی میں ٹھہری رہی حتی کہ قبیلہ بلی یا قضاعہ کا ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا۔ اس میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کے ساتھ بنت حاتم سفر کر سکتی تھی۔ اس کا بھائی فرار ہو کر ملک شام جا بیٹھا تھا۔ وہ اس کے پاس جانا چاہتی تھی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ مجھے ہمسفر مل گیا ہے، لہٰذا اجازت دیجیے کہ میں اپنے خاندان سے جا ملوں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ رخصت ہوتے وقت آپ نے اسے لباس، سواری اور زاد راہ عطا کیا۔ پھر بنت حاتم قافلے کے ساتھ شام پہنچ گئی۔



عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک سواری ہماری طرف آتی دکھائی دی۔ میں نے سوچا کہ یہ تو میری بہن لگتی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو وہ میری بہن ہی تھی۔ وہ اترتے ہی مجھ پر برسنے لگی۔ مجھے خوب برا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔ مجھے ملامت کرتے ہوئے کہتی ہے: تم ظالم اور قاطع رحم ہو۔

تم اپنے بیوی بچوں کو لے بھاگے اور بہن کی کوئی پروا نہ کی۔ میں نے بہن کی ساری ملامت حوصلے سے سنی اور بہن سے معافی مانگی۔ لہٰذا وہ راضی ہوگئی اور ہمارے ساتھ رہنے لگی۔ ایک روز کہنے لگی: بھائی میرا مشورہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں دے دو۔ ان کی خدمت میں جو بھی گیا اسے نوازا گیا ہے۔ اگر وہ سچے نبی ہیں تو اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں کے لیے فضل و شان ہے۔ اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو پھر بھی تمھاری عزت کریں گے کیونکہ تم حاتم کے بیٹے ہو، اس لیے جتنی جلدی ہو سکے مدینہ منورہ پہنچو۔ شوق کے ساتھ جاؤ یا خوف کھاتے ہوئے، تم ضرور جاؤ۔

میں نے کہا: تمھارا مشورہ بہت خوب ہے۔[1]

عدی بن حاتم تاجدار مدینہ کی خدمت میں

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کا سردار تھا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی خبر سنی تو مجھے آپ سے شدید نفرت ہوگئی۔ پورے عرب میں مجھ سے بڑھ کر آپ سے نفرت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ میں عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔ خود کو بڑا دین دار خیال کرتا تھا۔ اپنی قوم سے لوٹ کے مال کا چوتھا حصہ وصول کرتا تھا۔ سردار ہونے کے ناتے میں یہ اپنا حق سمجھتا تھا۔ جیسے جیسے رسول اللہ ﷺ کی کامیابیوں کی خبریں مجھے ملتیں، میری نفرت و دشمنی میں اضافہ ہو جاتا۔ میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا: تیرا بھلا ہو، میرے لیے چند موٹی تازی سدھائی ہوئی اونٹنیاں تیار رکھنا۔ وہ میرے اونٹوں کا چرواہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ تیار شدہ اونٹنیاں میرے قریب رکھنا۔ جیسے ہی تمھیں خبر ملے کہ جیش محمد (ﷺ) نے ہمارے علاقے کا رخ کیا ہے تو تم مجھے اطلاع کر دینا۔ میرے حکم پر اس نے چند خوبصورت سواریاں تیار کر لیں۔ ایک دن صبح کے وقت وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے عدی! محمد کے لشکر کے حملہ آور ہونے پر تم نے اپنی حفاظت کا جو پروگرام بنایا ہے، اس پر ابھی عمل کر لو تو بہتر ہوگا۔ میں نے کچھ جھنڈے دیکھے ہیں۔ میں نے ان کے بارے میں معلوم کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ لشکر محمد ہے۔ یہ سن کر میں نے اسے کہا: جاؤ جلدی سے اونٹنیاں لے آؤ۔ وہ گیا اور اونٹنیاں لے آیا۔ میں نے اپنے بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا۔

میرا ارادہ تھا کہ میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے پاس چلا جاتا ہوں۔ جاتے ہوئے میں اپنی بہن کو یہیں چھوڑ گیا۔ میں شام پہنچا اور وہاں رہنے لگا۔ میرے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لشکر آنے اور میرے قبیلے کو فتح

[1] السیرۃ لابن ھشام 4/226، 227، ودلائل النبوۃ للبیہقی 5/338-340، وزاد المعاد 3/518

کر کے قیدی ساتھ لے گئے۔ ان قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن بھی تھی۔ عدی بن حاتم کی بہن نے نبی کریم ﷺ سے رہائی کی اپیل کی جو آپ نے منظور کر لی۔ آپ نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ جب وہ اپنے بھائی عدی کے پاس شام پہنچی تو اس نے بھائی سے کہا رسول اللہ جود و سخا کے ایسے کارنامے کرتے ہیں جو تیرا والد بھی نہ کر سکا۔ میرا مشورہ مانو تو اس رسول کے پیروکار بن جاؤ۔ اس کی خدمت میں جو بھی گیا ہے، وہ سرخرو ہوا ہے۔ تیرے سے پہلے فلاں فلاں شخص ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مالا مال ہو چکا ہے۔ بہن کا مشورہ سن کر میں نے سوچا کہ مجھے ایک بار ضرور مدینہ حاضر ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہوئے تو مجھے کیا نقصان ہے۔ اگر وہ سچے ہوئے تو میں جان لوں گا اور ان کی پیروی کر لوں گا۔ لہذا میں شام سے نکلا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اے اللہ کے رسول! یہ عدی بن حاتم ہے۔ میں بغیر کسی امان نامے یا صلح نامے کے حاضر ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا۔ آپ اس سے پہلے صحابہ کو یہ فرما چکے تھے: «إني لأرجو أن يجعل الله يده في يدي» ”مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (عدی) کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔“

پھر آپ مجھے لے کر اپنے حجرہ کی طرف چل پڑے۔ اتنے میں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک ضروری گزارش کرنی ہے۔ آپ اس عورت کی التجا سننے کے لیے وہیں رک گئے۔ وہ دیر تک آپ کو اپنا مسئلہ بیان کرتی رہی اور آپ سنتے رہے۔ پھر آپ نے اس کی حاجت پوری کی اور مجھے لے کر اپنے گھر آ گئے۔ میں نے دل میں سوچا، اللہ کی قسم! یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ بھلا بادشاہوں میں اتنا صبر و حوصلہ اور عجز و انکسار کہاں؟

آپ اندر تشریف لائے تو مجھے کھجور کے پتوں سے بھرا ایک تکیہ دیا اور فرمایا: ”اس پر بیٹھو۔“ میں نے عرض کیا: آپ اس پر تشریف رکھیں۔ مگر آپ نے اپنے مہمان کو تکیے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ آپ اپنے مہمانوں کی بے حد عزت افزائی کیا کرتے تھے۔

پھر آپ نے عدی کے ساتھ درج ذیل گفتگو فرمائی:

رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”اے عدی! کیا تم اس بات سے فرار اختیار کر رہے ہو کہ تمھیں اس بات کی گواہی دینی پڑے گی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ کیا تم اللہ کے سوا کوئی سچا معبود

جانتے ہو؟''

عدی بن حاتم: نہیں، اللہ کے سوا کوئی سچا معبود میرے علم میں نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''تو پھر تم اس لیے بھاگے پھرتے ہو کہ تمھیں ''اللہ اکبر'' (اللہ سب سے بڑا ہے) نہ کہنا پڑے، کیا کوئی چیز اللہ سے بڑی ہے؟''

عدی بن حاتم: نہیں، اللہ سے بڑی اور برتر کوئی چیز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ: ''اے عدی! مسلمان ہو جاؤ تو تم محفوظ ہو جاؤ گے۔ تمھاری جان اور مال بچ جائے گا۔''

عدی بن حاتم: میں ایک دیندار آدمی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ: ''میں تمھارے دین کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہودی مغضوب علیہم جبکہ عیسائی گمراہ ہیں۔''

عدی بن حاتم: آپ میرے دین کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: ''ہاں، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، کیا تم رکوسی (عیسائی اور صابی فرقے کا ملا جلا عقیدہ رکھنے والے) نہیں ہو؟ تم اپنی قوم کی غنیمت (لوٹ) سے چوتھا حصہ وصول کرتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے مذہب کے مطابق تمھارے لیے حلال نہیں ہے۔''

عدی بن حاتم: بالکل ایسے ہی ہے۔ آپ کے ان ارشادات کے بعد میں آپ کی عظمت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کو غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''اے عدی! ممکن ہے تم اس لیے اسلام قبول نہیں کر رہے کہ تم سوچتے ہو گے کہ اس نبی کے پیروکار نہایت غریب و مساکین ہیں۔ ایسے کمزور، ناتواں جنھیں عربوں نے دھتکارا ہوا تھا، وہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ کوئی امیر زادہ، رئیس و سردار مسلمان نہیں ہو رہا؟ اللہ کی قسم! عنقریب مال وافر ہو جائے گا، غربت ختم ہو جائے گی حتی کہ (زکاۃ کا) مال لینے والا نہیں ملے گا۔ ممکن ہے تمھارے دل میں ہو کہ مسلمان بہت کم ہیں اور ان کے دشمنوں کی کثرت ہے۔ اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ اکیلی عورت قادسیہ (یا فرمایا: الحیرہ جو کہ کوفہ کے نواح میں ہے) سے چلے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے کسی کا خوف نہیں ہوگا، وہ پرامن سفر کرے گی۔ عنقریب کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے اور مسلمانوں کی ملکیت بنیں گے۔''

عدی بن حاتم: کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟

رسول اللہ ﷺ: ''ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے۔ مسلمانوں میں مال و دولت کی ریل پیل ہو جائے گی حتی کہ اسے

لینے والا نہیں ملے گا۔ عنقریب ارض بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گے۔''

عدی بن حاتم: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی پیروی قبول کرتا ہوں۔

آیئے عدی بن حاتم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ایمان افروز گفتگو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں پڑھتے ہیں:

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ ﷺ کے پاس فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا تو اس نے ڈاکا زنی کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟'' میں نے کہا: دیکھا تو نہیں، البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ شہر سے روانہ ہوگی، بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے اللہ کے سوا کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا۔'' میں نے دل میں خیال کیا کہ قبیلۂ طے کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنھوں نے تمام شہروں میں آگ لگا رکھی ہے؟ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔'' میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)۔ اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا۔ اسے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کرے لیکن اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اسے قبول کرے۔ تم میں سے ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمانی کے فرائض سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تجھے میرے احکام پہنچائے ہوں؟ وہ عرض کرے گا: بے شک تو نے بھیجا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے مال و دولت سے نہیں نوازا تھا؟ کیا میں نے تجھے اس کے ذریعے سے برتری نہیں دی



تھی؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں، سب کچھ دیا تھا۔ پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے جہنم کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ بائیں جانب نظر کرے گا تو ادھر بھی دوزخ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' سیدنا عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی سے کیوں نہ ہو اور جو کوئی کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو وہ لوگوں سے اچھی بات کہہ کر جہنم سے بچے۔''[1]

عدی بن حاتم نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے کھل اٹھا۔ آپ نے انھیں ایک انصاری صحابی کے گھر ٹھہرایا۔

امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ نے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَدِيُّ! اِطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ»

''اے عدی! یہ بت اتار پھینکو۔''

پھر میں نے آپ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ [illegible] ''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا لیا۔'' میں نے عرض کیا: عیسائی اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ»

''انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کی لیکن جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تھے تو وہ اسے اپنے لیے حلال کر لیتے تھے، اور جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو حرام قرار دیتے تھے تو وہ اسے حرام سمجھتے تھے۔''[2]

[1] صحیح البخاری: 3595، 1412 [2] جامع الترمذی: 3095، السنن الکبرٰی للبیہقی: 116/10

واقعۂ ایلاء

ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں۔ اس کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ خاوند قسم کھالے کہ وہ ایک معین مدت تک اپنی بیوی سے تعلق نہیں رکھے گا۔

ایسی صورت میں اگر خاوند مدت پوری ہونے سے پہلے تعلقات قائم کر لے تو اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ قسم کا کفارہ قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

''اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا، لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، پھر اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرنا ہے۔ پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''[1]

ہاں اگر مدت ایلاء پوری کرنے کے بعد تعلق قائم کرتا ہے تو پھر اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔

ایلاء کی مدت ایک ماہ بھی ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ بھی۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر کی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے چار ماہ کا ایلاء کرتا ہے تو چار ماہ بعد اسے اپنی بیوی سے تعلقات قائم کرنا ہوں گے یا اسے طلاق دے کر فارغ کرنا ہوگا۔ اسے بلا وجہ اس سے زائد عرصے کے لیے معلق رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر دونوں صورتوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں کرتا تو عدالت اسے مجبور کرے گی کہ وہ دو میں سے کسی

1 المائدة 89:5.

ایک چیز کا انتخاب کرے۔ اچھے طریقے سے عورت کو بسالے یا عمدہ طریقے سے فارغ کر دے۔ عورت پر بلاوجہ ظلم نہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔ ایک ماہ پورا ہونے پر آپ نے اپنی ازواج سے تعلق استوار کیا اور ایلاء کو ختم کر دیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم اٹھائی۔ ان دنوں آپ کے پاؤں و موچ بھی آگئی تھی۔ آپ بالاخانے میں انتیس دن تک ٹھہرے رہے، پھر اترے تو حاضرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے تو ایک ماہ تک بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھائی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ»

''یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔''[1]

قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں ایلاء کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:

﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾

''جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لیے چار ماہ انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[2]

قرآن مجید کی ان آیات اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مدت ایلاء چار مہینے مکمل ہونے پر عورت کو طلاق نہیں ہوتی جب تک کہ خاوند اسے طلاق نہ دے دے۔ اگر اس نے طلاق دے دی یا عدالت نے اسے مجبور کر کے طلاق دلوا دی تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی۔ جن علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت مکمل ہوتے ہی خود بخود عورت کو طلاق ہو جائے گی، ان کا موقف درست نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: وہ ایلاء جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) کیا ہے، اس کے مطابق مدت پوری ہونے کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں (کہ

[1] صحيح البخاري: 5289. [2] البقرة 2:226، 227.


شجرہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن

ایلاء کو جاری رکھے) وہ قاعدے کے مطابق اسے اپنے پاس رکھے یا پھر طلاق دے۔

یہ بھی فرمایا کہ چار مہینے گزر جانے کے بعد اسے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ طلاق دے دے اور طلاق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ طلاق نہ دے دے۔

یہ فتویٰ سیدنا عثمان، علی، ابودرداء، سیدہ عائشہ اور دیگر بارہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔[1]

ازواج مطہرات سے ایلاء کی وجہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک بائیکاٹ کیا، ان سے تعلقات منقطع کیے اور ایک ماہ تک اپنے بالا خانے میں تشریف فرما رہے۔ اس کی وجہ میں علمائے کرام نے تین واقعات ذکر کیے ہیں۔ یہ تینوں واقعات پے در پے واقع ہوئے ہیں، اس لیے ان تینوں ہی کو وجہ ایلاء قرار دیا گیا ہے۔ آئیے وہ تین واقعات ملاحظہ فرمائیں:

1 آپ کی ازواج مطہرات زہد و قناعت اور صبر و تحمل کے بلند مقام پر فائز تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور آپ کی پُر وقار سادگی میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پاس موجود ہر نعمت فوراً عطا کر دیتے تھے۔ کبھی سنبھالنے اور ذخیرہ کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ پھر فتوحات کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی فراوانی فرما دی۔ مال غنیمت کی کثرت نے اہل اسلام کو خوشحال کر دیا۔ ازواج مطہرات بھی بہر حال معاشرے کا ایک حصہ تھیں۔ دیگر گھروں میں مال کی فراوانی دیکھی تو انھوں نے بھی نان و نفقے میں اضافے کی درخواست کر دی۔ آپ نہایت سادگی پسند تھے۔ آپ کو ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ ناگوار گزرا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس وقت آپ کے پاس اضافی مال موجود بھی نہیں تھا۔ آپ سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔

مسند احمد اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے، وہ فرماتے ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو انھیں اجازت مل گئی۔ اس وقت آپ کے حجرۂ مبارک کے دروازے پر کافی صحابۂ کرام جمع تھے۔ اتنے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ انھوں نے اندر حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو انھیں بھی اجازت مل گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بالکل خاموش بیٹھے ہیں۔ آپ کے پاس آپ کی ازواج مطہرات بھی موجود تھیں۔ صورت حال کچھ خوشگوار نہیں تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دل میں سوچا کہ میں کوئی ایسی بات کرتا

[1] صحیح البخاري: 5291,5290.

ہوں جس سے نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں۔ لہٰذا میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر میری بیوی بنت خارجہ مجھ سے نفقے کا سوال کرے تو میں اس کی گردن دبا دوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بے اختیار ہنس پڑے حتی کہ آپ کے موتیوں جیسے خوبصورت دندان مبارک واضح ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرٰى يَسْأَلْنَنِي نَفَقَةً»

''یہ میری بیویاں جنھیں تم دیکھ رہے ہو، یہ بھی نفقہ مانگنے کے لیے ہی جمع ہیں۔''

آپ کا یہ فرمان سن کر شیخین کو ماحول کی درشتی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور اپنی لخت جگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھے اور انھیں ڈانٹا۔

دونوں اصحاب نے اپنی صاحبزادیوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگ رہی ہو جو آپ کے پاس موجود ہی نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوستوں کے تیور دیکھے تو انھیں مزید سختی کرنے سے روکا۔ دونوں صاحبزادیوں نے بھی فوراً کہا کہ آئندہ ہم کبھی آپ سے ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ کے پاس موجود نہ ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی سے یہ بھی فرمایا: تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو، وہ مجھ سے مانگ لیا کرو اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے سے ہمیشہ بچو۔ فرمانبردار لخت جگر نے بھی فوراً اطاعت کی۔

آپ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کا بائیکاٹ کیا جسے ایلاء سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی دلجوئی فرمائی اور یہ مطالبہ کرنے والی ازواج کو تنبیہ فرمائی۔ ارشاد ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیوی) سامان دے دوں اور تمھیں بہت ہی اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''[1]

[1] الأحزاب 33:28،29.

یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائیں اور انھیں فرمایا:

«إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ»

''میں تمھیں ایک بات کہنے لگا ہوں لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر جلدی سے جواب دو۔''

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کی: بھلا میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں، مجھے ان کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی بیویوں کو میرا انتخاب نہ بتائیے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا، إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا»

''جس عورت نے بھی مجھ سے تمھارے اختیار کے بارے میں پوچھا تو میں اسے بتا دوں گا۔ یقیناً اللہ نے مجھے سختی اور درشتی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ اس نے مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تخییر دیگر ازواج کو بھی سنائی۔ سبھی نے دنیا کی زیب و زینت اور عیش و عشرت کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ترجیح دی۔ اس وقت آپ کے حبالۂ عقد میں نو بیویاں تھیں جن میں پانچ قریشی: سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ حفصہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ سودہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ دیگر قبائل سے سیدہ صفیہ، سیدہ میمونہ، سیدہ زینب اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔[1]

2 رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ حال احوال پوچھتے اور اگر ان کی کوئی حاجت ہوتی تو پوری فرما دیتے۔ پھر شام کو جس زوجہ محترمہ کی باری ہوتی، اس کے گھر میں شب باشی کرتے۔ آپ کو شہد اور مٹھائی بہت پسند تھی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو کہیں سے شہد میسر آیا تو انھوں نے اسے سنبھال کر رکھ لیا۔ جب آپ ان کے گھر تشریف لاتے تو وہ آپ کو شہد پیش کرتیں۔ اس طرح ان کے گھر میں آپ کچھ زیادہ وقت گزارتے۔ دیگر ازواج نے یہ بات نوٹ کی کہ آپ سیدہ زینب کے گھر دوسری ازواج کی نسبت زیادہ وقت گزارتے ہیں۔ اگرچہ ازواج مطہرات تقویٰ،

1 تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح البخاري، 4786، صحیح مسلم، 1475، 1478، مسند أحمد 328/3، تفسیر ابن کثیر، التحریم 66:1.



پرہیزگاری اور صبر و شکر میں ممتاز مقام کی حامل تھیں مگر پھر بھی انسانی کمزوری کے تقاضے کبھی کبھی ان پر غالب آجاتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے پروگرام بنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ زینب کے گھر سے تشریف لائیں تو تم کہنا: حضور! آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی مہک آرہی ہے (مغافیر کی بو ناگوار ہوتی ہے)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لائے تو دونوں محترمات نے پروگرام کے مطابق کہا: حضور! آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تو شہد پیا ہے۔'' کہنے لگیں: تو پھر شہد کی مکھی نے عرفط پھول سے رس لیا ہوگا بس اسی کی بو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اعلیٰ اخلاق کریمہ کے مالک تھے۔ آپ ہمیشہ صاف ستھرا رہنا پسند کرتے تھے۔ آپ کے منہ سے مہک آئے، یہ ممکن نہ تھا۔ اور آپ ایسی حالت بھی پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے فوراً حفصہ سے کہہ دیا: ''اچھا، اگر بات ایسے ہی ہے تو میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔'' پھر انھیں منع کیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ مگر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ راز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ (التحریم 66: 1-5)

''اے نبی! آپ کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ خوب بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ نے تمھارے لیے

تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔ اور اللہ تمھارا مولا ہے۔ اور وہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چھپا کر کہی، پھر جب اس (بیوی) نے (دوسری کو) وہ (بات) بتا دی اور اللہ نے وہ (گفتگو) اس (نبی) پر ظاہر کر دی تو اس (نبی) نے اس میں سے کچھ (اس بیوی کو) جتائی اور کچھ سے اعراض کیا، پھر جب اس (نبی) نے اسے وہ (راز فاش کرنے کی) بات بتائی تو وہ کہنے لگی: آپ کو یہ کس نے بتایا ہے؟ نبی نے فرمایا: مجھے خوب جاننے والے، خوب باخبر (اللہ) نے خبر دی ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو بہتر ہے) پس یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں، اور اگر تم دونوں اس (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور ان کے بعد تمام فرشتے (بھی) مددگار ہیں۔ اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو قریب ہے کہ اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے دے، مسلمان، مومن، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزے دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں۔"[1]

صحیح بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سیدہ حفصہ ؓ نے شہد پیش کیا تھا اور آپ ان کے گھر میں کچھ اضافی وقت گزارتے تھے۔ نیز عائشہ اور سیدہ سودہ ؓ نے پروگرام بنا کر آپ کو شہد حرام کرنے پر مجبور کیا تھا۔[2]

حافظ ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ اور ان کے دو ہونے میں کوئی مشکل بھی نہیں، البتہ دونوں واقعات آیات تحریم کے نزول کا سبب ہوں، تو اس میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ بظاہر یہ ممکن نہیں۔[3] واللہ اعلم.

حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ سیدہ حفصہ ؓ کے ہاں شہد پینے کا واقعہ پہلے پیش آیا۔ اس میں آپ کے شہد کو حرام قرار دینے اور اس کے بارے میں کچھ نازل ہونے کی صراحت نہیں۔ اس کے بعد جب آپ نے زینب ؓ کے گھر شہد پیا تو عائشہ اور حفصہ ؓ نے آپ کو روکنے کے لیے گٹھ جوڑ کیا، چنانچہ اس وقت آپ نے شہد کو حرام قرار دے دیا تو درج بالا آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔[4]

3 ایلاء کی تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ کے ساتھ سیدہ حفصہ ؓ کے گھر

[1] تفسیر ابن کثیر، التحریم 66: 1-5، صحیح البخاري: 4912، صحیح مسلم: 1474. [2] صحیح البخاري: 5268، صحیح مسلم: 1474. [3] تفسیر ابن کثیر، التحریم 66: 1. [4] فتح الباري: 9/466، 467.

اپنی خواہش پوری کی۔ سیدہ حفصہ اس وقت گھر پر نہ تھیں۔ جب وہ واپس آئیں اور سیدہ ماریہ قبطیہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھا تو انھیں ناگوار گزرا۔ وہ ناراض ہو گئیں، کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! آپ میرے گھر میں میرے بستر پر ...؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں آئندہ اس سے تعلق نہیں رکھوں گا۔ تم یہ بات کسی کو نہ بتانا۔" مگر سیدہ حفصہ یہ راز سیدہ عائشہ ؓ کو بتا بیٹھیں جس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔[1]

مذکورہ بالا تین واقعات کو ایلاء کی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے بائیکاٹ جاری رکھا۔ پھر ایک ماہ بعد اپنی بیویوں سے رجوع کیا۔

ائمہ حدیث نے اس واقعے کو مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ امام المحدثین بخاری ؒ نے اس حدیث سے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں۔ آیئے صحیح بخاری کی روایت کو پڑھتے ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میری یہ خواہش رہی کہ میں سیدنا عمر ؓ سے دریافت کروں کہ نبی ﷺ کی بیویوں میں سے وہ کون سی دو بیویاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ اور رجوع کرو (تو بہتر ہے) بس تمھارے دل (حق سے) جھوہٹ گئے ہیں۔" واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کے ہمراہ حج کو گیا تو وہ (قضائے حاجت کے لیے) راستے سے ایک طرف ہٹے۔ میں بھی پانی کا مشکیزہ لیے ان کے ہمراہ ہو گیا، چنانچہ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر مشکیزے سے پانی ڈالا۔ انھوں نے وضو کیا تو میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے وہ کون سی دو عورتیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو تمھارے لیے بہتر ہے) بس تمھارے دل (حق سے) کچھ ہٹ گئے ہیں۔" سیدنا عمر فاروق ؓ نے فرمایا: ابن عباس! تم پر تعجب ہے۔ وہ سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ ؓ ہیں۔

پھر سیدنا عمر فاروق نے پورا واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ انھوں نے فرمایا: میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ بنو امیہ بن زید کے محلے میں رہتے تھے ـــــ یہ قبیلہ عوالی مدینہ میں رہتا تھا ـــــ ہم نبی ﷺ کے پاس باری باری آیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور دوسرے دن میں حاضر ہوتا۔ جب میں آتا تو اس دن کے جملہ احکام وحی اس کو بتاتا اور جب وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا۔ ہم قریشی لوگ عورتوں کو اپنے دباؤ میں رکھتے تھے لیکن جب ہم انصار

[1] تفسیر ابن کثیر، التحریم 66:1-5.

میں آئے تو ہم نے دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب رہتی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہماری عورتیں بھی ان کے طور طریقے اختیار کرنے لگیں۔ ایک روز ایسا ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے فوراً مجھے جواب دیا۔ اس کی یہ بات مجھے بری لگی تو اس نے کہا: اگر میں نے تمھاری بات کا جواب دیا ہے تو برا کیوں مناتے ہو؟ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی آپ کو جواب دیتی ہیں۔ ان میں سے کوئی کوئی ایسی بھی ہیں جو دن سے لے کر رات تک آپ سے بات چیت نہیں کرتیں۔

مجھے اس بات سے بہت گھبراہٹ ہوئی۔ میں نے دل میں کہا: ان میں سے جس نے ایسا کیا، وہ عظیم خسارے میں ہے۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور (اپنی بیٹی) سیدہ حفصہ ؓ کے پاس آیا اور اس سے کہا: حفصہ! کیا تم میں سے کوئی دن سے لے کر رات تک رسول اللہ ﷺ سے روٹھے رہتی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: وہ تو نامراد رہی اور خسارے میں پڑ گئی۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے تو تم تباہ ہو جاؤ؟ (دیکھو!) رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہ مانگو اور آپ کو جواب بھی نہ دیا کرو اور آپ سے خفا نہ ہوا کرو۔ جو ضرورت ہو، وہ مجھ سے لے لو۔ اور یہ بات بھی تمھیں دھوکے میں نہ رکھے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کی زیادہ چہیتی ہے۔ انھوں نے سیدہ عائشہ ؓ کو مراد لیا۔

سیدنا عمر ؓ نے کہا: ہم دونوں آپس میں اس طرح کی باتیں بھی کیا کرتے تھے کہ غسانی لوگ ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے گھوڑوں کی نعل بندی (جنگ کی تیاری) کر رہے ہیں۔ ہوا یوں کہ میرا ساتھی اپنی باری کے دن شہر گیا اور عشاء کے وقت لوٹا تو میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور کہا: کیا وہ یہاں (گھر میں) ہیں؟ میں نے یہ سنا تو بہت گھبرایا اور باہر نکلا تو اس نے کہا: ایک بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔ میں نے کہا: وہ کیا؟ کیا غسان کے لوگوں نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا واقعہ اور لمبی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا: حفصہ کی قسمت پھوٹ گئی۔ میں پہلے ہی خیال کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ میں نے اپنے کپڑے پہنے اور نماز فجر نبی ﷺ کے ہمراہ ادا کی۔

فراغت کے بعد آپ بالا خانے میں تشریف لے گئے اور وہاں تنہا بیٹھ گئے۔ میں سیدہ حفصہ کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ کیا میں نے تمھیں اس انجام سے آگاہ نہیں کیا تھا؟ کیا تمھیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

آپ ﷺ اس بالاخانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں باہر نکل کر مسجد میں منبر کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں بھی تھوڑی دیر کے لیے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر وہ پریشانی مجھ پر غالب آئی جو مجھے لاحق تھی۔ میں اس بالاخانے کی طرف گیا جہاں آپ تشریف فرما تھے۔ وہاں میں نے آپ کے سیاہ فام غلام سے کہا عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ وہ اندر گیا، اس نے نبی ﷺ سے بات کی، پھر باہر نکلا اور کہنے لگا: میں نے آپ ﷺ سے تمھارا ذکر کیا ہے لیکن آپ خاموش رہے، چنانچہ میں واپس آکر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر مجھے اس بات نے بے چین کر دیا جس کے لیے میں آیا تھا۔ میں دوبارہ غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ لیکن معاملہ پہلے کی طرح ہوا۔ میں پھر منبر کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر مجھے اس بات نے بے چین کر دیا جو میرے دل میں تھی۔ میں پھر غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ پھر معاملہ پہلے کی طرح ہوا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو غلام نے مجھے آواز دی اور کہا: تمھیں رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی ہے۔

یہ سن کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ کے جسم اور چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے اور کھجور کے پتوں کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں ہیں۔ آپ ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں جس میں کھجور کے پتوں کا بھراؤ ہے۔ میں نے سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے عرض کیا: آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: ''نہیں۔'' میں کھڑا کھڑا آپ کا موڈ بھانپ رہا تھا کہ کیسا ہے؟ میں نے دل بہلاوے کے طور پر کہا: اے اللہ کے رسول! ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ ہم قریشی لوگ اپنی عورتوں کو دباؤ میں رکھتے تھے اور جب ایسے لوگوں میں آئے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں، میرا اتنا کہنا تھا کہ نبی ﷺ مسکرائے۔ پھر میں نے عرض کیا: کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتے جب میں حفصہ ؓ کے پاس گیا اور میں نے اسے کہا: تمھیں یہ بات دھوکے میں نہ رکھے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ میں نے سیدہ عائشہ ؓ کو مراد لیا تھا۔ تب بھی آپ مسکرا دیے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو میں بیٹھ گیا۔

میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اللہ کی قسم! مجھے تین کچی کھالوں کے علاوہ وہاں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت پر وسعت کرے کیونکہ فارس اور روم کے لوگوں پر اللہ نے فراخی کی ہے اور انھیں خوب دنیا ملی، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس وقت آپ ﷺ

ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! ایسی باتیں کرتے ہو؟ کیا تمھیں شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو تمام لذتیں اسی دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمائیں۔

نبی ﷺ نے گوشہ تنہائی اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ سیدہ حفصہ نے سیدہ عائشہ سے ایک راز ظاہر کر دیا تھا اور اسی سلسلے میں آپ نے عہد کیا تھا: ''میں ان سے ایک مہینے تک ملاقات نہیں کروں گا۔'' پھر جب انتیس دن گزر گئے تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے از سر نو عائلی زندگی کا آغاز فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا: آپ نے تو ایک مہینے تک ہمارے پاس نہ آنے کی قسم اٹھائی تھی، ابھی تو انتیس دن ہی گزرے ہیں، میں انھیں شمار کرتی رہی ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔'' اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ ﷺ پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں اور تم پر کوئی حرج نہیں ہوگا اگر تم جلدی نہ کرو حتی کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔'' ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں جانتی ہوں کہ میرے والدین آپ کے فراق کا کبھی مشورہ نہیں دیں گے۔ پھر آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے۔۔۔۔۔ بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'' (الأحزاب [illegible]) میں نے عرض کیا: کیا میں اس کے متعلق اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت ہی کو پسند کرتی ہوں۔ پھر آپ نے اپنی سب بیویوں کو اختیار دیا تو سب نے وہی جواب دیا جو اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔[1]

مضبوط ترین روایات کی وجہ سے یہی سبب راجح معلوم ہوتا ہے کہ ایلاء کی وجہ ازواج مطہرات کا اضافی نفقہ طلب کرنا تھا۔

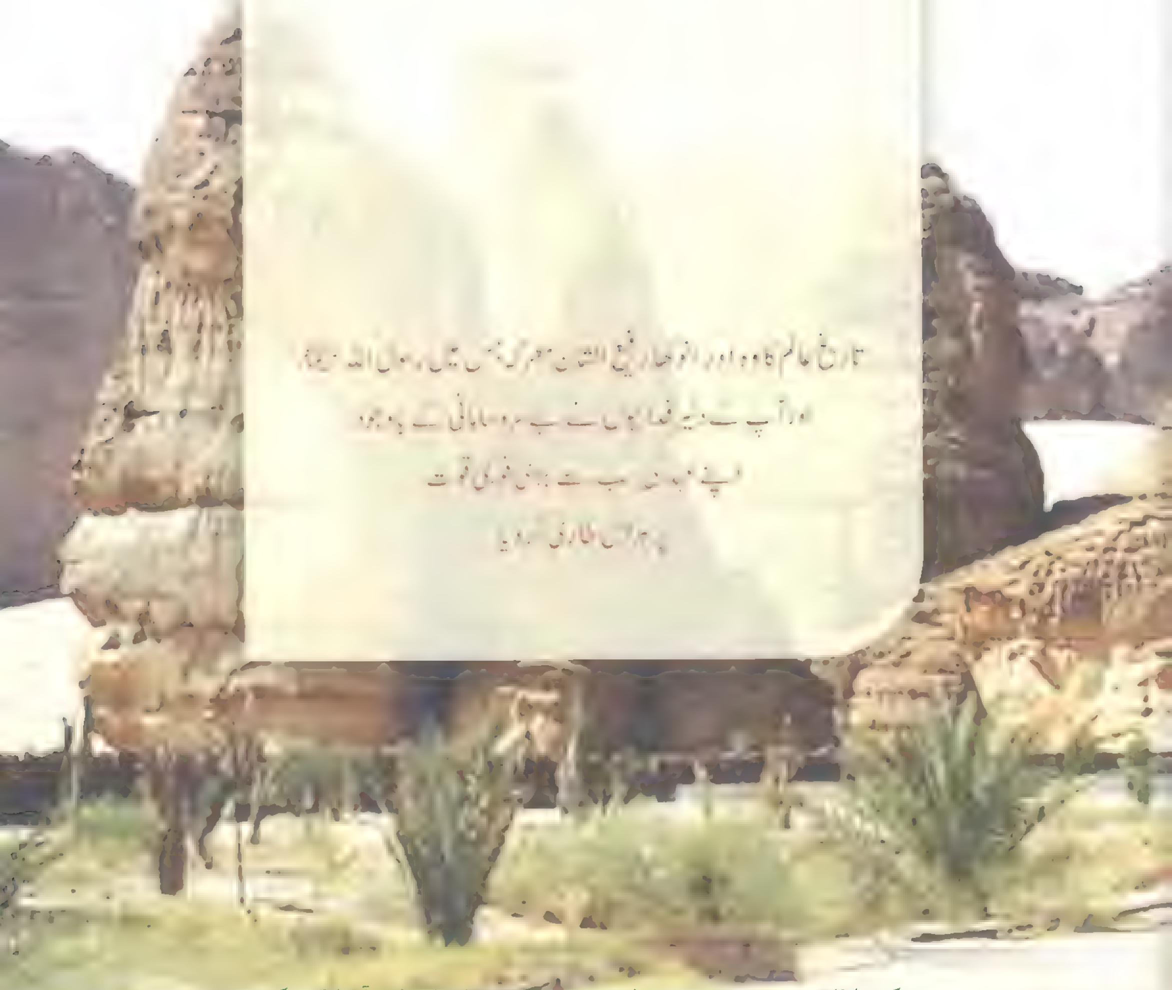
نجاشی کی وفات

9ھ میں غزوۂ تبوک سے قبل مسلمانوں کے عظیم خیر خواہ نجاشی وفات پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو وحی الٰہی کے ذریعے سے اسی دن اس سانحے کی اطلاع مل گئی اور آپ ﷺ نے اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجاشی کی وفات کی خبر دے دی۔ پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنازگاہ تشریف لے گئے اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔[2]

1 مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح البخاری: 2468، 4913، وصحیح مسلم: 1479، 3696، 1475، وصحیح البخاری: 3318، 837/8، 840. 2 تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 217/8، 223.

باب 5

غزوۂ تبوک



تاریخ عالم کا وہ [illegible] معرکہ جس میں رسول اللہ ﷺ
اور آپ نے [illegible] سب [illegible] لڑائی کے [illegible]
اپنے دور کی سب سے بڑی فوجی قوت
پر ہراس طاری کر دیا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا
قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم
بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ

’’اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟‘‘ [illegible]

اس باب میں

اب آپ غزوۂ تبوک کے حالات پڑھیں گے۔ یہ 9ھ میں ہوا۔ رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کا یہ آخری غزوہ ہے۔ تاریخ عالم اس عدیم النظیر واقعے پر ہمیشہ حیران رہے گی کہ اس غزوے سے صرف آٹھ سال پہلے جس دُرِ یتیم نے انتہائی بے مائیگی کی حالت میں مکہ سے نکل کر مدینہ کو ہجرت کی تھی، وہ اب اپنے عہد کی سب سے بڑی طاقت سلطنت روم پر یلغار کرنے جا رہا تھا۔ 30 ہزار مجاہدین اسلام ساتھ تھے۔ منزل دور تھی۔ مسافت لمبی، کڑی دھوپ اور شدید گرمی تھی۔ دور تک تپتا ہوا دشتِ حجاز تھا، راستہ سخت دشوار گزار تھا مگر محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے فدائی ہر دشواری سے منہ موڑ کر میدان کارزار کی طرف یہ ابدی سبق دیتے چلے جا رہے تھے کہ جب بھی کوئی طاغوتی طاقت اسلام اور مسلمانوں پر حملے کا ناپاک ارادہ کرے تو فوراً اُس کے گھر پہنچو اور اس فتنے کا سر کچل دو۔



صبر و عزیمت کا سفرِ تبوک

جمادی الاولیٰ 8 ہجری میں رونما ہونے والے سریہ موتہ کا نتیجہ رومی سلطنت کے حق میں کسی بھی طرح اچھا نہیں تھا۔ صرف تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومیوں کو دبانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی، اس کا شام کے پڑوسی عربی قبائل پر بڑا زبردست اثر پڑا تھا۔ رومیوں کو اپنی شہرت خراب ہوتی اور ساکھ گرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انھیں اپنی فوجی قوت پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنی طاقت کے نشے میں چور تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انھیں مسلمانوں کی طرف سے اپنی سلطنت کے بارے میں طرح طرح کے خطرے لاحق ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ماتحت قبائل کے ساتھ مل کر بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ہم رومیوں کو مدینہ آنے کی جرأت ہی نہیں کرنے دیں گے اور خود ہی ان کے علاقے میں جا کر ان سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ اس پس منظر میں غزوۂ تبوک رونما ہوا۔ آیئے تفصیل کے ساتھ اس غزوے پر روشنی ڈالتے ہیں۔

تبوک اور اس کا محلِ وقوع

علامہ یاقوت حموی فرماتے ہیں کہ تبوک وادی قریٰ اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے۔ ابوزید بلخی فرماتے ہیں کہ تبوک حجر اور شام کے درمیان واقع ہے۔ یہ حجر سے تقریباً 120 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ایک قلعہ ہے جس میں ایک چشمہ اور باغ ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور اصحاب الأیکہ کا مسکن تبوک تھا۔ ان کی طرف شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، وہ مدین کے باشندے تھے جو بحر قلزم کے ساحل پر تبوک سے تقریباً 180 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ تبوک دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ اس کے مشرق میں جبل شرورٰی اور مغرب میں جبل حسمٰی ہے۔[1]



[1] معجم البلدان: 14/2.

شہر تبوک سعودی عرب کے صوبے تبوک کا صدر مقام ہے اور سعودی عرب کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ شمالی حجاز کا مرکزی شہر ہے جو مدینہ منورہ سے 690 کلومیٹر دور ہے۔ 1312ھ میں اس شہر سے ریلوے بھی گزرتی تھی۔ خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کے دوران میں یہ ریلوے لائن تباہ کر دی گئی۔ تاحال دوبارہ تعمیر نہیں ہو سکی۔ تبوک سطح سمندر سے 2543 فٹ بلندی پر اور عالمی نقشے پر 36 درجے 32 دقیقے طول بلد اور 28 درجے 27 دقیقے عرض بلد پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں معان (اردن) شہر ہے جو اس سے 238 کلومیٹر شمال میں ہے۔ اس کے گردونواح میں بنوعطیہ آباد ہیں۔[1]

تبوک سمیت پورے خطے کا موسم گرمیوں میں متوسط گرم اور سردیوں میں شدید سرد ہوتا ہے۔ گرمیوں میں درجہ حرارت 27 سے 46 سینٹی گریڈ جبکہ سردیوں میں 4 سے 18 سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ نومبر سے مارچ تک کے عرصے میں بارشیں ہوتی ہیں جن کی بدولت سبزہ بہت ہوتا ہے اور بلند و بالا پہاڑ سرسبز درختوں سے ڈھک جاتے ہیں۔ سردیوں میں برف پڑتی ہے، اس طرح پہاڑ سفید چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ یہ بڑا دلکش منظر ہوتا ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگ دور دراز سے تبوک آتے ہیں۔

تبوک کی زمین اور موسم زرعی پیداوار کے لیے نہایت موزوں ہے۔ یہاں طرح طرح کی سبزیاں، پھل اور خاص طور پر گندم کاشت کی جا رہی ہے۔ یوں یہاں سالانہ ایک لاکھ ٹن گندم پیدا ہوتی ہے۔ اس صوبے میں بکریاں اور گائے پالنے کے لیے فارم بھی بنائے گئے ہیں جو ملکی سطح پر گوشت کی ضروریات پوری کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ حکومت نے تبوک کی زرعی پیداوار کو ملک کے دوسرے حصوں تک پہنچانے کے لیے یہاں پیکنگ کے کارخانے قائم کیے ہیں۔ اس طرح تبوک سے پھل، سبزیاں، اناج اور چارہ دیگر علاقوں کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ تبوک میں مختلف قسم کے پھول بھی کاشت کیے جاتے ہیں جنھیں لبنان اور خلیج عربی کے ممالک کو برآمد کر کے کثیر زرمبادلہ کمایا جا رہا ہے۔ اس صوبے میں سیمنٹ، لوہے اور گاڑیوں کے پرزے تیار کرنے کے متعدد کارخانے بھی قائم ہو چکے ہیں۔ 1420ھ کی مردم شماری کے مطابق تبوک کی آبادی 7,50,000 افراد پر مشتمل تھی۔ 2013ء میں یہ تعداد آٹھ لاکھ نوے ہزار افراد تک پہنچ گئی۔

بیروت (لبنان) میں ایک مسجد کا خوبصورت منظر



1 معجم المعالم الجغرافية، ص: 60,59.

تبوک کی جامع مسجد، تاریخی قلعہ اور قدیم ریلوے سٹیشن قابل دید ہیں۔ تبوک اس وقت سعودی عرب کا بہت پرکشش سیاحتی، تجارتی، صنعتی اور زرعی صوبہ ہے۔

اس کی تاریخ پانچ سو سال قبل از مسیح بیان کی جاتی ہے۔ اس شہر سے ملنے والے آثار قدیمہ سے اس کا پرانا نام تابو یا تابوا معلوم ہوا ہے۔ دعوت اسلام کے آغاز سے قبل یہاں قوم ثمود، آرامی اور نبطی قبائل آباد تھے۔ یہاں حضر موت کے عربی قبائل قضاعہ اور بنوکلب کی کئی شاخیں بھی آباد تھیں۔[1]

شمالی قبائل کی تاریخ

جزیرہ نمائے عرب کا شمال مغربی علاقہ مشہور تاریخی اور جنگجو قبائل کا مسکن رہا ہے۔ یہ تمام قبائل درج ذیل دو بڑے قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے:

1. **قضاعہ:** یہ لوگ حضر موت سے ترک وطن کر کے شام کے جنوب میں آ بسے تھے۔ انھوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان کی مختلف شاخوں میں سے بلی، عذرہ اور بہراء قابل ذکر ہیں۔
2. **بنوکلب:** ان کا تعلق کندہ سے تھا۔ یہ بھی حضر موت سے نقل مکانی کر کے جزیرہ عرب کے شمالی علاقے میں آ بسے۔ پھر انھوں نے دومۃ الجندل میں مشہور و معروف بادشاہت قائم کی۔ دومۃ الجندل کا موجودہ نام الجوف ہے۔ حضر موت سے آتے ہوئے یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے۔ لیکن یہاں آنے کے بعد یہ شام کے بازنطینی عیسائی بادشاہوں سے متاثر ہو کر عیسائی ہو گئے۔ اس لحاظ سے دعوت اسلام کے آغاز کے وقت شمال کے اکثر قبائل عیسائی ہی تھے۔

قضاعہ تبوک کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے تھے حتی کہ یہی لوگ مغربی بحر احمر کے ساحل تک چلے گئے تھے جبکہ بنوکلب نے تبوک کے مشرق سے شمال تک کے علاقے میں اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔

1 وکی پیڈیا


حضر موت کی وادی


دومۃ الجندل

یہ دونوں قبیلے مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتے تھے اور اپنی عددی اور حربی طاقت کی بنا پر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے رومی دوست بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ انھیں آئے دن مسلمانوں کی فتوحات اور کامرانیوں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ چنانچہ وہ ہر آن خوفزدہ رہتے تھے مبادا مسلمان ان کی شان و شوکت اور بادشاہت چھین لیں۔ انھیں اپنی سلطنت ہر وقت خطرے میں محسوس ہونے لگی۔ اس لیے وہ مدینہ منورہ پر پیشگی حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔

مسلمان اپنے سالار اعلیٰ کی قیادت میں عرب قبائل سے نبرد آزما تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان عیسائی قبائل کی سازشوں اور تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے اور ہر لمحے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھے۔ ایک طرف ان حضری قبائل کو اپنی بادشاہت چھن جانے کا غم بے چین کر رہا تھا تو دوسری طرف رومی بازنطینی بادشاہ کو بھی اسلامی قوت کا خطرہ اپنی حدود پر منڈلاتا نظر آ رہا تھا۔ اس صورتحال کے باعث ان دونوں گروہوں کو اپنی اپنی حکومت اور سلطنت کی فکر دامن گیر ہوگئی اور وہ اپنے مشترکہ حریف کے خلاف جدوجہد کی منصوبہ بندی میں مصروف ہوگئے۔[1]

تبوک کی وجہ تسمیہ

تبوک کو تبوک کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں مؤرخین کی متعدد آراء ہیں، البتہ یہ بات طے شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ علاقہ اسی نام سے معروف تھا۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إنكم ستأتون غدا إن شاء الله عين تبوك وإنكم لن تأتوها حتى يضحي النهار فمن جاءها منكم فلا يمس من مائها شيئا حتى آتي»

"یقیناً تم کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، ان شاء اللہ۔ تم چاشت کے وقت وہاں پہنچو گے۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہنچ جائے، وہ میرے آنے تک چشمے سے پانی لینے کی کوشش نہ کرے۔"[2]

اس فرمان نبوی سے معلوم ہوا کہ اس علاقے کا نام تبوک ہی تھا۔

علامہ یاقوت حموی نے اسے عربی کلمہ بَاكَ يَبُوكُ سے مشتق قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو منع فرمایا تھا کہ جو شخص چشمے پر پہنچ جائے، وہ میرے آنے کا انتظار کرے اور چشمے سے پانی لینے کی کوشش نہ کرے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے دو افراد وہاں پہنچے تو دیکھا کہ چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکل رہا

[1] [illegible] 1773-1771/2 [2] صحیح مسلم، 706(5947)

تھے۔ انھوں نے پانی کی مقدار بڑھانے اور چشمے کو موجزن کرنے کے لیے تیر سے اس کی کھدائی کی مگر یہ کوشش بے سود رہی۔ اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچ گئے۔ آپ نے ان دونوں افراد کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے بڑی شدت سے ڈانٹا اور فرمایا: [illegible] ''تم صبح ہی سے اسے تیز کرنے کے لیے کھدائی کر رہے ہو۔''

اس طرح آپ کے فرمائے ہوئے الفاظ ''تَبُوكَانِهَا'' سے اس چشمے کا نام تبوک پڑ گیا۔

اَلْبُوك کے معنی ہیں: کسی چیز میں ہاتھ ڈال کر اسے ہلانا۔

باك يَبُوك کے معنی ہیں: چشمے کے پانی کو ہلانا، کسی چیز کو کھودنا۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں: اسی مناسبت سے اس چشمے کا نام تبوک پڑ گیا۔

کتب تاریخ میں یہ علاقہ غزوۂ تبوک، چشمۂ تبوک اور مسجد تبوک کی وجہ سے شہرت دوام حاصل کر چکا ہے۔ اس مسجد کو مسجد توبہ بھی کہتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے آرائشی پتھروں سے تعمیر کرایا تھا۔ غزوۂ تبوک کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں کا سرحدی ہیڈ کوارٹر بن گیا۔[1]

غزوۂ تبوک کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین و طائف سے واپس تشریف لائے تو رجب 9 ھ تک تقریباً چھ ماہ مدینہ منورہ ہی میں تشریف فرما رہے۔ پھر آپ ماہ رجب 9 ھ میں بروز جمعرات غزوۂ تبوک کے لیے نکلے۔ عادت مبارک یہ تھی کہ اگر کوئی مانع نہ ہوتا تو آپ جمعرات کے دن سفر پر روانہ ہونا پسند فرماتے تھے۔ اس لیے آپ غزوۂ تبوک کے لیے بھی جمعرات ہی کے دن روانہ ہوئے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ

''نبی ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن نکلے۔ اور آپ ﷺ جمعرات کے روز سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔''[2]

غزوے کے دیگر نام

غزوۂ تبوک کے متعدد نام ہیں:

1. غزوۂ تبوک: اس علاقے میں موجود پانی کے ایک چشمے کا نام تبوک تھا، اس لیے اس غزوے کا نام بھی غزوۂ تبوک

---

[1] معجم البلدان 2/14، 15، فتح الباري 8/139، وکی پیڈیا [2] صحیح البخاري 2950

پڑ گیا۔

غزوۃ العسرہ: یہ غزوہ انتہائی کٹھن حالات میں ہوا۔ مسلمانوں کے پاس لباس، خوراک، اسلحہ، سواریاں غرض ہر چیز کی شدید قلت تھی۔ موسم شدید گرم اور جنگ کے لیے یکسر ناسازگار تھا۔ کھجوریں بھی پکی ہوئی تھیں۔ اس سب کچھ کے باوجود اہل ایمان کسی تنگی اور دشواری کو خاطر میں نہ لائے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ یہ غزوہ، غزوۂ عسرہ، یعنی تنگی اور شدت والے غزوے کے نام سے معروف ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس غزوے میں شرکت کرنے والوں کو اپنی خصوصی مہربانی سے نوازا۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

”یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، اس کے بعد جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

اس ارشاد عالی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے شدید تنگی کی حالت اور سخت گرم موسم میں فرمانبرداری کرنے والوں کو اپنی نصرت و رحمت سے سرفراز فرمایا۔ محدثین کے سرخیل امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب صحیح بخاری میں اس غزوے کے تعارف اور تفصیلات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

بَابُ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ

”غزوۂ تبوک کا بیان، اور اسی کو غزوۂ عسرت (تنگی کا غزوہ) بھی کہتے ہیں۔“

علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ اس غزوے کی تفصیلات ان کلمات سے شروع کرتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ یہ سخت تنگ حالی کے دن تھے۔ قحط سالی، شدید گرمی اور پھلوں کے پکنے کا موسم تھا۔ ان حالات میں لوگ درختوں کی چھاؤں میں آرام کرنے کے آرزومند تھے اور گھروں سے نکلنا بہت دشوار تھا۔ معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ غزوات کے لیے روانہ ہوتے وقت صحابہ کو اپنی منزل سے آگاہ نہیں کرتے تھے بلکہ اشارے کنائے سے منزل مقصود کی نشاندہی فرما دیتے تھے تاکہ اسلامی لشکر کی نقل و حرکت دشمن سے پوشیدہ رہے۔ لیکن غزوۂ تبوک

[1] التوبة 9:117.

کے موقع پر آپ نے بڑی وضاحت سے صاف صاف بتا دیا کہ ہم رومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ نے یہ وضاحت اس لیے کی کہ لوگ طویل اور پر مشقت سفر کے لیے مناسب تیاری کر لیں کیونکہ ان کا مقابلہ بہت بڑے دشمن سے تھا۔ سفر بہت دشوار اور موسم سخت ناساز گار تھا۔‘‘[1]

غزوۂ عسرت میں مسلمانوں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ مسلمانوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کے معدوں سے پانی نکال کر استعمال کیا۔ پھر معجزۂ نبوی سے پانی کی قلت دور ہوئی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ غزوۂ عسرت کے بارے میں رقم طراز ہیں: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ میں ’’تنگی کی گھڑی‘‘ سے مراد کوئی مخصوص وقت نہیں بلکہ یہ سارا غزوہ ہی شدید تنگی کی حالت میں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ’’تنگ گھڑی‘‘ سے مراد وہ گھڑی ہے جس کا سامنا اس غزوے میں مجاہدین اسلام کو کرنا پڑا۔ ’’عسرت‘‘ سے مراد معاملات کی سختی ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسلامی لشکر کو تین طرح کے سخت حالات کا سامنا تھا: سواریاں کم تھیں، زاد راہ تھوڑا تھا اور پانی کی شدید قلت تھی۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو بڑے مشکل حالات کا سامنا تھا۔ ایک اونٹ پر کئی کئی صحابہ باری باری سواری کرتے تھے۔ کیڑا لگی ہوئی کھجوریں، بدذائقہ جو اور باسی چربی ان کا زاد راہ تھا۔ مٹھی بھر کھجوریں کئی کئی افراد میں تقسیم ہوتی تھیں۔ جب بھوک کی شدت ستاتی تو ایک شخص کھجور کو چوستا، جب اس کا ذائقہ آنا شروع ہوتا تو دوسرے ساتھی کو دے دیتا۔ وہ بھی اسے چوس کر آگے بڑھا دیتا اور پانی کا گھونٹ پی کر گزارہ کرتا۔ اس طرح وہ ساری جماعت باری باری کھجور چوس کر سفر جاری رکھتی حتی کہ کھجوریں ختم ہو گئیں اور صرف گٹھلیاں باقی رہ گئیں۔ لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے سچے ایمان اور پختہ یقین کی بدولت رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں محو سفر رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم شدید گرمی میں (غزوۂ تبوک کے لیے) نکلے۔ دوران سفر ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ہمیں سخت پیاس کے مارے زندگی ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ حتی کہ ایک آدمی اپنا اونٹ نحر کرتا، پھر اس کے معدے کو نچوڑ کر پانی حاصل کرتا اور اسے پی کر گزارہ کرتا۔ جو باقی بچ جاتا اسے اپنے جسم پر ڈال لیتا۔[2]

غزوۂ فاضحہ: اس غزوے میں منافقین کی سازشوں کا پردہ چاک اور ان کے مکروہ ارادوں اور کردار کو پوری طرح بے نقاب کر دیا گیا۔ ان کے برے کردار، ناپاک منصوبے اور کفر و نفاق کو سورۂ توبہ میں بڑے واضح انداز میں

[1] السيرة لابن إسحاق 595/2، الطبقات لابن سعد 165/2، زاد المعاد 526/3، صحيح البخاري 4415، السيرة لابن هشام 159/4، فتح الباري 138/8 [2] تفسير القرطبي، التوبة 9: 117، صحيح ابن خزيمة 101

بیان کر دیا گیا۔ اس لحاظ سے سورۂ توبہ کو سورۂ فاضحہ اور اس غزوے کو جس میں سورۂ توبہ نازل ہوئی، غزوۂ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ غزوہ جس میں منافقین ذلیل و رسوا ہو کر نامراد ہوئے۔[1]

سببِ غزوہ

مؤرخین نے غزوۂ تبوک کے ایک سے زیادہ اسباب بیان کیے ہیں۔ آئیے ان اسباب و وجوہ کا مطالعہ کریں:

1 علامہ ابن سعد اور ان کے استاد علامہ واقدی فرماتے ہیں: انباط ملک شام سے آٹا، میدہ اور تیل لے کر تجارت کے لیے مدینہ منورہ آتے تھے۔ ان کی یہ تجارت زمانہ جاہلیت سے جاری تھی اور دعوت اسلام کے آغاز کے بعد بھی جاری رہی۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ذریعے شام اور رومیوں کی تازہ بتازہ خبریں ملتی رہتی تھیں کیونکہ ان کے تجارتی قافلے بکثرت آتے جاتے تھے۔ مسلمان ان عیسائی عربوں کی تعداد اور قوت سے چوکنے رہا کرتے تھے۔ ان سے ملنے والی خبریں بغور سنتے اور حالات حاضرہ کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ایک روز ایک شامی قافلہ آیا اس نے بتایا کہ رومیوں نے شام کے علاقے میں بہت بڑی فوج جمع کر لی ہے۔ ہرقل نے انھیں سال بھر کا راشن بھی دے دیا ہے اور ان کی افرادی قوت میں اضافے کے لیے لخم، جذام، غسان اور عاملہ کو بھی اکٹھا کر لیا ہے۔ ان کا ہراول دستہ بلقاء تک آ پہنچا ہے ــــ جبکہ فی الحقیقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ انھیں محض یہ افواہ اڑانے کا کہا گیا تھا۔ سو انھوں نے مدینہ پہنچ کر یہ افواہ اڑا دی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمانوں میں اعلان کرا دیا کہ رومیوں کے ساتھ جنگ کی تیاری کر لو۔

2 امام طبرانی نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ عرب عیسائیوں نے ہرقل کو خط لکھا کہ عربوں

1 المواهب اللدنية :66/4

بلقاء (اردن) کا علاقہ



کا یہ مدعی نبوت شخص (محمد ﷺ) فوت ہو گیا ہے۔ قحط سالی کی وجہ سے ان کے مال مویشی ہلاک ہو گئے ہیں (اب ان پر حملہ آور ہونے اور عیسائیت کو غالب کرنے کا یہ نہایت سازگار موقع ہے)۔ لہٰذا ہرقل نے اپنے ایک فوجی جرنیل کو چالیس ہزار فوجیوں کے لشکر کے ساتھ بھیجا۔ اس جرنیل کا نام قباذ یا الصنادتھا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے بھی عرب قبائل کو مجاہدین جمع کرنے کا حکم دے دیا۔[1]

3 امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبدالرحمن بن غنم سے روایت بیان کی ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اگر آپ سچے نبی ہیں تو شام چلے جائیں جو ارض محشر اور انبیائے کرام کا علاقہ ہے۔ ان کی اس بات پر آپ ﷺ نے شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جب آپ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل فرمادیں:

﴿ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ﴾ (بنی اسرائیل 17:76)

"اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ آپ کو اس سرزمین (مکہ) سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔"[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس روایت کی سند مرسل ہونے کے باوجود حسن ہے۔[3] لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ درج بالا سبب نہایت کمزور ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آپ اس کے نزول کے بعد مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ لہٰذا یہود سے بات چیت کی بنا پر آپ کے اس غزوے کے لیے نکلنے کا واقعہ درست نہیں۔[4]

4 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب و جوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔"[5]

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے قریبی کافروں سے جہاد کریں تاکہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلسل جدوجہد شروع کی اور بہت جلد جزیرہ نمائے عرب کو مشرکوں سے پاک کر دیا۔ آپ ﷺ جب مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر اور حضر موت کے علاقوں کو زیر کر چکے تو پھر آپ ﷺ نے اہل کتاب سے جہاد شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے

1 المعجم الكبير للطبراني 143/13، رقم 14981 2 دلائل النبوة للبيهقي 254/5 3 فتح الباري 139/8، شرح الزرقاني على المواهب 69،68/4 4 تفسير ابن كثير، بني إسرائيل 17:76 5 التوبة 9:123

جزیرہ نمائے عرب کے قریب ترین عیسائیوں کے ساتھ مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ ﷺ نے رومیوں کو دعوت اسلام دینے کا ارادہ کیا۔ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے وہ اس دعوت کے زیادہ حقدار تھے، چنانچہ آپ تبوک تک گئے۔ لیکن یہ خشک سالی، قحط اور بڑی تنگ دستی کا وقت تھا، اس لیے آپ (کافروں پر رعب طاری کرنے کے بعد) واپس آگئے۔[1]

مذکورہ بالا اسباب میں سے آخری سبب ہی زیادہ مؤثر و مضبوط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں دنیا کی سپر پاور روم سے مقابلے کے لیے تبوک کا سفر کیا۔ سخت ناسازگار حالات میں آپ نے اسلامی سپاہ کو جہاد کی بہترین عملی تربیت دی اور انھیں آنے والے وقتوں میں دنیا کی ہر بڑی طاقت سے ٹکرا جانے کا عملی سبق دیا۔ اگرچہ اس سفر میں رومیوں سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی لیکن رومیوں کو ان کے علاقے میں جا کر للکارنے سے ان پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور وہ فوری طور پر سامنے آنے سے ہچکچانے لگے۔ مسلمان لشکر دشمن کو خوفزدہ کرنے کے بعد بخیر و خوبی واپس آ گیا۔ مسلمانوں نے اپنے سالار اعلیٰ ﷺ سے جو عملی تربیت لی، وہ نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔ مجاہدین اسلام نے آئندہ چند برسوں میں اس مبارک تربیت کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے رومی اور ایرانی سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ان کے وسیع و عریض بھاری خزانے مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنے اور ان کی ٹڈی دل فوجیں مسلمانوں کی تلواروں کی پیاس بجھانے کے کام آئیں۔

مدینہ منورہ میں طبل جنگ بج اٹھا

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط سالی کے ساتھ ساتھ شدید گرمی کا موسم تھا، پھل پک چکے تھے۔ کاشتکاری کرنے والے صحابۂ کرام اپنی اپنی فصل سمیٹنے کی فکر میں تھے۔ بہت سے حضرات گرمی سے بچنے کے لیے سایہ دار درختوں کی جستجو میں تھے۔ اس وقت مالی لحاظ سے بھی بڑی تنگی کا سامنا تھا۔ ان داخلی حالات کے ساتھ ساتھ بیرونی طور پر رومیوں کے باجگزار بنو غسان کے حملے کا خطرہ بھی ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا اور یہ دونوں طاقتیں مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاری کر رہی تھیں۔ غسانی حملے کا خدشہ کس قدر خوفناک تھا؟ اس کا اندازہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

سیدنا عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ ایک غسانی بادشاہ نے ہمارے ساتھ جنگ کے لیے اپنے گھوڑوں کو نعل لگوا لیے ہیں۔[2]

دوسری روایت میں ہے: ہم ایک غسانی بادشاہ سے خوفزدہ تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے کی تیاری کر

[1] تفسیر ابن کثیر و تفسیر الطبري، التوبة 9:123. [2] صحیح البخاري: 2468.

رہا ہے۔ اس فضا میں ہمارے سینے خوف سے بھر گئے تھے۔[1]

تیسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اردگرد کے کافروں کو تابع فرمان کر چکے تھے، صرف شام کا غسانی بادشاہ باقی بچا تھا۔ ہمیں ڈر تھا مبادا وہ ہم پر حملہ کر دے۔[2]

مسند طیالسی کی روایت میں ہے کہ غسانی بادشاہ کے حملے کے امکان سے بڑھ کر کوئی شخص ہمارے لیے خطرناک نہیں تھا۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا انصاری پڑوسی باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن میں حاضر ہوتا تو شام تک کی روداد اسے رات کو بتا دیتا۔ جب اس کی باری ہوتی تو وہ دن بھر کی سرگزشت رات کو مجھے سنا دیتا۔ ایک روز وہ عشاء کے بعد آیا، اس نے زور زور سے میرے گھر کا دروازہ پیٹا اور چلایا، دروازہ کھولو، دروازہ کھولو۔ میں تیزی سے باہر نکلا تو وہ بولا: آج ایک بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا بات ہوگئی ہے؟ کیا غسانی بادشاہ نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آج اس سے بھی بڑھ کر ہولناک حادثہ ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔[4]

ان تمام ناسازگار اور کٹھن حالات کے باوجود جب آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک کا اعلان فرمایا تو مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے تیاری شروع کر دی۔ آپ نے اس مہم میں ہر اس شخص کی شرکت لازمی قرار دے دی جو صحت مند ہو اور اس کے پاس سواری موجود ہو۔ شرعاً معذور اور سفری وسائل سے محروم افراد کو غزوے سے رخصت کی اجازت تھی۔ باقی تمام لوگوں کو مناسب تیاری کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دشمن کا لشکر بہت بڑا اور نہایت طاقتور تھا۔ سفر بہت طویل تھا، موسم کی حدت اور شدت عروج پر تھی اور تنگ حالی کی وجہ سے بھی طرح طرح کے مسائل سر اٹھا رہے تھے، اس لیے آپ نے خلاف معمول صاف صاف بتا دیا کہ ہماری منزل تبوک ہے اور ہمیں رومی عیسائیوں سے مقابلہ درپیش ہے، لہٰذا ہر مجاہد بھرپور تیاری کر لے۔ آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو حکم دینے کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ سے باہر کے مسلمان قبائل کو بھی حکم دیا کہ وہ غزوے میں شرکت کریں۔ آپ نے انھیں جنگ میں شرکت کی اطلاع دینے کے لیے اپنے سفیر بھیجے۔ مزید برآں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو بھی غزوے میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف اطراف میں روانہ کیا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

---

[1] صحیح البخاري: 4913. [2] صحیح البخاري: 5843. [3] مسند الطیالسي: 23. [4] صحیح البخاري: 5191، وصحیح مسلم: 1497، فتح الباري: 9/353.

نمبر شمار	سفیر	قبیلہ
1	سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	بنو اسلم
2	سیدنا ابورہم الغفاری رضی اللہ عنہ	بنو غفار
3	سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ	بنو لیث
4	سیدنا ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ	بنو ضمرہ
5	سیدنا رافع بن مکیث اور جندب بن مکیث رضی اللہ عنہما	بنو جہینہ
6	سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	بنو اشجع
7	سیدنا بدیل بن ورقاء، سیدنا عمرو بن سالم اور سیدنا بشر بن سفیان رضی اللہ عنہم	بنو خزاعہ
8	سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ	بنو سلیم

اہل مکہ کی طرف کون سے سفیر گئے تھے؟ ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجاہدین بہت بڑی تعداد میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہرچند منافقین دن رات مسلمانوں کو رومی افواج سے خوفزدہ کرنے اور ان کے حوصلے پست کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف تھے تاہم مسلمانوں کا زبردست جذبۂ جہاد اور جوش و خروش قابل دید تھا جس کے ایمان پرور مناظر آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ کے حکم پر تقریباً تیس ہزار مجاہدوں نے لبیک کہا جو مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے۔

مخیر صحابہ کرام کا قابل تعریف جذبہ

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ابھی فوج کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوئی مخصوص اور مستقل ادارہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ بیت المال میں بھی اتنی رقم موجود نہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر کے لیے وسائل سفر و جنگ مہیا کیے جا سکیں جبکہ یہ سال تنگ دستی کا تھا۔ ایسے وقت میں رسول اللہ ﷺ نے مالدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نفلی صدقات جمع کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے اس اعلان پر مخیر صحابہ کرام نے مادی وسائل کے ڈھیر لگا دیے۔ ہر شخص اپنی عقیدت و محبت کا اظہار و اعلان کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت و الفت اور جذبۂ ایثار و قربانی میں ہر فرد دوسرے سے سبقت لے جانے کی دھن میں لگ گیا۔ مقابلہ بازی شروع ہو گئی۔ یہاں یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ اگر اہل توکل و استغنا پورے خلوص اور ایمان کے ساتھ نیکی کے کاموں میں مسابقت کریں تو یہ امر شرعاً نہایت پسندیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾

''اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو خوشی اور تنگی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

غزوۂ تبوک کو مؤخر نہ کرنے کا سبب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس غزوے کو نامساعد حالات اور موسمی حدت و شدت کی بنا پر ملتوی نہیں کیا جا سکتا تھا؟ اگر مالدار صحابہ کرام کی بے مثال قربانی نہ ہوتی تو اس لشکر کا روانہ ہونا یقیناً ناممکن تھا، پھر اس غزوے کو مؤخر کیوں نہ کیا گیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس غزوے کو مؤخر کرنے کے نتیجے میں کئی مفاسد پیش آسکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے رومی افواج کی تیاری اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کے ارادے سنے تو آپ ﷺ نے فوری طور پر دشمن کے گھر جا کر اس فتنے کو کچل دینے کا اعلان فرمایا۔ اس سے اہل ایمان کو اپنے عقیدے، ایمان و یقین، جذبہ سرفروشی، محبت و عقیدت اور رضائے الٰہی کے لیے اپنے شوق کے اظہار کا بہترین موقع ملا۔ شامی حدود پر عیسائیت کے منڈلاتے ہوئے خطرے کا تقاضا تھا کہ اس کے سدباب کی طرف فوری توجہ دی جائے۔ دشمن کا رعب اور خوف ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے اور مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو بے مثال قوت بہم پہنچائی جائے۔ لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کی بنا پر فوری حملے کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمانوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ آپ ﷺ پر نچھاور کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں بے مثال کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی

آئیے اب رسول اللہ ﷺ کے اعلان پر لبیک کہتے ہوئے اپنے اموال قربان کرنے والے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داستان عالی شان ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جن کے بے پایاں احسانات سے امت مسلمہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ آپ نے ہمیشہ ہر موقع پر اسلام اور مسلمانوں کی بہترین خدمات کے لیے اپنا مال بے دریغ لٹایا۔ زندگی بھر آپ کی

[1] آل عمران 3:133، 134.

بے مثال قربانیوں کا اعتراف خود تاجدار مدینہ ﷺ نے کیا اور فرمایا:

«ما لأحد عندنا يد إلا وقد كافيناه ما خلا أبا بكر، فإن له عندنا يدا يكافئه الله بها يوم القيامة، وما نفعني مال أحد قط ما نفعني مال أبي بكر، ولو كنت متخذا خليلا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ»

''جس شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا، ہم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا، سوائے ابوبکر کے۔ بلاشبہ اس نے ہم پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا نفع نہیں دیا، جتنا نفع ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل (گہرا دلی دوست) بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ خبردار! تمھارا نبی اللہ کا خلیل ہے۔''[1]

آپ کے یہ محبت بھرے کلمات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہوگئے اور کہنے لگے:

هَلْ أَنَا وَمَالِي إِلَّا لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

''اے اللہ کے رسول! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔''[2]

ان فضائل و مناقب کے حامل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھلا غزوۂ تبوک کے موقع پر کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ انھوں نے جونہی اپنے محبوب قائد فخر انسانیت محمد ﷺ کا یہ اعلان سنا کہ مجاہدین اسلام کو تیاری کے لیے مالی امداد کی ضرورت ہے، وہ سب سے پہلے حاضر خدمت ہوئے اور اپنی کل جمع پونجی چار ہزار درہم کی خطیر رقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔[3]

عمر رضی اللہ عنہ کی دیرینہ آرزو

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلی تمنا تھی کہ کبھی وہ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل کر سکیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر میرے پاس اتنا مال موجود تھا کہ مجھے خیال ہوا آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا۔ لہٰذا میں فوراً اپنا آدھا مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور آدھا مال گھریلو ضروریات کے لیے اہل خانہ کے حوالے کر آیا۔ میں نے سوچا کہ آج ابوبکر سے جیتنے کا سنہری موقع ہے۔ اگر آج بھی نہ جیت سکا تو پھر کبھی نہ جیت سکوں گا۔ چنانچہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو پہلے

[1] جامع الترمذي:3661. [2] سنن ابن ماجه:94. [3] المغازي للواقدي:2/380.

ہی اپنا حصہ پیش کر چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟'' میں نے عرض کی: اتنا ہی مال ان کے لیے بھی چھوڑ آیا ہوں جتنا آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا:

«ما أبقيت لأهلك؟»

''تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: أبقيت لهم الله ورسوله ''میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ کی محبت و الفت) کو چھوڑ کر آیا ہوں۔''

یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: لا أسابقك إلى شيء أبدا ''میں آج کے بعد کسی معاملے میں آپ سے مقابلہ نہیں کروں گا۔''[1]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی دریادلی پر بشارت نبوی

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مالدار تاجر تھے۔ ہر موقع پر اپنی دولت اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے پیش کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے لیے پانی کا بندوبست کرنا ہو یا مسجد نبوی کی توسیع، خیر و خوبی کے سب کاموں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خدمات پیش کرنے میں آگے آگے ہوتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بھاری عطیے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان کے لیے جنت کی ضمانت و بشارت کا اعلان ہوگیا۔

علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اتنی عظیم رقم خرچ کی کہ کوئی اور صحابی اتنی رقم خرچ نہ کرسکا۔[2]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کتنی بڑی رقم خرچ کی اور انھیں کیسی عظیم الشان بشارت نصیب ہوئی؟ آئیے اس سلسلے میں چند ایمان افروز احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

سیدنا عبدالرحمان بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ نے جب جیش عسرت کی تیاری کی ترغیب دی تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ایک سو اونٹ ان کے پالان اور گدوں سمیت پیش کرتا ہوں۔ آپ ﷺ

[1] سنن أبي داود، 16/8 [2] السيرة لابن هشام: 597/2

نے دوبارہ اعلان کیا کہ لشکر کو مزید سواریوں کی ضرورت ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا حضور! میری طرف سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے دو سو اونٹ ساز و سامان سمیت قبول فرمائیے۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ اپنے صحابہ کو جیش عسرت کی تیاری میں تعاون کرنے کے لیے ابھارا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ گدوں اور پالانوں سمیت پیش کرتا ہوں۔ یہ مسرت بخش اعلان سن کر رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور فرمایا:

«مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ، مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ»

''اس (عظیم) عمل کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس (عظیم صدقے) کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، اسے کوئی نقصان نہ ہوگا۔''[1]

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جیش عسرت کی تیاری کے لیے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب سفاک بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور بئر رومہ کے پانی سے محروم کر دیا تو ایک روز آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے اندر ہی سے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: لوگو! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں اور میں صرف اصحاب نبی ﷺ کو قسم دے کر مخاطب کر رہا ہوں۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جو شخص بئر رومہ خریدے (اور اسے تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دے) تو اس کا انعام جنت ہے۔'' چنانچہ میں نے اپنے مال سے بئر رومہ خرید کر تمام مسلمانوں کے لیے وقف کیا، حالانکہ اس سے پہلے تمام لوگ یہاں کا پانی قیمتاً خریدتے تھے۔ آج تم مجھے اسی پانی سے محروم کر رہے ہو!

پھر فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

''جو شخص جیش عسرت کو ساز و سامان سے لیس کرے گا، اسے جنت ملے گی۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی سن کر میں نے اس لشکر کو تیار کیا حتی کہ مجاہدین کو اونٹوں کی نکیل اور رسیاں تک مہیا کیں۔ ان کی ہر ضرورت پوری کی حتی کہ مشکیزوں کی رسیاں بھی فراہم کیں۔

[1] جامع الترمذي: 3700. [2] الرياض النضرة في مناقب العشرة: 356/1.

یہ سن کر تمام حاضرین نے گواہی دی: جی ہاں! آپ کے یہ احسانات ہمیں یاد ہیں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دست دعا بلند کر کے التجا کی: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ»

''اے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔ اے اللہ! تو بھی گواہ ہو جا۔ اے اللہ! تو بھی میرا گواہ بن جا۔''[1]

عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار اشرفیاں لے کر حاضر ہوئے تاکہ جیش عسرت کی تیاری کے لیے اپنا حصہ پیش کریں۔ انھوں نے یہ اشرفیاں رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیں۔ رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ بڑی مسرت سے ان اشرفیوں کو اپنی جھولی میں اچھال رہے تھے اور فرما رہے تھے:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ ، مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، وہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا۔ آج کے بعد عثمان کوئی بھی عمل کرے، وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَإِنِّي عَنْهُ رَاضٍ»

''اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا۔ بے شک میں اس سے راضی ہوں۔''[2]

علامہ محمد باشمیل غزوۂ تبوک میں مالدار صحابہ کی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کو ساز و سامان مہیا کیا۔ آپ نے سب سے بڑھ کر خرچ کیا حتی کہ لشکر کی تمام ضروریات پوری کر دیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ انھوں نے مشکیزوں کے بندھن تک فراہم کر دیے۔

سنن نسائی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے نصف لشکر کو تیار کیا تھا۔ آپ نے محاصرے کے دوران لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت فرمایا: ''میں تمھیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کو جیش عسرت کی تیاری کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: «مَنْ يُنْفِقُ نَفَقَةً مُتَقَبَّلَةً» ''کون ہے جو قبول شدہ خرچ کے ساتھ لشکر کو تیار کرے؟'' «فَجَهَّزْتُ نِصْفَ الْجَيْشِ مِنْ مَالِي» ''تو میں نے اپنے مال سے نصف لشکر کو تیار کیا۔''[3]

اس طرح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنا کثیر مال خرچ کر کے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے لیے

---

1 صحيح البخاري: 2778، جامع الترمذي: 3699، 3700، سنن النسائي: 3636. 2 جامع الترمذي: 3701، المسند لأحمد بن حنبل: 161/4. 3 سنن النسائي: 3639، المغازي للواقدي: 380/2، البداية والنهاية: 655/4، 656، دلائل النبوة للبيهقي: 214/5، 215، موسوعة الغزوات الكبرى: 1782/2.

مغفرت اور جنت کی عظیم بشارت حاصل کر لی۔

عبدالرحمان بن عوف کے لیے دعائے نبوی

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مالدار تاجر تھے۔ مختلف روایات میں ان کے مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقے کی ترغیب دلائی تو سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں۔ میں نے چار ہزار گھر والوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور چار ہزار درہم صدقے کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ فِيمَا أَمْسَكْتَ وَفِيمَا أَعْطَيْتَ»

''جو (مال) تم نے گھر والوں کے لیے رکھا ہے اور جو (اللہ کی راہ میں) دیا ہے، اللہ سب میں برکت دے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے چار سو اوقیہ سونا پیش کیا تھا۔ جبکہ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ انھوں نے 900 اونٹ دیے تھے۔ واقدی نے دو سو اوقیہ (تقریباً 24 کلو 494 گرام) چاندی پیش کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: صحیح ترین روایت وہ ہے جس میں آٹھ ہزار درہم کا تذکرہ ہے۔[2]

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایثار

ایک طرف مالدار صحابۂ کرام اپنے لیے رضائے الٰہی کی سند حاصل کر رہے تھے تو دوسری طرف کمزور اور غریب صحابہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ وہ بھی جنت کے حصول میں اپنی استطاعت کے مطابق زبردست جدوجہد میں مصروف تھے۔ دربارِ الٰہی میں مقدار سے زیادہ خلوص، حسنِ نیت اور شوق و رغبت کی خصوصی اہمیت ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ بھی اپنے بے وسیلہ جاں نثاروں کی قدر افزائی فرماتے تھے۔

سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے 90 وسق (13 ٹن 500 کلو گرام) کھجوریں پیش کیں۔ سیدنا عباس، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا محمد بن مسلمہ اور دیگر کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی لشکرِ اسلامی کی تیاری میں اپنا اپنا حصہ دیا۔[3]

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ہم بوجھ ڈھو ڈھو کر مزدوری کرتے اور مال کماتے تھے، پھر اس میں سے صدقہ کرتے تھے۔ ہر چند بعض اوقات صرف ایک مد (625 گرام)

---

1 المغازي للواقدي 380/2۔ 2 فتح الباري 421/8۔ 3 المغازي للواقدي 380/2، موسوعة الغزوات الكبرى 1782/2.



کھجوروں کی مزدوری ملتی تھی، ہم اس میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوعقیل رضی اللہ عنہ رات بھر مزدوری کر کے ایک صاع کھجوریں کما کر لائے اور اس میں سے نصف صاع (سوا کلو گرام) کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور سیدنا ابوعقیل رضی اللہ عنہ کے جذبے، شوق اور محبت کو سراہا۔

منافقین کی طعنہ زنی

منافقین یہ روح پرور منظر دیکھ کر اندر ہی اندر جل رہے تھے۔ ان کا چھپا ہوا کفر طعن و تشنیع کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کے بیمار ایمان مزید لاغر ہوتے جا رہے تھے۔ جب وہ مالدار صحابہ کرام کو خزانے پیش کرتے ہوئے دیکھتے تو اپنی ذہنی بیماری کا اظہار کرتے ہوئے کہتے: یہ تو ریاکار ہے۔ صرف دکھلاوے اور شاباش کے حصول کے لیے سخاوت کر رہا ہے۔ اور جب محنت کش صحابہ کی مٹھی بھر خیرات دیکھتے تو پھبتیاں کستے کہ بھلا اس کے مال کی اللہ کو کیا ضرورت ہے۔ اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ یہ لوگ تو بس مفت میں شہیدوں میں نام لکھوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غرض ہر منافق اپنی اپنی بیمار ذہنیت کے مطابق طعن و تشنیع کے تیر چلا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا پول کھول دیا اور ان کے برے کردار کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (التوبة 9:79)

''جو لوگ کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات کی بابت عیب جوئی کرتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا (بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مالدار صحابہ کو ریاکاری کا طعنہ دینے اور فقراء کا مذاق اڑانے والے منافقوں کو شدید وعید سنا کر رسول اللہ ﷺ کے فدائیوں کے جذبات کی قدردانی کی۔ ان کے شوق جہاد اور الفت و اطاعت رسول کے مقدس جذبے کو سراہا۔

علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز صدقہ

عین اس وقت جب کہ مالدار اور غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے لیے سعادتیں سمیٹ رہے تھے، سیدنا علبہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لیے رضائے الٰہی کا سبب ڈھونڈ لیا مگر ان کا انداز دیگر صحابہ سے مختلف تھا۔ انھیں اپنی تنگ دستی کا بڑا رنج تھا مگر رحمت ربانی کی امید واثق بھی تھی۔ جونہی رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کا اعلان کیا اور صحابہ کرام کو صدقات دینے کا حکم دیا تو سیدنا علبہ رضی اللہ عنہ رات کو اپنے رب کے حضور کھڑے ہو گئے، ناداری اور محرومی کا ملال آنسوؤں میں ڈھل گیا۔ وہ تہی دست ہونے کے باعث جہاد کے لیے جانے سے معذور تھے، یہی معذوری انھیں تڑپا رہی تھی۔ وہ رات بھر روتے رہے اور اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے رہے۔ انھوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کیا ''اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن میرے پاس اتنے وسائل نہیں کہ میں تیرے رسول ﷺ کا ساتھ دے سکوں۔ تیرے رسول کے پاس بھی اتنے وسائل نہیں کہ وہ مجھے سواری دے دیں۔ (تیرے نبی نے صدقے کا حکم دیا ہے تو) میں اپنی جان، مال اور عزت پر ہونے والے ہر ظلم و زیادتی کو معاف کر کے مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں۔''

صبح ہوئی تو یہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: «أين المتصدق بعرضه الليلة؟» ''آج رات اپنی عزت کا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟''

یہ سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ نے دوبارہ اعلان کیا۔ پھر بھی کوئی کھڑا نہ ہوا۔ بالآخر سیدنا علبہ بن زید رضی اللہ عنہ

[1] تفسیر ابن کثیر، التوبة 9:79، فتح الباري: 421/8.

کھڑے ہوئے اور ساری بات گوش گزار کر دی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أبشر فوالذي نفس محمد بيده لقد كتبت في الزكاة المتقبلة

''خوش ہو جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تمھارا صدقہ قبول ہونے والے صدقے میں لکھا گیا ہے۔''

دوسری روایات میں ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ہر اس مسلمان کو معاف کرتا ہوں جس نے مجھے کوئی تکلیف دی، گالی دی یا اس کی کسی حرکت سے میری عزت پر حرف آیا۔ میں اپنی اس معافی کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قد قبلت منك صدقتك

''میں نے تم سے تمھارا صدقہ قبول کرلیا۔''[1]

درج بالا واقعات میں مسلمانوں کے جذبۂ جہاد، رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر تن من دھن قربان کرنے کی زبردست تڑپ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ان کے حوصلوں اور ولولوں کی بے مثال داستانیں ہیں۔ یقیناً اس جذبۂ فدویت و الفت نے مسلمانوں کو تنگ دستی اور خوشحالی ہر حال میں دور دور تک اسلام کا پرچم لہرانے کی سعادت بخشی۔ اسی جذبے کی بدولت انھوں نے دنیا کی سپر پاورز کو پاش پاش کیا اور جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکل کر اللہ کا دین دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔

خواتین کا جذبۂ ایثار

صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ محترم صحابیات کا جذبۂ ایثار بھی دیدنی تھا۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے چندے کا اعلان فرمایا تو صحابیات نے بھی علی الفور اپنے اموال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ سیدہ ام سنان اسلمیہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ ؓ کے حجرے میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چادر بچھی ہوئی دیکھی۔ مسلمان خواتین اس کپڑے پر اپنے ہار، چوڑیاں، پازیب، انگوٹھیاں، جھمکے اور دیگر زیورات ڈال رہی تھیں۔ اس طرح وہ بھی اسلامی لشکر کی تیاری میں اپنا پرجوش کردار ادا کر رہی تھیں۔[2]

اسلام کی اس روح قربانی اور جذبۂ سرفروشی نے ہر دور میں مسلمانوں کی مشکلات کو آسان کیا اور ان کی تکالیف

[1] زاد المعاد 3/528، 529، الإصابة 4/450، 451، البداية والنهاية 14/657، المغازي للواقدي 2/382. [2] المغازي للواقدي: 2/380، 381، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1783.

کو باہم بانٹ کر بڑی سے بڑی آزمائش کو بھی آسان اور ناقابل التفات بنا دیا۔

منافقین کا گھناؤنا کردار

مسلمانوں کی صفوں میں موجود اندرونی دشمن ہمیشہ کی طرح اپنا گھناؤنا کردار ادا کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اعلان کے بعد مسلمان دن رات جہاد کی تیاری میں مصروف تھے جبکہ منافقین کا ٹولہ رسول اکرم ﷺ کی رحم دلی اور شفقت و مرحمت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سازشوں میں لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی برتی جبکہ یہ ذہنی اپاہج اور روحانی مریض بیمار سے بیمار تر ہوتے گئے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ہر مسلمان اپنے رب کے اس ارشاد کے مطابق معرکہ آرائی کی مقدور بھر تیاری کر رہا تھا:

﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

''تم سبک بار ہو یا گرانبار بہر حال نکلو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''[1]

سفر کی تیاری زور شور سے جاری تھی۔ جہاد کے لیے اسلحے کی فراہمی یقینی بنائی جا رہی تھی۔ زاد سفر اور سواریوں کا بندوبست کیا جا رہا تھا لیکن منافقین کا ٹولہ مسلسل اپنی روایتی بدبختی کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ سویلم یہودی کے گھر طرح طرح کی سازشوں کے جال بنے جا رہے تھے۔ پختہ ایمان مجاہدین کے ارادوں کو ڈانواڈول کرنے کے لیے منصوبہ سازی کی جا رہی تھی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندرونی طور پر ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو کمزور کرنے، انھیں سفر جہاد سے روکنے اور ناکام کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے فدائی منافقوں کی مذموم حرکات پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے اور ان کی شرارتوں اور سازشوں کی خبر پاتے ہی دم بدم رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے رہے تھے۔ تاجدار مدینہ ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی ان سے نرمی ہی برت رہے تھے۔ اس دوران صحابہ کرام میں سے جسے بھی موقع ملتا، وہ ان بدبختوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش بھی کرتا تھا۔ منافقین کے لیڈر جد بن قیس اور عبداللہ بن اُبی بغرض جہاد نکلنے کے لیے قطعاً راضی نہ تھے، وہ لوگوں کو جہاد سے متنفر کرنے کی سعی مذموم میں مشغول تھے، دشمن کی بھاری جنگی قوت سے ڈرا رہے تھے، شدت کی گرمی اور حالات کی سختی کا خوف دلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي

[1] التوبة 41:9.

سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

''جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے، وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ پس انھیں چاہیے کہ وہ بہت تھوڑا ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کرتے رہے۔''[1]

جب ان فسادیوں نے اپنی مکروہ سازشوں کو بے نقاب ہوتے دیکھا تو طرح طرح کے بہانے بنانے شروع کر دیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، نت نئے بہانے کرتے اور رخصت کی اجازت مانگتے۔ رسول اللہ ﷺ بھی انھیں اجازت دیتے جاتے تھے۔ اس طرح نوے کے قریب منافقوں نے مدینہ میں رہنے کی اجازت لے لی۔[2] ان فتنہ پردازوں کا گھروں میں بیٹھ رہنا ہی مسلمانوں کے لیے بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝﴾

''اگر مال (غنیمت) قریب الحصول اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے، لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہو گئی، اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے ساتھ

[1] التوبة 9:81، 82. [2] المغازي للواقدي: 383/2.

ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا، آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔ (اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے اجازت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں۔ اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے، لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس لیے اس نے انھیں ہلنے نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں زیادہ خرابی ہی میں ڈالتے اور تمھارے اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (اے نبی!) بلاشبہ انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔''[1]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سامنے منافقوں کی حالت عیاں کر دی کہ یہ خبیث اور ابلیس صفت لوگ طویل اور پرمشقت سفر کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں۔ اگر سفر آسان اور دشمن کمزور ہوتا تو یہ بھاگم بھاگ شرکت کرتے۔ لیکن ان کی ذہنی ویرانی بدستور قائم رہتی اور یہ ہمیشہ کی طرح سازشیں کرتے اور تمھارے لیے مصیبتیں پیدا کرتے رہتے، لہٰذا ان کا اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا ہی بہتر ہے۔ اس طرح منافقین بالکل بے نقاب ہو گئے۔ مسلمانوں نے انھیں فرداً فرداً خوب پہچان لیا اور سورۂ توبہ کے نزول کے بعد وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے، ہر جگہ ذلیل و رسوا ہو گئے۔

جد بن قیس کا بے ہودہ عذر

جد بن قیس بنوسلمہ کا سردار اور منافقین کا دوسرا بڑا لیڈر تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام جنگ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ یہ بدبخت اپنی جماعت سمیت مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور انھیں رومیوں سے خوفزدہ کرنے میں مشغول تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی نرمی اور شفقت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ایک روز

[1] التوبۃ 9:42-48.

رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو اسے نہایت شفقت سے غزوے میں شرکت کی دعوت دی۔ آپ کو اس کی عورتوں سے وارفتگی کا علم تھا، اس لیے آپ نے اس کی فطرت و کردار کے موافق الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

«أبا وهب! هل لك العام تخرج معنا؟ لعلك تحتقب من بنات الأصفر»

''ابو وہب! کیا خیال ہے اس سال ہمارے ساتھ (غزوۂ تبوک کے لیے) چلتے ہو؟ ممکن ہے تمھیں رومیوں کی بیٹیاں (لونڈیوں کی صورت میں) ملیں۔''

یہ سن کر وہ بد بخت بولا: حضور! مجھے تو معاف ہی رکھیے، مجھے اس فتنے میں نہ ڈالیے، کیونکہ اللہ کی قسم! میری قوم بخوبی واقف ہے کہ میں عورتوں پر مر مٹنے اور ان پر فریفتہ ہونے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس لیے مجھے ڈر ہے کہ میں رومی عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاؤں گا، مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ یہ بے ہودہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ یہ فرما کر آگے بڑھ گئے:

«قَدْ أَذِنْتُ لَكَ»

''میں نے تمھیں اجازت دے دی۔''

جد بن قیس کے فرزند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے پکے ایمان والے اور صاحب عزیمت صحابی تھے۔ انھیں جب اپنے والد کی گستاخی کا علم ہوا تو شدید دکھ ہوا۔ وہ فوراً اپنے والد کے پاس پہنچے اور گویا ہوئے: آپ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کیوں قبول نہیں کی؟ اللہ کی قسم! آپ پورے قبیلے میں سب سے خوش حال ہیں۔ سفری وسائل سے مالا مال ہیں۔ پھر آپ کا کیا عذر ہے؟ نہ آپ خود جانے کے لیے تیار ہیں، نہ کسی اور کو اسباب سفر دینے پر راضی ہیں۔ آخر کیوں؟ جد بن قیس بولا: بیٹا! اس گرم موسم میں جبکہ دن کے وقت لو چلتی ہے اور معاشی حالات بھی ٹھیک نہیں، بھلا رومیوں سے جنگ لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے بیٹے! میں اپنے گھر اور اپنے علاقے میں رہتے ہوئے بھی رومیوں کے خوف سے لرزتا ہوں، تو ایسے لوگوں سے جنگ لڑنے کے لیے میں ان کے علاقے میں کس طرح جاؤں؟ اللہ کی قسم! میرے بیٹے! میں بڑا دانشور اور تجربہ کار ہوں، مجھے جنگوں کی بڑی واقفیت ہے۔

گویا وہ کہہ رہا تھا کہ سپر پاور روم سے جنگ لڑنا بڑی نادانی اور حکمت و دانش کے منافی ہے۔ مومن بیٹے نے باپ کا یہ منافقانہ جواب سنا تو خاموش نہ رہ سکا، دل کی بات فوراً کہہ دی۔ عرض کیا: ابا جی! یہ سب آپ کے حیلے بہانے ہیں۔ اصل میں آپ کا نفاق آپ کو غزوے کے لیے نکلنے سے روک رہا ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر یقیناً قرآن نازل فرمادے گا جو آپ کی منافقت کا پردہ چاک کر دے گا۔ مومن وہ قرآن پڑھیں گے اور آپ سب کے

سامنے بے نقاب ہو جائیں گے۔ یہ سن کر منافق باپ طیش میں آ گیا۔ اس نے فوراً اپنا جوتا اتارا اور بیٹے کے منہ پر دے مارا۔ مومن بیٹا باپ کی اس جارحانہ حرکت کو صبر سے برداشت کر گیا اور وہاں سے چلا گیا۔ بیٹے کی ناصحانہ گفتگو کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ کفر و عناد میں اور زیادہ متحرک ہو گیا اور اپنی قوم کو جنگ سے متنفر کرنے لگا۔ اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا: اے بنوسلمہ! اس شدید گرمی اور لو کے موسم میں مت نکلو۔ منافقین کے لیے گرمی کا تو ایک بہانہ تھا۔ اصل میں جہاد سے جی چرانا اور رسول اللہ ﷺ کے مخلص ساتھیوں کے حوصلے پست کرنا ہی ان کا مقصد تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جد بن قیس اور اس جیسے دیگر منافقین کی حرکات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

”جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ پس انھیں چاہیے کہ وہ بہت تھوڑا ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔“[1]

علاوہ ازیں جد بن قیس کی ہرزہ سرائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ بھی نازل فرمائی:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

”اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے میں تو پڑ چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔“[2]

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مومن بیٹا باپ کی خدمت میں پہنچا۔ کہنے لگا: ابا جی! میں نے آپ کو روکا تھا مگر آپ باز نہ آئے۔ لیجیے اب آپ لوگوں کا بھید ہر شخص پر کھل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مذمت میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ باپ یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے بولا: خاموش ہو جاؤ اے نادان لڑکے! نکل جاؤ یہاں سے۔ آج کے بعد میں تمھیں اپنے مال سے کچھ نہ دوں گا۔ اللہ کی قسم! تم میرے لیے محمد (ﷺ) کی نسبت زیادہ سخت ہو۔

1 التوبة 9:81، 82. 2 التوبة 9:49.

اس طرح یہ بدنصیب گروہ اپنی سرکشی اور عداوت میں بڑھتا ہی چلا گیا۔[1]

عبداللہ بن اُبی کا منافقانہ کردار

جد بن قیس کی طرح عبداللہ بن ابی بھی منافقوں کی قیادت کرتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے گروہ کے علاوہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی تیاری کرتا رہا اور اندر خانے لوگوں کو رومی طاقت سے ڈرا کر اور موسمی شدت اور تنگ حالی و قحط سالی کا بہانہ بنا کر روکنے کی کوششیں کرتا رہا۔ اس لحاظ سے یہ گروہ زیادہ خطرناک اور زیادہ نقصان دہ تھا کیونکہ یہ مسلمانوں کی صفوں میں رہ کر سازشیں کر رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ ان کی سازشوں اور شرارتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے۔ آپ اپنے فدائیوں کو لے کر تبوک کی جانب روانہ ہونے لگے تو عبداللہ بن ابی بھی اپنے ساتھی منافقوں اور یہودی حلیفوں کو لے کر نکلا اور ثنیۃ الوداع کے پاس ذباب نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ ان کی تعداد دیکھ کر منافقین دل ہی دل میں خوش ہوتے اور کہتے: عبداللہ بن ابی کا لشکر محمد (ﷺ) کے لشکر سے کم تو نہیں۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو یہ بدبخت اپنے لشکر کو یہ کہتے ہوئے واپس لے گیا: ''اتنے گرم موسم میں تنگ حالی کے باوجود اتنا طویل سفر کرتے ہوئے محمد (ﷺ) رومیوں سے جنگ لڑنے جا رہے ہیں۔ رومی بہت طاقتور ہیں، ان کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ کیا محمد رومیوں کے ساتھ جنگ کرنا ایک کھیل سمجھتے ہیں؟'' یہ کہہ کر وہ واپس مڑا تو اس کے ہمنوا منافقین بھی اس کے ساتھ واپس ہو لیے۔ پھر عبداللہ بن ابی اپنے ہمنواؤں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے لگا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ کل محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔



اس کی یہ بات بھی اس کے مکر و نفاق کی غماز تھی، اس کا مقصد اسلامی لشکر کے حوصلوں اور ولولوں کو توڑنا تھا۔ وہ اسلامی لشکر کے اتحاد و اتفاق میں دراڑ ڈالنے کی آخری کوشش کر رہا تھا مگر عرش بریں سے اس کی ایسی مذمت نازل ہوئی جو رہتی دنیا تک اس کے مکروہ کردار سے عبرت دلاتی

[1] السیرۃ لابن ہشام: 4/160، المغازی للواقدی: 2/381، السیرۃ لابن إسحاق: 2/596، موسوعۃ الغزوات الکبری: 2/1788,1789، دلائل النبوۃ للبیہقی: 5/213,214.

رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آستین کے سانپوں کا اسلامی لشکر سے الگ ہونا مسلمانوں کے لیے خوش آئند قرار دیا اور مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝﴾

''اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں خرابی ہی میں زیادہ کرتے اور تمھارے اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (اے نبی!) بلاشبہ یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مخلص ساتھی منافقین کے برے کردار سے واقف تھے۔ آپ کے لشکر کے منتظمین اور حربی امور کے نگران مجاہدین ان کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے اور آپ کو پل پل کی خبر دے رہے تھے۔

سویلم یہودی کا گھر نذر آتش

اللہ کے رسول ﷺ کو اطلاع ملی کہ منافقین اور یہود نے سویلم یہودی کے گھر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا ہے۔ وہ یہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے خلاف دشمن کے اس اڈے کو فوری طور پر ختم کرنے کے لیے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے حکم دیا کہ سویلم کے گھر کو جلا دو۔ سویلم کا گھر جاسوم مقام پر تھا۔ سیدنا طلحہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ منافقین کے سازشی سینٹر پہنچے تو وہاں منافقین اپنے کام میں مصروف تھے۔ انھوں نے حکم نبوی کے مطابق اسے نذر آتش کیا تو بزدل یہودی اور منافقین وہاں سے نکل بھاگے۔ ان مفروروں میں ایک شخص ضحاک بن خلیفہ بھی تھا۔ وہ چھت پر چڑھ گیا اور عقبی جانب سے نیچے کود گیا لیکن خوف اور گھبراہٹ میں وہ صحیح طور پر اتر نہ سکا، یوں وہ گر کر اپنی ٹانگ اور کلائی تڑوا بیٹھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے ساتھی بھی چھت کے رستے فرار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی سازشی کو گرفتار کرنے یا سزا دینے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے کسی کو گرفتار کیا گیا نہ سزا دی گئی۔ آپ ﷺ کے عفو و درگزر کی بدولت یہ اسلام دشمن ایک بار پھر بچ نکلے۔

1 التوبة 9:47، 48.

آپ نے ان کے قائدین اور کارکنوں کو ابھی تک کوئی سزا نہ دی، البتہ ان کے سازشی اڈے کا صفایا کرا دیا۔

ضحاک بن خلیفہ نے جان بچ جانے پر سکھ کا سانس لیا اور اپنی حالت زار ان شعروں میں اس طرح بیان کی:

کادَتْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نَارُ مُحَمَّدٍ ... یَشِیطُ بِھَا الضَّحَّاکُ وَابْنُ أُبَیْرِقِ

وَظَلْتُ وَقَدْ طَبَّقْتُ کِبْسَ سُوَیْلِمٍ ... أَنُوءُ عَلٰی رِجْلِي کَسِیرًا وَمِرْفَقِي

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ لَا أَعُودُ لِمِثْلِھَا ... أَخَافُ وَمَنْ تَشْمَلْهُ النَّارُ یُحْرَقِ

”بیت اللہ کی قسم! قریب تھا کہ محمد ﷺ کے حکم سے لگائی گئی آگ سے ضحاک اور ابن ابیرق جل کر خاک ہو جاتے۔ میں سویلم کے چھوٹے سے گھر کی چھت پر چڑھا اور پھر گرا تو ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور کلائی کے سہارے اٹھا۔ تم لوگوں کو سلام! میں آئندہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ میں ایسی آگ سے ڈرتا ہوں۔ جو شخص آگ کی لپیٹ میں آجائے، وہ خاکستر ہو جاتا ہے۔“[1]

بے وسیلہ صحابۂ کرام کی آہ وزاری

رسول اللہ ﷺ کے اعلان جہاد کے بعد تمام مخلص مسلمان بھرپور تیاری کر رہے تھے۔ مالدار صحابۂ کرام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خرچ کر رہے تھے اور اسلامی لشکر کو وسائل سفر، اسلحہ اور زاد راہ مہیا کر کے اپنے لیے جنت کی بشارتیں حاصل کر رہے تھے۔ کچھ مزدوری کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا حصہ پیش کر کے دعائیں لے رہے تھے۔ اس اثنا میں چند مخلص مومن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جذبۂ جہاد سے سرشار مومن تنگ دست تھے۔ ان کے پاس سواریاں تھیں نہ زاد راہ۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریوں کے حصول کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا، وہ آپ مجاہدین میں تقسیم کر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے جب معذرت چاہی تو ان کے دلی جذبات آنسوؤں کی شکل میں ٹپک پڑے۔ انھوں نے اپنی بے بسی اور جذبۂ فدویت کی داستان زبان سے کہنے کے بجائے آنسوؤں سے کہہ ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص مومنوں کی محبت اور جذبۂ فدویت کا ذکر جمیل ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ۝﴾

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام 161/4، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر 598/2، المغازی للواقدی 383/2، 384، موسوعۃ الغزوات الکبریٰ 1489/2-1494.

”اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔“[1]

امام ابن اسحاق ؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے روتے ہوئے نکلنے والے سات صحابی یہ تھے:

1 سیدنا سالم بن عمیر 2 سیدنا علبہ بن زید 3 ابولیلیٰ عبدالرحمان بن کعب 4 عمرو بن حمام بن جموح 5 عبداللہ بن مغفل مزنی 6 ہرمی بن عبداللہ 7 عرباض بن ساریہ فزاری۔ ؓ

سیدنا یامین بن عمیر بن کعب نضری ؓ نے دیکھا کہ ابولیلیٰ عبدالرحمان بن کعب اور عبداللہ بن مغفل ؓ زار و قطار رو رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا ہوا، کیوں اس قدر غمگین ہو؟ کس چیز نے تمھیں رلایا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریوں کے حصول کے لیے حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کے پاس بھی سواریاں نہیں ہیں، لہٰذا ہم اپنی بے بسی اور تنگدستی پر رو رہے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا یامین ؓ نے انھیں سواری دی اور دونوں کو ..... صاع کھجوریں زادِ راہ کے لیے دے دیں۔ یہ دونوں صحابی خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہی بن گئے۔

سیدنا عباس ؓ کو خبر ملی تو انھوں نے بھی دو صحابیوں کو سواری اور زادِ راہ دے کر روانہ کر دیا اور بقیہ تین کو سیدنا عثمان ؓ نے تیاری کرا دی۔ اس طرح یہ سچے مسلمان اپنی سچی لگن اور تڑپ کی بدولت رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی سے مشرف ہو گئے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان کیا تھا: «لَا یَخْرُجُ مَعَنَا إِلَّا مُقْوٍ» ”ہمارے ساتھ صرف وہ شخص جائے جو قوی ہو (سفر کی مشقت جھیل سکتا ہو، اسے سواری اور زادِ راہ بھی میسر ہو)۔“

ایک شخص ایک سرکش واڑیل اونٹ پر سوار ہو کر چل دیا۔ سویداء مقام پر اونٹ نے سوار کو زمین پر پٹخ دیا جس سے وہ فوت ہو گیا۔ لوگ کہنے لگے: شہید شہید۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر سیدنا بلال ؓ کو حکم دیا کہ یہ اعلان کر دو:

«أَلَا! لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ وَلَا یَدْخُلُهَا عَاصٍ»

”خبردار! جنت میں صرف مومن شخص داخل ہوگا، نافرمان جنت میں نہیں جائے گا۔“[2]

جن صحابہ کرام کے پاس سواریاں نہیں تھیں اور وہ تنگدستی کی وجہ سے خریدنے کی سکت بھی نہ رکھتے تھے، وہ بھی

---

1 التوبۃ 9:92۔ 2 سنن سعید بن منصور: 2494، المصنف لعبدالرزاق: 9294، السیرۃ لابن إسحاق 597/2، المغازي للواقدي 382/2، 383، السیرۃ لابن هشام: 161/4، دلائل النبوۃ للبیهقي: 218/5، موسوعۃ الغزوات الکبری 1797/2، 1798، زاد المعاد: 528/3.

جذبۂ ایمان سے پوری طرح سرشار اور رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جہاد کے لیے بے تاب تھے۔ ان میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگ بھی شامل تھے۔ انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ سواریوں کا مطالبہ کریں۔ اتفاق سے رسول اللہ ﷺ اس وقت کسی بات پر ناراض تھے۔ آپ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا أَحْمِلُكُمْ عَلٰى شَيْءٍ»

''اللہ کی قسم! میں تمھیں کوئی سواری نہیں دوں گا۔''

پھر آپ کو سواریاں میسر آئیں تو آپ نے انھیں بلا کر سواریاں دے دیں۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سواریاں نہ ملنے پر قوم کو کیا کہا اور پھر سواریاں ملنے پر اپنی صفائی کس طرح پیش کی؟ آیئے اس کی مکمل روداد صحیحین کی روایت کی روشنی میں پڑھتے ہیں:

''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے میرے دوستوں نے، جو جیش عسرت، یعنی غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جانے والے تھے، آپ کے پاس سواریوں کے لیے بھیجا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے دوستوں نے مجھے آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ آپ انھیں سواریاں مہیا کریں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں کوئی سواری دینے والا نہیں۔'' اتفاق سے آپ اس وقت غصے میں تھے لیکن مجھے معلوم نہ تھا۔ میں بہت رنجیدہ ہو کر واپس چلا گیا۔ مجھے ایک رنج تو یہ تھا کہ نبی ﷺ نے سواریاں نہیں دیں اور دوسرا رنج یہ تھا مبادا نبی ﷺ میرے سواری مانگنے سے ناراض ہو گئے ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور نبی ﷺ نے جو فرمایا تھا، وہ ان سے کہہ دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے سنا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پکار رہے ہیں: اے عبداللہ بن قیس! میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا کہ تمھیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں، ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے چھ تیار اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''لے جاؤ ان دو اونٹوں کو، اور ان دو اونٹوں کو، اور ان دو اونٹوں کو۔'' (یعنی تین دفعہ یہی ارشاد فرمایا) آپ نے یہ (چھ) اونٹ اسی وقت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے خریدے تھے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے، یا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ تمھیں سواری کے لیے دیے ہیں، لہٰذا ان پر سوار ہو جاؤ۔'' پھر میں ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا اور کہا کہ یہ اونٹ نبی ﷺ نے تمھاری سواری کے لیے عنایت فرمائے ہیں لیکن اللہ کی قسم! میں تمھیں ہرگز چھوڑنے والا نہیں یہاں تک

کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے ساتھ اس شخص کے پاس چلیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنی تھی تاکہ تمھیں یہ خیال نہ گزرے کہ میں نے تم سے اپنی طرف سے ایسی بات کہہ دی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کہی تھی۔ انھوں نے کہا: نہیں (اس اہتمام کی چنداں ضرورت نہیں)۔ ہم تمھیں سچا سمجھتے ہیں اور اگر تم تصدیق کرانا چاہتے ہو تو ہم ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی (پہلی) گفتگو اور آپ کا انکار سنا تھا مگر اس کے بعد سواری عنایت فرما دی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا، یعنی انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔''[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے سواریاں نہ دینے کی قسم کھانے کے بعد انھیں سواریاں دے دیں تو اشعری صحابہ کو فکر ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قسم یاد نہیں دلائی اور سواریاں لے لی ہیں۔ لہٰذا یہ سواریاں ہمارے لیے کیسے باعث برکت ہوں گی؟ وہ فوراً واپس گئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی قسم بھول گئے تھے، اسی دوران ہم نے سواریاں وصول کر لیں۔ آپ کے قسم اٹھانے کے بعد اب ہم ان سواریوں سے کیسے فائدہ اٹھائیں گے اور یہ ہمارے لیے باعث برکت کیسے ہوں گی؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا»

''واقعی میں نے تمھارے لیے سواری کا انتظام نہیں کیا بلکہ یہ سواریاں تو تمھیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ اللہ کی قسم! تم اس پر یقین رکھو کہ ان شاء اللہ جب بھی میں کوئی قسم کھاؤں، پھر مجھ پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ بہتر اور مناسب طرز عمل اس کے سوا میں ہے تو میں وہی کروں گا جس میں اچھائی ہو گی اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔''[2]

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین

رسول اللہ ﷺ اپنے طریقۂ کار کے مطابق اسلامی لشکر کو مسلح کرنے اور وسائل سفر مہیا کرنے کے بعد تبوک کی طرف نکلنے لگے تو آپ نے مدینہ منورہ میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا جو غفار قبیلے کے فرد تھے اور بدر کے قریب رہائش پذیر تھے۔ یہ

[1] صحیح البخاري: 4415، صحیح مسلم: 1649. [2] صحیح البخاري: 3133، دلائل النبوة للبیهقي: 5/216، 217، زاد المعاد: 3/528، البداية والنهاية: 4/657، 658.

فیصلہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا عکاس ہے کہ اسلام میں عہدے خاندانی تعلقات یا قبائل کی بنیاد پر نہیں دیے جاتے بلکہ اہلیت، قابلیت اور اسلامی خدمات کی بدولت عطا ہوتے ہیں۔



تبوک کا سفر لمبا تھا اور پھر یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ رومیوں سے لڑائی میں کتنے دن لگتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں چھوڑا۔ منافقین اپنے تمام حربے بری طرح ناکام ہوتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں دیکھ کر انھیں اپنے زہریلے تیر چلانے کا ایک نیا موقع مل گیا۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے نشانے پر رکھ لیا اور طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ کسی نے یہ زہریلا جملہ کسا کہ رسول اللہ (ﷺ) اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے علی (رضی اللہ عنہ) کو مدینہ چھوڑ گئے ہیں کیونکہ آپ علی کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں۔

یہ جملہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انھوں نے اپنا اسلحہ سنبھالا، سواری پکڑی اور مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر دور مقام جرف پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ نہایت دکھی انداز میں عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ منافقین مجھ پر طنز کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے مدینہ منورہ چھوڑا ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی کو دلاسہ دیتے ہوئے یہ لازوال جملہ ارشاد فرمایا:

ألا ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي

''کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے کردار کی نفی کی اور ان کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اپنے بھائی کو تسلی دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کی یہ فرحت بخش تسلی سن کر واپس اپنی ذمہ داری نبھانے مدینہ منورہ آ گئے۔[1]

[1] صحيح البخاري: 4416، صحيح مسلم: 2404، السيرة لابن هشام: 163/4، المغازي للواقدي: 383/2، 384، موسوعة الغزوات الكبرى: 1797/2، السيرة لابن إسحاق: 598/2.

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مؤرخین علامہ ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی وغیرہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے نائب سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ یا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ جبکہ صحیح روایات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنانے کا تذکرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ إِلٰى تَبُوكَ، وَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا.

''رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف تشریف لے جانے لگے تو آپ نے مدینہ منورہ میں علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔''[1]

مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ خَرَجَ إِلٰى غَزْوَةِ تَبُوكَ، اسْتَخْلَفَ عَلِيًّا عَلَى الْمَدِينَةِ

''رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا۔''[2]

ان روایات کی بنا پر محدثین، مثلاً حافظ ابن عبدالبر وغیرہ کا موقف ہے کہ غزوۂ تبوک میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں آپ ﷺ کے نائب تھے۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت ذکر کی ہے جس سے یہ اختلاف دور ہو سکتا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے منافقین کے طعن و تشنیع کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

كَذَبُوا، وَلٰكِنِّي خَلَّفْتُكَ لِمَا تَرَكْتُ وَرَائِي، فَارْجِعْ فَاخْلُفْنِي فِي أَهْلِي وَأَهْلِكَ

''یہ منافقین جھوٹی باتیں اڑا رہے ہیں۔ میں نے تمھیں اہل بیت کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑا ہے۔ تم واپس جاؤ اور میرے اہل و عیال اور اپنے گھر والوں میں میرا نائب بن کر ان کی حفاظت کرو۔''[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت سے اس کی وضاحت کی ہے۔ اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

يَا عَلِيُّ، اخْلُفْنِي فِي أَهْلِي، وَاضْرِبْ وَخُذْ وَعِظْ، ثُمَّ دَعَا نِسَاءَهُ فَقَالَ: اسْمَعْنَ لِعَلِيٍّ وَأَطِعْنَ

''اے علی! میرے گھر والوں میں میرے نائب بن جاؤ۔ (بوقت ضرورت) ڈانٹ ڈپٹ کرو اور وعظ و نصیحت

[1] صحيح البخاري: 4416، صحيح مسلم: 2404 [2] مسند أحمد: 1532 [3] دلائل النبوة للبيهقي: 220/5، شرح الزرقاني على المواهب: 81،80/4.

کرو۔" پھر آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو بلایا اور فرمایا: "علی کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔"[1]

علامہ ابن اسحاق نے بھی یہی بات بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں کے لیے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔[2]

مذکورہ بالا متضاد روایات کی بنا پر کچھ علماء نے ان روایات کو اس طرح سے جمع کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں کے لیے اپنا نائب بنایا جب کہ اہل مدینہ کے عمومی امور کے لیے محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔ نمازوں کی امامت کے لیے سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا۔ سیدنا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو پہلے نائب بنایا، پھر ان کی جگہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا گیا۔[3]

اسلامی لشکر کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنے نائب مقرر کیے اور تقریباً 30 ہزار کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے لشکر کے پاس سواری کے لیے اونٹ تھے۔ صحابہ کرام باری باری اونٹ پر سواری کرتے۔ 10 ہزار کے قریب گھوڑے بھی لشکر کے ہمراہ تھے۔ بعض مؤرخین نے لشکر کی تعداد 40 ہزار اور بعض نے 70 ہزار بھی نقل کی ہے۔ لیکن جمہور مؤرخین نے یہ تعداد 30 ہزار ہی نقل کی ہے۔ اسلامی لشکر روانہ ہوا تو منافقین نے بہانے تراش کر پیچھے رہنے کی اجازت لے لی۔ کچھ عبداللہ بن ابی کی قیادت میں اعلان سرکشی کر کے واپس مڑ گئے۔ البتہ کچھ صحیح العقیدہ مسلمان بھی تھے جو بغیر کسی عذر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں سیدنا کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع، ابوذر غفاری اور ابوخیثمہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر سستی دکھانے والوں کو شدید ڈانٹ پلائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِي ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْـًٔا ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ثَانِيَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي ٱلْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُۥ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلسُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ ٱللَّهِ هِيَ ٱلْعُلْيَا ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ٱنفِرُواْ خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَٰهِدُواْ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ

[1] فتح الباری 140/8 [2] السیرۃ لابن اسحاق 598/2 [3] شرح الزرقانی علی المواہب 81/4

اللهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم (کاہلی کے باعث) زمین کی طرف گرے جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا، اور اس نے کافروں کی بات نیچی کر دی، اور بات تو اللہ ہی کی سب سے بلند ہے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ تم سبک بار ہو یا گرانبار بہر حال نکلو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔"[1]

اسلامی لشکر ثنیۃ الوداع پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو منظم کیا۔ آپ نے مرکزی جھنڈا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھی ایک بڑا جھنڈا عطا کیا۔ انصار کے اوس قبیلے کا علم سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو سونپا جبکہ خزرج کا جھنڈا سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ جھنڈا سیدنا حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ پھر آپ نے ان قبائل کی ذیلی شاخوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے خاندان کا جھنڈا بنا لیں۔ آپ نے حفاظتی دستے کی کمان سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ وہ اسلامی لشکر اور معسکر میں چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ کسی بھی ہنگامی حالت کا تدارک کر سکیں۔ غزوۂ تبوک میں رستوں کی راہنمائی کے لیے آپ نے علقمہ بن فغواء خزاعی کو راہبر بنایا کیونکہ وہ تبوک جانے والے رستوں کے ماہر تھے۔

لشکر اسلامی اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔ جب آپ ﷺ کو بتایا جاتا: اے اللہ کے رسول! فلاں فلاں شخص پیچھے رہ گیا ہے تو یہ سن کر آپ فرماتے:

«دَعُوهُ فَإِنْ يَكُ فِيهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللّٰهُ بِكُمْ وَإِنْ يَكُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَرَاحَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ»

[1] التوبة 9:38-41.

''اسے رہنے دو، اگر اس میں خیر ہوئی تو وہ عنقریب تمھیں آ ملے گا۔ اور اگر اس میں خیر نہیں ہے تو سمجھ لو کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات دے دی ہے۔''

جس شخص کے بارے میں بھی آپ کو اطلاع دی جاتی، آپ یہی فرماتے حتی کہ آپ کو بتایا گیا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ آپ نے ان کے بارے میں بھی یہی فرمایا: ''اگر ان میں خیر ہوئی تو وہ تمھارے ساتھ آملیں گے۔ ورنہ سمجھ لو کہ تمھیں ان سے بچالیا گیا ہے۔''[1]

آج تک اتنا بڑا اسلامی لشکر کبھی کسی دشمن کی طرف روانہ نہیں ہوا تھا۔ تیس سے چالیس ہزار کا لشکر جب کسی منزل سے کوچ کرتا تو اس کے آخری گروہ بمشکل صبح تک لشکر سے مل پاتے تھے۔ سورج ڈھلنے کے بعد تیاری شروع ہوتی، رات بھر سفر جاری رہتا۔ صبح کے وقت جب اہل لشکر آرام کی غرض سے کہیں پڑاؤ کرتے، تب جا کر لشکر کا آخری گروہ پہنچ کر لشکر سے ملتا تھا۔ اس حالت میں اگر کوئی شخص لشکر سے پیچھے رہنا چاہتا تو وہ سمجھتا کہ اتنی بڑی تعداد میں اس کا مخفی رہنا کچھ مشکل نہیں، کسی کو معلوم ہی نہیں ہوگا کہ وہ لشکر میں ہے یا اپنے گھر میں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے قریبی جاں نثاروں کی مکمل خبر گیری کرتے تھے، جو نظر نہ آتا اس کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔ اس طرح یہ لشکر منزل بہ منزل چلتا رہا۔ منافقین اپنے گھروں میں داد عیش دینے لگے۔ البتہ مخلص اور پختہ ایمان سیدنا مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما تیاری کی غرض سے روزانہ گھر سے نکلتے۔ سواری اور زاد راہ کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتے۔ پھر اس خیال سے کہ ابھی لشکر زیادہ دور نہیں گیا اور تیز رفتار اونٹ انھیں جلد ہی لشکر سے ملا دیں گے، وہ واپس گھر پلٹ جاتے۔ سستی اور بشری کوتاہی کے باعث وہ کچھ تیاری نہ کر پاتے۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے اور یہ مخلص مومن روانہ نہیں ہو سکے اور اسلامی لشکر میں شامل نہ ہونے پائے۔ یہ جب مدینہ منورہ کے بازاروں اور گلیوں میں ٹہلتے لوگوں کو دیکھتے تو انھیں منافقوں اور معذور لوگوں کے سوا اور کوئی دکھائی نہ دیتا۔ منافقین اور اہل عذر کو دیکھ کر ان راسخ العقیدہ مومنوں کو بہت رنج ہوتا کہ وہ خوشحالی کے باوجود بروقت تیاری کر کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جا سکے۔ کیونکہ اب لشکر کے ساتھ ملنا تقریباً ناممکن ہو چکا تھا۔ گرمی کی شدت، طویل سفر اور پکے ہوئے پھل آرام طلبی کی خواہش بڑھا دیتے تھے۔ بالآخر سستی اور کاہلی غالب آئی اور وہ اس سعادت سے محروم ہو گئے جس سے تبوک روانہ ہونے والے مجاہدین سرفراز ہوئے تھے۔ البتہ چند ایسے خوش نصیب بھی تھے جو بشری تقاضوں کو پس پشت ڈال کر، سستی اور کاہلی کو دور پھینک کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ بیوی بچوں، پکے پھلوں اور سایہ دار گھنے درختوں کی

[1] المستدرك للحاكم: 4373، دلائل النبوة للبيهقي 221/5، المغازي للواقدي 387/2

چھاؤں نے انھیں روکنے کی کوشش کی مگر ان کے عزم میں لغزش نہ آئی، لہٰذا وہ ہر قسم کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان خوش نصیبوں میں ایک سیدنا ابوخیثمہ مالک بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آئیے ان کی روداد پڑھتے ہیں۔

سیدنا ابوخیثمہ مالک بن قیس رضی اللہ عنہ کی داستانِ عزیمت

علامہ ابن ہشام نے سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا نام مالک بن قیس جبکہ علامہ واقدی نے عبداللہ لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں ابوخیثمہ کنیت کے دو صحابی ذکر کیے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک کا نام علامہ واقدی کے حوالے سے عبداللہ لکھا ہے۔ یہ جنگ احد میں شریک ہونے والے صحابہ میں سے ہیں۔ دوسرے صحابی کا نام مالک بن قیس لکھا ہے۔ یہ وہی ہیں جنھیں ایک صاع کھجوریں صدقہ کرنے پر منافقین نے طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن کلبی نے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں صحابی دراصل ایک ہی شخصیت ہیں اور ان کا نام مالک بن قیس ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں غزوۂ تبوک کے ضمن میں سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن خیثمہ بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ طبرانی کی ایک روایت ہے جو ہم ابھی تفصیل سے بیان کریں گے۔

پھر فرمایا ہے کہ علامہ واقدی نے ان کا نام عبداللہ بتایا ہے جبکہ ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا نام مالک بن قیس تھا۔[1] واللہ اعلم

رسول اللہ ﷺ کی روانگی کو دس دن ہو گئے تھے۔ پیچھے رہ جانے والے اسی پس و پیش میں تھے کہ آج تیاری کر کے کل پرسوں یا کل نکل جائیں گے، یہاں تک کہ اسلامی لشکر بہت دور نکل گیا اور مدینہ میں سستی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے چند مخلص صحابہ کے حوصلے مزید پست ہو گئے تو سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ایک نئے ولولے اور عزم سے اٹھے تو ساری سستی کافور ہو گئی۔ انھوں نے ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ وہ پختہ ایمان والے تھے۔ نفاق کی بیماری ان سے کوسوں دور تھی۔ منافقین اور معذوروں کو دیکھ کر ان کے جوہرِ ایمان نے مزید ہمت بندھائی کہ اب بھی دیر نہیں ہوئی، تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سرخرو ہو سکتے ہو۔ وہ اسی ارادے اور نیت سے واپس آئے۔ اپنے باغ میں پہنچے تو خدمت گزار حسین و جمیل دونوں بیویاں اپنے وفا شعار خاوند کی خدمت کے لیے تیار تھیں۔ گرمی کی شدت کم کرنے کے لیے پانی کا چھڑکاؤ ہو چکا تھا۔ سایہ دار سائبان کے نیچے کھانا اور ٹھنڈا پانی اپنے مخدوم کا منتظر تھا۔ تازہ پھل چنے جا چکے تھے۔ حیادار بیویاں زیب و زینت کیے خاوند کے انتظار میں تھیں۔

[1] السيرة لابن هشام 165/4، المعجم الكبير للطبراني 385/2، الإصابة 93/7، فتح الباري 148/8

سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں داخل ہوئے۔ اپنی نیک شریک حیات کا اہتمام دیکھا، حلال و پاکیزہ نعمتوں کی فراوانی دیکھی، لذیذ کھانا اور مرغوب پھل دیکھے تو فوراً زبان سے نکلا: سبحان اللہ! میرے محبوب قائد رسول اللہ ﷺ جن کی اگلی پچھلی تمام غلطیاں اللہ رب العالمین پہلے ہی معاف فرما چکا ہے، وہ تو سخت ترین گرمی میں جبکہ سورج آگ برسا رہا ہے، اسلحہ لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکل چکے ہیں اور ابوخیثمہ یہاں ٹھنڈے میٹھے مشروبات، لذیذ کھانوں اور مزیدار پھلوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ دو حسین بیویاں خدمت کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔ ابوخیثمہ اپنے مال اور اہل و عیال میں خوش ہو رہا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ انصاف نہیں۔ انھوں نے اپنی ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم دونوں کے سائبان میں ہرگز داخل نہ ہوں گا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں۔ تم میرے لیے زاد راہ تیار کرو۔ فرماں بردار بیویوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی پر زاد راہ رکھا، اسلحہ لیا اور سوار ہو کر تبوک کی جانب چل دیے۔ وہ مدینہ منورہ سے اکیلے ہی چلے تھے مگر سفر میں اللہ تعالیٰ نے ایک صالح ہم سفر بھی عطا کر دیا۔

سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ وادی قریٰ میں پہنچے تو ان کی ملاقات سیدنا عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ بھی اسی ارادے سے محو سفر تھے، لہٰذا سفر کی مشکلات آسان ہو گئیں۔ دونوں مومن اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بے تابی سے چلے جا رہے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے شوق اور اپنی کوتاہی کے ازالے کے لیے یہ سفر جلد از جلد طے کرنا چاہتے تھے۔ پھر وہ وقت آ ہی گیا جب محبوب کی زیارت چند کلو میٹر کے فاصلے پر تھی۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمسفر سے عرض کی: اے عمیر! میں ایک غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا موقع دے دو تا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو خوش کر کے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔ انھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے اور سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سے پیچھے رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ تبوک میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے دور سے ایک مسافر آتا ہوا دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی: حضور! یہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ»

”یہ تو ابوخیثمہ ہونا چاہیے (اے اللہ! یہ ابوخیثمہ ہو)۔“

جب وہ قریب آئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو ابوخیثمہ ہی ہیں۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو بٹھایا، نیچے اترے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی پوری روداد

سنائی۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ہلاکت کے بہت قریب پہنچ گیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَوْلٰى لَكَ" "(تمھارا یہاں پہنچنا ہی) تمھارے لائق تھا۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اس طرح سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنی سچی لگن کی بدولت سرخرو ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے خیر و برکت کی دعائیں بھی لیں اور آپ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا سامان بھی کیا۔

سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر چند اشعار پڑھے جو ان کی رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام سے گہری محبت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اشعار اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

لَمَّا رَأَيْتُ النَّاسَ فِي الدِّينِ نَافَقُوا ... أَتَيْتُ الَّتِي كَانَتْ أَعَفَّ وَأَكْرَمَا

وَبَايَعْتُ بِالْيُمْنٰى يَدِي لِمُحَمَّدٍ ... فَلَمْ أَكْتَسِبْ إِثْمًا وَلَمْ أَغْشَ مَحْرَمَا

تَرَكْتُ خَضِيبًا فِي الْعَرِيشِ وَصِرْمَةً ... صَفَايَا كِرَامًا بُسْرُهَا قَدْ تَحَمَّمَا

وَكُنْتُ إِذَا شَكَّ الْمُنَافِقُ أَسْمَحَتْ ... إِلَى الدِّينِ نَفْسِي شَطْرَهُ حَيْثُ يَمَّمَا

"جب میں نے لوگوں کو دین اسلام میں منافقت کرتے دیکھا تو میں نے وہ اعمال کیے جو نہایت پاکیزہ اور عزت بخشنے والے تھے۔ میں نے اپنا دایاں ہاتھ تاجدار مدینہ محمد ﷺ کے ہاتھ میں دے کر آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کیا نہ کسی حرام کام کا ارتکاب کیا۔ میں نے سائبان تلے مہندی سے رنگی ہوئی خوبصورت بیوی اور بہترین کھجوروں سے لدے ہوئے عمدہ درخت چھوڑ دیے۔ ان درختوں کی گدری کھجوریں پک کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ جب منافق دین اسلام میں شک کرتا ہے تو میرا دل پوری طرح دین کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔"[1]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا ایمان و یقین

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہونے والے خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بہت قریبی فدائی اور درویش صفت صحابی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اور

[1] السيرة لابن هشام 4/164، المغازي للواقدي 2/385، 386، دلائل النبوة للبيهقي 5/222، 223، الإصابة 4/660، المعجم الكبير للطبراني: 5281.

دین اسلام کی آبیاری ہی ان کا مقصد حیات تھا۔ ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر پوری تیاری کر کے نکلے مگر سواری کا اونٹ مسلسل سفری صعوبتیں برداشت نہ کر سکا اور کمزور و لاغر ہو گیا۔ سیدنا ابوذر نے ارادہ کیا کہ چند روز اسے اچھی خوراک دے کر اس کی تندرستی کے بعد سفر شروع کروں گا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جلد ہی مل جائیں گے۔ مگر اچھی خوراک دینے کے باوجود بھی اونٹ تھوڑی دور جا کر بے بس ہو گیا، اب اس کے لیے مزید چلنا ناممکن تھا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسے وہیں چھوڑا اور خود سامان اٹھائے پیدل ہی چل دیے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ ابوذر رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَإِنْ يَكُ فِيهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللهُ تَعَالَى بِكُمْ، وَإِنْ يَكُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَرَاحَكُمُ اللهُ مِنْهُ»

''اسے رہنے دو، اگر اس میں خیر و بھلائی ہوئی تو اللہ تعالیٰ عنقریب اسے تمھارے ساتھ ملا دے گا اور اگر اس کا معاملہ دوسرا ہے تو (جان لو) اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے راحت پہنچا دی ہے۔''

ادھر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سینکڑوں میل کا سفر پیدل ہی طے کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف گامزن تھے۔ یہ طویل اور پر مشقت سفر رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام سے گہری محبت کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے پوری طرح سرشار تھے، اس لیے اکیلے ہی منزل کی طرف کشاں کشاں چلے جا رہے تھے۔ دوران سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ فرما رکھا تھا۔ اچانک ایک مجاہد نے دور سے کسی پروانے کو آتے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! ایک شخص دور سے اکیلا ہی چلا آ رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی: «كُنْ أَبَا ذَرٍّ» ''اے الٰہی! یہ ابوذر ہو۔''

جب یہ مسافر کچھ قریب آیا اور مجاہدین نے اسے غور سے دیکھا تو وہ خوشی سے چلا اٹھے: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! یہ تو ابوذر ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَرْحَبًا بِأَبِي ذَرٍّ، يَمْشِي وَحْدَهُ وَيَمُوتُ وَحْدَهُ وَيُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''ابوذر کو خوش آمدید! ابوذر اکیلا سفر کرتا ہے، تنہا فوت ہوگا اور قیامت کے روز اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا:

«مَا خَلَّفَكَ يَا أَبَا ذَرٍّ؟» ''ابوذر! تو پیچھے کیسے رہ گیا تھا؟''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ساری روداد سنائی۔ اپنے بیمار اونٹ کی خبر دی اور اپنے پر مشقت سفر کی داستان بیان

کی۔ اس پر تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے ابوذر! تمھارا پیچھے رہ جانا مجھے بہت پریشان کر رہا تھا، میرے پاس پہنچنے تک اللہ تعالیٰ تمھارے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرماتا رہا ہے۔''[1]

یہ روایت سنداً کمزور ہے، البتہ اس میں موجود رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ آیئے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے باہر ربذہ نامی ایک جگہ پر منتقل ہو گئے تھے۔ وہ مدینۃ الرسول ﷺ کو چھوڑ کر ربذہ میں اکیلے ہی رہائش پذیر کیوں ہو گئے؟ اس کی وجہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے جسے زید بن وہب نے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: میں ربذہ سے گزرا تو وہاں ابوذر رضی اللہ عنہ دکھائی دیے۔ میں نے پوچھا: آپ یہاں کیوں آ گئے؟ انھوں نے جواب دیا: میں شام میں تھا، میرا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس آیت کریمہ: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (التوبۃ 9:34) ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر دو۔''

کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی جبکہ میرا موقف تھا

[1] السيرة لابن هشام: 4/168، دلائل النبوة للبيهقي: 5/222، السيرة لابن إسحاق: 4/602، المغازي للواقدي: 2/387، البداية والنهاية: 4/661، الإصابة: 7/109، المستدرك للحاكم: 4373.


شام کا ایک خوبصورت منظر

کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے بارے میں ہے۔ اس اختلاف کے نتیجے میں ہمارے مابین چپقلش پیدا ہوگئی تو انھوں نے بذریعہ خط عثمان رضی اللہ عنہ سے میری شکایت کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے خط لکھا کہ تم مدینہ چلے آؤ۔ چنانچہ میں مدینہ چلا آیا تو میرے ہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہونے لگا جیسے انھوں نے مجھے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں کے ہجوم کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: اگر تم مناسب خیال کرو تو مدینہ سے نکل کر کسی دوسری قریبی جگہ الگ سکونت اختیار کر لو۔ بس یہی بات مجھے یہاں (ربذہ) لے آئی ہے۔ اگر وہ کسی حبشی کو بھی میرا امیر مقرر کر دیں تو میں اس کی بات بھی سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔[1]



سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے زندگی کے آخری ایام ربذہ میں بسر کیے۔ ان کے ساتھ ان کی وفا شعار بیوی اور غلام تھا۔ انھوں نے وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو غسل دے کر اور کفن پہنا کر میری میت مدینہ منورہ کے راستے پر رکھ دینا۔ پھر اس راستے پر آنے والے قافلے کو بتانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نعش رکھی ہے۔ اسے دفن کرنے میں تعاون کرو۔ پھر جب سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو حسب وصیت ان کی زوجہ محترمہ اور خادم نے انھیں غسل دیا، کفن پہنایا اور ان کی نعش مدینہ منورہ کے راستے پر رکھ دی تاکہ کوئی مسلمان قافلہ گزرے تو وہ تدفین میں مدد لے سکیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہاں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت آ گئے۔ وہ عراق سے عمرے کی نیت سے آئے تھے۔ انھوں نے عین رستے کے بیچ جنازہ پڑا دیکھا تو ٹھٹک گئے۔ اونٹوں کو روکتے روکتے وہ ڈرے مبادا اونٹ جنازے ہی کو روند ڈالیں۔ بڑی مشکل سے انھیں روکا۔ اتنی دیر میں خادم آگے بڑھا اور عرض کی: یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی میت ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کی تدفین میں مدد کیجیے۔ خادم کے یہ الفاظ سنتے ہی پورا قافلہ لپک پڑا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکے۔ اپنے دیرینہ دوست اور بھائی کی جدائی پر بے اختیار رو پڑے اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی تصدیق

[1] صحيح البخاري: 1406.

کرتے ہوئے کہا:

صدق رسول الله ﷺ: تمشي وحدك وتموت وحدك وتبعث وحدك

''اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ ''ابوذر اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور قیامت کے دن تنہا ہی اٹھایا جائے گا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا اور انھیں دفن کیا۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آنے والے واقعے کی تفصیل سنائی اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو پیش گوئی فرمائی تھی، اس کا بھی تذکرہ کیا۔[1]

صحیح ابن حبان میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا تذکرہ قدرے مختلف پیرائے میں ہوا ہے۔ آئیے امام ابن حبان کا ذکر کردہ واقعہ پڑھتے ہیں:

سیدہ ام ذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں رونے لگی۔ انھوں نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی: روؤں نہ تو اور کیا کروں؟ رونے کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے؟ آپ اس بیابان میں فوت ہو رہے ہیں جبکہ میرے پاس کفن دینے کے لیے دو چادریں بھی نہیں۔ آپ کو دفن کرنے کے لیے میرے پاس کوئی مددگار بھی نہیں ہے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رونا بند کرو اور خوش ہو جاؤ۔ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے ایک جماعت کو یہ بات فرمائی تھی اور میں اس میں شامل تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

«لَيَمُوتَنَّ رَجُلٌ مِنْكُمْ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ يَشْهَدُهُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''تم میں سے ایک شخص بیابان میں فوت ہوگا۔ اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔''

اس جماعت کے تمام لوگ کسی نہ کسی بستی اور لوگوں کے درمیان فوت ہو چکے ہیں۔ اب وہ اکیلا اور بیابان میں فوت ہونے والا فرد میں ہی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے سچ بتایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی سچ ہی فرمایا ہے، لہٰذا تم راستے پر نظر رکھو۔ کوئی جماعت ضرور آئے گی۔ میں نے عرض کی: بھلا اب کہاں سے کوئی جماعت آئے گی؟ حاجیوں کے قافلے گزر چکے، اب راستے ویران ہو گئے ہیں۔ انھوں نے پھر فرمایا: تم جاؤ اور مرکزی گزرگاہ پر دیکھو،

---

[1] السيرة لابن هشام 4/168، المغازي للواقدي 2/387، 388، البداية والنهاية 4/661، مسند أحمد 5/166، حديث: 21505.

کوئی جماعت ضرور آئے گی۔ سیدہ ام ذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں چلی گئی اور ایک ٹیلے سے ٹیک لگا کر راستہ تکنے لگی۔ پھر تھک ہار کر واپس آگئی اور اپنے مریض خاوند کی خدمت میں لگ گئی۔ میں اسی طرح کرتی رہتی۔ کبھی راستہ دیکھنے چل دیتی تو کبھی مریض کی دیکھ بھال کے لیے واپس آجاتی۔ ایک دن اچانک میں نے دیکھا کہ ایک قافلہ بڑی تیز رفتاری سے ہماری طرف چلا آرہا ہے۔ ان کی سواریاں انھیں اڑائے لا رہی تھیں۔ میں نے قافلے والوں کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف متوجہ کیا، وہ تیزی سے میرے پاس آکر رک گئے۔ پوچھنے لگے: اے اللہ کی بندی! تم یہاں کیسے؟ تمھیں کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا: تمھارا ایک مسلمان بھائی فوت ہو رہا ہے۔ کیا تم اس کے کفن دفن کا بندوبست کرو گے؟ انھوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ میں نے بتایا کہ وہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ چونک پڑے اور بے اختیار پوچھنے لگے: کیا تم صحابیٔ رسول ابوذر رضی اللہ عنہ کی بات کر رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: ابوذر رضی اللہ عنہ پر ہمارے ماں باپ قربان! کہاں ہیں وہ؟ وہ تیزی سے سواریوں سے اترے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنایا:

«لَيَمُوتَنَّ رَجُلٌ مِنْكُمْ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ يَشْهَدُهُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''تم میں سے ایک شخص بیابان میں فوت ہوگا۔ اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: اس جماعت کے تمام لوگ بستیوں میں فوت ہو چکے ہیں، اب صرف میں ہی اس ویرانے میں بچا ہوں۔ اللہ کی قسم! نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں، نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ تم لوگ خوش نصیب ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مصداق بن رہے ہو۔

میرے پاس اپنے اور اپنی بیوی کے کفن کے لیے کپڑے نہیں ہیں۔ اگر میرے پاس کپڑا ہوتا تو وہی میرا کفن بنتا۔ میں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں، تم میں سے جو شخص کبھی سرکاری عہدے پر فائز رہا ہو، چاہے وہ کسی علاقے کا امیر، منشی، ڈاکیا یا نمبردار ہو، وہ مجھے کفن نہ دے۔ اس جماعت کے سبھی لوگ کبھی نہ کبھی سرکاری عہدوں پر فائز رہے تھے، اس لیے سب خاموش ہو گئے۔ صرف ایک انصاری نوجوان بچا۔ وہ بولا: چچا جان! میں کبھی ان عہدوں پر فائز نہیں ہوا۔ میں آپ کو اپنی اس چادر اور اپنے تھیلے میں موجود دو چادروں میں کفن دوں گا جو میری والدہ نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم ہی مجھے کفن دینا۔ لہٰذا جب آپ وفات پا گئے تو اسی انصاری نوجوان نے اپنی چادروں میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو کفن دیا۔ سب نے آپ کا جنازہ پڑھا اور آپ کو دفن کیا۔

یہ یمنی جماعت تھی۔[1]

دیارِ ثمود کی برباد بستی سے اسلامی لشکر کا گزر

تبوک اور مدینہ منورہ کے درمیان صالح علیہ السلام کی قوم ثمود آباد تھی۔ اس علاقے کا نام حجر تھا۔ آج کل یہ علاقہ مدائن صالح کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں واقع شہر العلاء سے 22 کلومیٹر اور مدینہ منورہ سے تقریباً 395 کلومیٹر دور ہے۔ ثمود نہایت طاقتور، دراز قد اور جفاکش قوم تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر اپنے محلات تعمیر کرتے تھے۔ ان کی یادگاریں آج بھی موجود ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں میسر تھیں۔ لہلہاتے باغات، ابلتے ہوئے چشمے اور لذیذ و مرغوب پھل بھی نعمتوں سے وہ مالا مال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انھیں معجزات سے سرفراز کیا مگر اس سرکش قوم نے اپنے رسول کی ایک بھی نہ مانی، بلکہ ان کی تکذیب کی، ان کے معجزات کی توہین کی اور ان کے دشمن بن گئے۔ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کو للکارنے لگے تو صالح علیہ السلام نے انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں، انھیں توبہ کرنے اور شکر ادا کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جو بے سود ثابت ہوئی۔

بالآخر یہ قوم اپنی سرکشی و بغاوت، کفر و ضلالت، اللہ کے رسول کی نافرمانی اور نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہوگئی۔ ربانی برکتوں اور نعمتوں کی پروردہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹادی گئی۔ ان لوگوں کے عالی شان محلات اور قلعے آج بھی قائم ہیں جو ان کے دردناک انجام کی سرگزشت سنا رہے ہیں۔

اسلامی لشکر ثمود کے علاقے حجر پہنچا تو مجاہدین ان کے بلند و بالا محلات اور قلعے دیکھ کر نہایت حیران ہوئے۔ وہ اس طاقتور قوم کی مہارت اور کاریگری کو دیکھ دیکھ کر مبہوت ہو رہے تھے۔ انھیں اشتیاق ہوا کہ وہ اندر جا کر ان کے

[1] صحیح ابن حبان: 2260، مسند أحمد: 21410، المستدرك للحاكم: 5470.


مدائن صالح کے آثار (العلاء)


العلاء (وادی القریٰ)

گھروں اور محلات کو دیکھیں۔ لہٰذا وہ اپنی سواریوں کو روک کر محلات کی طرف بھاگے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے اعلان کرایا:

«اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ»

''سب لوگ یہاں جمع ہو جائیں۔''

سیدنا ابو کبشہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں یہ اعلان سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی سواری کو روک رکھا ہے اور قدرے ناراضی کے عالم میں فرما رہے ہیں:

«مَا تَدْخُلُونَ عَلٰى قَوْمٍ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ؟»

''تم ان لوگوں کے گھروں میں کیوں داخل ہو رہے ہو جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا؟''

محلات میں داخل ہونے والوں میں سے ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں بڑا تعجب ہو رہا تھا، اس لیے ان گھروں کو دیکھنے چلے گئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَعْجَبَ مِنْ ذٰلِكَ؟ رَجُلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ، فَاسْتَقِيمُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَعْبَأُ بِعَذَابِكُمْ شَيْئًا، وَسَيَأْتِي قَوْمٌ لَا يَدْفَعُونَ عَنْ أَنْفُسِهِمْ بِشَيْءٍ»

''کیا میں تمھیں اس سے بڑھ کر تعجب خیز چیز سے نہ ڈراؤں؟ تمھارا اپنا ایک شخص (رسول اللہ ﷺ) تمھیں گزرے ہوئے کل اور تمھارے مستقبل کی خبریں دیتا ہے۔ تم صراط مستقیم پر گامزن رہو اور اپنی طاقت کے مطابق نیک عمل کرتے رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمھارے عذاب کی کچھ پروا نہیں کرے گا۔ اور عنقریب ایک قوم آئے گی جو اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کر سکے گی۔''[1]

قوم ثمود کے عبرت کدے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُوا الْآيَاتِ وَقَدْ سَأَلَهَا قَوْمُ صَالِحٍ فَكَانَتْ تَرِدُ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ وَتَصْدُرُ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَعَقَرُوهَا، وَكَانَتْ تَشْرَبُ مَاءَهُمْ يَوْمًا وَيَشْرَبُونَ لَبَنَهَا يَوْمًا، فَعَقَرُوهَا فَأَخَذَتْهُمْ صَيْحَةٌ أَهْمَدَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ إِلَّا رَجُلًا وَاحِدًا كَانَ

[1] مسند أحمد: 231/4.

في حرم الله عز وجل، قيل: من هو يا رسول الله؟ قال: هو أبو رغال، فلما خرج من الحرم أصابه ما أصاب قومه»

''تم معجزات کا مطالبہ نہ کرنا، صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزے کا سوال کیا تھا۔ لہٰذا (بطور معجزہ) اونٹنی اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے واپس جاتی تھی۔ قوم صالح نے سرکشی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ ایک دن وہ کنویں سے پانی پیتی تھی (اور ایک دن قوم صالح پیتی تھی)، وہ ایک دن (پانی اور دوسرے دن، اونٹنی کی باری والے دن) دودھ پیتے تھے۔ پھر انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں (عذاب الٰہی کو دعوت دی) تو انھیں زوردار چیخ نے آلیا۔ اس چیخ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی چھت تلے ان کی قوم کے ہر (باغی اور کافر) فرد کو قتل کر ڈالا، صرف ایک آدمی بچا جو حرم شریف میں تھا۔'' آپ سے پوچھا گیا: وہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: ''وہ ابو رغال تھا۔ جب وہ حدود حرم سے نکلا تو اسے بھی اسی عذاب الٰہی نے پکڑ لیا جو اس کی قوم پر نازل ہوا تھا۔''[1]

یاد رہے قوم صالح کے لیے ایک اونٹنی کا بطور معجزہ عطا ہونا اور اس کے قتل پر قوم صالح کا عذاب الٰہی کی زد میں آ کر مٹ جانا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ دیکھیے: سورۂ اعراف 7:73-79، سورۂ ہود 11:61-68.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ عذاب الٰہی کا نشانہ بننے والی بستی سے گریہ وزاری کرتے ہوئے گزریں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجر کے ثمودیوں کے بارے میں فرمایا:

«لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين إلا أن تكونوا باكين، أن يصيبكم مثل ما أصابهم»

''اس عذاب دی گئی قوم کی بستی سے جب تمھیں گزرنا پڑے تو روتے ہوئے گزرو، مبادا تم پر وہی عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا۔''[2]

آپ ﷺ جب ان کی عذاب شدہ بستی سے گزرے تو آپ نے تیزی سے وادی کو عبور کیا اور صحابہ کرام کو بھی نصیحت فرمائی.

«لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم، أن يصيبكم ما أصابهم، إلا أن تكونوا باكين»

''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو جب تم ان کی بستیوں سے گزرو تو گریہ وزاری کرتے ہوئے گزرو

1 مسند أحمد:14207، المستدرك للحاكم:3248. 2 صحيح البخاري:4420.

مبادا تم پر وہی عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا۔‘‘

ثُمَّ قَنَعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الْوَادِيَ

’’پھر آپ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور بڑی تیزی سے چلنے لگے یہاں تک کہ اس وادی سے باہر نکل گئے۔‘‘[1]

اسلامی لشکر مسلسل سفر سے تھکا ہارا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قوم ثمود کی بستیوں سے نکل کر پڑاؤ کرنے کی اجازت دی تو تھکے ہارے مجاہدین قوم ثمود کے کنوؤں سے لیے گئے پانی سے وضو کرنے لگے۔ انھوں نے پانی سے اپنے مشکیزے بھی بھر رکھے تھے۔ پھر وہ اسی پانی سے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکانے کی تیاری کرنے لگے۔ اونٹ ذبح کر کے گوشت دیگوں میں چڑھا دیا گیا تاکہ کھانے کا بندوبست جلد از جلد ہو سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آرام کرنا چاہتے تھے، اس لیے ضروری امور جلد از جلد نپٹا رہے تھے۔ اچانک انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان سنا:



لَا تَشْرَبُوا مِنْ مَائِهَا شَيْئًا وَلَا تَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ لِلصَّلَاةِ وَمَا كَانَ مِنْ عَجِينٍ عَجَنْتُمُوهُ فَاعْلِفُوهُ الْإِبِلَ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْهُ شَيْئًا وَلَا يَخْرُجَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ إِلَّا وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ

’’قوم ثمود کے کنوؤں کا پانی مت پیو۔ اس پانی سے نماز کے لیے وضو بھی نہ کرو۔ اس پانی سے جو آٹا گوندھ لیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو، تم خود مت کھاؤ، اور آج رات (تیز آندھی آنے کی اس لیے) کوئی شخص اکیلا معسکر سے باہر نہ جائے۔ اگر ضرورت ہو تو اپنے ساتھی کے ساتھ جائے۔‘‘[2]

اسلامی لشکر کو پانی کی سخت ضرورت تھی اور بھوک بھی بہت ستا رہی تھی لیکن پھر بھی آپ کا یہ حکم سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشکیزے انڈیل دیے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا۔ جن دیگوں میں گوشت پک رہا تھا، وہ بھی خالی کر دی گئیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا:

[illegible]

1 صحیح البخاری 4419 2 دلائل النبوۃ للبیہقی 240/5

''اس کنویں سے پانی لے لو جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔''[1]

اسلامی لشکر نے وادی حجر کے قریب ہی پڑاؤ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مشکیزوں کو دھو کر اس کنویں سے پانی بھر لیا گیا جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔

رات کو چلنے والی آندھی

شام کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو خصوصی ہدایات دیں کہ رات کے وقت جو بھی معسکر سے باہر جانے کی ضرورت محسوس کرے، وہ اکیلا نہ جائے، کسی ساتھی کو ساتھ لے جائے۔ آپ کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ جو شخص ان پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو جو تنبیہ فرمائی تھی، صرف دو افراد نے اس کی خلاف ورزی کی اور نقصان اٹھایا۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«أَمَا إِنَّهَا سَتَهُبُّ اللَّيْلَةَ رِيحٌ شَدِيدَةٌ فَلَا يَقُومَنَّ أَحَدٌ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ بَعِيرٌ فَلْيَعْقِلْهُ» فَعَقَلْنَاهَا، وَهَبَّتْ رِيحٌ شَدِيدَةٌ، فَقَامَ رَجُلٌ فَأَلْقَتْهُ بِجَبَلِ طَيِّءٍ.

''خبردار! آج رات شدید آندھی آئے گی، لہٰذا کوئی شخص کھڑا نہ ہو۔ جس کے پاس اونٹ ہو، وہ اسے باندھ لے۔'' لہٰذا ہم نے اپنے اونٹ باندھ دیے۔ رات کو شدید آندھی آئی۔ ایک شخص کھڑا ہوا تو تیز ہوا نے اسے طے (قبیلے) کے پہاڑوں میں جا پھینکا۔''[2]

آخر یہ شخص طے قبیلے والوں کی مدد سے اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آگئے تھے۔ دوسرا شخص قضائے حاجت کے لیے نکلا تو اس کا گلا دبا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا:

«أَلَمْ أَنْهَكُمَا أَنْ يَخْرُجَ رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ؟»

''کیا میں نے اکیلے جانے سے منع نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کے بغیر کیوں نکلا؟''

پھر آپ نے بیمار کے لیے دعا کی تو وہ صحت یاب ہو گیا۔ یہ دونوں شخص قبیلہ ساعدہ کے فرد تھے۔[3]

[1] صحیح مسلم، 2981. [2] صحیح البخاري، 1481. [3] السيرة لابن هشام: 2/600، المسند لأحمد: 4/165، مغازي الواقدي: 3/391، 392، دلائل النبوة للبيهقي: 5/233-235، البداية والنهاية: 4/663، 665، صحيح السيرة: 2/220، 221، زاد المعاد: 3/531، 532.

دورانِ سفر معجزات نبوی اور منافقین کی سیاہ کاریاں

نفاق ایسا مہلک مرض ہے جو انسان کے گرد اندھیروں کا دبیز پردہ تان دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس، لذت اور روشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات اہل ایمان کو تازگی بخشتے رہے۔ معجزات دیکھ کر ان کا یقین مزید پختہ ہوتا گیا اور انھیں قلبی مسرت اور راحت نصیب ہوتی رہی۔ جبکہ نفاق کے مریض کھلی آنکھوں سے معجزات نبوی کا نظارہ کرتے تھے مگر قلبی انبساط اور روحانی لذت سے یکسر محروم رہتے تھے۔ ایمان میں اضافہ تو در کنار الٹا نفاق کا مرض دو چند ہو جاتا تھا۔ جہاں اہل ایمان معجزات دیکھ کر خوش ہوتے اور ایک دوسرے کو خوشخبریاں سناتے دکھائی دیتے، وہاں منافقین کے دل کا روگ چھپائے نہ چھپتا۔ معجزات نبوی کا ظہور ان کے مرض کو کھول کر سرعام بے نقاب کر دیتا تھا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی پیش آئی۔

موسلا دھار بارش

اسلامی لشکر حجر سے مزید آگے کی طرف روانہ ہوا تو رستے میں ایک بار پھر پانی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت سے جانیں تلف ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ غضب کی گرمی اور پیاس کی شدت نے مجاہدوں کو نڈھال کر دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: جناب ہمیں غزوۂ تبوک کے حالات تو سنائیے۔ انھوں نے فرمایا: ہم تبوک کی طرف سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر ایک منزل پر پڑاؤ کیا، ہمیں شدید پیاس نے نڈھال کر دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جان ہی نکل جائے گی۔ کوئی شخص پانی کی تلاش میں نکلتا تو پلٹ کر واپس ہی نہ آتا، ہمیں خدشہ لاحق ہو جاتا کہ وہ تو گیا۔

پھر یہ ہوا کہ لوگوں نے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے۔ وہ اونٹ ذبح کر کے اس کے معدے سے پانی نچوڑتے اور پی جاتے۔ جو باقی بچ جاتا، وہ پیٹ پر ڈال کر گرمی کی حدت کم کرنے کی کوشش کرتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعائیں مانگنے کی صلاحیت سے خوب نوازا ہے۔ آپ کی دعائیں باعث برکت ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! کیا تم چاہتے ہو کہ میں دعا کروں؟'' انھوں نے عرض کی: حضور! ضرور دعا فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا ہاتھ اٹھائے اور قبلہ رخ ہو کر دعا شروع کر دی۔ آپ نے ابھی دعا شروع ہی کی تھی کہ آسمان پر چاروں طرف کالی گھٹائیں چھا گئیں اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی خوشی سے نہال ہو گئے۔ انھوں نے خوب جی بھر کر پانی پیا، سواریوں کو پلایا اور مشکیزے بھی بھر لیے۔ یہ سارا منظر اہل ایمان کے لیے ایمانی تازگی اور روحانی فرحت کے ساتھ ساتھ جسمانی ضروریات پوری ہونے کا باعث بھی بنا۔ جبکہ منافقین موسلا دھار بارش میں بھی جل رہے تھے۔ ان کا مرض انھیں بے چین کر رہا تھا۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ایک منافق سے کہا: تیرا ستیا ناس! کیا اس معجزے کے بعد بھی تجھے عقل نہیں آئی؟ وہ جل بھن کر بولا: یہ کون سی بڑی بات ہے، ایک بدلی آئی اور برس گئی۔ یہ بدنصیب شخص اوس بن قیظی یا زید بن لصیت تھا۔

ایسے ہی واقعات کے ظہور میں آنے کے بعد منافقین جھنجلا جاتے تھے اور اپنے کفر و نفاق کو چھپانے میں ناکام رہتے تھے۔ باوجود ہزار کوشش کے ان کا کفر و نفاق کھل کر سامنے آجاتا تھا اور پوشیدہ دشمنوں کے چہروں کے سارے نقاب اٹھ جاتے تھے۔ سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: کیا لوگ منافقوں کو جانتے تھے؟ وہ فرماتے ہیں: ہاں، اللہ کی قسم! اہل ایمان اپنے بھائیوں، چچازاد بھائیوں اور اپنے آباء میں سے منافقوں کو خوب پہچانتے تھے۔ سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے محلے میں ہماری قوم کے چند منافق رہتے تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہماری قوم بنونجار میں منافق بھی رہتے ہیں، اللہ انھیں کبھی برکت نہ دے۔ ان سے پوچھا گیا: ابوسعید! وہ کون ہیں؟ فرمایا: سعد بن زرارہ اور قیس بن فہر۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ تبوک میں پانی کی شدید قلت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا فوراً قبول کی اور بارش عطا فرمائی تو سارا لشکر خوب سیراب ہوا۔ ایک منافق نے خوب سیر ہو کر پانی پیا تو ہم نے اس سے کہا: تیرا برا ہو! کیا یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی تجھے ہدایت نصیب نہیں ہوئی؟ وہ بولا: اس میں کون سی بڑی بات تھی۔ ایک بادل کا ٹکڑا آیا، کھلا، برس گیا اور بس![1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی گمشدگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارض ثمود سے روانہ ہوئے تو اگلی منزل پر پڑاؤ کے دوران آپ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو تلاش کرنے بھیجا۔ آپ کی خدمت میں اس وقت سیدنا عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ بھی تھے جو صاحب شرف و منزلت سردار تھے۔ انھوں نے بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شرکت کی فضیلت بھی حاصل کی۔ ان کے خیمے میں زید بن لصیت

1 قصص الأنبياء لابن كثير 2/600، 601، البداية والنهاية 4/661، 662، المغازي للواقدي 2/393، 394، السيرة لابن هشام 4/166، صحيح ابن خزيمة: 101، المستدرك للحاكم: 655.

نامی منافق رہتا تھا۔ یہ شخص بنو قینقاع کا یہودی تھا۔ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا مگر اس کے قلب و روح سے یہود کے مکر و فریب کی بدبو نہ نکلی۔ یہ اپنی بد قماش عادت پر قائم رہا اور منافقوں کا نمونہ بن گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو تلاش کرنے کے لیے کچھ صحابہ کو روانہ کیا تو یہ سیدنا عمارہ کے خیمے میں تھا۔ کہنے لگا محمد (ﷺ) کا دعوی تو یہ ہے کہ وہ تمھیں آسمانی خبریں دیتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ اسے خود اپنی گمشدہ اونٹنی کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس یہودی کی بکواس سے آگاہ فرما دیا۔ آپ ﷺ نے حاضرین کو خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«إن هذا يقول إن محمدا يزعم أنه نبي وأنه يخبركم بأمر السماء ولا يدري أين ناقته، وإني والله لا أعلم إلا ما علمني الله، وقد دلني الله عليها، وهي في الوادي في شعب كذا وَكَذَا حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا، فَانْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُونِي بِهَا»

”بے شک ایک منافق کہہ رہا ہے: محمد (ﷺ) کا دعوی ہے کہ وہ سچے نبی ہیں اور تمھیں آسمانی وحی کی باتیں بتاتے ہیں مگر انھیں خود اپنی (گمشدہ) اونٹنی کا پتہ نہیں ہے۔ یقیناً اللہ کی قسم! مجھے صرف اتنا ہی علم ہے جتنا میرا اللہ مجھے بتاتا ہے۔ میرے اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میری اونٹنی وادی میں فلاں گھاٹی پر ایک درخت میں لگام اٹک جانے کی وجہ سے رکی کھڑی ہے۔ جاؤ اور اسے لے آؤ۔“

صحابہ کرام گئے اور آپ کی بتائی ہوئی جگہ سے اونٹنی لے آئے۔ یہ ساری کارروائی سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہوئی۔ بعد ازاں وہ اپنے خیمے میں واپس آئے تو انھوں نے حاضرین کو یہ تعجب خیز واقعہ سنایا۔ انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ ایک منافق نے آپ کی شان میں فلاں فلاں گستاخانہ باتیں کی ہیں۔ سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کے خیمے میں موجود ایک شخص فوراً بولا: اللہ کی قسم! یہ باتیں تو زید بن لصیت نے آپ کے واپس آنے سے تھوڑی دیر پہلے کہی تھیں۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو گردن سے دبوچا اور خیمے سے باہر پھینک دیا۔ انھوں نے اسے للکارتے ہوئے فرمایا: اللہ کے دشمن! دفع ہو جا۔ اب میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہ تھا کہ اتنا بڑا منافق میرے ہی خیمے میں موجود ہے۔

سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کو زید بن لصیت منافق کی منافقانہ گفتگو ان کے بھائی عمرو بن حزم نے سنائی تھی۔ آپ کی اونٹنی کو لینے کے لیے حارث بن خزمہ اشہلی رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ جب اونٹنی واپس آگئی تو زید بن لصیت کہنے لگا: میں محمد کی نبوت میں شک و شبہے کا شکار تھا۔ آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے

میں آج ہی مسلمان ہوا ہوں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ زید بن لصیت نے پکی توبہ کر لی تھی اور وہ سچا مسلمان بن گیا تھا۔ لیکن خارجہ بن زید بن ثابت اس کی توبہ والی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ زید بن لصیت مرتے دم تک بدعقیدہ ہی رہا۔[1]

جلاس بن سوید اور اس کے ہمنواؤں کی مذمت

علامہ واقدی، ابن اسحاق اور دیگر اصحاب مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کی جانب گامزن تھے۔ آپ کے ساتھ منافقین کا ایک ٹولہ بھی محوِ سفر تھا۔ یہ لوگ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ کسی نہ کسی بے ہودگی کا ارتکاب کرتے جا رہے تھے۔ اس ٹولے میں ودیعہ بن ثابت، جلاس بن سوید بن صامت، مخشی یا مخشن بن حمیر اور ثعلبہ بن حاطب شامل تھے۔ مسلمانوں کو عیسائیوں سے خوفزدہ اور مرعوب کرنا اور اصحاب رسول ﷺ کا مذاق اڑانا ان لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان کی مذمت اور رسوائی کے لیے کافی تھیں۔ چلتے چلتے ان میں سے کسی نے کہا: کیا بنی اصفر (رومیوں) سے جنگ لڑنا بچوں کا کھیل ہے؟ انھیں دوسرے لوگوں کی طرح کمزور اور آسان ہدف سمجھ لیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کل ہم سب رسیوں میں جکڑے گرفتار ہو رہے ہوں گے۔ ودیعہ بن ثابت نے رسول اللہ ﷺ کے مخلص فدائیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے ہرزہ سرائی کی: ”ہمارے یہ قاری بڑے پیٹو اور زبان کے جھوٹے ہیں، دشمن سے مقابلہ ہو تو ان جیسا بزدل کوئی نہیں۔“

جلاس بن سوید نے بھی اپنا خبث باطن ظاہر کرنا ضروری سمجھا، کہنے لگا: ”کیا یہ لوگ ہمارے رؤساء اور اشراف ہیں؟ کیا یہ ہم میں سے فضیلت کے حقدار ہیں؟ اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں۔“

جلاس کی یہ شر انگیزی سن کر اس کے سوتیلے بیٹے عمیر سے رہا نہ گیا۔ عمیر یتیم تھا اور جلاس کے گھر میں پل رہا تھا۔ اس کی والدہ نے جلاس سے شادی کر لی تھی۔ عمیر کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! بلاشبہ تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔ اللہ کے رسول سچے اور تم جھوٹے ہو۔ اللہ کی قسم! میری تمنا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو سو سو کوڑے لگا دیے جائیں لیکن اس بے ہودہ گوئی کی بنا پر ہماری مذمت میں قرآن مجید نازل نہ ہو۔“

ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھی اس مجلس کی خبر دے دی۔ آپ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”جاؤ، یہ لوگ تو برباد ہونے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ کیا ماجرا ہے؟ اگر وہ اپنی باتوں سے مکر جائیں تو تم انھیں بتانا کہ تم لوگوں نے فلاں فلاں باتیں کی ہیں۔“ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ گئے اور ان سے ان کی مجلس کا ماجرا پوچھا تو وہ

1 السیرۃ لابن ہشام 167/4، السیرۃ لابن إسحاق 601/2، المغازي للواقدي 394/2، البدایۃ والنہایۃ 662/4

حسب عادت مکر گئے۔ اس پر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے انھیں ساری روداد سنا دی جو رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتائی تھی۔ ان کا راز کھلا تو پریشان ہوئے کہ معاملہ بگڑ گیا ہے، لہٰذا فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ودیعہ بن ثابت نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی پیٹی پکڑی اور التجائیں کرنے لگا۔ آپ نے اس منافق کے لیے سواری کو روکنا ضروری نہ سمجھا۔ وہ اونٹنی کی پیٹی سے لٹکتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے پاؤں پتھروں سے ٹکرا رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو صرف گپ شپ کر رہے تھے۔ کوئی سنجیدہ بات نہیں ہوئی۔ ہم صرف وقت گزاری کے لیے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف التفات بھی نہ فرمایا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں سورۂ توبہ کی یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝﴾

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے تھے۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے؟ (اب) بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو اس وجہ سے عذاب دیں گے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔''[1]

ابھی ودیعہ اپنی صفائی دے کر پلٹا ہی تھا کہ جلاس بن سوید حاضر ہو کر قسمیں کھانے لگا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں نے کچھ نہیں کہا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝﴾

''وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کوئی بات) نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے ضرور کلمۂ کفر کہا تھا اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔ اور انھوں نے غصہ نہیں نکالا مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا، پھر اگر

[1] التوبة 9:65، 66.

وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہ ہو گا۔''[1]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جلاس غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا بلکہ وہ مدینہ منورہ میں رہ کر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ وہ انھیں جہاد سے بدظن کرتا اور اپنے کفر و نفاق کے جال بنتا تھا۔ جلاس کا ایک غلام انصار مدینہ کے علاقے میں بحالت مقتول ملا تھا۔ جلاس نے انصار سے دیت لینی چاہی تو اسے کچھ نہ ملا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرائی تب اسے دیت حاصل ہوئی۔ اس دیت سے جلاس بہت مالدار ہو گیا۔

عمیر بن سعد یا عمیر بن عبید یتیم تھا۔ اس کی والدہ ام عمیر نے جلاس سے شادی کی ہوئی تھی۔ جلاس عمیر سے بڑی شفقت کرتا تھا اور عمیر کو بھی جلاس سے بڑی محبت تھی۔ لیکن جب جلاس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور کہا: ''اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔'' تو عمیر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوا۔ اس نے جلاس کو مخاطب کر کے کہا: اے جلاس! تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے، سب سے بڑھ کر محسن تھے، میں تمھیں کبھی تکلیف یا نقصان میں نہ دیکھ سکتا تھا لیکن آج اللہ کی قسم! تم نے ایسی بات کر دی ہے کہ اگر میں اسے ظاہر کر دوں تو تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اور اگر اسے چھپاؤں تو میرا ایمان جاتا رہے گا، اس لیے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتا کر رہوں گا۔ چنانچہ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلاس کے گستاخانہ کلمات بیان کر دیے۔ جلاس بھی پیچھے پیچھے چلا آیا اور اللہ کی قسم کھا کر عمیر کی تردید کر دی اور اسے جھٹلا دیا۔ یہ سن کر سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے رب سے التجا کی: الٰہی! اپنے نبی پر حقیقت حال واضح فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے نکلنے والی صدا قبول فرمائی اور اپنے رسول کو منافقین کی بدتمیزیوں سے آگاہ فرماتے ہوئے درج بالا آیت ﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا ...... ﴾ نازل فرمائی۔

جلاس نے جب یہ آیت سنی تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور پکی توبہ کر کے سرخرو ہو گیا۔ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ انھی کے گھر میں پرورش پا رہے تھے۔ جلاس نے پہلے ہی کی طرح ان پر بدستور شفقت و مہربانی جاری رکھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی غلطی سے پکی توبہ کر لی تھی اور سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ کی شکایت کو نظر انداز کر دیا تھا۔

مخشی بن حمیر بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے میرے نام اور میرے والد کے نام نے یہ دن دکھائے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی معافی قبول کی اور اس

[1] التوبة 9:74.

کا نام عبدالرحمان یا عبداللہ رکھ دیا۔ سیدنا عبدالرحمان نے دعا کی: الٰہی! مجھے شہادت کی موت نصیب فرمانا اور میری موت کو پوشیدہ رکھنا۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جنگ یمامہ میں مرتدین سے جہاد کرتے ہوئے انھیں شہادت نصیب ہوئی لیکن ان کی لاش کسی کو نہ ملی۔

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے نام تبدیل کر دیتے تھے جن کے معنی ٹھیک نہ ہوتے یا وہ معاشرتی طور پر اچھے نہ سمجھے جاتے تھے۔

المخشي کے معنی ہیں: ڈرا ہوا، خائف۔ المُخشِّن کے معنی ہیں: بھدا، کھردرا، بدمزاج، بداخلاق۔ حُمَیر کے معنی ہیں: چھوٹا گدھا۔[1]

باغ کا تخمینہ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کا نظام مالیات اور عشر و زکاۃ بھی نہایت شاندار ہے۔ مالدار مسلمانوں سے نہایت معمولی سا حصہ وصول کر کے اسی علاقے کے غرباء میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس سے امیر و غریب کے درمیان وہ خلیج حائل نہیں ہو پاتی جو آج کے دور میں اکثر معاشروں میں پائی جاتی ہے اور ان کی باہمی محبت و الفت کو بھی تقویت ملتی ہے۔

عشر و زکاۃ کی وصولی کے لیے مال کی مقدار کا حساب لگانا اور پھر مقرر شدہ نصاب کے مطابق عشر و زکاۃ وصول کرنا ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کے ایسے وصول کنندگان مقرر کیے جو پھل پکنے سے پہلے باغات میں جا کر پھلوں کا اندازہ لگاتے تھے۔ باغات کے مالکوں کو ایک تہائی یا چوتھائی حصے تک خصوصی چھوٹ دے دی جاتی۔ اس کے بعد باغ والوں کو اجازت ہوتی کہ وہ عشر کی ادائیگی سے قبل تازہ پھل خود بھی کھائیں، مہمانوں کو بھی کھلائیں یا کسی عزیز کو تحفہ دیں۔ جب سارا پھل اتار لیا جاتا تو عشر کا اندازہ ہو جاتا۔ پھر اسلامی حکومت کا وصول کنندہ آتا اور عشر وصول کر لیتا۔ اس طرح اسلامی حکومت نے باغات کے مالکوں کو بڑی راحت بخش سہولت دے دی کہ وہ مکمل پھل اتارنے اور عشر ادا کرنے سے قبل اپنے باغات میں تصرف کر سکتے تھے۔

غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے راستے میں ایک عورت کا باغ آیا جس کے پھل پک چکے تھے اور اتارنے باقی تھے۔ آپ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ''اس باغ کا تخمینہ لگاؤ۔'' صحابہ نے اپنے اپنے حساب بتائے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] المغازي للواقدي 2/389-391، السيرة لابن هشام: 4/168، السيرة لابن إسحاق 2/603، زاد المعاد 3/536، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 2/1811، 1812.

نے اس باغ کا تخمینہ 10 وسق (تقریباً 1500 کلوگرام) لگایا۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو حکم دیا کہ پھل اتارنے کے بعد اسے تول کر مقدار معلوم کر لینا۔ ہم واپسی پر تمھارے پاس آئیں گے (حساب پوچھیں گے اور عشر وصول کریں گے)۔

مجاہدین واپسی پر وادی قریٰ میں اسی باغ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا: ''تمھارے باغ سے کتنی کھجوریں اتری ہیں؟'' اس نے عرض کی: حضور! آپ کے تخمینے کے مطابق دس وسق ہوئی ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے خوش نصیب ہمراہی

غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عام منادی کرادی تھی کہ سب لوگ جہاد کے لیے نکلیں۔ مختلف قبائل کو خصوصی پیغام بھجوایا کہ وہ بھی مکمل تیاری کر کے مدینہ منورہ آ جائیں۔ لہٰذا خوش نصیب جوق در جوق چلے آئے۔ بدنصیب منافق مدینہ منورہ میں موجود ہونے کے باوجود پیچھے رہ گئے اور مخلص صحابہ کو بھی روکنے کے لیے سازشوں کا جال بنتے رہے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو مال غنیمت کے لالچ میں ساتھ چل دیے۔

اللہ کی رضا کے لیے ساتھ جانے والوں میں ایک خوش نصیب سیدنا ابورہم کلثوم بن حصین غفاری بھی تھے۔ سیدنا ابورہم رضی اللہ عنہ مشہور صحابۂ کرام میں سے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والے خوش بخت صحابہ میں یہ بھی شامل تھے۔ مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دو مرتبہ اپنا جانشین بنایا۔ پہلی بار عمرۃ القضاء کے موقع پر اور دوسری بار فتح مکہ کے موقع پر۔ اس طرح انھیں دوبار مدینہ منورہ کی امارت نصیب ہوئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی انھیں رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی کا شرف نصیب ہوا۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ہمکلام ہونے کی سعادت بھی پائی۔

آئیے رسول اللہ ﷺ سے ان کا مکالمہ انھی کی زبانی سنتے ہیں:

سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی۔ ایک رات میں نے وادی اخضر میں آپ ﷺ کے بالکل قریب رہ کر سفر کیا۔ دوران سفر مجھے اونگھ آ گئی۔ میں بار بار بیدار ہوتا مگر آنکھیں بوجھل ہو کر بند ہو جاتیں۔ میری اونٹنی رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں میری اونٹنی آپ کے پائے مبارک کو مسل نہ دے، اس لیے میں اپنی اونٹنی کو پیچھے کرنے لگا تاکہ آپ ﷺ کو چوٹ نہ لگے۔ اسی دوران میری آنکھ لگ گئی اور مجھے گہری نیند آ گئی۔ میری اونٹنی آگے بڑھی اور رسول اللہ ﷺ کی

[1] صحيح مسلم: 1392، سنن أبي داود: 3413، المغازي للواقدي: 391/2.

اونٹنی سے ٹکرا گئی۔ آپ ﷺ کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور درد کی شدت سے آپ کے منہ سے آواز نکلی تو میں جاگ اٹھا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے معاف فرمائیے اور میری بخشش کی دعا فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق مجھ سے درگزر فرمایا اور حکم دیا کہ میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ مجھ سے غفار قبیلے کے ان افراد کے متعلق پوچھنے لگے جو شریک سفر نہیں ہو سکے تھے۔ میں نے ایک ایک فرد کے بارے میں آپ کو اطلاع دی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

«مَا فَعَلَ النَّفَرُ الْحُمْرُ الطِّوَالُ الثِّطَاطُ؟»

''دراز قد، سرخ چہروں اور چھوٹی داڑھیوں والے کیوں نہیں آئے؟''

میں نے ان کے پیچھے رہ جانے کی وجہ آپ کو بتائی۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

«فَمَا فَعَلَ النَّفَرُ السُّودُ الْقِصَارُ الْجِعَادُ الْحُلْسُ؟»

''سیاہ رنگ، چھوٹے قد اور گھنگریالے بالوں والے جو جنگ میں ڈٹ جاتے ہیں، وہ کیوں نہیں آئے؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ تو ہمارے قبیلے میں نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ضرور ہیں، وہ جو شبکہ شدخ میں رہتے ہیں۔'' (شبکہ شدخ بنو غفار کی شاخ اسلم کے چشمے کی جگہ ہے۔ اس جگہ اسلم والے رہائش پذیر تھے۔) میں نے ذہن پر زور ڈالا تو مجھے یاد آ گیا کہ یہ اسلم قبیلے کے کچھ لوگ تھے جو ہمارے علاقے میں رہتے تھے، پھر شبکہ شدخ منتقل ہو گئے۔ ان کے پاس بکثرت جانور موجود تھے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! مجھے یاد آ گیا، یہ اسلم قبیلے سے ہمارے حلیف تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«مَا مَنَعَ أَحَدَهُمْ حِينَ تَخَلَّفَ أَنْ يَحْمِلَ عَلَى بَعِيرٍ مِنْ إِبِلِهِ رَجُلًا نَشِيطًا فِي سَبِيلِ اللهِ، بِمَنْ يَخْرُجُ مَعَهُ فَيَكُونُ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الْخَارِجِ، إِنْ كَانَ لَمِنْ أَعَزِّ أَهْلِي عَلَيَّ أَنْ يَتَخَلَّفَ عَنِّي الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ وَالْأَنْصَارُ، وَغِفَارٌ، وَأَسْلَمُ»

''اگر یہ لوگ پیچھے رہ گئے تھے تو کسی پھرتیلے آدمی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہمارے ساتھ روانہ کر دیتے۔ آخر اس میں کیا چیز مانع ہوئی؟ اگر وہ ایسا کر دیتے تو انھیں جہاد کرنے والے کے برابر اجر و ثواب ملتا۔ پیچھے رہ جانے والوں میں سے جن لوگوں کی غیر حاضری مجھ پر بڑی گراں گزری ہے، ان میں قریشی مہاجرین، انصار، غفار اور اسلم قبیلے کے لوگ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا اپنے مجاہدین کا خیال رکھنا اور ان کی صلاحیتوں اور انفرادی خوبیوں سے باخبر رہنا آپ کی

عظیم قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مہاجرین، انصار، اسلم اور غفار قبیلے کے غیر حاضر لوگوں کا آپ ﷺ پر شاق گزرنا، آپ کی ان لوگوں سے بے پناہ محبت کا ثبوت ہے۔[1]

راہِ تبوک کی مساجد

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لیے تقریباً 900 کلو میٹر سفر طے کیا۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے آپ رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام فرماتے۔ نماز ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے۔ راستے میں آپ نے جہاں جہاں نماز پڑھی، وہاں پر بعد میں مساجد بنا دی گئیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 مسجد ذی خشب: مدینہ منورہ سے ایک رات کے فاصلے پر ذوخشب نامی وادی میں آپ نے پڑاؤ کیا اور نمازیں پڑھیں۔ 2 مسجد الفیفاء: وادی عقیق کے نواح میں ایک جگہ ہے۔ الفیفاء متعدد جگہوں کا نام بھی ہے۔ 3 مسجد المروۃ: وادی قریٰ میں ایک بستی ہے۔ 4 مسجد السقیا 5 مسجد وادی القریٰ 6 مسجد الحجر: یہ بھی وادی قریٰ میں ایک جگہ ہے۔ 7 مسجد ذنب حوصاء 8 مسجد ذی الجیفہ 9 مسجد شق تاراء 10 مسجد ذات الخطمی 11 مسجد سمنہ 12 مسجد الاخضر 13 مسجد ذات الزراب 14 مسجد المدران 15 مسجد تبوک۔[2]

دورانِ سفر پیش آنے والے چند واقعات

1 لاغر اور سفر سے عاجز اونٹ: دوران سفر رسول اللہ ﷺ نے ایک لاغر اونٹ دیکھا۔ اس کی کمزوری اور سفر کرنے سے عاجزی کی بنا پر اس کے مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ مسافروں میں سے ایک شخص نے یہ لاوارث اونٹ سنبھال لیا۔ چند دن اسے خوب کھلایا پلایا تو وہ صحت مند ہو گیا اور چلنے پھرنے لگا۔ تھوڑی سی مزید محنت کرنے

[1] السيرة لابن هشام 173/4، المغازي للواقدي 388/2، موسوعة الغزوات الكبرى 1809/2، 1810، مسند أحمد 349/4، 350، المصنف لعبد الرزاق 19822، السيرة لابن إسحاق 607/2 [2] موسوعة الغزوات الكبرى 1807/2، 1808.



مسجد السقیا



مسجد تبوک

سے وہ سفر کرنے کے قابل ہو گیا۔ لہٰذا اس کی دیکھ بھال کرنے والا یہ شخص اسی اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کے ساتھ چل دیا۔ اونٹ کے سابقہ مالک نے اپنا اونٹ دیکھا تو اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ دیکھ بھال کرنے والا کہتا تھا کہ میں نے اس مریل اونٹ کو چلنے پھرنے کے قابل بنایا ہے، لہٰذا اب یہ اونٹ میرا ہے۔ دونوں میں تکرار بڑھی تو معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے دونوں کی بات سنی، پھر ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْيَا خُفًّا أَوْ كُرَاعًا بِمَهْلَكَةٍ مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ

''جس شخص نے کسی اونٹ، گائے یا بکری کو بے آب و گیاہ صحرا، یا جنگل بیاباں میں مرنے سے بچایا تو وہ جانور اسی کا ہے۔''[1]

■ تحائف کا تبادلہ: رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ یہ تھا کہ آپ تحائف قبول کرتے تھے اور تحفہ دینے والے کو اس کی حیثیت اور اپنی استطاعت کے مطابق شاندار جوابی تحفہ عنایت فرماتے تھے۔ آپ کی اسی مبارک عادت کا تذکرہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ان الفاظ میں فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا

''رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی مرحمت فرماتے تھے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ وادیٔ قریٰ میں اترے تو وہاں کے یہودیوں بنو عریض نے آپ کو بطور ہدیہ ہریسہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کا ہدیہ قبول کیا اور اسے تناول فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں چالیس وسق (تقریباً 6 ٹن) کھجوروں کے حامل درخت عطا فرمائے۔ آپ نے انھیں یہ عظیم عطیہ دیا تو ایک یہودی عورت بول اٹھی: ''محمد (ﷺ) کا یہ عطیہ ان کے لیے ان کی آبائی وراثت سے بھی بہتر ہے، کیونکہ کھجوروں کے یہ درخت انھیں تاقیامت پھل دیتے رہیں گے۔''[3]

■ اولین حدی خواں: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جزیرۂ عرب کے اونٹ تیز رفتار اور طویل سفر کے لیے ایک معروف سواری تھی۔ تجارتی قافلے راتوں کو طویل سفر طے کرتے تھے۔ اونٹوں کو مسلسل تیزی سے چلانے کے لیے ایک خوش الحان شخص کو مقرر کر دیا جاتا تھا جو سب سے اگلے اونٹ کو چلاتا اور ساتھ ساتھ بڑے ترنم سے شعر پڑھتا جاتا جسے حدی (عرب شتربانوں کا نغمہ) کہتے ہیں۔ شعروں کے زیر و بم اور خوش الحانی سے اونٹ غیر معمولی طور پر

1 المغازي للواقدي 2/389، موسوعة الغزوات الكبرى 2/1809. 2 صحيح البخاري، حديث: 2585. 3 المغازي للواقدي: 2/391، سبل الهدى والرشاد: 5/446، إمتاع الأسماع: 2/55.

متاثر ہوتے اور تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے سفر کرتے۔ یہ طریقہ کس نے ایجاد کیا اور کیسے ایجاد ہوا؟ آیئے اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ ﷺ جب وادی مشقق میں پہنچے تو آپ نے ایک حدی خواں کی آواز سنی جو آدھی رات کو اونٹ دوڑائے جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تیزی سے چلو اور اس حدی خوان تک پہنچو۔ پھر آپ نے دریافت کیا:

«مَمِنِ الْحَادِي، مِنْكُمْ أَوْمِنْ غَيْرِكُمْ؟»

''یہ حدی خوان کون ہے؟ یہ تم میں سے ہے یا کسی اور قبیلے سے ہے؟''

صحابہ نے عرض کی: یہ ہم میں سے نہیں ہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ان لوگوں تک پہنچے تو وہ بہت سے لوگ تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟'' وہ بولے: ہم مضر قبیلے سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مضر سے تو میں بھی ہوں۔ ذرا وضاحت سے بتاؤ۔'' انھوں نے اپنا مکمل نسب مضر تک بیان کیا۔ پھر انھوں نے بتایا کہ ہم نے سب سے پہلے حدی خوانی شروع کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بھلا کیسے؟'' کہنے لگے: زمانہ جاہلیت میں عرب ایک دوسرے پر ڈاکے ڈالتے تھے۔ لوٹ مار میں جو ہاتھ لگتا، لے بھاگتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے گھر پر ڈاکہ پڑا تو اس کے اونٹ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ جب ڈاکو جا چکے تو اس نے اپنے غلام سے کہا: جاؤ اونٹ اکٹھے کرو۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ اونٹ بہت دور نکل چکے ہیں۔ انھیں واپس لانا اور اکٹھا کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ مالک کو غصہ آیا۔ اس نے غلام کے ہاتھ پر زور سے ڈنڈا دے مارا۔ غلام نے درد کے مارے بلکنا شروع کر دیا۔ وہ روتا بھی جاتا تھا اور درد بھری آواز میں فریاد بھی کرتا جاتا تھا: ہائے میرا ہاتھ! ہائے میرا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اس کی درد بھری آواز سن کر اونٹ حیرت انگیز طور پر جمع ہونے لگے۔ مالک بہت خوش ہوا کہ بھگوڑے اونٹ خود بخود واپس آ رہے ہیں۔ اس نے غلام سے کہا: بس اسی طرح چلاتے رہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارے اونٹ جمع ہو گئے۔ بس اسی دن سے حدی کا رواج پڑ گیا۔ شعراء کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ خوش الحان شاعر قافلے کے آگے آگے اپنی دلکش آواز کا جادو جگاتے اور اونٹ تیز رفتاری سے اس آواز کی طرف لپکتے چلے آتے۔ اس طرح قافلے کا سفر آسان ہی نہیں دلچسپ بھی بن جاتا تھا۔ بس پھر حدی خواں ہر قافلے کا لازمی حصہ بن گیا — آغاز حدی خوانی کی یہ داستان سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا أُبَشِّرُكُمْ؟»

''کیا میں تمھیں ایک خوش خبری سنا دوں؟''

صحابۂ کرام نے عرض کی: حضور! خوش خبری ضرور سنائیے۔ آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ أَعْطَانِي الْكَنْزَيْنِ: فَارِسَ وَالرُّومَ، وَأَمَدَّنِي بِالْمُلُوكِ مُلُوكِ حِمْيَرَ، يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَأْكُلُونَ فَيْءَ اللّٰهِ.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو خزانے، ایران اور روم عطا کیے ہیں اور میری مدد حمیر کے بادشاہوں کے ذریعے فرمائی ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اللہ کا عطا کردہ مال نے کھائیں گے۔''[1]

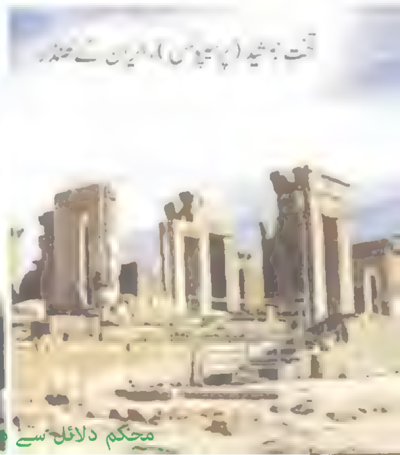
رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر عراق اور شام کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھا تو شام میں اسلامی لشکر کے ایک قائد سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ یمنی تھے۔ ذوالکلاع حمیری یمن (حمیر) کے بادشاہوں میں سے تھے اور انھوں نے جنگ یرموک اور یمن کی فتوحات میں اسلامی لشکر کے دستوں کی قیادت کی۔ اسی طرح افریقہ اور شام کی فتوحات میں یمنی حمیری سپاہ کا کردار نہایت نمایاں رہا۔ ان کے فوجی دستے اور مالی تعاون اسلامی لشکر کے لیے بہترین قوت ثابت ہوئے۔

4 سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سعادت: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دوران سفر رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حجر اور تبوک کے درمیان ایک جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت رسول کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے بستی سے دور نکل کر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ اس موقع پر بھی آپ معسکر سے دور نکل گئے۔ میں بھی پانی کا برتن لے کر آپ کے پیچھے پیچھے گیا۔ واپسی میں تاخیر ہوگئی حتی کہ صحابہ کو خدشہ ہوا کہ سورج نکل آنے کا۔ ابھی تک میں نے فجر کی نماز ادا نہیں کی تھی۔ کبھی نبی کریم ﷺ کے منتظر تھے۔ جب انتظار طویل ہو گیا اور نماز میں دیر ہو گئی تو صحابہ نے سیدنا عبدالرحمن بن

[1] المغازي للواقدي: 2/395، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1820.


حمیر (قدیم یمن)


قیصر روم کے شہر قسطنطنیہ کی فصیل


تخت جمشید (پرسیپولس) ایران کے کھنڈر

نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ سے گزارش کی کہ وہ نماز پڑھا دیں، لہٰذا وہ آگے بڑھے اور نماز شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں نے آپ ﷺ کو وضو کرایا۔ جب ہم معسکر میں پہنچے تو سیدنا عبدالرحمن ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ صحابہ کرام ؓ نے آپ کو دیکھا تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام فرط محبت میں زور زور سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگے تاکہ اب سیدنا عبدالرحمن پیچھے ہٹ جائیں اور رسول اللہ ﷺ نماز پڑھائیں۔ قریب تھا کہ وہ اسی جذبے کے زیر اثر نماز توڑ بیٹھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو سیدنا عبدالرحمن کو ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ نماز جاری رکھو۔ وہ بھی آپ کی آمد سے آگاہ ہو کر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہے تھے۔ آپ ﷺ کا حکم پا کر وہ رکے اور نماز مکمل کرنے لگے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے ایک رکعت سیدنا عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا میں ادا کی۔ جب انھوں نے نماز مکمل کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے اٹھ کر اپنی دوسری رکعت مکمل کی اور سلام پھیرا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز باجماعت اور بروقت ادا کرنے پر صحابہ کرام کی تحسین فرمائی، ان کے اس عمل کو سراہا اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ کو شاندار خراج تحسین سے نوازا۔ آپ ﷺ کے الفاظ مبارک ان کے لیے یقیناً عظیم الشان انعام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«أَحْسَنْتُمْ إِنَّهُ لَمْ يُتَوَفَّ نَبِيٌّ حَتَّى يَؤُمَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنْ أُمَّتِهِ»

''تم نے بہت اچھا کیا۔ بلاشبہ کوئی بھی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوا جب تک اس نے اپنی امت کے ایک صالح مرد کے پیچھے نماز نہ پڑھ لی۔''[1]

اسلام کا نظام عدل و انصاف: اسلام کا نظام عدل و انصاف بڑا شاندار اور بے مثال ہے۔ یہ ہر امیر و غریب، عربی و عجمی، گورے اور کالے کو بلاتفریق انصاف فراہم کرتا ہے۔ معاشرے کے امن و سکون کے لیے بروقت انصاف اشد ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام نے ایسے قوانین دیے جو بلاامتیاز فوری انصاف کے ضامن ہیں۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دفاع میں ظالم شخص کا کچھ نقصان کر دیتا ہے یا لڑائی کی صورت میں ظالم کو قتل کر دیتا ہے تو اس پر کوئی قصاص یا دیت لازم نہیں آئے گی۔ ایک ایسا ہی واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آیا۔

سیدنا یعلیٰ بن امیہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ یہ

1 جامع الترمذي: 125، المغازي للواقدي: 395/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1821/2.

غزوہ میرے بہترین اعمال میں سے ہے۔ اس غزوے کے دوران میرے خادم کی ایک شخص سے لڑائی ہو گئی۔ اس نے میرے خادم کے ہاتھ پر دانت گاڑ کر کاٹ لیا۔ میرے خادم نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگایا تو دانت سے کاٹنے والے شخص کے سامنے والے دانت ٹوٹ گئے۔ دانت ٹوٹنے پر وہ دیت یا قصاص کے لیے جھگڑا کرنے لگا۔ بالآخر دونوں انصاف کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی اپنے خادم کے ساتھ ہو لیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے طرفین کی بات سنی۔ میرے خادم نے عرض کی: حضور! میں نے تو صرف اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی، اس کے دانت توڑنا میرا مقصد نہ تھا۔ آپ نے دانت سے کاٹنے والے کو شدید ڈانٹ پلائی اور فرمایا:

«يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ، لَا دِيَةَ لَهُ»

''تم اپنے ہی بھائی کو دانت سے یوں کاٹتے ہو جیسے اونٹ کاٹتا ہے۔ تمھیں کوئی دیت نہیں ملے گی۔''[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

«أَرَدْتَ أَنْ تَأْكُلَ لَحْمَهُ»

''کیا تم اس کا گوشت کھانا چاہتے تھے؟''[2]

صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

«مَا تَأْمُرُنِي؟ تَأْمُرُنِي أَنْ آمُرَهُ أَنْ يَدَعَ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ؟ اِدْفَعْ يَدَكَ حَتّٰى يَعَضَّهَا ثُمَّ انْتَزِعْهَا»

''کیا تم میرے پاس اس لیے آئے ہو کہ میں اسے حکم دوں کہ وہ اپنا ہاتھ تمھارے منہ میں دے دے اور تم اسے اونٹ کی طرح چباتے رہو؟ (تمھارے لیے کوئی دیت نہیں ہے، ہاں اگر چاہو تو) اس کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال دو، وہ بھی اپنے دانتوں سے کاٹ لے، پھر تم اپنا ہاتھ چھڑا لینا۔''[3]

اس طرح آپ نے مظلوم کے حق میں فیصلہ دیا۔ ہر چند ظالم کا نقصان زیادہ ہوا تھا۔ اسلام کے اسی قانون عدل کی وضاحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل فرمان عالی ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بتایئے

[1] صحیح البخاری، 6892 [2] صحیح مسلم، 1673 [3] صحیح مسلم، 1673، سنن النسائی، 4758

اگر کوئی شخص میرا مال لوٹنے کی کوشش کرے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: «فلا تعطه مالك» ''تم اسے اپنا مال مت دو (اپنے مال کا تحفظ کرو)۔'' اس نے پھر سوال کیا: اگر وہ مجھ سے لڑنا شروع کر دے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: «قاتله» ''تم بھی اس سے لڑائی کرو۔'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو؟ آپ نے فرمایا: «فأنت شهيد» ''تم شہادت کا رتبہ پالو گے۔'' اس نے پھر پوچھا: اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: «هو في النار» ''وہ جہنم میں چلا جائے گا۔''[1]

■ **تبوک کے باغات:** رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ آپ کی زبان مبارک وحی الٰہی کے عین مطابق ہی بولتی اور موتی رولتی تھی۔ آپ کے ارشادات حرف بحرف حق و سچ ثابت ہوئے۔ جب بھی آپ کی پیش گوئی پوری ہوتی تو اہل ایمان کو بڑی فرحت اور ایمانی تازگی نصیب ہوتی تھی۔

تبوک کا علاقہ بیابان صحرا تھا۔ پانی کی شدید قلت تھی لیکن ان حالات میں آپ ﷺ نے تبوک کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ ایک دن آئے گا، یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہو کر چمن زار بن جائے گا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی آج بھی اپنی صداقت کے نظارے دکھا کر اہل ایمان کو تازگی بخش رہا ہے۔

آیئے اس ارشاد عالی کے پس منظر کا حال پڑھیے:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ دوران سفر آپ ﷺ نماز ظہر اور عصر اور بعد ازاں مغرب اور عشاء جمع کر کے ادا کرتے۔ آپ نماز ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھتے۔ اسی طرح نماز مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے ادا فرماتے۔ ایک دن آپ نے نماز عشاء کے بعد فرمایا:

تبوک میں چشمے کا منظر



«إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوكَ وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتّٰى يُضْحِيَ النَّهَارُ فَمَنْ جَاءَهَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَائِهَا شَيْئًا حَتّٰى آتِيَ»

''تم کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، ان شاء اللہ۔ اور تم چاشت کے وقت وہاں پہنچو گے۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہنچ جائے، وہ میرے آنے تک اس چشمے سے پانی

1 صحيح مسلم: 140، المغازي للواقدي: 396/2.

مت نکالے۔“

جب ہم صبح کے وقت تبوک کے چشمے پر پہنچے تو ہم سے پہلے دو (منافق) شخص وہاں پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکل رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

«هَلْ مَسِسْتُمَا مِنْ مَائِهَا شَيْئًا؟»

”کیا تم نے چشمے سے کچھ پانی نکالا ہے؟“

انھوں نے کہا: جی ہاں، ہم نے کچھ پانی لیا ہے۔ (یہ دونوں منافق آپ کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے تیروں سے چشمے کی کھدائی کر کے پانی نکالنے کی مسلسل ناکام کوشش کرتے رہے۔)

رسول اللہ ﷺ کو ان پر شدید غصہ آیا اور آپ نے انھیں ڈانٹا۔ پھر آپ نے حکم دیا تو صحابہ نے قطرہ قطرہ جمع کر کے کچھ پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس پانی میں اپنے مبارک ہاتھ اور چہرہ دھویا، (برکت کی دعا کی) پھر وہ پانی دوبارہ چشمے میں ڈال دیا۔ جونہی آپ کا بابرکت پانی ڈالا گیا، معاً چشمہ ابل پڑا اور بہت تیزی سے چلنے لگا۔ صحابۂ کرام نے جی بھر کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی خوب سیر کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يُوشِكُ يَا مُعَاذُ! إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ أَنْ تَرَى مَا هَاهُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا»

”اے معاذ! اگر تمھیں طویل عمر ملی تو قریب ہے کہ تم اس علاقے کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھو گے۔“[1]

آپ کا یہ فرمان عنایت ربانی سے پورا ہوا۔ تبوک جو کبھی صحراء ہوا کرتا تھا اور پانی کی بوند بوند کو ترستا تھا، آج سرسبز و شاداب باغات، بھرپور فصلوں اور عمدہ پھلوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ تبوک کی زرعی اجناس سعودی عرب کی معیشت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہاں پیدا ہونے والے پھلوں سے کثیر زرمبادلہ کمایا جا رہا ہے۔ تبوک میں پیدا ہونے والے بہترین پھل جن میں انگور، کھجور، سیب اور آڑو وغیرہ شامل ہیں، پورے ملک کو فراہم کیے جا رہے ہیں۔ تبوک کی زمین بہترین چارہ پیدا کرتی ہے۔ ملک کے دیگر علاقوں کو تبوک کا چارہ فراہم کرنے کے لیے یہاں چارہ محفوظ اور پیک کرنے کے کارخانے لگ چکے ہیں۔ الغرض تبوک سعودی عرب کے خوبصورت علاقوں میں سے ایک شاندار علاقہ ہے جہاں ہر سال ہزاروں سیاح سیر و سیاحت کے لیے آتے ہیں۔ پھلوں کے باغات سے مزین یہ شہر اب اتنی شہرت اور ترقی حاصل کر چکا ہے کہ اسے پھولوں اور پھلوں کا شہر کہا جاتا ہے۔

[1] صحيح مسلم: 706، السيرة لابن إسحاق: 2/605، 606، السيرة لابن هشام: 4/171، مسند أحمد: 5/237، 238، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1822، دلائل النبوة للبيهقي: 5/236.

کھانے میں برکت: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات سے نوازا۔ یہ معجزات انبیائے کرام کی تائید کرتے اور اہل ایمان کو ایمانی تقویت دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد معجزات سے نوازا۔ اس کتاب میں آپ متعدد معجزات کا حال پڑھ چکے ہیں۔ غزوۂ تبوک میں بھی آپ ﷺ کے کئی معجزات ظاہر ہوئے۔ جب اسلامی لشکر تبوک پہنچا تو پانی اور خوراک کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ پانی کے لیے آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے تبوک کا چشمہ تیزی سے رواں ہو گیا۔ خوراک کی قلت دور کرنے کے لیے صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے اونٹ نحر کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اجازت ملنے پر اونٹ نحر کرکے گوشت پکانے کا پروگرام بنایا۔ اس دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اونٹ نحر کر لیے گئے تو سواریاں کم ہو جائیں گی، پھر اتنا طویل سفر کیسے طے ہوگا؟ اس کے برعکس آپ باقی ماندہ زادِ راہ جمع کرائیں اور اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کریں۔ مجھے امید ہے آپ کی دعا سے ہمیں برکت ضرور حاصل ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی۔ آپ نے حکم دیا کہ چٹائیاں بچھائی جائیں۔ چٹائیاں بچھا دی گئیں تو آپ نے اعلان کرا دیا کہ جس کے پاس جو چیز بچی ہوئی ہے، وہ لا کر اس چٹائی پر رکھ دے۔ لہٰذا ہر شخص اپنے اپنے زادِ راہ کا باقی ماندہ لے کر آنے لگا۔ کوئی مٹھی بھر دانے لایا، کوئی مٹھی بھر کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا، حتی کہ چٹائی پر معمولی مقدار میں چیزیں جمع ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور اپنے رب کے حضور برکت کی دعا کی۔ عرش والے نے اپنے محبوب کی دعا کو شرف قبولیت سے یوں نوازا کہ وہ معمولی سا زادِ راہ پورے لشکر کے لیے کافی ہو گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ»

''اپنے اپنے برتن بھر لو۔''

صحابہ کرام نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ معسکر میں موجود ہر برتن زادِ راہ سے بھر لیا گیا۔ پھر سب نے کھانا شروع کیا تو سیر ہو کر کھایا جبکہ چٹائی پر رکھا ہوا زادِ راہ جوں کا توں باقی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا سے خوب برکت عطا کی۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص کامل

یقین کے ساتھ ان دو باتوں پر ایمان لا کر اللہ سے ملاقات کرے گا، وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔"[1]

خوفناک اژدھا

اسلامی لشکر تبوک کی طرف گامزن تھا کہ اچانک ان کے راستے میں ایک بہت بڑا اژدھا حائل ہو گیا۔ لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور اژدھے سے کترا کر گزرنے لگے۔ اژدھا سیدھا رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر رک گیا اور بڑی دیر تک آپ کے سامنے رکا رہا۔ رسول اللہ ﷺ بھی بدستور اپنی سواری پر تشریف فرما رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ خوفناک منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ اژدھا راستے سے ہٹ کر نیچے اتر گیا۔ صحابۂ کرام واپس آنے لگے۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: «هَلْ تَدْرُونَ مَنْ هٰذَا؟» "کیا تمھیں معلوم ہے یہ کون ہے؟"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بخوبی جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ان آٹھ جنوں میں سے ہے جو میرے پاس قرآن مجید کی تلاوت سننے آئے تھے۔ آج جب ہم ان کے علاقے سے گزر رہے ہیں تو اس نے سلام کرنا ضروری سمجھا، لہٰذا یہ اب سلام کرنے آیا ہے اور تمھیں سلام کر رہا ہے۔" صحابہ نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: «وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَجِيبُوا عِبَادَ اللّٰهِ مَنْ كَانُوا» "اللہ کے بندو! سلام کا جواب دو، چاہے سلام کرنے والا کوئی بھی ہو۔"[2]

رسول اللہ ﷺ کا خطبۂ تبوک

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک جا رہے تھے۔ جب تبوک سے ایک دن رات کا سفر باقی رہ گیا تو آپ نے آرام کی غرض سے پڑاؤ کیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری سونپی کہ وہ جاگتے رہیں اور نماز فجر کے لیے سب کو بیدار کریں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بڑی مستعدی سے یہ ذمہ داری پوری کرنے لگے مگر سفر کی تھکاوٹ سے ان کی آنکھ لگ گئی۔ اس طرح سبھی لوگ سو گئے حتی کہ دن نکلنے پر رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بیدار کیا اور فرمایا:

«يَا بِلَالُ! أَلَمْ أَقُلْ لَكَ: اِكْلَأْ لَنَا الْفَجْرَ»

"اے بلال! کیا میں نے تمھیں آج رات (نماز فجر کی) حفاظت کا حکم نہیں دیا تھا؟"

1 صحيح البخاري: 2484، صحيح مسلم: 27، مسند أحمد: 11080، دلائل النبوة للبيهقي: 5/229، 230. 2 المغازي للواقدي: 2/398، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1825، 1826.

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی گہری نیند آ گئی، اس لیے کوتاہی ہو گئی۔ معاف فرما دیجیے۔ آپ نے اپنے اخلاق کریمہ کے مطابق درگزر سے کام لیا اور لشکر کو اس جگہ سے روانگی کا حکم دیا۔ پھر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد جب سورج ایک نیزے کے برابر اونچا ہو گیا تو آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر فجر کی دو سنتیں ادا کیں، پھر صحابہ کو نماز فجر پڑھائی۔ پھر اگلے دن اور رات آپ نے تیزی سے سفر کیا اور صبح کے وقت تبوک پہنچ گئے۔

اسی صبح آپ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام سے خطاب فرمایا۔ یہ خطاب کسی حد تک خطبہ حجۃ الوداع سے ملتا جلتا ہے۔ آپ نے اس خطاب میں اسلامی عقائد، اخلاق، کردار اور دینی تعلیمات سے صحابۂ کرام کی تربیت فرمائی۔ اس خطاب میں مذکور اکثر و بیشتر ارشادات انمول موتیوں کی صورت میں صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ آیئے اب اس خطاب کی روح پرور تفصیل پڑھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

''اے لوگو! یقیناً سب سے سچی بات اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے اور سب سے مضبوط کڑا اللہ کا تقویٰ ہے۔ بہترین ملت، ملت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ بہترین طریقہ محمد (ﷺ) کا ہے۔ سب سے اعلیٰ بات اللہ کا ذکر ہے۔ بہترین قصے قرآن مجید کے ہیں۔ بہترین کام وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو۔ بدترین کام بدعت ہے۔ سب سے اچھی راہنمائی انبیائے کرام کی راہنمائی ہے۔ سب سے اعلیٰ و ارفع قتل شہداء کا ہے۔ بدترین اندھی گمراہی ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ اچھا عمل نفع بخش ہے۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی اتباع کی جائے۔ سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔ صدقہ دینے والا لینے والے سے افضل ہے۔ قابل کفایت تھوڑا مال غافل کرنے والے زیادہ مال سے بہتر ہے۔ موت کے وقت کی جانے والی معذرت بہت بری ہے۔ بدترین شرمندگی قیامت کے دن کی شرمندگی ہے۔ کچھ لوگ کبھی کبھار ہی جمعہ ادا کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔ عظیم ترین خطاؤں میں سے ایک جھوٹی زبان ہے۔ بہترین مالداری دل کی قناعت ہے۔ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ حکمت و دانائی کا نچوڑ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل میں ودیعت کی جانے والی بہترین خوبی یقین اور کفر کا انکار ہے۔ نوحہ جاہلیت کا عمل ہے۔ خیانت جہنم کا انگارہ ہے۔ نشہ جہنم کے لوہے کا داغ ہے۔ (بے ہودہ) شعر ابلیس کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شراب برائیوں کی جڑ ہے۔ عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ جوانی جزو جنون ہے۔ سب سے بری کمائی سود ہے۔ بدترین کھانا یتیم کا مال کھانا ہے۔ خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑتا ہے۔ بدبخت وہ ہے جو ماں

کے پیٹ ہی میں بد بخت ہو گیا۔ تم میں سے کوئی شخص جنت یا جہنم سے چار ہاتھ کے فاصلے تک پہنچ جاتا ہے، پھر انجام آخری کلمات اور اختتامی عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ بدترین روایت جھوٹی روایات ہیں۔ جو آنے والی چیز قریب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی نافرمانی ہے۔ اس کا مال اس کے خون کی طرح حرام ہے۔ جو اللہ کی جھوٹی قسم کھائے گا، اللہ اسے جھٹلا دے گا۔ جو معاف کر دے، اللہ اسے معاف کر دے گا۔ جو غصہ پی جائے، اسے اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ جو مصیبت پر صبر کرے، اللہ اسے نعم البدل عطا کرے گا۔ جو دکھاوے کے لیے عمل کرے گا، اللہ اس کے اعمال (قیامت کے دن) دکھلا دے گا (اسے کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا)۔ جو صبر کرے گا، اللہ اسے دگنا اجر دے گا۔ جو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اسے عذاب دے گا۔ اے اللہ! میری اور میری امت کی بخشش فرما دے۔ اے اللہ! مجھے اور میری امت کو معاف فرما دے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمھارے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔''

علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ بنو عذرہ کے ایک شخص عدی نے بیان کیا کہ میں تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اپنی سرخ اونٹنی پر لوگوں کے درمیان گشت کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''اے لوگو! اللہ کا ہاتھ صدقہ کرنے والے سے اوپر (اور اعلیٰ) ہے۔ صدقہ کرنے والا بہترین شخص ہے۔ صدقہ لینے والے کا ہاتھ نچلا ہے (وہ کم تر ہے)۔ اے لوگو! قناعت پسند بنو اگرچہ لکڑیوں کے ایک گٹھے کے ساتھ ہی ہو، (اسے بیچ کر گزارہ کرو)۔''

پھر آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے؟''

پھر سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور میری دو بیویاں تھیں، وہ آپس میں جھگڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو وہ مر گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبہ رشتے دار ادا کریں گے اور مقتولہ کے وارث نہیں بنیں گے۔''[1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں لوگوں کو خطاب فرمایا۔ آپ اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ وَشَرِّ النَّاسِ؟ إِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ رَجُلًا عَمِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَلَى ظَهْرِ فَرَسِهِ أَوْ عَلَى ظَهْرِ بَعِيرِهِ أَوْ عَلَى قَدَمِهِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ، وَإِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ رَجُلًا

1 البداية والنهاية: 4/666، 667، المغازي للواقدي: 2/398، 399، دلائل النبوة للبيهقي: 5/241، 242، و [illegible] 3/541، 542، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1826، 1827.

فَاجِرًا يَقْرَأُ كِتَابَ اللّٰهِ لَا يَرْعَوِي إِلٰى شَيْءٍ مِنْهُ»

''کیا میں تمھیں بہترین اور بدترین انسان کے بارے میں نہ بتاؤں؟ بلاشبہ بہترین انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر یا پیدل کام کرتا رہے حتی کہ اسے موت آجائے اور بے شک لوگوں میں سب سے برا وہ فاجر شخص ہے جو اللہ کی کتاب پڑھتا ہے اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے محافظ

رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے سالار اعلیٰ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کو مناسب حفاظتی دستے کی ضرورت تھی۔ خصوصاً جب آپ دشمن کے علاقے میں جاتے تو حالت جنگ میں آپ کے تحفظ کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی۔ آپ عموماً اپنے حفاظتی دستے کی کمان سیدنا عباد بن بشر اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کے سپرد کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے لیے روانگی کے وقت بھی آپ نے یہ ذمہ داری سیدنا عباد بن بشر کو سونپی تھی اور وہ سارے راستے یہ فرض انجام دیتے رہے۔ وہ آپ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ لشکر اسلامی کی صفوں میں بھی چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ ہر قسم کے حالات سے باخبر رہیں۔

تبوک میں قیام کے دوران ایک روز صبح کے وقت وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آج رات ہمارے دستے کے پیچھے مسلسل اللہ اکبر کی آوازیں آتی رہیں۔ کیا آپ نے نیا حفاظتی دستہ مقرر فرمایا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ''میں نے کوئی نیا حفاظتی دستہ تشکیل نہیں دیا، ممکن ہے کچھ مسلمان بذات خود یہ ڈیوٹی دے رہے ہوں۔'' یہ سن کر مجلس میں موجود سیدنا سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے دس گھڑسوار مجاہدوں کے ساتھ رات کے وقت آپ کے دستے کی حفاظت کے لیے نکلا تھا۔ اللہ اکبر کی صدائیں ہم ہی بلند کر رہے تھے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسرور ہوئے اور آپ نے سیدنا سلکان اور ان کے ساتھیوں کے لیے خصوصی دعائے خیر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ حَرَسَ الْحَرَسِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَلَكُمْ قِيرَاطٌ مِنَ الْأَجْرِ عَلٰى كُلِّ مَنْ حَرَسْتُمْ مِنَ النَّاسِ جَمِيعًا أَوْ دَابَّةٍ»

''اللہ تعالیٰ میدان جہاد میں حفاظتی دستے کی حفاظت کرنے والوں پر رحم فرمائے۔ تم نے جتنے لوگوں اور جانوروں کی حفاظت کی، ان سب کے بدلے تمھیں ایک ایک قیراط اجر ملے گا۔''[2]

1 سنن النسائي: 3108. 2 المغازي للواقدي: 412/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1823/2.

سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

ایمان کی نورانی کرن جب کسی خوش نصیب کے دل میں پھوٹتی ہے تو پھر یہ قلب مکمل نورانی ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ ایمان کی لذت جو ایک بار چکھ لے، پھر وہ اس لذت کو مکمل کیے بغیر نہیں رکتا۔ دنیاوی مصائب، مالی مشکلات، خاندانی رکاوٹیں اور معاشرتی ظلم وستم اس کا راستہ روکنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی اسی نورانی کرن سے شروع ہوئی اور بے پناہ عزت واکرام اور شرف ومنزلت پر ختم ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں انھیں ایسا عظیم مقام حاصل ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے فاضل صحابی ان کے مقام ومرتبے تک رسائی کی آرزو کرنے لگے۔

سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ مزینہ قبیلے کے فرد تھے، وہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ پھر ان کے مالدار چچا نے ان کی کفالت اور بہت اچھی پرورش کی۔ یہ جوان ہوئے تو ان کے پاس بھی اونٹ، گائے اور بکریوں کی معقول تعداد جمع ہوگئی، حالانکہ ان کے والد غریب آدمی تھے۔ ان کی وراثت سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ لیکن ذاتی محنت اور چچا کی شفقت سے یہ خوشحال ہو گئے۔ جانور پالتے اور دودھ پی کر گزارہ کرتے تھے۔ زندگی اسی طرح عرب رسوم ورواج کے مطابق گزر رہی تھی۔ یکایک تاجدار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آفتاب اسلام کی کرنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ عبداللہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کا دل نور ایمان سے منور ہو گیا مگر طاقتور چچا کا خوف ایمان کے اظہار میں رکاوٹ بن گیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ انتظار کرنے لگے کہ کب یہ سعادت ان کے چچا کو بھی نصیب ہوتا کہ وہ بھی اپنے ایمان کا اعلان واظہار کر سکیں۔ مگر چچا اس سعادت سے محروم رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید بدستور پھیلتی رہی۔ اس دوران کافروں سے متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ کامیابی اسلام کا مقدر بنتی رہی اور ایمان کا پودا تناور درخت بن گیا۔ عبداللہ ایمان کی روشنی کو آشکارا کرنے کے لیے بے چین تھے۔ اسی انتظار میں فتح مکہ کا دن آ پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی شہر میں ہزاروں جاں نثاروں کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، کسی دشمن کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ سردار جو ساری زندگی آپ کی مخالفت اور دشمنی میں پیش پیش رہے، آج گردنیں جھکائے معافی کے طلبگار تھے۔ دشمنوں کا زور ختم ہو گیا۔ ان کمزور، مرعوب اور غریب قبائل کے لیے اسلام قبول کرنا آسان ہو گیا جنھوں نے ابھی تک اپنے سرداروں کے ڈر سے کلمہ حق کہنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اب وہ علانیہ اسلام قبول کر رہے تھے۔ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنے قلب وروح کو منور کر رہے تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ شدت سے آرزومند تھے کہ اب ان کے چچا کی آنکھیں کھل جائیں، وہ بت پرستی سے تائب ہو جائے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ کفر کا سارا زور ٹوٹ جانے پر اب اسے یقیناً غور و فکر کا موقع ملے گا اور وہ خود ہی اسلام قبول کر کے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا راستہ آسان بنا دے گا۔ مگر یہ ساری سوچیں غلط ثابت ہوئیں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا چچا سختی سے اپنے پرانے دین پر کاربند رہا۔ اسلام کی سچائی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود وہ راہ حق کا راہی نہ بنا۔ بت پرستی کی جھوٹی عمارت اس کے سامنے زمین بوس ہو چکی تھی مگر وہ ابھی تک اصنام باطل کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی راہ پر چلنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس کے اس طرز عمل سے بڑا صدمہ ہوا۔ اب ان کا انتظار شدت اختیار کر چکا تھا۔ مزید صبر کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ لہٰذا وہ ایک روز چچا کی خدمت میں پہنچ گئے اور دل کی بات بے دھڑک کہہ ڈالی۔ فرمایا: چچا جان! میں آپ کے مسلمان ہونے کا بڑی مدت سے انتظار کر رہا ہوں۔ لیکن محسوس ہوتا ہے کہ آپ محمد ﷺ کے جاں نثاروں میں شامل ہونے کی کوئی تمنا نہیں رکھتے۔ اگر معاملہ یہی ہے تو پھر مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسلام کا فدائی بن جاؤں۔ اب میں مزید صبر نہیں کر سکتا۔

بت پرست چچا پر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بجلی بن کر گرے۔ وہ جل کر بولا: اللہ کی قسم! اگر تم نے محمد (ﷺ) کی پیروی قبول کی تو میں تمھیں بدحال کر دوں گا۔ تم سے ہر چیز واپس لے لوں گا حتی کہ تمھارے بدن کے کپڑے بھی اتار لوں گا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بلا تأمل کہا: اللہ کی قسم! میں بتوں کی پوجا چھوڑ کر مسلمان ہو چکا ہوں اور محمد ﷺ کا پیروکار ہوں۔ لیجیے میرا سارا مال سنبھالیے، میں تو مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔ چچا نے سارا مال ہتھیا لیا حتی کہ تن کے کپڑے بھی اتروا لیے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ محترمہ سے ایک دھاری دار چادر (بجاد) لی۔ اسے پھاڑ کر دو حصے کیے۔ ایک کا تہبند بنایا، دوسرا اوپر اوڑھ لیا۔ اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ وہ سحری کے وقت مسجد نبوی میں پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اپنی عادت مبارکہ کے مطابق نمازیوں کی خیریت دریافت فرمائی۔ اسی دوران میں آپ کی نظر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ معلوم ہوا کہ مہمان ہیں اور ابھی مدینہ منورہ پہنچے ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تم کون ہو؟'' سیدنا عبداللہ نے اپنا تعارف کرایا اور مکمل ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ آنے کی روداد سنی تو فرمایا: «أَنْتَ عَبْدُ اللّٰهِ ذُو الْبِجَادَيْنِ» ''تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادروں والے) ہو۔'' یعنی تمھارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین ہوگا۔ پھر آپ نے انھیں حکم دیا کہ میرے قریب ہی رہائش رکھنا۔ سو عبداللہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کی پاکیزہ جماعت میں شامل ہو گئے جن کا گھر مسجد نبوی اور میزبان تاجدار مدینہ تھے۔

سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ قرآن مجید سیکھتے اور تلاوت قرآن سے ہر آن اپنا ایمان تازہ رکھتے تھے۔ انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں بہت سا قرآن سیکھ لیا۔ وہ رات کو نہایت پرسوز آواز میں تلاوت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی خوش الحانی اور بلند آواز سے نوازا تھا۔ ایک روز وہ اپنی خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن میں مگن تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر محبت بھرا شکوہ کر دیا۔ عرض کی: حضور! دیکھیے عبداللہ کتنی بلند آواز سے تلاوت کر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے باقی لوگوں کے لیے تلاوت کرنا اور سمجھنا مشکل ہو رہا ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا: ''عمر! اسے تلاوت کرنے دو، وہ تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی خاطر سب کچھ چھوڑ آیا ہے۔'' اس طرح سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی اور شفقت و مرحمت سے فیض یاب ہوتے رہے حتی کہ غزوۂ تبوک کا اعلان ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیے۔ آپ نے اپنے شیدائی کے لیے دعا کرتے ہوئے کہا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحَرِّمُ دَمَهُ عَلَى الْكُفَّارِ»

''اے اللہ! میں اس (عبداللہ) کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں۔''

جس خوش نصیب کو رحمت عالم کی ایسی دعا نصیب ہو جائے، بھلا کفار اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے!

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں تو شہادت کا آرزومند ہوں۔ آپ نے سلامتی کی دعا فرما دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكَ إِذَا خَرَجْتَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَخَذَتْكَ الْحُمّٰى فَقَتَلَتْكَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ أَوْ وَقَصَتْكَ دَابَّتُكَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ، لَا تُبَالِ بِأَيَّةٍ كَانَ»

''جب تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے نکلو گے تو اس دن اگر تمھیں بخار ہو گیا اور تم بخار کی وجہ سے فوت ہو گئے تو تم شہید ہی ہو گے۔ اگر تمھاری سواری نے تمھیں گرا کر کچل دیا، تب بھی تم شہید ہو گے۔ تم جس طرح بھی مرو گے شہید ہی قرار پاؤ گے۔''

چنانچہ سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچ کر ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور انھیں سخت بخار ہو گیا۔ اسی بخار کی وجہ سے تبوک ہی میں ان کی وفات ہو گئی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دعا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خواہش پوری ہو گئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ ذوالبجادین کا سفر آخرت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

ایک رات میں نے معسکر اسلامی کی ایک جانب آگ روشن دیکھی۔ میں اس جانب گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ آگ کا شعلہ روشن کیے قبر کے کنارے کھڑے ہیں۔ امام الانبیاء اپنے جاں نثار کو دفن کرنے کے لیے بہ نفس نفیس قبر میں اترے۔ شیخین سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کی نعش کو نیچے اتار رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

«أَدْنِيَا إِلَيَّ أَخَاكُمَا»

''اپنے بھائی کو میرے قریب لاؤ۔''

پھر جب انھیں قبر میں لٹایا تو فرمایا:

«اللّٰهُمَّ إِنِّي قَدْ أَمْسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا، فَارْضَ عَنْهُ»

''اے اللہ! میں آج شام تک اس سے راضی تھا، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کے یہ کلمات توصیف و رضا سنے تو دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی: ''اے کاش! آج اس قبر میں میں ہوتا۔''[1]

بنوسعد ہذیم کے مجاہدین کا کارنامہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو متعدد معجزات سے نوازا۔ ان میں سے ایک معجزے کا تعلق قبیلہ بنوسعد ہذیم سے ہے۔ بنوسعد کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے ساتھ غزوے میں شرکت کے لیے حاضر ہو گئے ہیں۔ ہمارا قبیلہ ایک ایسی جگہ آباد ہے جہاں کنویں میں پانی بہت کم رہ گیا ہے۔ موسم شدید گرم ہے اور ہمارے ارد گرد ابھی اسلام عام نہیں ہوا، اس لیے ہمیں ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ اگر پانی ختم ہوا تو علاقہ چھوڑنا پڑے گا۔ پانی کی تلاش میں ہم لوگ بکھر جائیں گے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو دشمن آسانی سے شکار کر لے گا۔ اس طرح ہمیں بیک وقت پانی کی قلت اور مشرکوں کے حملوں کا ڈر رہتا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے کنویں کے لیے برکت کی دعا فرما دیں۔ اگر ہمارا پانی کا مسئلہ حل ہو جائے تو ہم سے بڑھ کر مضبوط قوم کوئی نہیں۔ پھر کوئی مشرک ہمارے علاقے سے گزر نہ سکے گا۔ ہم مشرکین سے بخوبی نپٹ لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر انھیں حکم دیا کہ تین کنکریاں لے آؤ۔ آپ کو تین کنکریاں پیش کی گئیں۔ آپ نے ان پر برکت کی دعا کی اور واپس کرتے ہوئے حکم دیا: ''جاؤ یہ کنکریاں بسم اللہ پڑھ کر ایک

[1] السیرۃ لابن ہشام: 4/172، المعجم الأوسط للطبرانی 2/397، مسند البزار: 2736، مجمع الزوائد: 9/369

ایک کر کے کنویں میں ڈال دو۔"

بنو سعد کا وفد واپس گیا اور آپ کے حکم کے مطابق بسم اللہ پڑھ کر تینوں کنکریاں کنویں میں ڈال دیں۔ آپ کی دعا کی برکت سے کنویں میں پانی جوش مارنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنواں لبالب بھر گیا۔ پانی کی نعمت میسر آنے پر بنو سعد نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دین حنیف کی خدمت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے ارد گرد کے قبائل کو دعوت اسلام پہنچائی۔ جنھوں نے دعوت اسلام قبول نہیں کی اور ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی، ان سے مقابلہ کیا اور انھیں زبردست شکست دی۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے اپنے گرد و پیش ہر طرف اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو وہ اپنے چاروں طرف مشرکین کو زیر اور ان میں سے بہت سے مشرکوں کو مسلمان کر چکے تھے۔ اس طرح انھوں نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔

آپ کے معجزے کی بدولت انھیں پانی جیسی نعمت میسر آئی اور انھوں نے حسب وعدہ اسلام کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔[1]

تبوک میں پُر تکلف ضیافت

اسلامی لشکر وطن عزیز سے سیکڑوں میل دور تبوک کے ریگستان میں خیمہ زن تھا۔ کئی دن کے پُر مشقت سفر کے بعد آرام کرنے کا موقع میسر آیا تھا۔ دوران سفر کھانے پینے کی قلت رہی تھی۔ اب ذرا تھکاوٹ دور ہوئی تو اہل لشکر کو



اچھا کھانا کھانے کی خواہش ہوئی۔ زاد راہ میں گوشت نہیں تھا، اس لیے شکار کا پروگرام بنایا گیا۔ اس کی اجازت لینے کے لیے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے صحابہ گوشت کھانے کے خواہش مند ہیں۔ وہ آپ سے شکار کے لیے جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس علاقے میں قریب ہی مغربی پہاڑوں میں شکار کے جانور موجود ہیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لیے چلا جاؤں؟ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور تاکید فرمائی: "چند ساتھیوں کو ساتھ لے جانا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جانا، کیونکہ

[1] المغازي للواقدي: 2/412، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 2/1823.

معسکر سے دور جا رہے ہو۔'' آپ نے یہ ہدایات اس لیے دیں کہ دشمن کے علاقے میں کسی ممکنہ خطرے سے نپٹنا آسان ہو اور شکار پکڑنے میں سہولت رہے۔

سیدنا رافع بن خدیج ؓ رسول اللہ ﷺ سے یہ اجازت اور ہدایات لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے۔ دس گھڑسوار ساتھی منتخب کیے اور شکار کے لیے چل دیے۔ ان کے ساتھ سیدنا ابوقتادہ ؓ بھی تھے جو نیزے سے شکار کرنے کے ماہر تھے جبکہ سیدنا رافع تیر سے شکار کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ اس طرح دو ماہر شکاری حضرات کے ساتھ ایک جماعت شکار کے لیے گئی۔ شام تک شکار کا سلسلہ جاری رہا۔

سیدنا رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں: سیدنا ابوقتادہ ؓ نے پانچ جنگلی گدھے شکار کیے جبکہ میں نے اپنے تیروں سے بیس ہرن شکار کیے۔ باقی ساتھیوں نے بھی چار چار، پانچ پانچ جانور شکار کیے اور گھوڑوں کی مدد سے ایک شتر مرغ بھی پکڑ لیا۔ عشاء کے وقت ہم یہ سارا شکار لے کر معسکر واپس پہنچ گئے۔ ہماری آمد سے قبل رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں پوچھ چکے تھے۔ آپ ﷺ ہماری تاخیر سے یقینا فکر مند تھے۔ ہم نے سارا شکار آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنے بھائیوں میں تقسیم کر دو۔'' میں نے عرض کی: آپ کسی کو مقرر کر دیں جو سارا شکار تقسیم کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''تمھی تقسیم کر دو۔'' لہٰذا میں نے شکار تقسیم کرنا شروع کیا۔ ایک قبیلے کو پورا جنگلی گدھا دے دیا۔ دوسرے کو پورا ہرن دے دیا۔ اس طرح شکار مختلف قبائل میں تقسیم کرنے کے بعد ایک ہرن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ کے پاس مہمان بھی موجود تھے، لہٰذا ہرن کا گوشت پکایا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مہمانوں سمیت ہرن کا گوشت تناول فرمایا۔

اس پرتکلف دعوت کے بعد آپ نے ہمیں دوبارہ شکار کرنے کے لیے جانے سے منع کر دیا۔ فرمایا: ''مجھے ڈر ہے مبادا تمھیں دشمن گھیر لے۔''[1]

کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے

علامہ واقدی ؒ بنو سعد بن ہذیم کے ایک شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تبوک میں تھے، میں آپ کی خدمت میں اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے بڑی محبت سے بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفْلَحَ وَجْهُكَ» ''تم کامیاب ہو گئے۔''

1 المغازي للواقدي: 413/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1823/2، 1824.

پھر آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: [illegible] ''اے بلال! ہمیں کھانا کھلاؤ۔''

بلال رضی اللہ عنہ نے چٹائی کا دستر خوان لگایا۔ پھر انھوں نے پنیر اور گھی کے ساتھ کھجوریں پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مہمانوں سے فرمایا: «كُلُوا» ''تناول کرو۔''

آپ کے حکم پر ہم نے خوب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جتنی کھجوریں آج ہم سب نے کھائی ہیں، اتنی کھجوریں تو میں اکیلا ہی کھا جایا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ»

''کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔''

آپ کے اس فرمان کی توضیح و تشریح میں علمائے کرام کے متعدد اقوال ہیں۔ راجح یہ ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اکثر کافر بہت زیادہ کھاتے ہیں جبکہ مومن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت، علم سیکھنے اور سکھانے، نیز اسلام کی نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کی بنا پر بہت کم کھاتا ہے۔ کافر اپنی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور عیش کرنا ہی سمجھتا ہے، اس لیے وہ مومن کے مقابلے میں بہت زیادہ کھاتا ہے۔ واللہ اعلم[1]

بنو سعد بن ہذیم سے تعلق رکھنے والے صحابی فرماتے ہیں: اگلے دن میں پھر کھانے کے وقت آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل دیا تاکہ آپ کی صحبت مبارکہ میں بیٹھ کر ایمان و یقین میں اضافہ کروں اور اسلامی آداب و تعلیمات سیکھ سکوں۔ میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ کی خدمت میں پہلے سے دس افراد موجود تھے۔ کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: [illegible] ''اے بلال! ہمیں کھانا پیش کرو۔''

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حکم ملتے ہی اپنے تھیلے سے ایک ایک مٹھی کھجوریں نکالنی شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْرِجْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْتَارًا»

''دل کھول کر کھجوریں نکالو، عرش والے کی طرف سے تنگ حالی کا خوف نہ کرو۔''

انھوں نے پورا تھیلا دستر خوان پر انڈیل دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ساری کھجوریں تقریباً دو مد ہوں گی (تقریباً سوا کلو)۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور فرمایا: [illegible] ''بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔'' تبھی لوگ کھانے لگے۔ میں نے بھی جی بھر کر کھجوریں کھائیں کیونکہ میں بڑے شوق سے کھجوریں کھانے والا شخص تھا۔ میں نے اتنی کھجوریں کھائیں کہ مزید کھانے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ ادھر دستر خوان پر کھجوروں

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مسند أحمد: 22/5، حديث: 1818، صحيح البخاري: 3396

کا ڈھیر جوں کا توں ہی پڑا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ ایسی عظیم برکت پڑ گئی کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جتنی بھی کھجوریں رکھی تھیں، ان میں ذرہ برابر بھی کمی محسوس نہ ہوئی۔

اگلے دن میں پھر حاضر خدمت ہوا، میرے کل والے ساتھی بھی آ گئے۔ آج بھی اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں کھجوریں کھلائیں۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھائیں۔ جب ہم کھا چکے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا تھیلا دوبارہ بھر لیا۔ جتنی کھجوریں نکالی تھیں، اتنی ہی دسترخوان پر بدستور موجود رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے وہ ذرا بھی کم نہ ہوئیں، حالانکہ ہم مسلسل تین دن سے کھا رہے تھے۔[1]

أُعْطِيتُ خَمْسًا: مجھے پانچ انعامات سے نوازا گیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو مختلف انعامات سے نوازا ہے۔ کسی کو اپنا خلیل بنا کر مقام عظیم عطا کیا۔ کسی کو اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف عطا کیا۔ اس طرح انھیں ایک دوسرے پر فضیلت و برتری عطا فرمائی۔ سلیمان علیہ السلام کو ایسی شاندار بادشاہت عطا کی کہ اس جیسی بادشاہت پھر کسی کو نصیب ہوئی نہ آئندہ ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو بھی بے مثل فضائل و مناقب سے نوازا۔ انھیں ایسے ایسے انعامات سے سرفراز کیا جو پہلے انبیائے کرام کو نہیں دیے گئے۔ آپ ﷺ کو ایسی فضیلت و برتری عطا کی جو آپ کو تمام انبیاء اور رسولوں سے ممتاز کرتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تبوک میں قیام کے دوران رات کا اکثر حصہ آپ تہجد پڑھتے ہوئے گزارتے تھے۔ جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک کرتے، پھر نماز ادا کرتے۔ آپ تہجد کی نماز اپنے خیمے ہی میں ادا کرتے۔ باہر آپ کے حفاظتی دستے موجود ہوتے تھے۔ ایک رات آپ نے تہجد کی نماز ادا کی تو فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا مَا أُعْطِيَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي ...

''مجھے پانچ انعامات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیے گئے۔''

پھر فرمایا: ''مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے جبکہ (دیگر) انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کے نبی ہوتے تھے۔ میرے لیے پوری زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا ہے، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، میں (پانی نہ ہونے کی صورت میں) تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے انبیاء اپنے اپنے گرجا گھروں اور کلیساؤں

[1] المغازی للواقدی: 2/399، 400.

میں ہی نماز ادا کرنے کے پابند تھے۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں جبکہ مجھ سے پہلے انبیاء کے لیے یہ حرام تھیں۔ اور پانچویں نعمت (کے بارے میں کیا بتاؤں کہ وہ) کس قدر شاندار ہے، کیا خوب انعام ہے اور کتنی عظیم نوازش ہے۔'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم ملا کہ میں کچھ مانگوں کیونکہ ہر نبی نے ایک مخصوص دعا ضرور مانگی ہے جو قبول ہوئی۔ لیکن میں نے اپنی دعا سنبھال لی ہے۔ وہ تمھیں اور ہر اس شخص کو ملے گی جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔''[1]

صحیح بخاری میں ان انعامات کا تذکرہ قدرے فرق کے ساتھ ان الفاظ میں موجود ہے:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ»

''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: مجھے ایک مہینے کی مسافت سے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی۔ پوری روئے زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا، چنانچہ میری امت کے کسی فرد کو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، اسی جگہ نماز پڑھ لینی چاہیے۔ مال غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ ہر نبی کو قبل ازیں مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا اور مجھے شفاعت (کبریٰ) کا حق دیا گیا ہے۔''[2]

صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دیگر انعامات کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ لیجیے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»

''مجھے چھ انعامات کے ذریعے دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں۔ (دشمن پر طویل مسافت سے) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں۔ میرے لیے زمین کو ذریعۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا۔ مجھے پوری مخلوق کا رسول بنایا گیا اور میرے ذریعے

[1] المغازي للواقدي: 402/2. [2] صحيح البخاري: 438.

انبیاء کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا۔“[1]

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَتْ فِي يَدَيَّ"

”اس وقت جبکہ میں سو رہا تھا، میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”اور تم وہی خزانے نکال رہے ہو۔“[2]

یُحَنہ بن رؤبة سے صلح

رسول اللہ ﷺ تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ تبوک میں خیمہ زن ہوئے تو ارد گرد کے عیسائی حکمران خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اپنے نبی اور اسلامی لشکر کا رعب طاری کر دیا۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک یہی عیسائی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنا کرتے تھے۔ اب جب مسلمان پوری قوت و بسالت سے انھی کے علاقے میں ان کے سر پر آ کھڑے ہوئے تو وہ سراسیمہ ہو گئے اور انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ انھیں اپنی حکومت و سلطنت ڈولتی اور ڈوبتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ان کے سارے فتنے دب گئے۔ سازشوں کے جال تار تار ہو گئے۔ ان کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں اور وہ اپنی بقا کی کوششیں کرنے لگے۔

اسلامی لشکر کو پہلی کامیابی اس وقت ملی جب ایلہ کے بادشاہ یحنہ بن رؤبہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ایلہ کا علاقہ ساحل سمندر پر واقع ہے۔



بندرگاہ ایلہ (ایلات)

عہد رسالت میں یہ علاقہ شام کی حدود میں تھا۔ ایلہ کا بادشاہ چھوٹی سی سلطنت کا فرمانروا تھا۔ یہ صرف تین سو افراد کا حاکم تھا۔ اس نے جزیہ دے کر اپنی حکومت بچالی۔ وہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے لیے ایک سفید خچر کا ہدیہ لایا اور آپ کو پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یحنہ کو ایک خوبصورت یمنی چادر بطور تحفہ مرحمت فرمائی۔ یحنہ آپ کی خدمت میں نہایت عاجزی اور آداب و تسلیمات

[1] صحيح مسلم :523. [2] صحيح مسلم :523 (7,6).

کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس نے اپنے رواج کے مطابق آپ کے سامنے اپنا سر جھکایا اور اپنے انداز میں آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ جب اس نے سر جھکایا تو اس وقت اس کی سنہری صلیب اس کے گلے میں لٹک رہی تھی اور اس کے عقیدے کا اظہار و اعلان کر رہی تھی۔ آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنا سر اٹھالو۔ پھر آپ نے اس عیسائی فرماں روا سے صلح کر لی اور جزیے کے عوض اسے درج ذیل امان نامہ تحریر کرا کے مرحمت فرمایا:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذِهِ أَمَنَةٌ مِّنَ اللهِ وَمُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللهِ لِيُحَنَّةَ بْنِ رُؤْبَةَ وَأَهْلِ أَيْلَةَ سُفُنُهُمْ وَسَيَّارَتُهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ لَهُمْ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَمَنْ كَانَ مَعَهُمْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْيَمَنِ وَأَهْلِ الْبَحْرِ، فَمَنْ أَحْدَثَ مِنْهُمْ حَدَثًا فَإِنَّهُ لَا يَحُولُ مَالُهُ دُونَ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ طَيِّبٌ لِمَنْ أَخَذَهُ مِنَ النَّاسِ وَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يُمْنَعُوا مَاءً يَرِدُونَهُ وَلَا طَرِيقًا يُرِيدُونَهُ مِنْ بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے یہ امان نامہ یحنہ بن رؤبہ، اہل ایلہ، ان کی کشتیوں اور بحر و بر میں چلنے والے ان کے قافلوں کے لیے ہے۔ انھیں اور ان کے ساتھی اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر کو اللہ تعالیٰ اور محمد نبی ﷺ کی طرف سے تحفظ حاصل ہے۔ ان میں سے جس نے بھی کوئی خلاف ورزی کی تو بطور سزا اس کا مال چھیننا جائز ہوگا اور وہ مال چھیننے والے کے لیے حلال ہوگا۔ انھیں پانی کے کسی چشمے سے نہیں روکا جائے گا۔ یہ جس چشمے پر جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ بحر و بر میں جس رستے پر چلنا چاہیں چل سکتے ہیں۔ انھیں روکنا حلال نہیں ہوگا۔"

آپ کے حکم سے درج بالا امان نامہ سیدنا جہیم بن صلت اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما نے تحریر کیا۔

بعد ازاں اس عیسائی فرماں روا کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے خیمے میں ٹھہرایا گیا۔

دیگر قبائل کے لیے امان نامے

اہل ایلہ کے بعد دیگر علاقوں کے فرمانروا بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواستیں قبول فرمائیں اور انھیں بھی امان نامے عطا کیے۔

اہل جرباء، اذرح اور اہل مقنا نے بھی امان نامے حاصل کیے۔ آپ نے اہل اذرح کو جو امان نامہ عطا فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں:

هذا الكتاب من محمد رسول الله ﷺ لأهل أذرح، أنهم آمنون بأمان الله وأمان محمد، وأن عليهم مائة دينار في كل رجب وافية طيبة، والله كفيل عليهم.

’’یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اہل اذرح کے لیے خط ہے کہ بے شک وہ اللہ اور محمد ﷺ کی امان کے تحت امن میں ہیں۔ ہر سال رجب میں ان پر ایسے ایک سو دینار جزیہ دینا واجب ہوگا جو مکمل اور عمدہ ہوں۔ اور اللہ ان پر نگہبان ہے۔‘‘

علامہ واقدی کہتے ہیں: میں نے اہل اذرح کا امان نامہ نقل کیا تو اس میں یہ الفاظ لکھے تھے:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد النبي ﷺ لأهل أذرح، أنهم آمنون بأمان الله وأمان محمد، وأن عليهم مائة دينار في كل رجب وافية طيبة، والله كفيل عليهم بالنصح والإحسان للمسلمين، ومن لجأ إليهم من المسلمين من المخافة والتعزير إذا خشوا على المسلمين، وهم آمنون حتى يحدث إليهم محمد قبل خروجه.

’’بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ امان نامہ محمد نبی ﷺ کی طرف سے اہل اُذرح کے لیے ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی امان حاصل ہے۔ انھیں ہر سال رجب میں مکمل اور عمدہ سو دینار ادا کرنے ہوں گے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ احسان کی شرط پر اللہ تعالیٰ ان کا نگہبان ہے اور اس شرط پر کہ جو مسلمان ان کے پاس پناہ لے، یہ اسے خوفزدہ نہیں کریں گے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور یہ لوگ امن میں ہوں گے حتی کہ محمد ﷺ روانگی سے قبل نیا حکم دے دیں۔‘‘

اسی طرح آپ نے اہل مقنا کو بھی امان نامہ دیا۔ انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان عطا کی اور ان پر جزیہ عائد کیا۔ ان کے مجموعی پھلوں اور کپڑے کی پیداوار کا چوتھا حصہ جزیہ قرار پایا۔[1]

عبید بن یاسر کی عطا

بنو سعد قبیلے سے عبید بن یاسر اور بنو وائل سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ابھی تبوک ہی میں قیام فرما تھے۔ ان دونوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے ان کی تالیف قلبی کے لیے انھیں عظیم عطیات سے نوازا۔ آپ نے انھیں مقنا کے سمندر سے نکلنے والی پیداوار، پھلوں اور کپڑے کی صنعت کا چوتھا حصہ عطا کیا۔

1 صحيح البخاري: 1481، المغازي للواقدي: 2/409، 410، السيرة لابن إسحاق: 2/604، السيرة لابن هشام: 4/169، دلائل النبوة للبيهقي: 4/248، البداية والنهاية: 4/670.

عبید بن یاسر گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے جبکہ بنو وائل کا شخص پیدل تھا۔ آپ نے عبید کے گھوڑے کے لیے اسے سو چادریں عنایت فرمائیں۔ یہ چادریں بعد میں بھی سالانہ بنیادوں پر ان کے قبیلے بنو سعد کو حاصل ہوتی رہیں جبکہ بنو وائل بھی رسول اللہ ﷺ کی بخشش سے مستفید ہوتے رہے۔

سیدنا عبید بن یاسر رضی اللہ عنہ مقنا واپس آئے تو اپنی یہودی خادمہ کو ساٹھ چادریں عطا کر دیں، وہ آپ کے گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اسے یہ چادریں بنو امیہ کے دور تک مسلسل ہر سال ملتی رہیں۔ بنو امیہ کے دور میں یہ عطیہ بند کر دیا گیا۔

سیدنا عبید بن یاسر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عمدہ گھوڑا پیش کیا۔ اس کا نام مراوح تھا۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس گھوڑے کی خوبیاں دیکھنے کے لیے گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرائیے۔ مقابلے سے معلوم ہو گا کہ یہ کتنا شاندار گھوڑا ہے۔ آپ نے تبوک میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ کروایا تو سیدنا عبید بن یاسر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا سبقت لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ عمدہ تحفہ قبول فرمایا۔ سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ گھوڑا مجھے عطا کر دیجیے۔ آپ نے پوچھا: ''تمھاری سبحہ گھوڑی کہاں ہے؟'' سیدنا مقداد نے اس گھوڑی پر سوار ہو کر جنگ بدر میں شرکت کی تھی۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ میرے پاس ہی ہے۔ میں نے اس پر سوار ہو کر بڑے بڑے معرکوں میں شرکت کی ہے۔ وہ مجھے بہت عزیز ہے، اس لیے میں اس کی خوب دیکھ بھال کرتا ہوں۔ اب اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے، اس لیے میں اسے اس پر مشقت طویل سفر میں اپنے ساتھ نہیں لایا۔ آپ مجھے یہ اصیل گھوڑا عطا فرمائیں۔ میں اس کے ذریعے سے اپنی گھوڑی سے نسل کشی کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ اس عمدہ گھوڑے سے مجھے شاندار نسل کا گھوڑا ملے گا۔

سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کی اس خواہش پر آپ ﷺ نے یہ تربیت یافتہ گھوڑا انھیں عطا کر دیا۔ سیدنا مقداد نے اس گھوڑے کے ذریعے سے اعلیٰ نسل کا بچہ حاصل کیا۔ یہ جوان ہو کر ذیال کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مختلف گھڑ دوڑوں میں ہمیشہ اول آتا تھا۔ سیدنا عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں یہ دوڑ جیتا کرتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ شاندار گھوڑا تیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا۔[1]

اہل مقنا کا صلح نامہ

علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں اہل مقنا کے صلح نامہ کی تحریر ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

1 المغازي للواقدي: 2/410،411، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1835،1836.

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى بَنِي حَبِيبَةَ وَأَهْلِ مَقْنَا، سِلْمٌ أَنْتُمْ، فَإِنَّهُ أُنْزِلَ عَلَيَّ أَنَّكُمْ رَاجِعُونَ إِلَى قَرْيَتِكُمْ، فَإِذَا جَاءَكُمْ كِتَابِي هٰذَا فَإِنَّكُمْ آمِنُونَ، وَلَكُمْ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَكُلَّ دَمٍ اتُّبِعْتُمْ بِهِ، لَا شَرِيكَ لَكُمْ فِي قَرْيَتِكُمْ إِلَّا رَسُولُ اللّٰهِ أَوْ رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ، وَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكُمْ وَلَا عُدْوَانَ، وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ يُجِيرُكُمْ مِمَّا يُجِيرُ مِنْهُ نَفْسَهُ، فَإِنَّ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَزَّكُمْ وَرَقِيقَكُمْ وَالْكُرَاعَ وَالْحَلْقَةَ إِلَّا مَا عَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوْ رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ، وَأَنَّ عَلَيْكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ رُبُعَ مَا أَخْرَجَتْ نَخْلُكُمْ وَرُبُعَ مَا صَادَتْ عُرُوكُكُمْ وَرُبُعَ مَا اغْتَزَلَتْ نِسَاؤُكُمْ، وَإِنَّكُمْ بَرِئْتُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ وَرَفَعَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ عَنْ كُلِّ جِزْيَةٍ وَسُخْرَةٍ، فَإِنْ سَمِعْتُمْ وَأَطَعْتُمْ فَعَلَى رَسُولِ اللّٰهِ أَنْ يُكْرِمَ كَرِيمَكُمْ وَيَعْفُوَ عَنْ مُسِيئِكُمْ، وَمَنِ ائْتَمَرَ فِي بَنِي حَبِيبَةَ وَأَهْلِ مَقْنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَمَنْ أَطْلَعَهُمْ بِشَرٍّ فَهُوَ شَرٌّ لَهُ، وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ أَمِيرٌ إِلَّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو حبیبہ اور اہل مقنا کے لیے۔ تم سلامت رہو۔ میں تمھیں یہ صلح نامہ عطا کر رہا ہوں، بشرطیکہ تم اپنی بستی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ میرا یہ خط تمھارے پاس پہنچے گا تو تمھیں امان حاصل ہو جائے گی۔ تمھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا تحفظ حاصل ہو گا۔ بے شک رسول اللہ نے تمھارا ہر گناہ اور وہ قتل جس میں تم نے شرکت کی، معاف کر دیا ہے۔ تمھاری بستی میں رسول اللہ یا آپ کے نمائندے کے سوا تمھارا کوئی شریک نہیں ہے۔ بلاشبہ تم پر کسی قسم کی ظلم و زیادتی نہیں ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ ہر اس چیز سے تمھاری حفاظت کریں گے جس سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو تمھاری بستی میں تیار ہونے والے کپڑے، غلام، گھوڑے اور اسلحہ حاصل کرنے کا حق ہو گا، سوائے اس کے جو رسول اللہ (ﷺ) یا آپ (ﷺ) کا نمائندہ تمھیں معاف کر دے۔ تمھیں سالانہ کھجوروں کی پیداوار، تمھارے مچھیروں کی شکار کردہ مچھلیوں اور تمھاری عورتوں کے تیار کردہ ملبوسات کا چوتھا حصہ بطور جزیہ التزاماً ادا کرنا ہوگا۔ اس جزیے کی ادائیگی کے بعد تم بری ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تم سے کوئی جزیہ یا بلا معاوضہ خدمات نہیں لی جائیں گی۔ اگر تم فرامین سنو گے اور اطاعت کرو گے تو رسول اللہ ﷺ

تمھارے معزز لوگوں کی عزت کریں گے اور خطا کار سے درگزر فرمائیں گے۔ بنو حبیبہ اور اہل مقنا کے مسلمان خیر کے کاموں میں فرمانبرداری کریں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوگا اور جس نے شر ظاہر کیا تو وہ اس کے لیے بہت برا ہوگا۔ تمھارا امیر تم میں سے ہوگا یا رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں سے ہوگا۔''[1]

علامہ بلاذری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تحریر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے بلکہ وہ ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے۔

اکیدر دومۃ الجندل کی گرفتاری

تبوک میں قیام کے دوران اسلامی لشکر کو ایک نہایت اہم عسکری کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ کامیابی دومۃ الجندل کی فتح تھی۔ دومۃ الجندل سعودی عرب کے صحرائے نفود کبریٰ کے شمال میں واقع ایک تاریخی شہر ہے۔ یہ تبوک سے تقریباً 400 کلومیٹر دور ہے۔ اب دونوں علاقوں کو بذریعہ سڑک ملا دیا گیا ہے۔ دومۃ الجندل تبوک کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ دومۃ الجندل سے ایک سڑک عراقی سرحد پر جدیدہ عرعر تک جاتی ہے جو وادئ عرعر سے گزرتی ہے۔ دوسری سڑک شمال مغرب میں وادی سرحان سے گزرتی ہوئی اردن کے دارالحکومت عمان تک جاتی ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ صفین کے بعد صلح کے لیے طرفین کے نمائندے سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما جمع ہوئے تھے۔[2]

علامہ یاقوت حموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ علاقہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے ''دومان'' یا ''دوما'' کی طرف منسوب ہے۔ دومۃ الجندل ایک قلعے اور متعدد بستیوں پر مشتمل علاقہ تھا۔ یہ طے قبیلے کے پہاڑوں کے قریب واقع تھا۔[3]

دومۃ الجندل ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست تھی۔ اس کا حکمران حضرمی کندی تھا۔ اس ریاست کے اکثر باشندے

---

[1] فتوح البلدان، ص: 72،71، موسوعۃ الغزوات الکبریٰ: 1836/2 [2] اٹلس سیرت نبوی، ص: 272 [3] معجم البلدان: 487/2



مقنا (مدین) کے نوکیلے پہاڑ



شہر عرعر (سعودی عرب) میں پانی کا تالاب

بنو کلب کے افراد تھے۔ بنو کلب ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی افرادی اور عسکری قوت بہت ممتاز تھی۔ یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں اپنی طاقت اور حربی صلاحیت کی بنا پر عربوں میں بلند مرتبہ رکھتا تھا۔

جزیرۂ عرب میں صرف یہی حکومت باقی رہ گئی تھی جو اسلام کی روشنی سے محروم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی اسلام کی روشنی سے منور کرنے کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو 420 گھڑ سوار مجاہدین کا کمانڈر بنایا اور اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دشمن کے علاقے میں اتنی کم فوج کے ساتھ حملہ کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ وہ اپنے علاقے میں بہترین تیاری کے ساتھ ہمارا مقابلہ کریں گے۔ ان کے پاس دفاع کے لیے بلند و بالا قلعہ موجود ہے جبکہ ہم میدان میں ہوں گے۔ سیدنا خالد کے یہ خدشات حربی نقطۂ نظر سے بالکل ٹھیک تھے۔ مومن اپنی طرف سے پوری طرح تیاری کرکے ہی اللہ پر بھروسا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی سے مستفید ہوتے تھے، اس لیے آپ نے اپنے جرنیل کو تسلی دی کہ تمھیں قلعہ فتح کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوگی اور دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو گرفتار کرنا بھی چنداں مشکل نہیں ہوگا۔ آپ نے آگاہ فرمایا: وہ شکار کر رہا ہوگا، تم اسے اسی حالت میں گرفتار کر لینا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مجاہدین کا لشکر لے کر چل دیے اور بنو کلب کے علاقے میں پہنچ گئے۔ سیدنا خالد کو معلوم تھا کہ اکیدر اپنے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ اپنے قلعے میں موجود ہے۔ قلعے کی دیواریں بلند اور نہایت مضبوط تھیں۔ انھیں توڑنے کے لیے منجنیق کی ضرورت تھی جو اسلامی لشکر کے پاس نہیں تھی۔ قلعے کا دروازہ بڑی بھاری اور مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اسے کاٹنا یا توڑنا ناممکن تھا، لہٰذا قلعے پر حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔ حملہ کرنے کی صورت میں اسلامی لشکر کو شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انتظار کرنا ہی بہتر خیال کیا تاکہ جب اکیدر قلعے سے نیچے اترے تو اس کے لشکر پر حملہ کر دیا جائے۔ سیدنا خالد نے اسلامی لشکر کو چھپنے کا حکم دیا، لہٰذا ایک مناسب جگہ تلاش کرکے مجاہدین گھات میں بیٹھ گئے۔ تربیت یافتہ گھوڑوں کو ہنہنانے سے روک دیا گیا تاکہ دشمن کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو۔ دن ختم ہوا تو چاند نکل آیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ چاند کے بلند ہونے اور گرمی کی شدت کم ہونے پر موسم خوشگوار ہو گیا۔ اس موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے اکیدر نے قلعے کی چھت پر ناؤ نوش کی محفل سجا دی۔ اس کی گلوکارہ گیت الاپنے لگی اور خادم اسے شراب پلانے لگے۔ محفل خوب جم گئی تو کسی نے قلعے کے دروازے کو زور سے کھٹکھٹایا۔ اکیدر کی بیوی کو تعجب ہوا کہ رات گئے یہ کون آ گیا ہے جو خواہ مخواہ ہماری محفل کو مکدر کر رہا ہے۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا تو ایک موٹی تازہ جنگلی گائے اپنے سینگوں سے قلعے کا

دروازہ پیٹ رہی تھی۔ گائے کو دیکھ کر اکیدر کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ اس نے اکیدر سے آ کر کہا میں نے ایسی فربہ گائے کبھی نہیں دیکھی۔ کیا تم نے کبھی ایسی گائے دیکھی ہے؟ اکیدر کہنے لگا: ایسی لاجواب گائے تو میں نے بھی کبھی نہیں دیکھی۔ بیوی حجت سے بولی: تو پھر ایسی گول مٹول گائے کو جانے کون دے گا! اکیدر بھی ہوش میں آ گیا۔ کہنے لگا: ہاں ہاں! بھلا ایسی گھر آئی نعمت کو کون جانے دے گا۔ اس نے فوری طور پر گھوڑا تیار کرایا، اسلحہ لیا اور چند آدمیوں کے ساتھ گائے کا شکار کرنے نکل پڑا۔ ایسی گائے کی تلاش کے لیے انھیں مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ گھوڑے تیار کیے جاتے، پھر پورا لشکر لے کر جاتے اور ایسی گائے شکار ہوتی۔ لیکن آج یہ گائے خود بخود چل کر دروازے پر آ گئی تھی! لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ گائے آئی نہیں بلکہ لائی گئی ہے اور آج شکاری خود شکار ہونے والے ہیں۔ جیسے ہی اکیدر قلعے سے باہر آیا۔ گائے آگے چل پڑی۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ گھات میں بیٹھے مجاہدین نے اکیدر اور اس کے ساتھیوں کو گھیر کر حملہ کر دیا۔

اکیدر کے ساتھ اس کا بھائی حسان بھی تھا۔ اس نے مزاحمت کی اور مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دونوں غلام بھاگ کر قلعے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اکیدر نے گرفتاری دے دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باقی ساتھیوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ حسان نے شاندار قبا زیب تن کر رکھی تھی جس میں خالص سونے کے تاروں سے کڑھائی کی گئی تھی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ قبا سیدنا عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔ اکیدر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا

«إِنْ ظَفِرْتَ بِأُكَيْدِرَ فَلَا تَقْتُلْهُ وَائْتِ بِهِ إِلَيَّ، فَإِنْ أَبَى فَاقْتُلُوهُ»

''اگر اکیدر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اسے قتل نہ کرنا، میرے پاس لے آنا، ہاں اگر وہ مزاحمت کرے تو قتل کر دینا۔''

اکیدر نے چپ چاپ گرفتاری دے کر سمجھداری کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان بچالی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا بھائی قتل ہو چکا تھا، اس لیے اسے ان مجاہدین کے ارادوں کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہی، لہٰذا اس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے ہی میں عافیت جانی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر سے فرمایا میں تمھیں اس شرط پر زندہ چھوڑوں گا کہ تم دومۃ الجندل کا قلعہ ہمارے لیے کھول دو، بعد ازاں میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دوں گا، پھر وہی تمھارا فیصلہ فرمائیں گے۔ اکیدر بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے یہ شرط مان لی۔

سیدنا خالد اکیدر کو لے کر قلعے کے دروازے پر گئے اور اسے حکم دیا کہ قلعے کے لوگوں سے کہو کہ وہ دروازہ کھول

دیں۔ اکیدر نے اپنے گھر والوں کو آواز دی۔ انھوں نے اکیدر کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھا تو دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اکیدر کہنے لگا: اے خالد! اللہ کی قسم! مجھے بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھنے کے بعد اب وہ ہرگز دروازہ نہیں کھولیں گے۔ پہلے مجھے آزاد کر دو، مجھے میرے بیوی بچوں سمیت امان دے دو، تبھی میں دروازہ کھلوا سکتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا خالد ؓ نے اس شرط پر اس سے صلح کر لی۔ اکیدر نے کہا: اگر چاہو تو تم فیصلہ کر دو اور اگر مجھے اختیار دو تو میں فیصلہ کر دوں گا۔ سیدنا خالد ؓ نے فرمایا: تم اس صلح کے عوض مسلمانوں کو جتنا مال دو گے ہم قبول کر لیں گے، لہٰذا اکیدر نے اپنے خاندان کی جان بخشی اور صلح کے عوض مسلمانوں کو دو ہزار اونٹ، 800 گھوڑے، 400 زرہیں اور چار سو نیزے دیے۔ سیدنا خالد بن ولید ؓ نے یہ مال وصول کیا اور اکیدر اور اس کے بھائی مضاد کو لے جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سیدنا جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکیدر کو اس وقت دیکھا تھا جب خالد ؓ اسے لے کر آئے تھے۔ اس کے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور اس نے ریشمی حلہ پہن رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں بھائیوں سے جزیہ کی وصولی کے بعد درگزر فرمایا اور انھیں معاف کر دیا۔ آپ نے انھیں امان نامہ بھی لکھوا دیا اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت کی۔

اکیدر کی طرف سے ادا کیا جانے والا مال مدینہ منورہ پہنچا تو مسلمان اکیدر کے بھائی حسان کی قبا دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیسی شاندار اور ملائم قبا ہے۔ کس قدر نرم اور بہترین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا یہ تعجب دیکھا تو فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے (کہیں) زیادہ شاندار ہیں۔''[1]

صحیح بخاری کی روایت 2616 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبا یا جبہ اکیدر نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا خالد سے جو فرمایا تھا: «إِنَّكَ تَجِدُهُ يَصِيدُ الْبَقَرَ» ''تمھیں اکیدر گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا۔'' اس پیش گوئی کے پورا ہونے پر سیدنا بجیر بن بجرہ طائی ؓ نے درج ذیل اشعار کہے

[1] صحيح البخاري، حديث: 2615.

تَبَارَكَ سَائِقُ الْبَقَرَاتِ إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ يَهْدِي كُلَّ هَادِ
وَ مَنْ يَكُ عَائِدًا عَنْ ذِي تَبُوكَ فَإِنَّا قَدْ أُمِرْنَا بِالْجِهَادِ

’’گائے کو چلانے والی ذات بڑی بابرکت ہے۔ بے شک میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے ہر طالب کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اور جو شخص تبوک میں قیام پذیر شخصیت (محمد ﷺ) سے دشمنی کرے گا تو بلاشبہ ہمیں (اس دشمن سے) جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے یہ شعر سنے تو شاعر کو یہ دعا دی: ’’لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ‘‘ ’’اللہ تیرے منہ کو سلامت رکھے۔‘‘ آپ ﷺ کی اس دعا کی بدولت سیدنا بجیر بن بجرہ رضی اللہ عنہ نوے سال کی عمر میں بھی بالکل صحت مند تھے۔ ان کے تمام دانت سلامت تھے۔ ایک بھی دانت اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔[1]

اکیدر کا اسلام

رسول اللہ ﷺ نے اکیدر اور اس کے بھائی مضاد سے صلح کی اور انھیں امان نامہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے انھیں درج ذیل تحریر مرحمت فرمائی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ تحریر اکیدر کے مسلمان ہونے پر اسے عطا فرمائی گئی جیسا کہ تحریر سے بھی یہی واضح ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ لِأُكَيْدِرٍ حِينَ أَجَابَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَ خَلَعَ الْأَنْدَادَ وَالْأَصْنَامَ مَعَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ سَيْفِ اللّٰهِ فِي دُومَةِ الْجَنْدَلِ وَ أَكْنَافِهَا وَ إِنَّ لَنَا الضَّاحِيَةَ مِنَ الضَّحْلِ وَ الْبُورَ وَ الْمَعَامِيَ وَ أَغْفَالَ الْأَرْضِ وَالْحَلْقَةَ وَ السِّلَاحَ وَالْحَافِرَ وَالْحِصْنَ وَلَكُمُ الضَّامِنَةُ مِنَ النَّخْلِ وَ الْمَعِينُ مِنَ الْمَعْمُورِ بَعْدَ الْخُمُسِ لَا تُعْدَلُ سَارِحَتُكُمْ وَلَا تُعَدُّ فَارِدَتُكُمْ وَلَا يُحْظَرُ عَلَيْكُمُ النَّبَاتُ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ عُشْرُ الثَّبَاتِ تُقِيمُونَ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا وَ تُؤْتُونَ الزَّكَاةَ بِحَقِّهَا عَلَيْكُمْ بِذٰلِكَ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ وَ لَكُمْ بِذٰلِكَ الصِّدْقُ وَ الْوَفَاءُ شَهِدَ اللّٰهُ وَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

’’بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی ہے جو اکیدر کو دومۃ الجندل اور اس کے گردونواح

1 المغازي للواقدي 2/405-408، السيرة لابن إسحاق 2/604، 605، دلائل النبوة للبيهقي 4/250-252، السيرة لابن هشام 4/170، البداية والنهاية 4/671، 672، سبل الهدى والرشاد للصالحي 2/1836-1840

میں بتوں اور غیر اللہ کی پوجا کو چھوڑ کر سیف اللہ (اللہ کی تلوار) خالد بن ولید کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے موقع پر دیا جا رہا ہے۔ ہمارے لیے صحرا، بیاباں، بے آباد زمینیں اور نامعلوم چشمے ہیں۔ وہ زمینیں جن میں پانی کم یاب ہے، عمومی ہتھیار جیسے زرہیں، تلواریں اور نیزے، گھوڑے اور قلعہ ہمارا ہوگا۔ بستی میں اگے کھجوروں کے باغات، تعمیر شدہ چشمے اور خمس کی ادائیگی کے بعد تمھارے ہوں گے۔ تمھارے مویشی تقسیم کیے جائیں گے نہ چالیس سے کم بکریوں پر زکاۃ ہوگی۔ تمھارے علاقے کی گھاس اور نباتات پر پابندی نہیں ہوگی، نہ گھریلو سامان سے عشر وصول ہوگا۔ تم نماز مقررہ وقت پر پڑھو گے اور زکاۃ ادا کرو گے۔ تمھیں اس عہد و میثاق کی پابندی کرنی ہوگی۔ اس کے عوض تمھیں صدق و وفا ملے گی۔ اس معاہدے پر اللہ تعالیٰ اور حاضرین مجلس مسلمان گواہ ہیں۔''[1]

اکیدر کے اسلام لانے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اہل فتوح کے نزدیک یہ بات متفقہ ہے کہ 12 ھ میں سیدنا خالد بن ولید نے سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دومۃ الجندل پر لشکر کشی کی تھی کیونکہ اکیدر نے مرتد ہو کر زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس معرکے میں اکیدر اپنی خیانت، بدعہدی اور ارتداد کے انجام کو پہنچ گیا اور اسلامی سپاہ کے ہاتھوں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا۔

البتہ اکیدر کا بھائی حریث ثابت قدم رہا تھا اور مسلمانوں نے بھی اس کے ملکیتی علاقے اور اموال کو برقرار رکھا۔ اسی طرح اکیدر کا بھائی مضاد عیسائیت پر قائم رہا۔ اس نے جزیہ دے کر صلح کر لی تھی اور معاہدے کی بخوشی پاسداری کی تھی۔


دومۃ الجندل کے کھنڈر

سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اکیدر اور اس کے بھائی کو قید کر کے خدمت نبوی میں پیش کر دیا۔ اکیدر سے جو مال غنیمت ملا تھا، آپ نے اس میں سے اپنے لیے خاص حصہ لیا اور خمس نکال کر غنیموں کو تقسیم کر دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارے قبیلے مزینہ کے چالیس مجاہد شریک جہاد تھے۔ ہمیں پانچ

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1841/2، المغازي للواقدي: 407/2.

اونٹ ملے۔ زرہ اور نیزے بھی دیے گئے۔ اہل مغازی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اکیدر کی سرکوبی کے لیے جانے والے لشکر میں مہاجرین کے قائد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ واللہ اعلم[1]

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا ایثار

اسلام کے جانبازوں میں سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ایک نہایت معتبر شخصیت ہیں۔ ان کے اسلام لانے اور خدمت نبوی میں حاضر ہونے کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا واثلہ بن اسقع مدینہ منورہ کے نواح میں اپنے والدین، چچا اور ایک بہن کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑی مدت تک اپنے والد اور چچا کے منتظر رہے کہ کب وہ اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں میں شامل ہوتے ہیں لیکن یہ سعادت سیدنا واثلہ کے نصیب میں لکھی تھی کہ اپنے خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کر لیں۔ وہ ایک دن چپکے سے نکلے اور مدینہ منورہ آ گئے۔ صبح کی نماز کے وقت مسجد میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بات چیت کرتے، ان کے خوابوں کی تعبیر بتاتے اور ان کے حال احوال دریافت کرنے کے لیے تشریف فرما ہو جاتے۔ اگر کوئی مسافر یا مہمان نظر آتا تو اس کے ساتھ خصوصی شفقت فرماتے۔

آج بھی حسب سابق آپ نے نمازیوں پر نظر ڈالی تو سیدنا واثلہ بن اسقع نظر آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون ہو اور کیسے آئے ہو؟'' سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف کرایا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی بیعت کر کے آپ کے پروانوں میں شامل ہونے آیا ہوں۔ آپ نے ان کی درخواست بخوشی قبول کی اور فرمایا: ''تمھاری بیعت اس شرط پر لیتا ہوں کہ تم حسب طاقت اطاعت و فرمانبرداری کرو گے۔'' سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر بیعت کی اور آپ کے فدائیوں میں شامل ہو کر زمرۂ سعادت مندی میں شامل ہو گئے۔ اب وہ ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوتے تھے جنھیں دنیا و آخرت کی کامیابیاں و کامرانیاں ملنی تھیں۔ وہ آپ ﷺ سے بیعت کے بعد ابھی مدینہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کی تیاری شروع کر دی۔ لہٰذا سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی گھر لوٹے تاکہ سفر کی تیاری کر سکیں۔ واپس گھر آئے تو ہر نومسلم کی طرح ان کا بھی روایتی استقبال ہوا۔ والد نے ملتے ہی پوچھا: کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ انھوں نے نہایت ادب سے جواب دیا: جی ہاں! میں اسلام قبول کر چکا

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 253/6، وموسوعۃ الغزوات الکبری 1841/2، 1842، والبدایۃ والنہایۃ 672/4، والمغازی للواقدی 408/2، 409

ہوں۔ والد کو یہ سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے خوب برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ پھر دھمکی دی: ''میں آج کے بعد تم سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔'' والد کی سخت اور کڑوی باتیں سننے کے بعد چچا کی طرف مڑے تو انھوں نے منہ پھیرتے ہوئے سوال کیا: کیا باپ دادا کا دین چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں چچا جان! میں نے دین حنیف کی پیروی کر لی ہے۔ چچا یہ سن کر ناراض ہوئے مگر ان کے رویے میں والد جیسی تلخی اور غصہ نہیں تھا۔ کہنے لگے: بیٹا تم ہم سے پہلے یہ دین قبول نہ کرتے تو بہتر تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ جس خوش بختی کو سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ گلے لگا چکے تھے، ان کا خاندان اس سے ابھی تک محروم چلا آرہا تھا۔

سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے چچا کے رویے میں ذرا نرمی دیکھی تو انھیں اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ انھیں اسلام کی خوبیوں سے روشناس کرایا۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے بارے میں آگاہی دی۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمہ کے متعلق بتایا۔ مسلمانوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا حال بتایا۔ ابھی وہ چچا کو قائل کر ہی رہے تھے کہ ان کی بہن نے باہر آ کر انھیں السلام علیکم کہا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ خوشی سے اچھل پڑے۔ انھوں نے بہن سے پوچھا: یہ اسلامی طریقے سے سلام کرنا تم نے کہاں سے سیکھا؟ بہن کہنے لگی: جب تم چچا کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر رہے تھے، میں اندر بیٹھی ساری باتیں سن رہی تھی۔ مجھے اسلام کے اخلاق اور تعلیمات نے بے حد متاثر کیا ہے۔ اس لیے میں بھی اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔ نیک بخت بھائی نے خوش بخت بہن کو بھی کلمہ شہادت پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔ بھائی کو بہن کے قبول اسلام کی بے حد خوشی تھی۔ گھر کے بزرگ ابھی سوچ بچار ہی میں پڑے ہوئے تھے اور جاہلی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس نعمت عظیم سے ابھی تک محروم تھے جبکہ ان کے بچے ان سے پہلے اس نعمت سے سرفراز ہو گئے۔

سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں تم میرے لیے زاد راہ تیار کر دو۔ نیک سیرت بہن نے فوراً کچھ آٹا اور کچھ کھجوریں ایک برتن میں ڈال کر بھائی کے حوالے کیں اور انھیں خوشی خوشی الوداع کہا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ زاد راہ لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ تیاری کر کے روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں چند ایک گروہ تیاری میں مصروف تھے۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ کے پاس سواری نہیں تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اتنا طویل سفر پیدل طے کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا، اس لیے میں نے سواری کے حصول کے لیے بنو قینقاع کے بازار میں اعلان کرنا شروع کر دیا: کون ہے جو مجھے سواری دے؟ میں اسے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ بطور اجرت دے دوں گا۔ ان کا یہ اعلان سن کر سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں

بلایا اور فرمایا: میں تمھیں رات کے آخری پہر اور دن کے آخری حصے میں کچھ سفر کے لیے اپنی سواری دے سکتا ہوں۔ تم میرے ساتھ کھانا بھی کھا سکتے ہو بشرطیکہ غنیمت میں سے تمھارا حصہ میرا ہوگا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ شرط فوراً قبول کر لی۔ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے سخی دل صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں ایثار و قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بھی اس خوبی سے بخوبی بہرہ مند تھے۔ انھوں نے جب اپنے بھائی کی پکار سنی تو فوراً ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ان کی مدد اس انداز سے کی جائے کہ ان کی ضرورت پوری ہو جائے اور ان کی خودداری پر بھی حرف نہ آئے۔ لہٰذا طے شدہ شرط کے مطابق سفر شروع ہو گیا۔ دوران سفر سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے جس حسن سلوک اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ فرمایا، اس کی تعریف سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کیا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ وہ حسب وعدہ دو بار مجھے سواری کے لیے اونٹ دیتے بلکہ مزید وقت کے لیے بھی سواری دے دیتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کھانا بھی کھاتا تھا۔ میں اونٹ پر سوار ہوتا تو وہ میرے اونٹ کو اٹھانے میں بھی مدد دیتے تھے۔''

اسی طرح سفر کرتے کرتے یہ دونوں عظیم صحابی تبوک پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں قیام کے دوران سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر دومۃ الجندل کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تو سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ وہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے ہمراہی تھے۔ اکیدر کی گرفتاری اور پھر صلح کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا۔ سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے حصے میں چھ اونٹ آئے۔ وہ اپنا حصہ وصول ہوتے ہی حسب شرط سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس گئے اور عرض کی: لیجیے جناب! حسب شرط اپنا مال وصول کیجیے۔ میں اپنے اونٹ لے آیا ہوں۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ نے میرے ساتھ بڑا نیک سلوک کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے۔ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کے مال میں برکت دے۔ میں نے ان اونٹوں کے لیے آپ کو سواری نہیں دی تھی۔ میں تو اپنا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ سے لینا چاہتا ہوں۔''[1] اس طرح ایثار و قربانی کی یہ شاندار مثال اسلامی تاریخ کا مایۂ ناز حصہ بن گئی۔

تبوک میں رونما ہونے والا عظیم معجزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات سے نوازا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر کئی معجزات رونما ہوئے۔

1 المغازي للواقدي: 2/407، 408.

ان میں سے چند کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک عظیم معجزہ تبوک پہنچ کر بھی رونما ہوا۔ ذیل میں ہم اسی کا تذکرہ کر رہے ہیں:

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا اور آپ کے دربان کے فرائض ادا کرتا تھا۔ تبوک میں قیام کے دوران ایک رات ہم اپنے کسی کام سے معسکر سے باہر نکلے۔ واپسی میں خاصی تاخیر ہوگئی۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے پاس پہنچے تو آپ اپنے مہمانوں سمیت رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ آپ ابھی مہمانوں کے ساتھ ہی تشریف فرما تھے اور اپنے خیمے میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس سفر میں آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب میں آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا:

«أَيْنَ كُنْتَ مُنْذُ اللَّيْلَةِ؟»

''تم شام سے اب تک کہاں تھے؟''

یقیناً آپ کو اپنے خادم خاص کی فکر ہو رہی تھی کہ اس نے ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا۔ میں نے عرض کی کہ میں ایک کام سے ذرا دور نکل گیا تھا، اس لیے واپسی میں دیر ہوگئی۔ اتنی دیر میں سیدنا جعال بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہما بھی آگئے۔ ہم تینوں کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی دہلیز پر بیٹھے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے کاشانۂ مبارک سے جو کچھ ملتا تھا، ہم کھا لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہماری کیفیت معلوم ہوئی تو آپ خیمے میں تشریف لے گئے تاکہ ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کریں۔ لیکن خیمے میں کوئی ایسی چیز میسر نہ آئی جو ہم کھا سکتے۔ آپ باہر تشریف لائے، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور پوچھا ''اے بلال! کیا ان لوگوں کے لیے کچھ کھانے کو ہے؟'' انھوں نے عرض کی نہیں، اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا! اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے تھیلے اور برتن خالی کر چکا ہوں۔ آپ نے انھیں حکم دیا ''جاؤ دوبارہ دیکھو، شاید کچھ مل جائے۔'' آپ کے حکم پر انھوں نے زادِ راہ والے تھیلے جھاڑنے شروع کیے تو ان میں سے ایک ایک دو دو کھجوریں گرنے لگیں۔ بالآخر سات کھجوریں مل گئیں۔ انھوں نے ایک برتن میں رکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور بسم اللہ کہہ کر برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا: «كُلُوا بِسْمِ اللهِ»

''بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔''

ہم نے کھجوریں کھانی شروع کیں۔ میں نے گن کر 54 کھجوریں کھائیں، گٹھلیاں میری بائیں ہتھیلی پر تھیں۔

میرے دونوں ساتھی بھی اسی طرح کھا رہے تھے اور گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کر رہے تھے۔ ہم تینوں نے پچاس پچاس کھجوریں کھائیں مگر پلیٹ میں کھجوریں بدستور جوں کی توں باقی تھیں۔ جب ہم جی بھر کر کھا چکے تو آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا بِلَالُ! اِرْفَعْهَا فِي جِرَابِكَ فَإِنَّهُ لَا يَأْكُلُ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا نَهِلَ شِبَعًا»

''اے بلال! یہ کھجوریں اپنے تھیلے میں سنبھال لو۔ بے شک جو شخص ان میں سے کھائے گا، خوب سیر ہوگا۔''

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ خیمے میں تشریف لے گئے اور ہم آپ کے خیمے کے گرد آرام کرنے لگے۔ آپ رات کو تہجد کے لیے اٹھے، طلوع فجر تک نفل ادا کیے، پھر صبح کی دو رکعت سنتیں ادا کیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان فجر دی، پھر اقامت کہی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ خیمے کے صحن میں بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ نے سورۃ المومنون کی دس آیات کی تلاوت کی۔ پھر ہم سے پوچھا: «هَلْ لَكُمْ فِي الْغَدَاءِ؟» ''ناشتہ کرو گے؟'' میں نے دل میں سوچا کہ ناشتہ کس چیز کا؟ ابھی رات کو تو کوئی چیز ہی نہیں مل رہی تھی، اب صبح صبح کونسا کھانا ہمیں ملے گا؟ اس دوران آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے رات کو بچ جانے والی کھجوریں منگوائیں۔ پلیٹ میں رکھیں، پھر کھجوروں پر اپنا دست مبارک رکھ کر برکت کی دعا کی اور ہمیں حکم دیا: ''بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔'' ہم دس افراد تھے اور کھجوریں سات تھیں۔ اللہ کی قسم! ہم نے خوب سیر ہو کر کھائیں۔ جب سب نے کھانی بند کیں تو پلیٹ میں رکھی ہوئی کھجوروں میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنِّي أَسْتَحْيِي مِنْ رَبِّي لَأَكَلْنَا مِنْ هَذَا التَّمْرِ حَتَّى نَرِدَ الْمَدِينَةَ مِنْ آخِرِنَا»

''مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے ورنہ آخری آدمی کے مدینہ منورہ پہنچنے تک ہم یہی کھجوریں کھاتے رہتے۔''

اتنے میں تبوک کا رہائشی ایک بچہ آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے وہ کھجوریں اس بچے کو دے دیں اور وہ انھیں کھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحائف کی پیش کش

تبوک کے پرمشقت سفر کے دوران جہاں آپ کے متعدد معجزات ظہور میں آئے، وہاں مختلف لوگوں نے آپ کو تحائف بھی پیش کیے۔ ان واقعات سے بھی اہم اسلامی تعلیمات ملتی ہیں۔ آئیے ان میں سے چند ایک کا مطالعہ فرمائیں:

1 المغازي للواقدي: 2/413، 414.

1 آپ ﷺ تبوک میں قیام فرما تھے، آپ کو پنیر کا تحفہ پیش کیا گیا۔ صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ پنیر ایرانی مجوسی تیار کرتے ہیں، آپ یہ تناول نہ فرمائیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں اس میں مردار کی آمیزش نہ ہو۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے خدشات سن کر انھیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

«ضَعُوا فِيهِ السِّكِّينَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ»

''تم اسے چھری سے کاٹو اور بسم اللہ پڑھو۔''[1]

آپ نے واضح فرما دیا کہ اسلام میں ہر معاملے کی اساس یقین پر ہے۔ بلاوجہ شک کی بنا پر کسی چیز کو ترک کرنا اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ جب تک کہ کسی بات کا یقین نہ ہو جائے، کسی وہم کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ عبادات ہوں یا معاملات ہر لحاظ سے کام کی بنیاد یقین ہی پر رکھی جائے گی۔ اگر کسی خرابی کا یقین نہ ہو تو اس عبادت یا معاملے کو ترک کرنا ٹھیک نہیں۔ اگر یقین ہو جائے تو اسے جاری رکھنا درست نہیں۔ اس لیے جب تک پنیر میں کسی مردار کی ملاوٹ کا یقین نہ ہو، اسے ترک کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ پنیر میں مردار کی آمیزش کی گئی ہے تو اسے کھانا جائز نہ ہوگا۔

2 قضاعہ قبیلے کے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو ایک خوبصورت گھوڑا بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے وہ گھوڑا دیکھ بھال کے لیے ایک انصاری صحابی کو دیا اور انھیں حکم دیا کہ اسے میرے خیمے کے قریب ہی باندھنا تاکہ اس کے ہنہنانے کی آواز سنائی دیتی رہے۔ دوران سفر اسی طرح ہوا، گھوڑا آپ کے خیمے کے قریب ہی باندھا جاتا۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آنی بند ہوگئی۔ آپ نے انصاری صحابی سے گھوڑے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے خصی کر دیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

«[illegible]»

''(گھوڑوں کو خصی نہ کرو) بلاشبہ ان کی پیشانیوں میں تا قیامت خیر رکھ دی گئی ہے۔ ان کی نسل بڑھاؤ اور مشرکین پر فخر کا اظہار کرو۔ ان کی گردن کے بال ان کے لیے گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کی دُمیں ان کے پنکھے ہیں۔''[2]

آپ کے اس فرمان سے گھوڑوں کی اہمیت و فضیلت عیاں ہے۔ گھوڑے نبوی دور میں نہایت کارگر جنگی ہتھیار کا

1 السنن الكبرى للبيهقي: 10/6، مسند أحمد: 1/234، سنن أبي داود: 3819 2 المعجم الكبير للطبراني: 2/401

کام دیتے تھے۔ مجاہدین کی زینت تھے۔ بڑے بڑے معرکے ان کے ذریعے سر کیے جاتے تھے۔ آج بھی گھوڑوں کی اہمیت کم نہیں ہوئی بلکہ گھوڑے دنیا کی ہر فوج کا لازمی حصہ ہیں۔ ان کی اہمیت کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گھوڑے پالتے، ان کی نسل بڑھاتے اور ان کی خصوصی دیکھ بھال کا حکم دیا جاتا تھا۔ جنگوں میں شرکت کرنے والے گھوڑوں کو مال غنیمت سے خصوصی حصہ عطا کیا جاتا تھا۔ اور مجاہدین ان سے دین و دنیا کی بھلائیاں حاصل کرتے تھے۔ انھیں مال غنیمت میں حصے کے ساتھ ساتھ اجر و ثواب بھی ملتا تھا۔

ارشاد نبوی ہے:

«اَلْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ»

''گھوڑے کی پیشانی میں برکت بندھی ہوئی ہے۔''[1]

رومیوں پر حملے کے لیے مشاورت

اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں تبوک روانہ ہوا تو اس کا مقصد رومی فوجوں کو سبق سکھانا تھا جو مدینہ منورہ پر حملے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ جب آپ تبوک پہنچے تو یہ اطلاعات غلط ثابت ہوئیں۔ وہاں رومی فوج تھی نہ کوئی جنگ کی تیاری نظر آئی۔ آپ تقریباً بیس روز تبوک میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران رومی فوج کی طرف سے کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آئی۔

ادھر ہرقل کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو اس نے اپنا جاسوس بھیجا اور اسے ہدایت دی کہ مسلمانوں کے قائد کا بغور جائزہ لے کر آنا۔ اس نے اپنے جاسوس کو علامات نبوت بتائیں کہ ان کی روشنی میں انھیں اچھی طرح پرکھنا کہ کیا یہ واقعی آخری نبی ہیں؟ رومی جاسوس چپکے سے اسلامی لشکر میں گھس گیا اور مسلمانوں کی معلومات لینے لگا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا بغور دیدار کیا اور ہرقل کی بتائی ہوئی علامات دیکھیں۔ مہر نبوت کا دیدار کیا۔ یہ علامت بھی دیکھی کہ آپ صدقہ قبول نہیں کرتے۔ اس نے آپ ﷺ کی خوبصورت سرخ آنکھیں بھی ملاحظہ کیں اور واپس جا کر ہرقل کو آخری نبی کی تمام علامات بتا دیں۔

ہرقل بخوبی جان گیا کہ وہ آخری نبی یہی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ اس نے اپنی قوم کو بلا کر حقیقت حال بیان کی اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس کی قوم نے اس قدر شدید مخالفت کی کہ بادشاہ کو اپنی فکر پڑ گئی۔ اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں لوگ بغاوت کر کے اس کی حکومت کا تختہ ہی نہ الٹ دیں۔ لہٰذا وہ دبک کر بیٹھ گیا۔

[1] صحيح البخاري :2851.

ایک طرف مسلمانوں کا خوف اس کے جگر کو پاش پاش کر رہا تھا تو دوسری طرف قوم کی بغاوت کے ڈر سے اس کی نیند حرام ہو گئی۔ اس لیے وہ جامد ہو کر رہ گیا۔ اس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا تو درکنار اپنے محلات سے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا۔ ادھر مسلمان بیس روز تک اس کی فوجوں کے انتظار میں رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کیونکہ لشکر کو بغیر کسی معرکہ آرائی کے اتنا عرصہ دشمن کے انتظار میں بٹھائے رکھنا مناسب نہیں تھا۔ خصوصاً جبکہ زادِ راہ اور پانی کی قلت کا سامنا بھی تھا۔ موسم نہایت گرم تھا اور اسلامی لشکر اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور تھا۔ ان بیس دنوں میں ارد گرد کے عیسائی حکمران سخت خوفزدہ ہو چکے تھے اور جزیہ دینے کی شرط پر صلح کر چکے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر بڑی حد تک اپنا ہدف حاصل کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر مجاہدین اسلام کی ہیبت طاری کر دی تھی، وہ اپنے ہی علاقے میں بھاری فوج، اسلحے کے انبار اور وسیع غذائی ذخیروں کے باوجود مسلمانوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ یوں گویا دشمن کو فوری سبق سکھا دیا گیا تھا کہ آئندہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا تصور بھی نہ کرنا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشاورت کر کے بہتر لائحہ عمل اپنانے کی کوشش کی۔ آپ نے کبار صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو سیدنا عمر ؓ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو حکم الٰہی ہوا ہے کہ رومیوں پر حملہ کرو تو آپ چلیں، ہم آپ کی مکمل اتباع کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجھے حملے کا حکم ملتا تو پھر میں تم سے مشورہ نہ کرتا (بلکہ حملے کا حکم جاری کر دیتا)۔'' اس پر سیدنا عمر ؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا مشورہ ہے کہ ہم کئی سیاسی اور حربی مقاصد حاصل کر چکے ہیں۔ کئی عیسائی حکمران صلح کر کے امان نامے بھی لے گئے ہیں۔ باقی عیسائی ہم سے خوفزدہ ہیں۔ ہم نے انھیں ان کے گھر آ کر للکارا ہے مگر انھوں نے مقابلے کی جرأت ہی نہیں کی۔ اس وقت موسم سخت گرم ہے۔ ہمارے مقابلے میں دشمن کئی گنا بڑا ہے۔ اس علاقے میں ہمارے مسلمان بھائی بھی موجود نہیں، اس لیے اس سال لشکر کو واپسی کا حکم دیجیے اور اگلے سال یا پھر جب اللہ تعالیٰ حکم دے، ہم ان کا علاج کرنے آ جائیں گے۔

آپ ﷺ نے درپیش حالات اور واقعات کی بنا پر سیدنا عمر ؓ کا مشورہ قبول کر لیا اور اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح اسلامی لشکر دشمن کو اس کے گھر جا کر للکارنے، دھمکانے، خوفزدہ کرنے اور کچھ عیسائی حکمرانوں سے صلح کے معاہدوں کے بعد کامیاب و کامران ہو کر واپس چل پڑا۔[1]

1 المعازي للواقدي: 400/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1841/2

تبوک سے واپسی کے چند واقعات

اسلامی لشکر تبوک سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا تو رستے میں کچھ واقعات رونما ہوئے۔ ذیل میں انھی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے ایک سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چلتے چلتے رسول اللہ ﷺ کو نیند آ گئی اور آپ ﷺ اپنی سواری پر ایک طرف جھک گئے۔ مجھے خدشہ ہوا مبادا آپ گر جائیں۔ میں آگے بڑھا اور آپ ﷺ کو سہارا دے کر سیدھا بٹھا دیا۔ اس طرح آپ ﷺ جاگ گئے۔ آپ نے پوچھا ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ابوقتادہ ہوں۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ گر نہ جائیں، اس لیے آپ کو سہارا دیا۔ آپ خوش ہوئے اور اپنے ہمدرد ساتھی کو بہت خوبصورت دعا دی۔ آپ نے فرمایا:

«حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَ رَسُولَ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے رسول کی حفاظت کی۔''

ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ سفر کی تھکان کی وجہ سے آپ پھر سو گئے۔ میں پھر جلدی سے آگے بڑھا اور آپ کو سہارا دے کر سیدھا کیا۔ آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا:

«يَا أَبَا قَتَادَةَ! هَلْ لَكَ فِي التَّعْرِيسِ؟»

''ابوقتادہ! کیا خیال ہے رات کے آخری پہر آرام کر لیں؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جیسا آپ حکم فرمائیں، ہم تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ''دیکھو ہمارے پیچھے کون کون آ رہا ہے؟'' میں نے دیکھا تو دو یا تین مسافر تھے۔ آپ نے انھیں بلانے کا حکم دیا۔ میں نے انھیں اطلاع دی کہ آپ سب کو رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔ وہ فوراً حاضر ہوئے اور ہم نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ کیا۔ میرے پاس پانی کا ایک برتن اور پینے کے لیے چمڑے کا ایک ڈونگا بھی تھا۔ سبھی تھکے ہوئے تھے۔ رات کے آخری پہر خاموش فضا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے جلد ہی سب کو گہری نیند سلا دیا۔ پھر ہم میں سے کوئی بھی نماز فجر کے لیے نہ اٹھ سکا۔ سورج کی تپش نے ہمیں جگایا تو ہم گھبرا گئے۔ فوراً إنا للہ پڑھا کہ آج فجر کی نماز ہی فوت ہو گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی بیدار ہوئے تو فرمایا:

«لَنَغِيظَنَّ الشَّيْطَانَ كَمَا أَغَاظَنَا»

"ہم بھی (نماز باجماعت ادا کرکے) شیطان کو ذلیل وخوار کریں گے جس طرح اس نے ہمیں (نماز سے مؤخر کرکے) پریشان کیا ہے۔"

پھر آپ نے برتن سے پانی لے کر وضو کیا۔ کچھ پانی باقی بچ گیا تو آپ نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«يَا أَبَا قَتَادَةَ! احْتَفِظْ بِمَا فِي الْإِدَاوَةِ وَالرَّكْوَةِ فَإِنَّ لَهَا شَأْنًا»

"اے ابوقتادہ! برتن اور ڈونگے میں بچا ہوا پانی سنبھال لو، یقیناً اس برتن کے ساتھ خاص واقعہ پیش آنے کا۔"

پھر آپ نے سورج چڑھنے کے بعد ہمیں نماز فجر پڑھائی اور سورت مائدہ کی تلاوت کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُمْ لَوْ أَطَاعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ لَرَشَدُوا»

"آگاہ رہو! بے شک اگر انھوں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کی تو کامیاب ہو جائیں گے۔"

آپ کی یہ پیش گوئی بہت جلد پوری ہوئی۔ ہم قافلے کے پاس پہنچے تو وہ ایک ایسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا جہاں دور دور تک پانی نہیں تھا۔ سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں پانی کے چشمے کے پاس پڑاؤ کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر اہل قافلہ نے ایک صحرا میں پڑاؤ کرنا پسند کیا۔ قافلے کے پاس پانی ختم ہو چکا تھا اور اب پیاس کی وجہ سے مسافر جاں بلب تھے۔ اب انھیں احساس ہو رہا تھا کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مشورہ ٹھیک تھا۔ اگر ان کی بات مان لی جاتی تو اسلامی لشکر اس پریشانی سے بچ سکتا تھا۔ مگر اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانور بھی ہلکان ہو رہے تھے۔ ہم سورج ڈھلتے وقت ان کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی حالت زار دیکھی۔ آپ نے پانی والا برتن اور ڈونگا منگوایا۔ برتن سے پانی ڈونگے میں ڈالا، پھر اس میں اپنا مبارک ہاتھ ڈالا، برکت کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے فوراً قبول فرمائی۔ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ آپ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ خود بھی پانی پیو اور اپنے جانوروں کو بھی پلاؤ۔ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ جانوروں کو بھی پلایا اور مشکیزے بھی بھر لیے۔ محض ایک ننھے سے ڈونگے سے نکلنے والے پانی نے تیس ہزار مجاہدین، پندرہ ہزار اونٹوں اور دس ہزار گھوڑوں کو سیراب کر دیا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا "اس ڈونگے اور پانی کو سنبھال لو، اس کے ساتھ ایک خاص واقعہ پیش آنے والا ہے۔"[1]

علامہ واقدی فرماتے ہیں: اس کے بعد لشکر روانہ ہوا۔ جب اسلامی لشکر حجر اور تبوک کے درمیان پہنچا تو وہاں بھی

1 المغازي للواقدي: 416/2.

سخت گرمی کی وجہ سے پانی بہت جلد ختم ہو گیا۔ لشکر کے پاس ایک قطرہ بھی نہ بچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور پانی کی قلت کا حال بیان کیا۔ آپ نے سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو پانی تلاش کرنے بھیجا۔ پھر آپ ﷺ نے چاروں طرف گھڑ سوار دوڑا دیے تاکہ پانی کے کسی چشمے کی خبر لائیں۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ منہ پر کپڑا لپیٹے گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے جا رہے تھے کہ انھیں ایک عورت پانی لے کر جاتی دکھائی دی۔ یہ قبیلہ بلی کی خاتون تھی۔ انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ اور اسلامی لشکر کی خبر دی اور بتایا کہ لوگ بہت پیاسے ہیں۔ اس نیک خاتون نے رسول اللہ ﷺ کا نام گرامی سنتے ہی پانی سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ وہ پانی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی کا برتن اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور برکت کی دعا فرمائی۔ آپ نے اہل بادیہ سے ایک بڑا پیالہ منگوایا، اس میں اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر برکت کی دعا کی۔ معاً پانی اچھل کر پیالے سے باہر گرنے لگا۔ آپ نے اعلان کرا دیا کہ سب اپنے اپنے مشکیزے بھر لو۔ لہٰذا ہر مشکیزہ لبریز کر لیا گیا۔ پھر اونٹوں اور گھوڑوں کو بھی خوب پانی پلایا گیا۔ آپ کی دعا کی برکت سے پانی اس قدر بہتات سے نکل رہا تھا کہ دو سو دو سو افراد بیک وقت پانی سے سیراب ہونے لگے۔ تمام اہل لشکر، ان کے اونٹ اور گھوڑے اچھی طرح سیراب ہو گئے۔ سب نے اپنے اپنے مشکیزے بھی بھر لیے، پھر بھی پیالہ خالی نہیں ہوا۔ پیالے سے بدستور پانی اچھلتا رہا۔ اس وقت موسم بھی قدرے ٹھنڈا ہو گیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ لشکر کو لے کر آگے بڑھ گئے۔

آپ نے جن مجاہدوں کو پانی تلاش کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ ایک ایک کر کے واپس آئے۔ کچھ مختلف اطراف میں پانی کی موجودگی کی خبر لائے۔ اتفاق سے یہ خوشخبری لانے والے تمام صحابہ اشقر گھوڑوں پر سوار تھے۔ اشقر سرخی مائل بھورے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اس موقع پر آپ نے اشقر گھوڑوں کو برکت کی دعا دی۔ آپ نے فرمایا

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ فِي الشُّقْرِ»

''اے اللہ! اشقر گھوڑے میں برکت عطا فرما۔''[1]

منافقوں کی مذموم سازش

اسلامی لشکر کی کامیابی سے دشمنان اسلام دبک کر بیٹھ گئے جبکہ آستین کے سانپ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ منافقین کا ابلیسی گروہ اسلامی لشکر کی روانگی کے وقت اپنی تمام تر سازشوں کے باوجود اہل ایمان کو ورغلانے میں

[1] المغازي للواقدي: 2/416، 417.

کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ وہی گروہ تھا جو کبھی کہتا: ''رومیوں سے جنگ لڑنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' کبھی کہتا: ''کل ہم لوگ رومی فوج کی زنجیروں میں جکڑے پڑے ہوں گے۔'' ان تمام حرکتوں کے باوجود منافقین لشکر اسلامی کے سیل رواں کو نہ روک سکے اور پھر یہ روسیاہ اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے تاکہ اپنے ناپاک ایجنڈے کو جاری رکھ سکیں۔ تبوک میں اسلامی لشکر کو ملنے والی عزت و فتح انھیں ہضم نہ ہوسکی۔ عیسائی حکمرانوں نے آسانی سے صلح کرلی اور مسلمانوں کو جزیہ دے کر ان کے تابع ہوگئے۔ مخلص مسلمانوں کی ان کامیابیوں سے منافقین کے سارے خواب چکنا چور ہوگئے۔ چنانچہ اب انھوں نے اپنے سینوں کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے سب سے زیادہ ناپاک اور خطرناک پلان بنا لیا۔ ایک ایسا پلان جس سے نہ صرف انھیں بلکہ مدینہ منورہ میں پیچھے رہ جانے والے ان کے رؤساء کی خبیث روحوں کو بھی تسکین مل سکتی تھی۔

بدبخت منافقوں نے طے کیا کہ واپسی پر جب آپ ﷺ تنگ پہاڑی کی گھاٹی پر پہنچیں تو رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کی اونٹنی کو خوفزدہ کیا جائے، کجاوے کی رسیاں کاٹ دی جائیں، پھر اسے پہاڑی ڈھلان سے دھکیل دیا جائے۔ اس طرح نعوذ باللہ آپ ﷺ کی شمع زندگی گل کرنے کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور ان بدبختوں کو سکون مل جائے گا۔ بظاہر منصوبہ اس لحاظ سے بڑا کامیاب تھا کہ رات کا اندھیرا ہوگا اور ہزاروں کے لشکر میں یہ خطرناک کھیل کھیلنے والے بآسانی چھپ کر نکل بھاگیں گے۔ پہاڑی ڈھلان سے لڑھکنے کے بعد سواری اور سوار دونوں کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ قتل کی یہ گھناؤنی سازش ایک عام حادثہ معلوم ہوتی اور مجرم کسی بھی تادیبی کارروائی سے صاف بچ نکلتے۔ لیکن اللہ کے فضل سے یہ سازش بری طرح ناکام ہوئی اور مجرم رسوا ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بروقت خبردار کردیا اور آپ ﷺ کو منافقین کی سازش کی تفصیلات معلوم ہوگئیں، لہٰذا آپ نے بڑی خوبصورتی سے دفاعی چال چلی۔ اس طرح آپ اللہ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے اور منافقین اپنے ہی غیظ و غضب کی آگ میں بھسم ہوگئے۔

ہوا یہ کہ جب اسلامی لشکر چلتے چلتے مخصوص پہاڑی کی گھاٹی کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو حکم دیا کہ وادی کے اندر سے چلو، یہ آسان راستہ ہے اور لشکر کی تعداد کے لحاظ سے بھی موزوں ہے۔ پھر خود رسول اللہ ﷺ گھاٹی کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے ساتھ صرف تین صحابۂ کرام سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا حذیفہ بن یمان اور سیدنا حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم کو لیا اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم پیچھے رہو۔ پھر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے آپ کی سواری کی لگام تھام لی۔ اس طرح سفر جاری رہا۔ ادھر منافقین نے اپنے پلان کو حتمی شکل دی۔ ان کی تعداد تیرہ تھی یا پندرہ۔ بعض اہل مغازی نے یہ تعداد بارہ تحریر کی ہے۔ اپنی سازش کے مطابق انھوں نے طے کر رکھا

تھا کہ جب رات کے اندھیرے میں آپ پہاڑی کی گھاٹی پر پہنچ جائیں تو یہ لوگ بغیر تیر، تلوار یا نیزہ استعمال کیے آپ کی سواری کو نیچے دھکیل دیں گے۔ اس دوران یہ اپنے چہروں پر نقاب ڈالے رکھیں گے تاکہ ان کی شناخت نہ ہو سکے۔ چنانچہ یہ لوگ رات کے اندھیرے میں آپ کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی سازش سے آگاہ کر دیا تھا، اس لیے آپ بھی محتاط تھے۔ آپ نے سارے لشکر کو وادی کی نشیبی زمین پر سفر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اب آپ ﷺ گھاٹی پر پہنچے تو آپ نے اپنے پیچھے آنے والوں کی آہٹ سنی۔ آپ نے منافقین کے ٹولے کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ ؓ کو حکم دیا کہ ان منافقوں کو بھگا دو۔ سیدنا حذیفہ ؓ نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی۔ لاٹھی لے کر ان کی سواریوں پر پل پڑے اور انھیں مار بھگایا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ ان کا سازشی بھید کھل گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی ہے تو وہ بھی سرپٹ بھاگے اور بہت جلد لشکر میں گھس گئے۔ سیدنا حذیفہ ؓ واپس آئے اور آپ ﷺ کی سواری کو لے کر گھاٹی سے اتر گئے۔

سیدنا حمزہ بن عمرو اسلمی ؓ فرماتے ہیں: اس دوران آپ کی سواری سے کچھ سامان گر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری انگلیوں میں روشنی پیدا کر دی اور ہم نے رات کے اندھیرے میں اس روشنی سے فائدہ اٹھا کر گرنے والی اشیاء جمع کیں اور انھیں لے کر گھاٹی سے اتر آئے۔

گھاٹی سے نیچے اتر کر آپ نے سیدنا حذیفہ ؓ سے پوچھا: ''کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، انھوں نے اپنے منہ بھی چھپا رکھے تھے لیکن میں فلاں فلاں شخص کی اونٹنی کو پہچان گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ عَلِمْتُمْ مَا كَانَ شَأْنُ الرَّكْبِ وَمَا أَرَادُوا؟»

''کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ہمارے پیچھے کیوں آئے؟ اور ان کا ارادہ کیا تھا؟''

صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے ارادے کا علم نہیں ہے۔ آپ ہی آگاہ فرمائیں کہ وہ کیوں آپ کا تعاقب کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ مَكَرُوا لِيَسِيرُوا مَعِي حَتَّى إِذَا أَظْلَمْتُ فِي الْعَقَبَةِ طَرَحُونِي مِنْهَا»

''انھوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ میرے ساتھ ساتھ چلیں گے حتی کہ جب میں گھاٹی پر پہنچ جاؤں تو مجھے نیچے گرا دیں۔''

صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ حکم دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ لیکن آپ نے سیاسی تدبر و دانش پر مبنی فیصلہ فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام کو منع کرتے ہوئے فرمایا:

أَكْرَهُ أَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ وَيَقُولُوا: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ وَضَعَ يَدَهُ فِي أَصْحَابِهِ

''میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ لوگ یہ کہنے لگیں: محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔''

آپ نے سیدنا عمار اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کو ان منافقین کے نام بتائے اور انھیں حکم دیا کہ یہ راز کسی کو نہ بتانا۔[1]

اسی سے ملتا جلتا واقعہ مسند احمد میں بھی موجود ہے۔[2]

اس بارے میں صحیح مسلم میں کچھ مزید وضاحت بھی آئی ہے۔

سیدنا ابوطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (سفر تبوک میں) گھاٹی کی سازش میں شریک ایک شخص کے ساتھ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی چپقلش ہو گئی۔ اس نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ گھاٹی والے (سازشی) کتنے تھے؟ (سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نبوی راز فاش نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے خاموش رہے) لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: یہ شخص اتنے اصرار سے پوچھ رہا ہے تو آپ بتا ہی دیجیے۔ سیدنا حذیفہ نے فرمایا: ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ چودہ افراد تھے اور اگر تم بھی ان میں شامل تھے تو ان کی تعداد پندرہ ہے۔ اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ دنیا اور آخرت میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ آپ نے تین لوگوں کا عذر قبول فرمایا تھا۔ ان کا عذر یہ تھا کہ وہ آپ کے پیچھے گھاٹی پر اس لیے چلے گئے کہ انھوں نے آپ کے منادی کی آواز نہیں سنی۔ آپ نے سارے لشکر کو وادی کے اندر سے جانے کا جو حکم دیا تھا، وہ انھیں معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اور انھیں ان سازشیوں کے ارادے کا بالکل علم نہیں تھا۔ اس پر آپ نے ان کا عذر قبول فرما کر ان سے درگزر کیا۔[3]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت (میرے صحابہ) کے ساتھ بارہ

1 [illegible] 2/417-419، 2 دیکھیے مسند احمد 5/453، 3 دیکھیے صحیح مسلم 2779 (11)



تبوک کے [illegible]

افراد منافق ہیں جو کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے حتی کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے گزر جائے۔ ان میں سے آٹھ کو جہنم کا چراغ کافی ہوگا جو ان کی رگ قلب کو بھسم کر دے گا۔"[1]

سیدنا حذیفہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے خصوصی راز دان تھے اور "صاحب السر" کے لقب سے مشہور تھے۔[2] رسول اللہ ﷺ نے انھیں منافقین اور سازشیوں کے نام بتائے تھے۔ سیدنا عمر ؓ کا ایمان اور تقویٰ کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن ایک روز انھوں نے بھی سیدنا حذیفہ ؓ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھا کیا میرا نام ان منافقوں میں شامل ہے؟ حذیفہ ؓ نے جواب دیا نہیں لیکن آپ کے بعد میں کبھی کسی کو یہ کارنٹی نہیں دوں گا۔ انھوں نے یہ بات اس لیے کی کہ رسول اللہ ﷺ کا راز افشا نہ ہو۔

سیدنا عمر ؓ اپنے دور خلافت میں اس بات کا بڑا اہتمام کرتے تھے کہ اگر کسی جنازے میں سیدنا حذیفہ ؓ شریک ہوتے تو اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے اور اگر سیدنا حذیفہ ؓ اس جنازے میں شریک نہ ہوتے تو وہ بھی جنازہ نہ پڑھتے۔[3]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے علامہ ابن اسحاق سے ایک تفصیلی روایت ذکر کی ہے جس میں سازشی منافقین کے نام تفصیل سے مذکور ہیں۔ آئیے وہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حذیفہ ؓ سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ان منافقین کے نام بتا دیے ہیں اور ان کے باپوں کے نام بھی بتا دیے ہیں۔ میں کل صبح تمھیں ان کے بارے میں بتاؤں گا۔ جب صبح ہو تو تم لوگوں کو جمع کرنا۔" صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عبداللہ بن ابی کو بلاؤ اور سعد بن ابی سرح، ابو خاطر اعرابی، عامر، ابو عامر اور جلاس بن سوید بن صامت کو بھی بلا لاؤ۔" جلاس بن سوید وہی بدنصیب ہے جس نے یہ کہا تھا: "آج رات ہم محمد کو گھاٹی سے نیچے گرا کر ہی دم لیں گے۔ اگر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہم سے بہتر ہیں تو پھر ہم تو بھیڑ بکریاں ٹھہرے اور وہ ہمارے چرواہے۔ ہم عقل و دانش سے پیدل اور وہ عقل کل ہوئے۔"

آپ نے مجمع بن حارثہ اور ملیح تیمی کو بھی بلانے کا حکم دیا۔ ملیح وہ چور ہے جس نے کعبہ کے عطر چرا لیے تھے۔ وہ بعد میں دین اسلام سے مرتد ہو کر فرار ہو گیا تھا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کدھر گیا۔ آپ نے حصین بن نمیر کو بلانے کا حکم دیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے صدقے کی کھجوریں چرائی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا "تمھاری بربادی ہو! تم نے کھجوریں کیوں چرائیں؟" اس نے جواب دیا: مجھے یہ جرأت اس لیے ہوئی کہ میرا خیال

1 صحیح مسلم 2779 2 صحیح البخاری 3743 3 السنن الکبری للبیہقی 17297

تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو میرے کرتوت سے آگاہ نہیں کرے گا اور میرا یہ جرم چھپا رہے گا۔ اب جبکہ آپ کو پتہ چل ہی گیا ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں آج تک دل سے مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔ آج میں صدق دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ اس کے اس اقرار و اعلان کے بعد آپ نے اس کی غلطی معاف کر دی۔ آپ نے طعیمہ بن ابیرق اور عبداللہ بن عیینہ کو بھی بلانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عیینہ وہی شخص ہے جس نے اپنے سازشی گروہ سے کہا تھا: آج رات جاگ لو، پھر زندگی بھر سکھ پاؤ گے۔ اللہ کی قسم! اس شخص (محمد ﷺ) کو قتل کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

«وَيْحَكَ! مَاكَانَ يَنْفَعُكَ مِنْ قَتْلِي لَوْ أَنِّي قُتِلْتُ؟»

''تمھاری بربادی ہو! اگر تم مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو تمھیں کیا فائدہ ہوتا؟''

رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی ذلت اور خوف کے باعث عبداللہ بن عیینہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ بالآخر کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے دشمنوں پر فتح یاب کیا ہے، ہم اس وقت سے خیر و برکت میں کھیل رہے ہیں۔ بلاشبہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی رحمتوں اور آپ کی مدد و حمایت ہی کے سہارے جی رہے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی چھوڑ دیا۔

آپ نے مرہ بن ربیع کو بلانے کا حکم دیا۔ یہ وہ بدکردار ہے جس نے یہ مذموم الفاظ کہے تھے: ''ہم ایک شخص (محمد ﷺ) کو قتل کر کے سب لوگوں کو اطمینان و سکون فراہم کریں گے۔'' آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا:

«وَيْحَكَ مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ تَقُولَ الَّذِي قُلْتَ؟»

''تمھارا ستیاناس! تم نے جو بدزبانی بات کی، اس کی وجہ کیا تھی؟''

وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اگر میں نے کچھ کہا ہوتا تو وہ آپ جان چکے ہوتے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اس نے صریح جھوٹ کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی درگزر سے کام لیا۔ اس طرح آپ نے ان بارہ افراد کو بلا کر سب کے سامنے لا کھڑا کیا اور بتایا کہ ان لوگوں نے کس طرح خفیہ سازش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو پہاڑی سے دھکا دے کر گرا دیا جائے اور آپ ﷺ کا خاتمہ کیا جائے۔ آپ نے ان کی ساری خفیہ اور عیاں باتیں بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ساری معلومات دے دی تھیں۔ یہ بارہ منافقین اسی طرح حالت نفاق میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتے کرتے دنیا سے چل بسے۔ اللہ تعالیٰ نے انھی بدنصیبوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا﴾ (التوبۃ 9:74)

''اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔''

ان سب کا قائد ابو عامر تھا۔ اسی کے لیے انھوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔ اسے لوگ ''راہب'' کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کی بری حرکتوں کی وجہ سے آپ نے اسے ''فاسق'' کا لقب دیا۔ مسجد ضرار بنانے کے بعد انھوں نے اسے دعوت دی۔ وہ آ گیا اور اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ذلیل و خوار ہو گیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ کا تجزیہ

علامہ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں: علامہ ابن اسحاق کی اس روایت میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

1 رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے نام صرف سیدنا حذیفہ ؓ کو بتائے تھے۔ ان کے علاوہ کسی کو منافقوں کے نام معلوم نہیں تھے۔ اسی لیے انھیں رسول اللہ ﷺ کا ''صاحب السر'' ''خصوصی راز دان'' ہونے کا لقب دیا گیا تھا۔ ان کے سوا کسی کو ان ناموں کا علم نہ تھا۔ اسی لیے جب سیدنا عمر ؓ کو کسی فوت ہونے والے شخص کے بارے میں شک ہوتا تو وہ سیدنا حذیفہ ؓ کو دیکھتے تھے، اگر وہ جنازہ پڑھ لیتے تو سیدنا عمر ؓ بھی پڑھ لیتے ورنہ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

لیکن اس روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے منافقوں کو مجمع عام میں بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کی، سب کو ان کے نام لے لے کر بلایا، یہ بات محل نظر ہے۔

2 اس روایت میں عبداللہ بن ابی کا نام سرفہرست ہے، حالانکہ ابن اسحاق ہی کی روایت میں ہے کہ وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اس نے شرکت ہی نہیں کی۔

3 اس روایت میں سعد بن ابی سرح کا ذکر بھی وہم ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔ سعد بن ابی السرح مسلمان ہی نہیں ہوا۔ البتہ اس کا بیٹا عبداللہ مسلمان ہوا اور اس نے ہجرت بھی کی۔ پھر وہ مرتد ہو کر مکہ مکرمہ میں چھپ گیا۔ فتح مکہ والے دن سیدنا عثمان ؓ نے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے پناہ حاصل کی۔ اس کے بعد وہ پکا مسلمان بن گیا۔ پھر اس کی طرف سے کبھی کوئی قابل اعتراض حرکت سامنے نہیں آئی۔ وہ مذکورہ بارہ منافقوں کے ہمراہ قطعاً نہیں تھا۔ لہٰذا سعد بن ابی سرح کا نام اس فہرست میں ہونا قطعی غلط ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ یہ غلطی کس سے ہوئی۔

4 ''ابو عامر ان کا قائد تھا۔'' یہ بھی صریح غلطی ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق ہی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

جب مدینہ منورہ ہجرت کی تو ابوعامر لگ بھگ پچاس آدمی لے کر مکہ چلا گیا تھا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو وہ طائف چلا گیا۔ جب طائف فتح ہوا تو وہ شام بھاگ گیا۔ پھر شام ہی میں غریب الوطنی کی حالت میں مر گیا۔ لہٰذا اسے ''فاسق'' کا لقب ملنا اور اس کا تبوک کا سفر کرنا محال ہے۔[1] واللہ اعلم۔

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز سوال

صبح ہوئی تو سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! رات کو آپ وادی کے اندر سے کیوں نہیں گزرے؟ گھاٹی سے گزرنے کی نسبت وادی میں چلنا بہت آسان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو یحییٰ! کیا تمھیں معلوم ہے گزشتہ رات منافقوں نے کیا منصوبہ بنایا تھا؟ انھوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ رات کو میرا پیچھا کرتے ہوئے گھاٹی پر آئیں گے اور میری اونٹنی کے پالان کی رسیاں کاٹ کر مجھے اونٹنی سمیت گھاٹی سے گرا دیں گے۔'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس وقت وادی میں سب لوگ پڑاؤ کر چکے ہیں۔ آپ حکم دیں کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے مجرم کا سر کاٹ کر پیش کرے۔ اس طرح ہر منافق کو اس کا اپنا قبیلہ قتل کرے۔ اور اگر آپ پسند فرمائیں تو مجھے اجازت دیں۔ اللہ کی قسم! میں ان سب کے سر کاٹ کر پیش کرتا ہوں۔ اگر وہ خزرج قبیلے کے لوگ ہوئے تو میرے بھائی ان کے سر قلم کر کے لے آئیں گے۔ اے اللہ کے رسول! ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آخر ہم کب تک ان سے چشم پوشی کرتے رہیں گے۔ اے اللہ کے رسول! اب یہ سازشی عناصر بہت تھوڑی تعداد میں ہیں جبکہ اسلام کا نور ہر طرف پھیل چکا ہے۔ پھر ان کی سرکوبی میں اتنی تاخیر کیوں کی جا رہی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فدائی کے ایمان افروز جذبات سنے اور ان کی قدر دانی کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ یہ کہنے لگیں: جب محمد (ﷺ) کی کافروں اور مشرکوں سے جنگ ختم ہو گئی تو اب انھوں نے اپنے صحابہ کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ سازشی عناصر آپ کے صحابہ نہیں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ يُظْهِرُونَ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟»

''کیا وہ اس گواہی کا اظہار نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے؟''

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، وہ یہ گواہی دیتے ہیں مگر ان کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ يُظْهِرُونَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

[1] زاد المعاد: 3/545-549، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1843-1849.

"کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟"

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: وہ یہ گواہی تو دیتے ہیں مگر ان کی اس گواہی کا کیا بھروسا ہے؟! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَقَدْ نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ أُولٰئِكَ»

"مجھے ان لوگوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔"[1]

مسجد ضرار بھسم کر دی گئی

منافقین کی جماعت امت اسلامیہ کے جسم میں سرطان کی طرح سرایت کر گئی۔ مدینہ منورہ کے منافقوں نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ وہ ہر آن مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ظاہری اسلام کی وجہ سے درگزر فرماتے تھے۔ یہ نام نہاد مسلمان بظاہر پانچ وقت کی نماز باجماعت بھی ادا کرتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے اور جہاد کے لیے بھی نکل کھڑے ہوتے تھے، لیکن اندرونی طور پر ان کی ساری ہمدردیاں اور کوششیں کفار کے فائدے کے لیے ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کا نقصان اور انھیں پہنچنے والا رنج و غم ان بدبختوں کے لیے خوشیوں کا پیغام لاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی دوغلے پن کی ان الفاظ میں مذمت فرمائی ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

"اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: یقیناً ہم تمھارے ساتھ ہیں (ان لوگوں سے تو) ہم صرف

[1] المغازي للواقدي: 2/418، 419، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1850.

مذاق کرتے ہیں۔ اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے، وہ (اس میں) بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی، تو ان کی تجارت نے انھیں کوئی نفع نہ دیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس (آگ) نے اس کے اردگرد (کی فضا) کو روشن کر دیا تو اللہ ان کی روشنی لے گیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، وہ دیکھ نہیں پاتے۔ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، لہٰذا وہ (سیدھے راستے کی طرف) نہیں لوٹیں گے۔ یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (برتی) ہے، اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہوتی ہے، وہ بجلی کی کڑک سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے۔ جب بھی بجلی ان پر چمکتی ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں لے جائے، یقیناً اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔"[1]

منافقین نہایت ذہین وفطین، مالدار اور صاحب حیثیت لوگ تھے مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کو اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے بجائے انھیں نقصان پہنچانے کے لیے صرف کیا۔ مال خرچ کرنے کی باری آتی تو یہ لوگ بڑی مہارت سے جھوٹے وعدے کر کے کنی کترا جاتے۔ جہاد کا اعلان ہوتا تو جان بچانے کے لیے ہزاروں بہانے تراشتے۔ نماز کے لیے آتے ضرور تھے مگر ایسے جیسے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہوں۔ گویا ان کی ساری جدوجہد فساد ہی کے لیے تھی۔ اصلاح کرنا اور نفع پہنچانا ان کے مقدر میں نہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝﴾

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ سن لو! بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔"[2]

مسلمانوں کی فتح ان پر بجلی بن کر گرتی اور ان کی خوشیاں غارت ہو جاتیں۔ مسلمانوں کی معمولی سی شکست بھی ان کے لیے مسرت وشادمانی کا پیغام لاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ ان کی نازیبا حرکتوں کو دیکھتے اور صبر کرتے، ان سے درگزر فرماتے۔ آپ کی ذاتی رحمت وشفقت کے باعث انھیں اور حوصلہ ملتا اور یہ مسلمانوں کے خلاف محاذ گرم رکھتے۔ مسجد نبوی میں پانچ وقت کی حاضری ان پر بڑی گراں گزرتی تھی۔ یہ لوگ اپنے ہم مذہب لوگوں سے ملاقات کرنے

1 البقرة 2:14-20. 2 البقرة 2:11,12.

اور نت نئی سازشوں کے جال بننے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتے تھے۔ مسجد نبوی میں انھیں یکجائی کا موقع تو مل جاتا تھا لیکن جب یہ آپس میں کانا پھوسی کرتے تھے تو مخلص مسلمان انھیں شک کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی حرکات پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ اس طرح انھیں اپنے غیر محفوظ ہونے کا احساس ہوتا اور یہ خطرہ لاحق ہو جاتا کہ کہیں ان کی سازشی باتیں مخلص مسلمانوں کو معلوم نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے انھیں اپنی مذموم کارروائیوں کے لیے ایک محفوظ ٹھکانا درکار تھا جہاں وہ بے دھڑک ہو کر سازشی منصوبے بنا سکیں اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ سکیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے قائد ابو عامر کے حکم پر قبا میں ایک نئی مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔

ابو عامر ''راہب'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے وہ عیسائی ہو گیا۔ اس نے اہل کتاب سے خوب علم حاصل کیا، خوب عبادت و ریاضت کی۔ اسی وجہ سے خزرج والے اسے بڑا معزز آدمی سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ اہل مدینہ کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اسلام روز بروز مضبوط ہونے لگا اور عیسائی مذہب دم توڑنے لگا۔ جنگ بدر میں شاندار کامیابی سے اسلام اہل مدینہ کا محبوب مذہب بن گیا اور سارے عرب میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا چرچا ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر ابو عامر سخت پریشان ہوا اور حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اس کا مذہب اور معاشرتی مقام و مرتبہ سب کچھ خاک میں مل رہا تھا، اس لیے یہ دشمنی پر اتر آیا اور مسلمانوں کے خلاف اعلان بغاوت کر کے مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ وہاں اس نے قریش مکہ سے رابطے بڑھائے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔ اس کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور قریش مکہ اپنے حلیف اور ہمنوا قبائل کو ساتھ ملا کر جنگ احد میں صف آرا ہو گئے۔

اسی فاسق نے میدان احد کے درمیان گڑھے کھدوا دیے تھے جن میں سے ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ گر کر شدید زخمی ہوئے۔ آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور آپ کے سر مبارک پر بھی چوٹ لگی۔

ابو عامر مبارزت کے لیے نکلا۔ اس نے اپنی قوم کو اپنی حمایت اور مدد کے لیے پکارا۔ مگر قوم نے اس بدکردار کو کڑا سا جواب دے دیا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! اللہ تمھیں غارت کرے، تم ہمیں کس منہ سے اپنی موافقت کے لیے پکار رہے ہو؟! اس پر یہ فاسق مایوس ہو کر واپس چلا گیا اور کہنے لگا: میرے جانے کے بعد میری قوم گمراہ ہو گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا مگر یہ سرکش ہو گیا اور اسلام دشمنی میں اور زیادہ پکا ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں موجود منافقوں کے ساتھ مل کر اسلام دشمن کارروائیاں کرنے لگا۔ مدینہ منورہ کے منافق اس کی غیر موجودگی میں اس کے منصوبوں کو عملی شکل دیتے تھے۔ یہ مدینہ منورہ سے دور رہتے ہوئے بھی منافقوں کا

فعال سرغنہ تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بددعا دی کہ یہ اپنے وطن سے دور تنہائی کی موت مرے۔ اس نے مسجد نبوی کی توہین کرتے ہوئے اپنے خبیث گروہ کو مخاطب کر کے کہا: ''میں تمھارے بڑے میں داخل نہیں ہو سکتا۔''

وہ اپنے ہمنوا سازشیوں کو کہنے لگا کہ تم مسجد تعمیر کرو اور اسے اپنا عسکری اڈا بنا کر جنگی تیاری کرو۔ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار لے کر آتا ہوں، تاکہ محمد اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکالا جا سکے۔ یہ حکم دے کر وہ خود شام روانہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے حکم پر قبا میں مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب جنگ احد والے دن ابو عامر نے دیکھا کہ مسلمان دن بدن مضبوط ہو رہے ہیں اور علانیہ کفار کو للکارنے لگے ہیں تو وہ یہ منظر برداشت نہ کر سکا اور فوراً شام روانہ ہو گیا۔ ہرقل سے ملا، اس سے مدد کی درخواست کی تاکہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑی جا سکے۔ ہرقل نے اسے اپنے پاس ٹھہرایا اور وعدہ کیا کہ تمھاری مدد کی جائے گی۔ اس دوران میں ابو عامر نے اپنے ہم مذہب بدکردار سازشی لوگوں کو خوشخبری سنائی کہ میں عنقریب بہت بڑا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر یلغار کروں گا۔ لہٰذا تم میرے لیے ایک خصوصی ٹھکانا تعمیر کرو۔ بس اسی مقصد کے پیش نظر منافقوں نے قبا میں ایک مسجد بنائی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ تبوک جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ جب یہ مسجد مکمل ہو گئی تو یہ سازشی ٹولہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کمزوروں اور ضرورت مند افراد کے لیے مسجد بنائی ہے تاکہ سرد راتوں اور بارشوں کے دوران یہ حضرات اس میں نماز پڑھ سکیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھا کر اس کا افتتاح فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ ابھی ان کے ارادوں سے بے خبر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی روایتی خوش اخلاقی سے جواب دیا کہ ابھی ہم سفر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ان شاء اللہ سفر سے واپسی پر ہم تمھاری مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ پھر آپ ﷺ تبوک چلے گئے۔

تبوک سے واپسی پر آپ مدینہ منورہ کے نواح میں ذو اوان نامی جگہ پر رکے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات نازل فرما کر آپ کو اس مسجد کی حقیقت سے آگاہ فرمایا اور اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

"اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تاکہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں اور کفر پھیلائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے گھات لگانے کی جگہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے۔ اور یقیناً وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک صاف رہیں اور اللہ بہت پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور (اس کی) رضا پر رکھی، (وہ) بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد (دریا کے) ایک گرنے والے کھوکھلے کنارے پر رکھی، پھر وہ اسے جہنم کی آگ میں لے گرا؟ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ انھوں نے جو عمارت بنائی تھی، وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک ڈالے رکھے گی الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے دو جاں نثاروں کو بھیجا کہ جاؤ اور اس سازشی معسکر کو آگ لگا کر بھسم کر دو۔ درحقیقت اسے مسجد کہنا بھی صحیح نہ تھا۔ یہ تو منافقین کا ہیڈ کوارٹر تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے خاتمے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم پر سیدنا مالک بن دُخشم اور معن بن عدی ؓ تیزی سے روانہ ہو گئے۔ سیدنا مالک ؓ نے سیدنا معن سے عرض کیا: ذرا ٹھہرو میں اپنے گھر سے آگ کا شعلہ لے کر آتا ہوں۔ وہ اپنے گھر گئے۔ جلتی ہوئی آگ سے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور پھر دونوں بھاگتے ہوئے منافقوں کے معسکر پر ٹوٹ پڑے۔ اس معسکر کو مسجد ضرار کا نام دیا گیا تھا۔ انھوں نے اسے آگ لگا دی اور اس میں موجود منافقوں کو بھی زندہ جلانے کی کوشش کی۔ آگ بھڑکی تو منافق بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ان کا امام مجمع بن حارثہ تھا۔ سب بھاگ گئے، صرف زید بن جاریہ بن عامر ڈٹا رہا، مگر جب اس کی کمر تک آگ کی تپش پہنچی تو وہ بھی زخموں کو برداشت نہ کر سکا اور وہاں سے نکل بھاگا۔ صحابہ کرام نے اس کے در و دیوار کو ڈھا کر زمین بوس کر دیا۔ اس طرح یہ مسجد ضرار جو مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے لیے تعمیر کی گئی تھی اور جس کا مقصد صرف اور صرف تخریب کاری تھا، اسے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔

[1] التوبۃ 9:107-110.

مسجد ضرار تعمیر کرنے والوں کے نام

علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد تعمیر کرنے والے افراد کی تعداد بارہ ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

1 خذام بن خالد، یہ بنو عبید بن زید کا ایک شخص تھا اور اسی کے گھر میں مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ 2 ثعلبہ بن حاطب۔ 3 معتب بن قشیر۔ 4 ابو حبیبہ بن ازعر۔ 5 عباد بن حنیف۔ 6 جاریہ بن عامر۔ 7 مجمع بن جاریہ۔ 8 زید بن جاریہ۔ 9 نبتل بن حارث۔ 10 بحزج۔ 11 بجاد بن عثمان۔ 12 ودیعہ بن ثابت۔

علامہ واقدی کے بقول ان کی تعداد پندرہ تھی۔ مگر انھوں نے صرف بارہ منافقوں کے نام بیان کیے ہیں اور بحزج کی جگہ یزید بن جاریہ اور نبتل بن حارث کے بجائے عبداللہ بن نبتل بن حارث کا نام لکھا ہے۔ عبداللہ بن نبتل منافقین کا وہ جاسوس تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ آپ کے ارشادات سنتا اور پھر واپس جا کر اپنے ہمنواؤں کو آگاہ کر دیتا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ آپ کی مجلس میں عبداللہ بن نبتل منافقین کا جاسوس حاضر ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس کا حلیہ کیسا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے اس کا حلیہ بتایا کہ وہ سیاہ رنگ کا شخص ہے۔ اس کے جسم پر بہت زیادہ بال ہیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہیں گویا کہ پیتل کی بڑی بڑی ہنڈیاں ہوں۔ اس کا جگر گدھے کے جگر جیسا ہے اور اس کی نظر شیطان جیسی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین میں سے خذام بن خالد اور بجاد بن عثمان کے بارے میں فرمایا

«زِمَامٌ خَيْرٌ مِّنْ خِذَامٍ وَسَوْطٌ خَيْرٌ مِّنْ بِجَادٍ»

”(گھوڑے وغیرہ کی) لگام خذام سے بہت بہتر ہے۔ اور ایک کوڑا بجاد سے اچھا ہے۔“

مسجد ضرار کی مسماری کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ مسجد ضرار کی جگہ گھر بنا لیں۔ یہ مسجد ودیعہ بن ثابت اور ابو عامر کے گھروں کے درمیان تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد کے ساتھ ان منافقوں کے گھر بھی جلا دیے تھے۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے پاس گھر موجود ہے، اس لیے مجھے ضرورت نہیں ہے، مزید برآں اس جگہ پر جو بربادی نازل ہو چکی ہے، اس کے بعد اب میں اسے گھر نہیں بنانا چاہتا۔ البتہ سیدنا ثابت بن اقرم ضرورت مند ہیں، آپ یہ جگہ انھیں عطا کر دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے وہ جگہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی۔[1]

[1] المغازی للواقدی 2/420،421، زاد المعاد 3/549،550، السیرۃ لابن ہشام 4/174، السیرۃ لابن اسحاق 2/608،609، دلائل النبوۃ للبیہقی 5/259،260، البدایۃ والنہایۃ 4/676،677، موسوعۃ الغزوات الکبری 2/1851-1857.

تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف آوری

رسول اللہ ﷺ ماہ رجب میں سفر تبوک پر روانہ ہوئے تھے۔ بیس دن تبوک میں قیام فرمایا۔ اس طرح تقریباً پچاس دن کے بعد آپ کامیاب و کامران ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ یہ آپ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ نے بنفس نفیس اسلامی لشکر کی قیادت کی۔

سیدنا ابو حمید ؓ غزوۂ تبوک سے واپسی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے، اس وقت جونہی ہمیں مدینہ منورہ کی آبادی نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ طَابَةُ، وَهٰذَا أُحُدٌ، جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»

''یہ طابہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''[1]

اہل مدینہ بھی مشتاق زیارت تھے۔ اسلامی لشکر کی واپسی اور رسول اللہ ﷺ کے دیدار کی تڑپ انھیں بے چین کر رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور اپنے اقرباء کی بحفاظت واپسی کی خبر ان کے لیے سب سے بڑی خوش خبری تھی۔ اس لیے بچے، بوڑھے، مرد، خواتین سبھی استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع پر موجود تھے۔ سیدنا سائب بن یزید ؓ ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر یہ خوبصورت لمحات یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھے وہ لمحات خوب یاد ہیں جب رسالت مآب ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور میں دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع گیا تھا۔[2]

جب اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ پہنچا تو اہل مدینہ کو بے حد خوشی ہوئی، چنانچہ خواتین اور بچے درج ذیل اشعار پڑھ کر آپ کو مرحبا کہنے لگے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

''ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر ادائے شکر واجب ہے۔''

علامہ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں: کچھ راویوں کو وہم ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ اشعار بچیوں اور خواتین نے اس

[1] صحيح البخاري: 4422. [2] صحيح البخاري: 4427.

وقت پڑھتے تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تھے، حالانکہ یہ صریح وہم ہے۔ کیونکہ ثنیۃ الوداع شام جانے والے راستے میں ہے۔ مکہ سے مدینہ آنے والے مسافر کا یہاں سے گزر ہی نہیں ہوتا۔ ثنیۃ الوداع سے صرف وہی مسافر گزرتے ہیں جو شام جاتے ہیں۔[1]

یاد رہے کہ مدینہ منورہ سے مکہ جنوبی جانب ہے جبکہ شام شمالی سمت میں ہے اس طرح دونوں علاقے مخالف سمت میں ہیں۔ اس لیے اگر کہا جائے کہ یہ شعر ثنیۃ الوداع پر گنگنائے گئے تھے تو پھر مکہ مکرمہ سے آمد کے وقت ان کا پڑھا جانا محال ہے۔

علامہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا:

«الحمد لله على ما رزقنا في سفرنا هذا من أجر وحسبة، ومن بعدنا شركاؤنا فيه»

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس سفر میں ہمیں اور ہمارے شرکاء کو اجر و ثواب اور مال و اسباب سے نوازا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے سفر کی تکالیف اور مشقت برداشت کی لیکن یہ ساری صعوبتیں جھیلے بغیر آپ کے اجر و ثواب میں اور کون شریک ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن بالمدينة لأقواما ما سرنا من مسير ولا هبطنا واديا إلا كانوا معنا، حبسهم المرض، ألم يقل الله تعالى في كتابه: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً﴾ فنحن غزاتهم وهم قعدتنا، والذي نفسي بيده لدعاؤهم أنفذ في عدونا من سلاحنا»

''بے شک مدینہ منورہ میں ایسے لوگ ہیں جو ہمارے ہر سفر میں اور ہر وادی میں ہمارے ساتھ تھے۔ انھیں بیماری نے روک لیا تھا۔ (اس لیے وہ ہمارے ساتھ سفر پر نہ جا سکے۔ لیکن ایسی حالت میں ان کا جانا ضروری بھی نہ تھا۔) کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی نکل کھڑے ہوں۔'' لہٰذا ہم ان کے مجاہد ہیں اور وہ ہمارے گھروں میں پیچھے رہنے والے ساتھی ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان کی دعا دشمنوں پر ہمارے ہتھیاروں سے زیادہ کارگر ہے۔''

[1] زاد المعاد: 551/3، دلائل النبوة للبيهقي: 266/5، البداية والنهاية: 678/4.

غزوے سے واپسی پر مجاہدین نے یہ سمجھتے ہوئے اپنا اسلحہ بیچنا شروع کر دیا کہ اب جہاد ختم ہو گیا ہے۔ اہل ثروت نے یہ اسلحہ خریدنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے منع کر دیا اور فرمایا:

«لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُجَاهِدُونَ عَلَى الْحَقِّ حَتَّى يَخْرُجَ الدَّجَّالُ»

''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لیے جہاد کرتی رہے گی حتی کہ دجال ظاہر ہو جائے گا۔''[1]

تبوک سے پیچھے رہ جانے والے مختلف لوگ

غزوۂ تبوک جن حالات میں ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت آزمائش بھی تھی۔ اس غزوے سے اہل ایمان اور اہل نفاق واضح ہو کر سامنے آ گئے۔ سورۂ توبہ کی متعدد آیات کے نزول کے نتیجے میں منافق ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ اہل حق کو اہل کفر و نفاق سے ہمیشہ مختلف و ممتاز رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے۔''[2]

چنانچہ اس غزوے میں سچے مومن پورے ذوق شوق سے شریک ہوئے۔ کچھ اہل عذر پیچھے رہ گئے جبکہ منافق مختلف حیلے بہانے تراش کر جہاد سے جی چراتے رہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی چار اقسام تھیں:

1 اہل اجر و ثواب۔ یہ وہ افراد تھے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر کسی فرض کی ادائیگی کے لیے پیچھے رہے تھے، مثلاً سیدنا علی بن ابی طالب، محمد بن مسلمہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہم۔

2 اہل عذر، بیمار اور کمزور افراد یا جن کے پاس سفر کی اخراجات اور سواریاں نہیں تھیں۔

3 خطا کار، جنھوں نے محض سستی کی بنا پر شرکت نہ کی۔ ان میں سیدنا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ وغیرہ شامل ہیں۔

4 اہل نفاق، جنھیں ملامت کی گئی اور ان کے کردار کی شدید مذمت کی گئی۔[3]

جو مخلص مومن محض سستی اور سہل پسندی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کی پچاس دن کے طویل و شدید سفر سے واپسی پر انھیں سخت شرمساری ہوئی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ آپ

1 المعجم الكبير للطبراني 428/2 2 آل عمران 3:179 3 البداية والنهاية 683/4، سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني 1870/2

کے واضح اعلان اور تاکیدی حکم کے باوجود تعمیلِ ارشاد میں کوتاہی بڑا سخت معاملہ تھا۔ تبوک نہ جانے والے یہ حضرات اب سخت پریشان تھے۔ وہ صادق القول تھے، اس لیے کوئی حیلہ بہانہ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بس پھر سچ بول کر سزا ہی بھگتنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ان میں سے سات افراد نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمولِ مبارک کے مطابق سفر سے واپسی پر سیدھے مسجد نبوی تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب آپ ان بندھے ہوئے حضرات کے پاس سے گزرے تو آپ نے دریافت کیا: ''یہ کون ہیں؟'' عرض کیا گیا کہ یہ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے انھوں نے بطورِ سزا اپنے آپ کو خود ہی قیدی بنا لیا ہے۔ یہ حضرات عرض گزار ہیں کہ جب تک آپ انھیں معاف کر کے خود اپنے دستِ رحمت سے آزاد نہیں کریں گے، یہ اپنے بندھن نہیں کھولیں گے۔





رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَأَنَا أُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَا أُطْلِقُهُمْ وَلَا أَعْذِرُهُمْ حَتّٰى يَكُونَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الَّذِي يُطْلِقُهُمْ، رَغِبُوا عَنِّي وَتَخَلَّفُوا عَنِ الْغَزْوِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ"

''میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں انھیں آزاد کروں گا نہ ان کا عذر قبول کروں گا حتی کہ اللہ عزوجل خود ہی ان کی آزادی کا حکم نازل فرمائے۔ انھوں نے مجھ سے منہ موڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد کے لیے جانے سے رُوگردانی کی۔''

جب ان مقید حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے جب تک اللہ رب العزت ہماری آزادی کا حکم نازل نہ فرما دے، ہم بھی خود بخود آزاد نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ قبول فرمائی اور ان کی آزادی کی راہ کھول دی۔ ارشاد ہوا:

﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، یقینا اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[1]

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر کیا اور انھیں آزاد کر دیا۔ پھر یہ حضرات اپنی توبہ کی توثیق کے لیے اپنے اموال لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے اموال اللہ کی راہ میں صدقہ ہیں۔ آپ یہ قبول فرمائیں اور ہمارے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "تمھارے یہ اموال لینے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

(التوبہ 9:103-106)

"(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے، آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں گے اور ان کا تزکیہ کریں گے اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے۔ اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے اور یہ کہ بلا شبہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے؟ اور (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو عنقریب دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی اور تم جلد اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی (باتیں) جاننے والا ہے، پھر وہ تمھیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے۔ اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک موخر کر دیا گیا ہے، یا تو وہ انھیں سزا دے گا، یا ان کی توبہ قبول کر لے گا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔"[2]

ان کے برعکس جنھیں کسی عذر نے پیچھے رہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ شدید خواہش اور رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی کی رغبت کے باوجود سفر پر روانہ نہ ہو سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بلند درجات اور اجر و ثواب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ!

1 التوبة 9:102. 2 دلائل النبوة للبيهقي: 5/270-272.

وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ؟ قَالَ: «وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ»

''مدینہ طیبہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس راستے پر چلے یا جس وادی کو تم نے عبور کیا وہ تمھارے ساتھ تھے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگرچہ وہ مدینہ طیبہ میں رہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، اگرچہ وہ مدینہ طیبہ میں تھے لیکن عذر نے ان کو روک رکھا تھا۔''[1]

وہ مخلص صحابۂ کرام جو سواریوں کی نایابی اور زادِ راہ کی کمیابی کی وجہ سے شرکت سے محروم ہوئے، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہوئی۔ ارشاد ہوا:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [التوبة 9:91]

''ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ اسے خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہوں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

منافقوں کا انجام

رسول اللہ ﷺ سفر تبوک سے واپس آئے اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کی، پھر آپ ملاقات کے لیے بیٹھ گئے۔ لوگ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے لگے۔ منافقین جو غزوے سے پیچھے رہ کر سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، وہ بھی آگئے تاکہ جھوٹے بہانے تراش کر آپ کو راضی کر لیں۔ یہ لوگ لشکر کی تبوک روانگی کے وقت بھی طرح طرح کے بہانے تراشتے رہتے تھے۔ اب لشکر کی واپسی پر بھی وہی کام کرنے لگے۔ معاشرے میں رہنے کے لیے ان کی یہ تگ و دو ضروری تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی دائمی نرم مزاجی کی وجہ سے ان سے درگزر فرمائیں اور ان کے اوٹ پٹانگ عذر قبول کر لیں۔ اس طرح انھیں مدینہ منورہ میں لوگوں سے میل ملاقات میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ خود کو ذلت و رسوائی سے بچانے کے لیے وہ طرح طرح کے بہانے لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ان کی تعداد تقریباً اسی (80) تھی۔ یہ لوگ اللہ کی قسمیں اٹھا کر یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ بڑے مجبور و لاچار تھے، اس لیے آپ کے ساتھ غزوے میں شرکت سے محروم رہ گئے۔ وہ یوں باتیں بنا رہے تھے جیسے انھوں نے سفر کی مکمل تیاری کر لی تھی مگر اچانک ناگہانی حالات کی رفتار نے انھیں روک لیا تھا۔ حالانکہ یہ مکار

[1] صحیح البخاري: 4423. [2] البداية والنهاية 4/682، 683، ودلائل النبوة للبيهقي 281/5

خوب جانتے تھے کہ انھوں نے سرے سے کوئی تیاری ہی نہیں کی، نہ ان کا سفر پر روانہ ہونے کا کوئی ارادہ تھا۔ بلکہ وہ تو مخلص مومنوں کو بھی روکنے کے لیے ورغلاتے رہے اور ان کے ولولوں کو سرد کرنے کی بھرپور کوششیں کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ظاہری بہانوں کی وجہ سے چشم پوشی فرما رہے تھے۔ آپ ان سے سخت ناراض تھے مگر آپ نے ان کا باطنی معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے انھیں کچھ نہ کہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کے نقاب الٹ کر انھیں رسوا کر دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴾

(التوبة 9:96)

”وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تب بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں۔“[1]

علامہ واقدی فرماتے ہیں: ان منافقین کے علاوہ غفار قبیلے کے 81 افراد بھی تھے جو عذر پیش کرنے والوں میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کا ٹولہ بھی تھا۔ یہ لوگ بھی خاصی تعداد میں تھے۔[2]

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کی کڑی آزمائش

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں میں سیدنا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تین ایسے صحابی بھی تھے جن کا کوئی عذر نہیں تھا۔ وسائل سفر میسر ہونے کے باوجود یہ حضرات محض سستی، تساہل انگاری اور گرمی کی شدت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب منافقین جھوٹے بہانے تراش رہے تھے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچی سچی بات بتا دی اور آپ ﷺ سے معذرت کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کے سچے بیانات قبول فرما لیے لیکن ان کی توبہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی اور صحابۂ کرام کو ان تینوں اصحاب سے بات چیت سے منع کر دیا۔ بطور سزا ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ یہ بائیکاٹ اس قدر شدید تھا کہ ان کے قریبی اعزہ بھی ان سے سلام دعا تک کے روادار نہ رہے۔ اگر یہ سلام کرتے تو سلام کا جواب بھی نہ دیا جاتا۔ ان حضرات پر یہ بائیکاٹ اس قدر گراں گزرا کہ ان کے زمین و آسمان ہی بدل گئے حتی کہ خود اپنی ہی سرزمین انھیں اجنبی معلوم ہونے لگی۔ زمین کی وسعتیں ان پر تنگ ہو گئیں اور ان کا جینا محال ہو گیا۔ یہ معاشرتی بائیکاٹ چالیس روز تک جاری رہا۔ پھر انھیں ان کی بیویوں سے بھی الگ ہونے کا حکم ملا جس سے زندگی مزید مشکل ہو گئی۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ جواں مرد

1 المغازي للواقدي: 435/2. 2 المغازي للواقدي: 438/2.

تھے، اس لیے حوصلہ کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے آ جاتے تھے۔ بازار میں ضروریات زندگی کے لیے چلے جاتے مگر ہر طرف ویرانی ہی ویرانی محسوس ہوتی۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے دیگر دو ساتھی کمزور اور بوڑھے تھے۔ شرم و ندامت سے رو رو کر ان کا برا حال ہو گیا۔ وہ چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ رہے۔ بس گھر میں پڑے رہتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے رہتے تھے۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے کسی بھی شخص کے سامنے بہتر سے بہتر عذر تراش کر اپنا دفاع کر سکتا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی جرأت نہیں ہوئی، اس لیے صاف گوئی سے کام لیا۔ اب توبہ اور استغفار کے سوا میرا کوئی کام نہ تھا۔ بڑی سخت آزمائش آ گئی تھی۔ یہ اذیت اس وقت دو چند ہوگئی جب کافروں نے مجھے ہمدردی کے خط لکھنے شروع کر دیے۔ انھوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر اپنا درباری بننے کی دعوت دے ڈالی۔

یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ کعب رضی اللہ عنہ کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو گیا اور ان کی دعا و التجا میں مزید سوز و گداز پیدا ہو گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا اعلان ہوا تو دور ابتلا ختم ہو گیا۔



صحابہ کرام جوق در جوق تشریف لائے اور انھوں نے بڑھ چڑھ کر مبارک باد دی۔ کسی نے گھوڑا دوڑایا، تو کوئی پہاڑ پر چڑھ کر مبارک باد کا اعلان کرنے لگا۔ ان سب کی مبارک باد سے بڑھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے بڑا اعزاز تھے۔ یہ دور ابتلا کیسے کٹا اور اس کے بعد سیدنا کعب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا انعامات ملے؟ آئیے ان کی یہ داستان انھی کی زبانی سنتے ہیں:

جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تو ان کے بیٹوں میں سے سیدنا عبداللہ ہی انھیں ان کے مطلوبہ مقامات تک لے کر جایا کرتے تھے انھوں نے بتایا کہ ایک دن میں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کا واقعہ سنا، سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں سے کسی بھی غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا۔ صرف غزوۂ تبوک میں اور غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکا لیکن جنگ بدر سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ نے کسی

پر عتاب نہیں فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے ایک قافلے کا سراغ پانے کا ارادہ کرکے باہر نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت طے کیے بغیر اچانک مسلمانوں کا دشمن سے سامنا کرا دیا۔ میں تو عقبہ کی رات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جہاں میں نے اسلام پر قائم رہنے کا اٹل قول و قرار کیا تھا۔ ہر چند لوگوں میں غزوہ بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن میرے لیے بیعت عقبہ ہی متاعِ بیش بہا ہے۔ میں یہ بات قابل ترجیح نہیں سمجھتا کہ مجھے بیعت عقبہ کے بدلے میں غزوہ بدر میں شرکت کا موقع مل جاتا۔

میرا قصہ یہ ہے کہ میں جس زمانے میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گیا، اس وقت میں اتنا طاقت ور اور خوشحال تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اللہ کی قسم! میرے پاس دو اونٹنیاں کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں جبکہ تبوک کے موقع پر میرے پاس دو اونٹنیاں موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب آپ کسی غزوے کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو اسے پوری طرح ظاہر نہ فرماتے بلکہ کسی اور مقام کا نام لے لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ غزوہ چونکہ سخت گرمی میں ہوا، سفر بھی طویل بیابان کا تھا اور دشمن بھی بھاری تعداد میں تھے، اس لیے آپ نے صحابہ کرام کے روبرو یہ معاملہ صاف صاف بیان کر دیا تاکہ وہ اس جنگ کے لیے اچھی طرح تیاری کر لیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے انھیں وہ سمت بھی بتلا دی جس طرف آپ جانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے والے مسلمان کثیر تعداد میں تھے، ان کے ناموں کے اندراج کے لیے کوئی رجسٹر یا دیوان وغیرہ نہیں تھا کہ ان کے نام محفوظ ہوتے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صورت حال ایسی تھی کہ جو شخص لشکر میں سے غائب ہونا چاہتا، وہ بڑی آسانی سے غائب ہو سکتا تھا اور یہ سوچ سکتا تھا کہ اگر بذریعۂ وحی آپ کو اطلاع نہ دی گئی تو میری غیر حاضری کا کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کا ارادہ ایسے وقت میں فرمایا جب پھل پک چکے تھے اور ہر طرف سایہ پھیل گیا تھا۔ خیر رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمانوں نے بھی سفر کا سامان تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ میں صبح اس ارادے سے نکلتا کہ میں بھی باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر تبوک جانے کی تیاری کروں گا لیکن جب شام کو واپس آتا تو اس وقت تک کوئی فیصلہ ہی نہ کر پاتا۔ پھر میں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ میں تیاری کرنے پر پوری طرح قادر ہوں، تیاری کر ہی لوں گا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا حتی کہ لوگوں نے پورے زور شور سے تیاری مکمل کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمان روانہ ہو گئے۔ ادھر میں اپنی تیاری کے سلسلے میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے ایک یا دو دن بعد تیاری مکمل کر کے چل دوں گا اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں گا۔ لیکن ان کے روانہ ہو جانے کے بعد بھی میری یہی حالت رہی، پھر میں صبح کے وقت

تیاری کے خیال سے نکلا لیکن جب گھر لوٹا تو وہی کیفیت تھی یعنی میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ پھر دوسری صبح کو بھی میں اسی خیال سے نکلا لیکن جب واپس آیا تو کچھ بھی نہ کر پایا۔ میری مسلسل یہی حالت چلتی رہی یہاں تک کہ مسلمان تیزی سے چل کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے پھر ارادہ کیا کہ میں بھی چل پڑوں اور ان سے جا ملوں، کاش کہ میں نے ایسا کرلیا ہوتا لیکن یہ سعادت میرے مقدر میں نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد حالت یہ تھی کہ جب میں باہر لوگوں کے پاس جاتا اور ان میں چل پھر کر دیکھتا تو جو بات مجھے غمگین کرتی وہ یہ تھی کہ جو بھی شخص نظر آتا، وہ ایسا ہوتا تھا جس پر نفاق کا الزام تھا، یا مجھے وہ ضعیف اور کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے راستے میں تو مجھے کہیں بھی یاد نہ فرمایا مگر جب تبوک پہنچ گئے تو ایک موقع پر آپ لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ''کعب نے کیا کیا ہے؟'' بنوسلمہ کے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے صحت و خوشحالی کی دو چادروں نے روک رکھا ہے۔ وہ اپنی انھی چادروں کے کنارے دیکھنے میں مشغول ہوگا۔ یہ سن کر معاذ بن جبل ؓ نے اس سے کہا: تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ پھر فرمایا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم نے کعب میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ جب مجھے یہ خبر ملی کہ آپ واپس آرہے ہیں تو خیال ہوا کہ کوئی حیلہ سوچنا چاہیے تاکہ آپ کی ناراضی سے بچ جاؤں۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے خاندان کے ہر صاحب عقل شخص سے مدد مانگی۔ پھر جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ (شہر کے) قریب آگئے ہیں تو یہ خیال باطل میرے قلب سے نکل گیا۔ مجھے پورا یقین ہو گیا کہ میں جھوٹ بول کر آپ کی ناراضی سے نہیں بچ سکتا، اس لیے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ہر حال میں سچ بولوں گا۔

رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے، پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف فرما ہوتے، چنانچہ جب آپ نماز سے فراغت کے بعد ملاقات کے لیے بیٹھے تو پیچھے رہ جانے والوں نے آنا شروع کیا۔ وہ لوگ قسمیں اٹھا کر آپ کے سامنے طرح طرح کے عذر پیش کرنے لگے۔ ان لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیان کردہ عذر قبول کر لیے۔ ان سے بیعت لی، ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کی نیتوں کو اللہ کے حوالے کر دیا۔ الغرض میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو سلام کیا، آپ مسکرائے لیکن آپ کی مسکراہٹ ایسی تھی جس میں غصے کی آمیزش تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ادھر آؤ۔'' میں آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ تم نے تو سواری خرید نہیں لی

تھی؟‘‘ میں نے عرض کی: آپ نے بجا ارشاد فرمایا، اللہ کی قسم! میں اگر آپ کے علاوہ کسی اور دنیاوی شخصیت کے سامنے موجود ہوتا تو ضرور سوچتا کہ میں کس عذر بہانے سے اس کے غضب سے بچ سکتا ہوں کیونکہ میں قوت گویائی اور دلیل آرائی کا ماہر ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لوں تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے گا اور آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر میں سچ سچ ساری بات بتا دوں تو آپ مجھ سے ناراض تو یقینا ہوں گے، تاہم مجھے امید ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے کوئی معذوری نہیں تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں جتنا تنومند اور خوشحال اب تھا، پہلے کبھی نہ تھا۔ میں اس خوشحالی میں بھی آپ کے ساتھ جانے سے رہ گیا۔ میری یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ شخص ہے جس نے سچ بات بتائی ہے۔‘‘ پھر فرمایا: ’’اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرما دے۔‘‘

میں اٹھ گیا۔ جب میں جانے لگا تو بنو سلمہ کے کچھ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ میرے پیچھے چلنے لگے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے علم میں نہیں ہے کہ تم نے آج سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔ آخر تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی عذر پیش کرنے سے کیوں قاصر رہے جیسا کہ دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے آپ کی خدمت میں عذر پیش کیے ہیں؟ تم نے جو گناہ کیا تھا، اس کی تلافی کے لیے تو رسول اللہ ﷺ کا تمھارے لیے استغفار ہی کافی تھا۔ اللہ کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ ایک دفعہ تو میں نے ارادہ کر ہی لیا کہ میں واپس جاؤں اور جو کچھ میں نے آپ سے کہا تھا، اس کے متعلق کہوں کہ وہ جھوٹ تھا۔ پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا: یہ معاملہ جو میرے ساتھ پیش آیا ہے، کیا میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، دو اور آدمیوں نے بھی وہی کچھ کہا ہے جو تم کہہ چکے ہو اور ان کو بھی وہی جواب ملا ہے جو تمھیں ملا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ دونوں کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ ایک مُرارہ بن ربیع العمری اور دوسرے ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔

انھوں نے میرے سامنے دو ایسے نیک آدمیوں کے نام لیے جو غزوۂ بدر میں شرکت کر چکے تھے اور ان کا طرز عمل میرے لیے قابل تقلید تھا، چنانچہ ان دونوں کا ذکر سن کر میں (نے اپنا ارادہ بدل دیا اور) آگے چل پڑا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تمام پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف ہم تینوں کے ساتھ بات چیت کی ممانعت فرما دی، لہٰذا لوگ ہم سے دور دور رہنے لگے۔ وہ ہمارے لیے اس قدر اجنبی بن گئے کہ میں یوں محسوس کرنے لگا جیسے میں کسی اور سرزمین پر آ کھڑا ہوا ہوں۔ ہم پچاس دن تک اسی حالت میں مبتلا رہے۔ دوسرے دونوں ساتھی تو تھک ہار کر اپنے اپنے گھر بیٹھ گئے اور روتے رہے لیکن میں ان سب میں جوان اور طاقتور تھا، اس لیے باہر نکل جاتا تھا۔ مسلمانوں

کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا لیکن مجھ سے کوئی شخص بات نہ کرتا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اس وقت حاضر ہوتا جب آپ نماز کے بعد لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔ میں آپ ﷺ کو سلام کرتا اور اپنے دل میں یہی سوچتا کہ آیا میرے سلام کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک متحرک ہوئے یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے مگر جونہی میں آپ ﷺ کی طرف توجہ کرتا تو آپ دوسری طرف دیکھنے لگتے تھے۔

جب لوگوں کی یہ بے اعتنائی تحمل کرنا ناقابل برداشت ہوگئی تو ایک دن میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔ یہ صاحب میرے چچا زاد اور محبوب ترین دوست تھے۔ میں نے انھیں سلام کیا، لیکن اللہ کی قسم! انھوں نے میرے سلام کا جواب ہی نہیں دیا۔ میں نے ان سے کہا: اے ابوقتادہ! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست جانتے ہو؟ وہ خاموش رہے، کچھ نہیں بولے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر یہی بات دہرائی تو کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو برس پڑے اور میں منہ موڑ کر واپس چلا آیا۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں مدینہ کے بازار سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ علاقۂ شام کا ایک نبطی جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے آیا تھا، لوگوں سے پوچھ رہا ہے: کیا کوئی شخص ہے جو مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتائے گا؟ لوگ میری طرف انگشت نمائی کرنے لگے۔ جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے صاحب نے تم پر زیادتی کی ہے، حالانکہ تمھیں اللہ نے اس لیے نہیں بنایا کہ تم ذلیل وخوار اور برباد رہو، لہٰذا ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمھیں شایان شان عزت و مرتبہ دیں گے۔ میں نے یہ خط پڑھا تو دل میں کہا: یہ بھی ایک امتحان ہے۔ میں وہ خط لے کر تنور کی طرف گیا اور اسے نذر آتش کر دیا۔ پھر جب پچاس دنوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد آیا اور کہنے لگا: رسول اللہ ﷺ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی رفیقۂ حیات سے بھی کنارہ کش ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا: کیا میں اسے طلاق دے دوں؟ آخر کیا کروں؟ اس نے کہا: نہیں، بس اتنا کرو کہ بیوی سے کنارہ کش ہو جاؤ، اس کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ اور جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ صادر نہ فرمائے، وہیں مقیم رہو۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس

نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تو ایک ناتواں اور بوڑھا شخص ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں۔ اس حالت میں کیا آپ یہ بات بھی ناپسند فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، (خدمت جاری رکھو) بس وہ تمھارے قریب نہ آئے۔“ اس نے کہا: اللہ کی قسم! انھیں تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں اور جس دن سے یہ معاملہ پیش آیا ہے، وہ مسلسل رو رہے ہیں۔ یہ سن کر میرے بعض اہل خانہ نے مشورہ دیا کہ اگر تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے سلسلے میں اجازت لے آؤ تو کیا حرج ہے، جیسے آپ نے بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے (کیا عجب تمھیں بھی ایسی اجازت مل جائے)۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی اجازت نہیں مانگوں گا۔ اللہ جانے میری اجازت طلبی پر آپ کیا جواب مرحمت فرمائیں جبکہ میں ایک نوجوان آدمی ہوں۔

الغرض اس کے بعد دس دن اور گزر گئے حتی کہ جس دن سے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہمارا بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تھا، اس دن سے اب تک پچاس دن پورے ہو گئے۔ پچاسویں رات کی صبح میں اپنے گھر کی چھت پر نماز فجر سے فراغت کے بعد بیٹھا ہوا تھا، میری حالت بعینہ وہی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ میں اپنی جان سے عاجز آ گیا تھا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود میرے لیے تنگ ہو گئی تھی۔ اچانک میں نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی۔ وہ کوہ سلع پر چڑھ کر بلند آواز سے پکار رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔ میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور سمجھ گیا کہ آزمائش کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد اعلان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی ہے، لہٰذا لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے لپک



پڑے۔ کچھ لوگ خوشخبری دینے کے لیے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھاگے۔ ایک شخص گھوڑا دوڑا کر میری طرف لپکا اور ایک دوڑنے والا جو قبیلۂ اسلم کا فرد تھا، بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس کی آواز گھوڑے کی رفتار سے بھی زیادہ تیز نکلی، لہٰذا یہ خوشخبری سنانے والا جب میرے پاس پہنچا تو میں نے اپنے کپڑے اتار کر اسے بطور انعام دے دیے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس اس دن ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی جوڑا نہ تھا، لہٰذا میں نے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل دیا۔ لوگ گروہ در گروہ مجھ سے مل رہے


غزوۂ تبوک (رجب 9ھ)
رسول اللہ ﷺ کا سفرِ تبوک
رومی لشکر کی واپسی
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مہم
حاکمان اذرح و جرباء کی تبوک آمد
حاکم ایلہ کی تبوک آمد
القدس
فلسطین
اردن
موتہ
معان
جرباء
عقبہ ایلہ (ایلات)
سیناء
مدین
تبوک
سعودی عرب
صحرائے النفود
تیماء
خیبر
وادی الرّمۃ
مصر
قصیر
سفاجہ
الاقصر
حجاز

تھے اور کہہ رہے تھے: تم کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا۔

سیدنا کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسجد میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھتے ہی طلحہ بن عبید اللہ ؓ دوڑتے ہوئے آئے۔ انھوں نے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی شخص میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ طلحہ ؓ کے اس سلوک کو میں کبھی نہیں بھولا۔ سیدنا کعب ؓ کا بیان ہے کہ جس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ»

''تمھیں آج کا دن مبارک ہو۔ یہ دن ان تمام دنوں سے بہتر ہے جو تمھاری پیدائش کے بعد سے آج تک تم پر گزرے ہیں۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ (معافی) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا: «لَا، بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ» ''نہیں، یہ معافی اللہ کی طرف سے ہے۔''

رسول اللہ ﷺ جس وقت خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک اس طرح دمک اٹھتا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر جان لیا کرتے تھے کہ آپ خوش ہیں۔

الغرض جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اس توبہ کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے بطور صدقہ دینا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب نہیں، اپنا کچھ مال اپنے پاس بھی رکھو کیونکہ ایسا کرنا تمھارے لیے بہتر ہوگا۔'' میں نے عرض کی: اچھا میں اپنا وہ حصہ جو خیبر میں ہے، اپنے پاس روک لیتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف سچ بولنے کی برکت سے نجات دی ہے، اس لیے میں اپنی توبہ کی (قبولیت کی) خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا، ہمیشہ سچ بات ہی کہوں گا، اللہ کی قسم! میرے علم میں ایسا کوئی مسلمان نہیں جسے سچ بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم انداز میں نوازا ہو جس قدر حسین انداز میں اس نے مجھے نوازا ہے۔ جس دن سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو یہ عہد کیا تھا، اس دن سے آج تک میں نے کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا اور مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی ماندہ زندگی میں بھی مجھے جھوٹ کے وبال سے محفوظ رکھے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر سورۂ توبہ کی آیات (117-119) نازل فرمائیں۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب سے اللہ نے میری دین اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی ہے، اس کے بعد سے اس نے مجھے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سب سے عظیم نعمت میرے نزدیک یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی توفیق عطا ہوئی اور میں جھوٹ بول کر ہلاک نہ ہوا جیسے وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنھوں نے جھوٹ بولا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے وقت ان لوگوں کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے زیادہ برے الفاظ کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○﴾

''عنقریب وہ تمھارے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹو گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان (کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔ وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں۔''[1]

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ہم تینوں کا معاملہ ان لوگوں کے معاملے سے مؤخر کر دیا گیا تھا جن کے عذر رسول اللہ ﷺ نے ان کی قسموں کی وجہ سے قبول کر لیے تھے، ان سے بیعت لے لی تھی اور ان کے گناہوں کی معافی کی دعا بھی فرما دی تھی۔ آپ نے ہمارے مقدر کا فیصلہ معلق کر دیا تھا یہاں تک کہ اللہ نے خود اس کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ ''اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے توجہ فرمائی) جن کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا تھا (ان کی توبہ بھی قبول کی گئی)۔'' اس آیت میں خُلِّفُوْا سے مراد یہ نہیں کہ انھیں جہاد سے پیچھے چھوڑ دیا گیا بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ انھیں معلق کر دیا گیا اور ان کے مقدر کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا جبکہ ان لوگوں کے عذر قبول کر لیے گئے جنھوں نے قسمیں اٹھا اٹھا کر عذر پیش کیے تھے۔[2]

رئیس المنافقین کی موت

جب ایمان دل کی گہرائیوں میں اترتا ہے تو انسان کو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے

[1] التوبة 9:95، 96. [2] صحيح البخاري، 4418، السيرة لابن إسحاق 2/609-615، السيرة لابن هشام 4/175-181، البداية والنهاية 4/679-682، زاد المعاد 3/552-557، المغازي للواقدي 2/422-428، دلائل النبوة للبيهقي 5/273-279.

جبکہ شک و شبہ کی بیماری دل کا روگ ہے۔ دنیوی جاہ و مال کی محبت دل کو بیمار اور انسان کی دنیا و آخرت تباہ کر دیتی ہے۔ نفاق بھی ایسی ہی بیماری ہے جو انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ عبداللہ بن ابی مدینہ منورہ کا عقل مند، ذہین اور مدبر سردار تھا مگر اہل مدینہ کی سرداری چھن جانے کا غم اسے لے ڈوبا۔ اس نے کلمہ بھی پڑھا مگر حسد و بغض کے ساتھ ساتھ نفاق کی بیماری اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ڈٹا رہا۔ سازشوں کے جال بنتا اور گمراہوں کی سرپرستی کرتا رہا۔ اس نے اپنی دنیا بھی برباد کی اور آخرت کے لیے بھی رسوائی کے سوا کچھ جمع نہ کر سکا۔

رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقوں کا یہ سرغنہ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ بیٹھا رہا۔ وہ مرتے دم تک رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام بھی اسلام دشمنی ہی میں غارت کیے۔

رسول اللہ ﷺ سفر تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ کو پتہ چلا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بیمار ہے۔ آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک طرف یہ بدکردار تھا جو اپنے کالے کرتوتوں سے باز ہی نہیں آتا تھا تو دوسری طرف رحمت عالم ﷺ بھی اپنی لامتناہی شفقت و رحمت کی انتہا کیے ہوئے تھے۔ آپ بدترین دشمنوں کو بھی سینے سے لگانے کے لیے بے تاب رہتے تھے تاکہ وہ حق و صداقت کے سیدھے اور سچے راستے پر چل پڑیں مگر بدقسمت عبداللہ بن ابی آخری وقت تک راہ راست پر نہ آیا۔ وہ بیس روز تک مسلسل بیمار رہا اور آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ ایک دن آپ اس کی خیریت دریافت کرنے پہنچے تو اس کی حالت بہت خراب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! إِنْ كُنْتُ لَأَنْهَاكَ عَنْ حُبِّ الْيَهُودِ»

''اللہ کی قسم! میں تمھیں یہودیوں سے پینگیں بڑھانے سے منع کرتا تھا۔ (یہودیوں سے یارانہ تمھیں لے ڈوبا)۔''

آپ ﷺ کا ارشاد سن کر وہ بدنصیب کہنے لگا: اسعد بن زرارہ نے یہودیوں سے بغض رکھا تو اسے کیا فائدہ ہوا؟[1] حالانکہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی تھے۔ وہ بیعت عقبہ میں قبول اسلام سے سرفراز ہونے والے خوش نصیبوں میں شامل تھے اور بنو نجار کے نقیب تھے۔ غزوۂ بدر سے قبل وفات پا گئے تھے۔

پھر عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! یہ ملامت کا وقت نہیں ہے۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے۔ اگر میں فوت ہو جاؤں تو آپ میرے غسل کے وقت موجود رہیے گا اور مجھے اپنی قمیص عطا فرمایئے گا۔ میں اسے اپنا کفن بنانا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے اپنی قمیص مبارک دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس نے مزید التجا کی کہ میرے

[1] دیکھیے: سنن أبي داود: 3094.

لیے استغفار کیجیے اور میری نماز جنازہ پڑھائیے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے نماز پڑھانے کی التجا اس لیے کی کہ وہ اپنے خاندان کو عار سے بچا سکے۔ اگر آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تو سارے خاندان کی بے عزتی ہوتی اور وہ شرمسار ہوتے۔

جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے سعادت مند بیٹے عبداللہ حاضر خدمت ہوئے۔ عبداللہ بڑے پکے ایمان والے مشہور صحابی تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد کا جنازہ پڑھا دیجیے اور اس کے کفن کے لیے اپنی قمیص عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی موت کے بعد اس کی قبر پر آئے، اسے قبر سے نکلوایا، اپنے مبارک گھٹنوں پر رکھا، اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے اپنی قمیص کا کفن دیا۔ صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کی روداد بیان کرتے ہیں، آئیے وہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مرا تو اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں جلدی سے آپ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ابن ابی (منافق) کی نماز جنازہ پڑھانے لگے ہیں! حالانکہ اس نے فلاں دن اس اس طرح کی باتیں کی تھیں؟ میں اس کی منافقانہ باتیں ایک ایک کر کے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''عمر! میرے پاس سے الگ ایک طرف ہٹ جاؤ۔'' میں نے جب اصرار کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرْ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا»

''مجھے اختیار دیا گیا ہے، اس لیے میں اپنے اختیار کو استعمال کر رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ مغفرت طلب کروں گا۔''

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور واپس تشریف لے آئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ سورۂ براءت کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾

''(اے نبی!) ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک یہ بدکار و بے اطاعت ہی رہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی جسارت پر مجھے خود بھی حیرت ہوئی، بہر حال اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کو اپنی قمیص کیوں عطا کی؟ اس کی ایک وجہ صحیح بخاری میں یوں بیان ہوئی ہے:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے روز قیدیوں کو لایا گیا۔ ان میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قمیص تلاش کی تو عبداللہ بن ابی کی قمیص ہی ان کے بدن پر پوری آسکی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قمیص انھیں پہنا دی۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اتار کر عبداللہ بن ابی کو (اس کے مرنے کے بعد) پہنا دیا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا جو احسان تھا، آپ نے چاہا کہ وہ اتار دیا جائے۔[3]

جبکہ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ قَمِيصِي لَنْ يُغْنِيَ عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يُسْلِمَ بِذٰلِكَ أَلْفٌ مِنْ قَوْمِهِ» ''میرا یہ کرتہ اس کے کسی کام آنے والا نہیں لیکن مجھے امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر عبداللہ کی قوم کے بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔[4]

جناب مجمع بن جاریہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اتنا طویل جنازہ کبھی نہیں پڑھا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ میں خاصا وقت لگایا، پھر اسے آل نبیط کی چارپائی پر قبرستان لے جایا گیا۔ عبداللہ بن ابی دراز قد خوبرو شخص تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ دیکھا، اس کی ٹانگیں چارپائی سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ مدینہ منورہ سے جنازہ اٹھایا گیا تو عبداللہ بن ابی کی بیٹی جمیلہ خوب روئی۔ اوس و خزرج کی ہر عورت اسے تسلی دینے کے لیے پہنچ گئی۔

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چارپائی کے قریب جانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر اس کے منافق ساتھی ہمیں قریب پھٹکنے نہیں دے رہے تھے۔ وہ بڑھ چڑھ کر جنازہ اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان نام کے مسلمانوں میں منافقوں کے سردار سعد بن حنیف، زید بن اللصیت، سلامہ بن حمام، نعمان بن ابی عامر،

1 التوبۃ 84:9 2 صحیح البخاری 4671 3 صحیح البخاری 3008 4 فتح الباری 426/8

رافع بن حرملہ، مالک بن ابی نوفل، داعس اور سوید جیسے خبیث ترین منافق پیش پیش تھے۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے سچے اور مخلص صحابی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ منظر بڑا ناقابل برداشت تھا، مگر وہ بھی بے بس ہو گئے۔

دفن کا وقت ہوا تو منافقوں کی خواہش تھی کہ اپنے سردار کو خود دفن کریں۔ ادھر مخلص صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھتے دیکھا تو وہ بھی آگے بڑھ کر تدفین میں حصہ لینے لگے۔ انھوں نے منافقوں کو پیچھے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کے لیے جگہ بنائی۔ اسی کشمکش میں ایک منافق داعس کی نکسیر پھوٹ گئی۔ بالآخر سیدنا سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ قبر کے گرد کبار صحابہ کرام کھڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے قبر میں اتارا۔ پھر آپ ﷺ اس کی قبر پر کچھ دیر کھڑے رہے۔ اس کے بیٹے سے تعزیت کی اور واپس تشریف لے آئے۔

منافقین کا گروہ اپنے سردار پر مٹی ڈال رہا تھا، وہ لوگ ساتھ ساتھ اس کی جدائی میں روتے بھی جا رہے تھے۔ اپنے سروں پر مٹی ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے کاش! تمھاری جگہ ہمیں موت آجاتی ـــ ابھی رسول اللہ ﷺ قبرستان ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے لیے نئے احکام جاری کر دیے اور منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے پر پابندی لگا دی۔ ارشاد ہوا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ [التوبة 9: 84-87]

"اور (اے نبی!) ان میں سے جو مر جائے، آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت فسق میں مرے۔ اور (اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالے۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان کے دولت مند لوگ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی

گئی ہے، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے۔"[1]

غزوۂ تبوک سے حاصل ہونے والے سبق، عبرتیں اور حکمتیں

1 علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے بقول رسول اللہ ﷺ ماہِ رجب میں غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے۔ ماہِ رجب حرمت والا مہینہ ہے۔ آپ کے اس عمل سے ضرورت کے تحت حرمت والے مہینوں میں کافروں سے جنگ لڑنے کا جواز نکلتا ہے۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ اہل کتاب کے ہاں حرمت والے مہینوں کا تقدس نہیں تھا۔ اہل عرب حرمت والے مہینوں کو حرام سمجھتے تھے اور اس میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے۔

2 غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے صاف بتا دیا تھا کہ ہم رومیوں سے لڑائی کے لیے تبوک جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن معاملات پر پردہ ڈالنے اور مخفی رکھنے سے عوام کو نقصان کا اندیشہ ہو، انھیں ان معاملات سے پوری طرح مطلع کر دینا چاہیے۔

3 جب مسلمانوں کا امام اور حکمران جہاد کا اعلان کر دے اور اسلامی سپاہ کو تیاری کا حکم دے دے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ پھر کسی شخص کے لیے جہاد سے پیچھے رہنا درست نہیں۔

4 بدنی جہاد کی طرح مالی جہاد بھی فرض ہے۔ قرآن مجید میں مالی جہاد اور بدنی جہاد اکٹھے بیان ہوئے ہیں بلکہ اکثر مقامات پر مالی جہاد کا تذکرہ پہلے آیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مالی جہاد، بدنی جہاد سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اہل ثروت کو بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لینا چاہیے۔ مجاہدین کے اسلحے اور دیگر ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے۔ سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا»

"جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان تیار کرے، وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود جہاد کیا۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے پیچھے اس کے گھر کی اچھی طرح نگرانی کرے تو اس نے گویا خود جہاد کیا۔"[2]

غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے اہل ثروت کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

[1] فتح الباري 8/422-431، [illegible] 2/428-430، دلائل النبوۃ للبیہقي 5/285-288، [illegible] 84,9، [illegible] 2/1870-1873 [2] صحیح البخاري 2843

"جو شخص (غزوۂ تبوک کے لیے) لشکر عسرت کو تیار کرے، اس کے لیے جنت ہے۔"[1]

لہٰذا جہاد کے موقع پر ہر مسلمان کو شمولیت کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر افرادی قوت و تعداد میں اضافہ نہیں کر سکتا تو مال خرچ کر کے شریک ہو جائے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنی دعاؤں کے ذریعے مجاہدین کی مدد کرے۔

5 غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابۂ کرام نے اسلامی لشکر کی تیاری کے لیے باقاعدہ مقابلہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ مال خرچ کر کے سبقت حاصل کی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل مال خرچ کر کے مقابلہ جیت لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کے کاموں میں مقابلہ کرنا اور بڑھ چڑھ کر حصہ لینا بڑا پسندیدہ عمل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

"اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو خوشی اور تنگی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔"[2]

6 امام اور حاکم وقت اگر بذات خود جہاد میں شریک ہو تو وہ خواتین، بچوں، معذوروں اور مجاہدین کے لواحقین کی دیکھ بھال کے لیے اپنا نائب مقرر کرے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ جب بھی طویل سفر پر روانہ ہوتے تو مدینہ منورہ میں اپنا نائب ضرور مقرر فرماتے تھے۔

7 کھجوروں کے باغات سے عشر وصول کرنے کے لیے کھجوروں کا اندازہ لگانا جائز ہے۔ تخمینہ لگانے کے بعد اسی کے مطابق عشر وصول کیا جائے۔ امام بذات خود تخمینہ لگا سکتا ہے یا اس کا نمائندہ یہ فریضہ ادا کرے گا۔ غزوۂ تبوک کے لیے جاتے ہوئے آپ ﷺ نے ایک عورت کے باغ کا ٹھیک ٹھیک تخمینہ لگایا تھا۔

8 جن علاقوں میں عذاب الٰہی آیا ہو، ان میں داخل ہونا اور سیر و تفریح کی غرض سے وہاں جانا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے علاقوں سے بہت تیزی سے گزر جانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیار ثمود سے گزرتے ہوئے اپنی اونٹنی کو تیز کر دیا اور اپنی چادر سے چہرۂ مبارک ڈھانپ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو بھی حکم دیا کہ اگر تمھیں اس علاقے میں داخل ہونا ہو تو روتے ہوئے (عذاب الٰہی سے ڈرتے ہوئے) داخل ہونا چاہیے۔

9 دیار ثمود کے کنوؤں سے پانی پینا اور اس پانی سے کھانا وغیرہ تیار کرنا بھی ٹھیک نہیں، البتہ جانوروں کو یہ پانی پلایا

1 صحیح البخاري: 2778. 2 آل عمران 3:133، 134.

جا سکتا ہے۔

10 سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ آپ نے اس سفر میں نمازوں کو جمع کیا۔

11 ریت سے تیمم کرنا جائز ہے غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابۂ کرام کے پاس پانی کی قلت تھی اور ان کا سفر ریگستان میں جاری تھا۔ اس موقع پر اسلامی لشکر نے جو نمازیں تیمم کر کے پڑھیں، وہ تیمم یقیناً ریت ہی سے کیا ہوگا، کیونکہ اس موقع پر صحابۂ کرام ؓ کا مٹی ساتھ لے کر جانا ممکن نہ تھا۔ صحابۂ کرام جس علاقے میں جاتے تھے، اسی کی زمین سے تیمم کر لیتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے:

«أينما أدركت رجلا من أمتي الصلاة فعنده مسجده وطهوره»

''میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے، وہیں اس کے پاس اس کی مسجد اور طہارت کا ذریعہ موجود ہے۔''[1]

12 آپ تبوک میں بیس دن رہے اور نماز قصر ادا کرتے رہے۔ مسافر جب تک کسی جگہ اقامت کی نیت نہ کرے، وہ مسافر ہی رہتا ہے، چاہے وہ اس علاقے میں طویل عرصہ تک رہے۔ اس عرصے میں نماز قصر ہی ادا کرے گا۔

13 اگر کوئی شخص کسی کام کے نہ کرنے کی قسم اٹھا لے اور پھر اسے محسوس ہو کہ وہ کام کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے قسم کا کفارہ ادا کر کے وہ کام کر گزرنا چاہیے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر کچھ صحابہ نے آپ سے سواریاں مانگیں جو آپ کے پاس موجود نہیں تھیں۔ آپ اس وقت کچھ ناراض بھی تھے، آپ نے قسم اٹھائی کہ میں تمھیں سواریاں نہیں دوں گا۔ پھر آپ نے میسر آنے پر انھیں سواریاں عطا کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما أنا حملتكم بل الله حملكم، وإني والله إن شاء الله لا أحلف على يمين فأرى غيرها خيرا منها إلا كفرت عن يميني، وأتيت الذي هو خير، أو أتيت الذي هو خير وكفرت عن يميني»

''میں نے تمھیں سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری سواری کا بندوبست فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں کسی چیز کے متعلق قسم کھا لوں، پھر اس سے بہتر چیز میرے سامنے آ جائے تو میں اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور وہ کام کر گزرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔ یا (بایں طور فرمایا کہ) بہتر کام کر لیتا ہوں، اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔''[2]

14 غصے کی حالت میں اٹھائی ہوئی ہر قسم معتبر ہوگی اور اس پر شرعی احکام لاگو ہوں گے، البتہ اگر غصہ اس قدر شدید

1 مسند أحمد :5/248. 2 صحيح البخاري :6623.

ہو کہ انسان کی عقل ہی جاتی رہتی تو ایسی حالت میں اٹھائی گئی قسم معتبر ہوئی نہ اس پر کفارہ لازم آئے گا۔

15 رسول اللہ ﷺ نے منافقین کو ان کے صریح کفر و ارتداد کے باوجود قتل نہیں کرایا بلکہ درگزر سے کام لیا اور اس کی وجہ بھی بتا دی۔ آپ تالیف قلب کے لیے ایسے لوگوں کو معاف کر دیتے تھے۔ تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسلام کے قریب ہوں اور کسی کے لیے ہچکچاہٹ کی کوئی وجہ باقی نہ رہے۔ مگر آپ ﷺ کی رحلت کے بعد اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو تو وہ یقیناً سزا کا مستحق ہوگا۔

16 اہل ذمہ اگر کوئی ایسا عمل کریں جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہو تو پھر یہ لوگ اہل حرب باور کیے جائیں گے اور ان کا معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے امام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا دے۔ اگر امام کے لیے انھیں پکڑنا اور سزا دینا ممکن نہ ہو تو ان کے اموال مسلمانوں کے لیے حلال ہوں گے۔ جو جس مال پر قبضہ کر لے، وہ اسی کا ہوگا جیسا کہ آپ نے اہل ایلہ کے ساتھ معاہدے میں واضح کر دیا تھا۔

17 مردوں کو رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ نے سیدنا ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عثمان اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو رات ہی کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ البتہ بلاوجہ اور بلاضرورت رات کے وقت دفن کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر میت کے خراب ہو جانے یا مسافروں کے لیے دن نکلنے کا انتظار کرنا ممکن نہ ہو تو رات کے وقت دفن کیا جا سکتا ہے۔ بلاضرورت رات کو دفن کرنے سے گریز کی وجہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے ایک صحابی کا تذکرہ کیا کہ جب وہ فوت ہوا تو اسے ناکافی کفن دے کر رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ (آئندہ) کسی شخص کو رات کے وقت دفن نہ کیا جائے حتی کہ (دن کے وقت) اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص رات کو دفن کرنے پر مجبور ہو جائے۔[1]

18 اسلامی لشکر سے جب کوئی فوجی دستہ کسی خصوصی مہم پر روانہ کیا جائے اور وہ مال غنیمت لے کر لوٹے تو رسول اللہ ﷺ کے حصے کا خمس نکال کر بقیہ مال اسی دستے میں تقسیم کیا جائے گا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دومۃ الجندل کو فتح کرنے والے لشکر کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا تھا۔

19 رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مسجد ضرار کو جلا دیا گیا۔ اسے تباہ کر کے رہائش گاہ بنا دیا گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی جگہ جو مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے کے لیے استعمال ہو رہی ہو یا منافقوں اور مشرکوں کا سازشی اڈہ بن گئی ہو تو ایسے مرکز کا صفایا کرنا بہت ضروری ہے۔ امام اور حکمران کو چاہیے کہ ایسے

[1] صحیح مسلم :943.

مقامات کو جلانے، گرانے اور نابود کر دینے کا حکم جاری کرے۔ شرک و کفر کے اڈے، فسق و فجور کے مراکز اور شراب حرام چیزوں کی خرید و فروخت کے ٹھکانے تباہ کرنا امام کی شرعی اور منصبی ذمہ داری ہے۔ سیدنا عمر ؓ نے ایک ایسی بستی جلا دی تھی جہاں شراب کشید کر کے فروخت کی جاتی تھی۔

20 اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول اور نیکی کی نیت سے کوئی چیز وقف کرنا درست ہے۔ ورنہ وقف کرنا درست نہ ہوگا جیسا کہ مسجد ضرار کے لیے جگہ اور تعمیراتی سامان دینا صحیح عمل نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس نام نہاد مسجد کا خاتمہ کرا دیا۔ اسی بنا پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی قبر پر مسجد بنا دی گئی ہو تو ایسی مسجد گرا دی جائے۔ اگر مسجد پہلے ہی سے تعمیر تھی تو پھر اس میں بنائی ہوئی قبر سے میت کو نکال کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ دین اسلام میں قبر اور مسجد اکٹھی نہ ہوں گی۔ دونوں میں سے جو بعد میں بنے اسے ختم کر دیا جائے۔ اور دونوں کی بیک وقت تعمیر جائز نہ ہوگی۔ اور ایسی مسجد کو وقف کرنا اور اس میں نماز ادا کرنا بھی درست نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر مسجد بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔[1]

21 مسافروں کی واپسی پر اشعار گنگنا کر ان کا استقبال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کے ساتھ حرام میوزک نہ بج رہا ہو۔ اچھے بامقصد اشعار ایسے دلکش لہجے میں پڑھنا جس سے قلبی فرحت و سرور حاصل ہو، یقینا جائز ہے۔

22 مختلف صحابۂ کرام اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی مدح سرائی کرتے تھے۔ آپ ﷺ وہ اشعار سن کر مسرور بھی ہوتے تھے۔ کسی اور شخصیت کو آپ ﷺ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کسی بھی شخص کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو آپ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

«اُحْثُوا فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ»

”تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دو۔“[2]

23 سیدنا کعب بن مالک ؓ کے قصے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی کوتاہی کا تذکرہ کر سکتا ہے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت و نصیحت کا باعث ہو۔

24 انسان اپنی خیر و بھلائی کی بنا پر اپنی تعریف کر سکتا ہے بشرطیکہ فخر و غرور کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو۔

25 صحابۂ کرام کے ہاں غزوۂ بدر کی شرکت بہت عظیم عمل سمجھا جاتا تھا۔ بیعت عقبہ میں شرکت بھی غیر معمولی عمل ہے۔ اس لیے کچھ صحابۂ کرام اس میں شرکت کو غزوۂ بدر میں شرکت کے برابر کا اعزاز سمجھتے تھے جیسا کہ سیدنا کعب ؓ

[1] زاد المعاد :3/572. [2] صحیح مسلم :3002.

نے اس کا اظہار بھی کیا۔ اس طرح انھوں نے غزوۂ بدر میں غیر حاضری کے سلسلے میں اپنے آپ کو تسلی دی۔ یوں خیر و بھلائی کے کاموں کے ذریعے خود کو تسلی دینا درست ہے۔

26 رسول اللہ ﷺ کے دور میں لشکر کا باقاعدہ اندراج نہیں ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں باقاعدہ رجسٹر بنائے گئے اور مجاہدین کے نام درج کیے گئے۔ مجاہدین کی رجسٹریشن کی گئی اور ان کے وظائف بھی مقرر کیے گئے۔

27 جب کسی مسلمان کو نیکی کرنے اور اللہ کے تقرب کے حصول کا موقع میسر آئے تو اسے اس سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس میں سستی اور تاخیر نیکی کے کام سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے کیونکہ انسانی عزائم اور ہمتیں ہمیشہ یکساں نہیں رہتیں۔ لہٰذا اس سے قبل کہ ہمت جواب دے جائے اور عزم شکست کھا جائے، اسے نیکی کا کام کر گزرنا چاہیے۔ یہ سوچنا کہ یہ کام آج کر لوں گا یا کل کر لوں گا نہایت مضر ہے۔ ایسے خیالات محرومی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کا کہا مانو جب وہ تمھیں اس (امر) کے لیے بلائے جو تمھیں زندگی بخشتا ہے، اور تم جان لو کہ یقیناً اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔''[1]

28 سپہ سالار اور امام کو اپنے ساتھیوں کی نگہبانی بھی کرنی چاہیے۔ اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے تو توبہ کی ترغیب دینی چاہیے۔

29 ظنِ غالب کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دفاع میں کسی شخص پر طعن کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو یقینی علم ہو تو وہ اس طعن کا رد بھی کر سکتا ہے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ پر طعن کیا گیا تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے ان کا دفاع کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم کعب کے بارے میں صرف خیر ہی کی خبر رکھتے ہیں، یعنی جو طعن ان پر کیا جا رہا ہے، وہ مبنی برحقیقت نہیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خاموشی فرمائی اور فریقین کو کوئی جواب نہیں دیا۔

30 سفر سے واپس آنے والے کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ وضو کر کے مسجد جائے اور دو رکعت ادا کر کے اپنے گھر جائے یا ملاقات کے لیے آنے والوں کے ساتھ تھوڑی دیر مسجد ہی میں رک جائے۔

31 رسول اللہ ﷺ منافقوں کے ظاہری اقوال و اعمال کی بنا پر انھیں مسلمان مانتے ہوئے درگزر فرماتے تھے اور ان

---

[1] الأنفال 24:8.

کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کر دیتے تھے۔

32 سپہ سالار، قائد، امام اور حکمران کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام کا جواب نہ دے جسے سزا دینا مقصود ہو۔ ایسے لوگوں کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے ان سے قطع تعلق جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا کعب اور ان کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کیا تو آپ کعب رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب بلند آواز سے نہیں دیتے تھے بلکہ آپ ان کے سلام پر انھیں محض ناراض مسکراہٹ سے نواز دیتے تھے۔

33 مسکراہٹ جس طرح خوشی کے اظہار کی علامت ہے، اسی طرح غصے اور ناراضی کے اظہار کی نشانی بھی ہے۔

34 رسول اللہ ﷺ سیدنا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور بلال بن امیہ رضی اللہ عنہم سے ناراض ہوئے اور ان کا بائیکاٹ کیا اور بقیہ لوگوں سے درگزر فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کے قریبی ساتھی تھے، اس لیے ان کو سزا بھی سخت ملی۔ لیکن اس سزا کے بعد توبہ کی لذت اور رسول اللہ ﷺ کی جو محبت و الفت انھیں نصیب ہوئی، وہ انھی کا حصہ ہے۔ دیگر صحابۂ کرام نے ان سے جس طرح والہانہ محبت کا اظہار کیا اور انھیں مبارک باد دی، وہ بھی نہایت مسرت بخش واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی قبولیت، رسول اللہ ﷺ کی مبارک باد اور مسلمانوں کی الفت ان کے لیے سب سے بڑا اعزاز بن گیا۔

35 سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی عدم شرکت کے بارے میں سچی بات بتا کر توبہ کی قبولیت کا انتظار کیا۔ اس طرح انھوں نے دنیا کی سزا پا کر آخرت کی ابدی کامیابی حاصل کر لی۔ جبکہ جھوٹے عذر تراشنے والوں نے دنیا میں جان بچالی مگر اپنی عاقبت خراب کر لی۔ اس لیے انسان کو ہمیشہ سچ کا سہارا لینا چاہیے کیونکہ سچ جنت تک پہنچاتا ہے جبکہ جھوٹ جہنم کی راہیں کھول دیتا ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

36 سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری ملی تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہی تھا۔ انھیں نعمت حاصل ہوتی یا کوئی مشکل دور ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر ملی تو انھوں نے سجدۂ شکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اسلامی لشکر کی کسی بھی کامیابی کی اطلاع ملتی تھی تو آپ سجدۂ شکر ادا کرتے تھے۔

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کو کوئی خوشگوار معاملہ معلوم ہوتا یا آپ کو کوئی خوشخبری دی جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔[1]

1 سنن ابن ماجه: 1394، سنن أبي داود: 2774، زاد المعاد: 3/558-585.

سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری لخت جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ سیدہ رقیہ کی وفات پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے غمگین اور دلگیر تھے۔ اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ان سے جس شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔[1]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال پر ملال ماہ شعبان 9 ھ میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سیدہ ام عطیہ، اسماء بنت عمیس اور دیگر انصاری خواتین نے انھیں غسل دیا۔ ان جلیل القدر خواتین کو رسول اللہ ﷺ نے بڑی تاکید سے خوب اچھی طرح غسل دینے کی ہدایات دی تھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس غسل کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے: ''سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر (پانی کو ابال) لو۔ اسے تین یا پانچ بار غسل دو۔ اگر زیادہ مرتبہ غسل دینے کی ضرورت محسوس ہو تو زیادہ بار غسل دو۔ غسل دیتے وقت وضو کے اعضاء پہلے دھونا اور دائیں اعضاء سے شروع کرنا۔ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔''

چنانچہ جب ہم فارغ ہو گئیں تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ نے اپنا ازار بند ہمیں عطا کیا اور فرمایا: «أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ» ''سب سے پہلے یہی چادر پہنانا۔''

ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بالوں میں کنگھی کی، پھر بالوں کی تین مینڈھیاں کر کے کمر پر ڈال دیں۔[2]

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا جنازہ پڑھایا اور پھر تدفین کے لیے مدینہ منورہ کے قبرستان میں لے گئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبر کے کنارے بیٹھے دیکھا۔ آپ کی آنکھوں

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 124/6، 125۔ [2] صحیح البخاری، 1254، 1255، 1256۔

سے بے اختیار آنسو برس رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ فِيكُمْ مَنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟»

''کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے یکجائی نہ کی ہو؟''

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم قبر میں اترو۔ لہٰذا وہ قبر میں اترے۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بھی قبر میں اترنے کا حکم دیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت کو نہایت ادب و احترام سے قبر میں اتارا۔[1]

[1] صحيح البخاري: 1285، الإصابة: 8/460، 461، مسند أحمد: 5/486، 487، الطبقات الكبرى لابن سعد: 8/37، 38، فتح الباري: 3/164، البداية والنهاية: 5/47، سير أعلام النبلاء: 2/252.

بقیع کا قبرستان (مدینہ منورہ)



سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج

رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ نے بقیہ رمضان، شوال اور ذوالقعدہ کے ایام مدینہ ہی میں بسر فرمائے۔ پھر آپ نے 9 ھ ہی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جس اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی، وہ آپ کے عہد مسعود میں مسلسل ترقی کر رہا تھا۔ معاشرے کے تمام بنیادی عناصر پھل پھول کر توانا ہو رہے تھے۔ عقیدے کی اصلاح تیزی سے ہو رہی تھی، اجتماعی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عبادتی شعور پروان چڑھ رہا تھا۔ مسلمان اپنے محسن اعظم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے دن رات مستفید ہو رہے تھے۔ جاہلانہ رسوم و رواج کی جگہ اسلامی عبادات نے لے لی تھی۔ مسلمان عقیدۂ توحید کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں نافذ کر رہے تھے، شرک و کفر کے مراکز ایک ایک کر کے مٹا دیے گئے تھے اور ان کے بچے کھچے آثار ختم کرنے کی ہر کوشش بروئے کار لائی جا رہی تھی۔ جب سے مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت ملی تھی، مسلمان دن رات کفر و شرک کے اڈے تباہ کرنے میں مصروف تھے تاکہ پورے کرۂ ارض پر صرف ایک اللہ کی توحید کا پرچم لہرایا جا سکے۔ اس دوران میں وہ عبادات کا بھی پورا اہتمام کر رہے تھے۔ البتہ دینی، جہادی اور تبلیغ و دعوت کی مصروفیات کی بنا پر مسلمان ابھی تک اجتماعی حج کا فریضہ ادا نہیں کر سکے تھے۔

9 ھ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ حج کی فرضیت کا حکم نازل فرما دیا تھا لیکن مشرکین ابھی تک اپنے زمانۂ جاہلیت کے طریقے کے مطابق حج کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے 9 ھ میں بنفس نفیس حج کرنے کے بجائے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر تین سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر جاہلیت کے رسوم و رواج کا خاتمہ کریں اور پھر آپ خود اگلے سال حج کے لیے تشریف لے جائیں۔ آپ نے انھیں بیس اونٹنیاں بھی دیں۔ بطور علامت ان کے گلوں میں جوتوں کے ہار ڈالے اور اپنے دست مبارک سے ان کے کوہانوں کے دائیں جانب اشعار کیا۔ یوں جب کسی جانور کو بیت اللہ میں ذبح کرنے کے لیے بھیجا جاتا، اگر وہ کہیں قافلے سے بچھڑ جاتا تو کوئی شخص اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ سیدنا ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان اونٹنیوں کا نگران مقرر کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی قربانی کے لیے پانچ اونٹنیاں ساتھ لے لیں۔ سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے

کامیاب اور صاحب ثروت تاجر تھے۔ انھوں نے بھی اس سال حج ادا کرنے کا ارادہ کیا اور قربانی کے لیے کئی اونٹ ساتھ لے لیے۔ اسی طرح کئی آسودہ حال مسلمان اس قافلے کے ہمراہی بن گئے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہ قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور ذوالحلیفہ پہنچا۔ ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے حج کا احرام باندھا، نیت کی اور تلبیہ پکارتے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب چل دیے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورۂ براءت، یعنی سورت توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوگئیں۔ ان آیات میں نئے احکام دیے گئے تھے۔ ان میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ مشرکین کے لیے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ البتہ جن کے ساتھ معاہدے تھے، ان کی مدت تکمیل تک پاسداری کی جائے گی۔ یہ نئے احکام مشرکوں تک پہنچانے ضروری تھے تاکہ آئندہ سال کوئی مشرک بیت اللہ کے حج کی جرأت نہ کرے۔ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا جزیرہ نمائے عرب سے جلاوطنی کے لیے تیار ہو جائیں۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ دو قوموں کے درمیان موجود معاہدوں کی تجدید یا خاتمے کے لیے صاحب معاہدہ یا اس کے قریبی رشتہ دار کا اعلان کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور یہ آیات دے کر انھیں مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ وہ ایام حج میں منیٰ میں یہ اعلان کر دیں جہاں مسلمانوں کے علاوہ عام مشرک بھی جمع ہوں گے اور سب لوگ نئے احکام حج سے آگاہ ہو جائیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ اہم اعلان کرنے کے لیے چل پڑے۔ وہ اسلامی قافلے کے پاس فجر کے وقت پہنچے، اس وقت قافلہ مقام عرج پر آرام کر رہا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی آواز سنی تو فوراً متوجہ ہوئے۔ کہنے لگے: ارے یہ تو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء ہے۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سوار چلے آرہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ علی رضی اللہ عنہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی اہم اطلاع دینے آئے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا، انھیں خوش آمدید کہا اور دریافت کیا: کیا آپ کو امیر حج مقرر کر دیا گیا ہے یا آپ کوئی اہم ذمہ داری نبھانے آئے ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ امیر حج آپ ہی ہوں گے۔ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے عہد ختم کرنے اور دیگر اہم اعلانات کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ذوالحجہ کو اہل مکہ اور حجاج کے روبرو خطبہ ارشاد فرمایا۔ 8 ذوالحجہ کو انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر باب بنوشیبہ سے نکل کر منیٰ روانہ ہو گئے۔ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں۔ 9 ذوالحجہ کو سورج بلند ہونے کے بعد منیٰ سے عرفات کے لیے روانہ ہوئے۔ سورج

ثبیر پہاڑ پر چمک رہا تھا جب مسلمان اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے عرفات کی جانب چل رہے تھے۔ وادیٔ نمرہ میں امیر حج کے لیے بالوں سے بنے ہوئے خیمے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ امیر حج سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خیمے میں قیلولہ کیا۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور وادیٔ عرنہ میں تشریف لائے۔ وہاں خطبہ دیا اور پھر مسلمانوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز ظہر اور عصر پڑھائی۔ نمازوں کی ادائیگی کے بعد آپ وادیٔ عرفات میں داخل ہوئے۔ وہاں سورج غروب ہونے تک وقوف کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات و دعائیں کیں۔ مشرکین مکہ وادیٔ عرفات میں داخل نہیں ہوتے تھے، وہ مزدلفہ تک آتے تھے جو حدود حرم میں ہے۔ وہ خود کو حُمس یعنی مذہبی لیڈر کہلاتے تھے۔ اس لیے حدود حرم سے باہر نہیں جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کرنے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وادیٔ عرفات میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا، لہٰذا انھوں نے سورج غروب ہونے تک عرفات میں وقوف کیا، پھر واپس مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں اور پھر فجر تک وہیں آرام کیا۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد خوب دعائیں مانگیں۔ پھر روشنی ہونے پر اور سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کی جانب چل پڑے۔ انھوں نے یہاں بھی مشرکین کی مخالفت کی۔ وہ سورج بلند ہونے تک مزدلفہ سے روانہ نہیں ہوتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت کی کہ روشنی ہونے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہو جاؤ۔ پھر وہ اپنی سواری آرام سے چلاتے ہوئے منیٰ کی طرف چل پڑے۔ البتہ وادیٔ محسر میں سواری کو تیز کر دیا اور وادی کو جلدی سے عبور کیا۔ یہ وہی وادی ہے جہاں ابرہہ کے لشکر پر عذاب الٰہی آیا تھا۔ جب وہ بیت اللہ کو گرانے کے ناپاک ارادے سے آیا تھا۔ وادیٔ محسر سے نکلنے کے بعد دوبارہ سکون سے سفر جاری رکھا۔ پھر منیٰ پہنچے، جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں، پھر قربانی کی اور سر کے بال منڈائے۔ بعد ازاں خطبہ ارشاد فرمایا۔

دس تاریخ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی ذمہ داری پوری کرنے کا حکم دیا۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر اعلان کریں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج میں قربانی کے دن منادی کرنے والوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ ہم منیٰ میں یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کرے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قربانی کے دن ہمارے ساتھ منیٰ کے لوگوں میں یہ اعلان کیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے، نہ کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔[1]

[1] صحيح البخاري: 369.

علامہ ابن سعد فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ﷛ کو اعلان براءت کے لیے بھیجا تو سیدنا ابوبکر ﷛ نے پوچھا: کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیجا ہے؟ انھوں نے عرض کی نہیں، آپ ﷺ نے مجھے لوگوں کو سورۂ براءت کی آیات سنانے اور ہر عہد کو ختم کرنے کا اعلان کرنے بھیجا ہے، چنانچہ دس ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر سیدنا علی ﷛ نے یہ اعلان کیا: 1 اے لوگو! کافر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ 2 اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ 3 بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہیں کیا جائے گا۔ 4 جس سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہے، وہ اپنی مدت پوری کرے گا۔ اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے، اس کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔

یہ اعلان اہل شرک کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کے بارے میں نہایت اہم پیغام تھا کہ آج کے بعد مشرکین کے ساتھ کوئی نیا معاہدہ نہ ہوگا۔ مشرکین بیت اللہ میں داخلے سے روک دیے جائیں گے۔ کسی کو ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس طرح بیت اللہ کی بے حرمتی کرنے والوں کو بھی روک دیا گیا۔ جو مشرک حج کے لیے آئے ہوئے تھے، انھیں چار مہینے کی مہلت دی گئی تاکہ وہ امن وسلامتی سے اپنے گھروں اور علاقوں کو لوٹ جائیں۔ اس کے بعد وہ اسلام قبول کر لیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جن کے ساتھ گزشتہ معاہدے تھے، انھیں مدت پوری ہونے تک مہلت تھی۔ اگر اس مدت کے خاتمے پر وہ اسلام قبول نہیں کریں گے تو ان سے بھی جنگ ہوگی یا وہ جزیرہ نمائے عرب سے جلاوطن ہو جائیں۔ اس طرح مشرکوں کو واضح پیغام دے دیا گیا کہ آج کے بعد بیت اللہ، حرم مکی اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ وہ اسلام قبول کر کے باعزت زندگی گزاریں یا ذلیل وخوار ہو کر جزیرہ نمائے عرب سے نکل جائیں۔

سیدنا علی ﷛ کو رسول اللہ ﷺ نے سورت توبہ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات دے کر بھیجا تھا۔[1] انھوں نے اعلان کے ساتھ ہی متعلقہ آیات کی تلاوت بھی کی۔ وہ آیات درج ذیل ہیں۔

اس کے بعد سیدنا علی ﷛ اور امیر حج سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ بقیہ مناسک حج ادا کر کے واپس مدینہ منورہ آ گئے۔[2]

1 تفسیر ابن کثیر، التوبة: 1-9. 2 السیرة لابن هشام: 4/188-193، المغازي للواقدي: 2/443، 444، 3/593، 594، الطبقات لابن سعد: 2/168، 169، دلائل النبوة للبيهقي: 5/293، السيرة لابن إسحاق: 2/621، 623، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1877-1880.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا

(جلد9)

اماکن

اوطاس: علمائے تاریخ و ماہرین آثاریات کی جدید تحقیق کے مطابق اوطاس دو ہیں۔ ایک تو وادی اوطاس ہے جو وادی حنین کے پاس ہے جہاں غزوۂ حنین برپا ہوا اور دوسرا اوطاس (موجودہ حزم الصریم) وادی العشیرہ اور وادی تحضبہ کے سنگم (بریکہ اوطاس) کے مغرب میں میقاتِ ذات عرق کی جانب واقع ہے اور مکہ سے اس کا فاصلہ 190 کلومیٹر ہے۔ یاقوت حموی نے بھی بحوالہ ابن شیبہ لکھا ہے: الغور من ذات عرق الی اوطاس ''الغور ذات عرق سے اوطاس تک ہے۔'' اور اس سے مراد یہی اوطاس (حزم الصریم) ہے۔ معرکۂ حنین سے پہلے قوم درید میدانِ اوطاس (حزم الصریم) میں جمع ہوئی تھی جسے درید نے گھوڑوں کی بھاگ دوڑ کے لیے بہترین قرار دیا تھا۔ اوطاس (حزم الصریم) سے وہ مکہ کی جانب چلے حتی کہ وادی حنین آ پہنچے۔ یہاں جنگ ہوئی اور اس کے بعد قوم درید مختلف اطراف میں بھاگ نکلی تو ایک گروہ درید کے ہمراہ اوطاس (حزم الصریم) جا پہنچا۔ ان کی سرکوبی کے لیے نبی ﷺ نے ابوعامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریہ بھیجا۔

حرۃ الرجلاء: جغرافیہ دان اس کی تحدید میں متفق نہیں ہیں۔ یاقوت حموی کے نزدیک یہ قضاعہ قبیلے کی شاخ بلقین بن جسر کا حرہ ہے جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ہے۔ اہل مغازی اور یاقوت حموی کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرہ لیلیٰ کے قریب ہے۔ یا شاید اس کا حصہ ہے۔ کیونکہ جب مسافر مدینہ سے بلقین کی طرف سفر کرتے ہوئے حرۃ لیلیٰ سے گزرتا ہے تو یہ حرہ بھی راستے میں آتا ہے۔ اس حرے میں متعدد پہاڑی چوٹیاں اور نشیب و فراز ہیں۔ جب یہ حرۃ الجناب (موجودہ الجبراء) کی جانب سے ختم ہوتا ہے تو تمام حرے ختم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حرۃ الرجلاء انھی نشیب و فراز کے درمیان واقع ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 97)

الحِساء: یہ الربذہ اور (وادی) نخل (وادی الحناکیہ) کے درمیان بنو فزارہ کے چشمے ہیں، اس مقام کو ذوحساء کہا جاتا ہے۔ (معجم البلدان: 257/2، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 318)

ذات أطلاح: ان دنوں ذات اطلاح کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ مقام کہاں ہے۔ سیرت نگاروں نے اسے ارض شام میں شمار کیا ہے جبکہ وہ شام کو تیما (شمالی سعودی عرب) تک گردانتے تھے جو مدینہ سے 625 کلومیٹر کے فاصلے کے لگ بھگ ہے لیکن اہل

جغرافیہ کے نزدیک ذات أطلاح ارضِ حجاز ہی میں تھا جبکہ وہ شہر معان (جنوب مغربی اردن) کو بھی حجاز ہی میں شامل سمجھتے تھے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:31)

ذی طویٰ: باب مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے کے لیے اس مقام پر غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ صحیح البخاری: 1573 میں نافع، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما حرم کے قریب پہنچ جاتے تو تلبیہ پڑھنا بند کر دیتے، پھر ذی طویٰ میں رات بسر کر کے صبح کی نماز وہیں پڑھتے اور غسل کرتے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

شُعَیبہ: یہ بحرالحجاز (بحیرۂ احمر) پر (جدہ کے جنوب میں) ایک بندرگاہ ہے۔ جدہ سے پہلے یہی مکہ کی بندرگاہ تھی اور اہل مکہ کے جہاز یہیں لنگر انداز ہوتے تھے۔ (معجم البلدان: 351/3)

صفاح مقام: صفاح حنین اور انصاب الحرم (حرم کے نشانات) کے درمیان واقع ہے اور یہ مشاش سے مکہ آتے ہوئے دائیں جانب پڑتا ہے۔ یہیں فرزدق کی حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ (معجم البلدان: 412/3)

فيفاء الفحلتين: دور حاضر میں اَلْفَحْلَتَان، کا محل وقوع نامعلوم ہے۔ اَلْفَيافي: وسیع و عریض علاقے کو کہتے ہیں جو قریبی بستی کی طرف منسوب ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ سریے کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذام قبیلے کو جانے والے راستے پر واقع تھا مگر مدینہ سے زیادہ قریب تھا۔ ممکن ہے یہ علاقہ اضم اور اَلْعُلا کے درمیان ہو۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:241)

کراع ربۃ: حرۂ لیلیٰ میں واقع ہے۔ جبکہ حرۂ لیلیٰ کا موجودہ نام حرۂ خیبر اور حرۂ ثُہَیم ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 97)

مرالظہران: مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اور اس کی طرف منسوب بستی کا نام مَرّ ہے۔ (النهاية في غريب الحديث والأثر: 167/3، مادة: ظهر)

معان: یہ جنوبی اردن کا ایک شہر ہے جو اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت ہے۔ یہ عقبہ کی بندرگاہ سے تقریباً 100 کلومیٹر شمال میں دمشق و عمان کو جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام - أطلس العالم، ص: 47)

موآب (مآب): موآب (Moab) کے مغرب میں بحیرۂ مردار، مشرق میں صحرائے عرب، شمال میں دریاء ارنون اور جنوب میں ادوم (اردن) کا ملک تھا۔ ارنون آج کل وادی الموجب کہلاتا ہے۔ (قاموس الكتاب، ص: 968، اطلس العالم، ص: 47)

وادي القرىٰ: ان دنوں اسے وادی العُلاء کہا جاتا ہے۔ شہر العلاء مدینہ سے تقریباً 350 کلومیٹر شمال میں آباد ہے۔ یہاں بہنے والی وادی القریٰ نامی ندی وادی الجزل سے جاملتی ہے جو آگے وادی الحمض (اضم) میں شامل ہو جاتی ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:250)

ہَدَہ: یہ مَرّالظہران کے بالائی جانب حرہ رُہاط (رہط) کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے اہل مکہ سفید مٹی لاتے تھے جسے عورتیں کھاتی تھیں۔ اسے پیس کر اور اس میں اِذخر گھاس کا سفوف ملا کر لوگ اس سے اپنے ہاتھ دھوتے تھے۔ ان دنوں اسے ہدأۃ الشام کہا جاتا

ہے۔(معجم البلدان :5/396,395، أطلس الحديث النبوي، ص :366)

یانج: ایک وادی ہے جو عمرۃ التنعیم کے شمال میں ہے۔ وادی تنعیم اس میں گرتی ہے جبکہ وادی یانج وادی مرالظہران سے جا ملتی ہے۔ یانج مسجد الحرام سے دس کلومیٹر دور ہے۔ آج کل اس کا نام ''یاج'' ہے۔ (معجم المعالم الجغرافیه فی السیرۃ النبویة، ص :337)

قبائل

جذام: کہلانی قحطانی قبیلہ جذام تبوک سے بحیرہ قلزم تک آباد تھا۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :159)

قضاعہ اور عذرہ: بنو عذرہ بنو قضاعہ کی شاخ تھے۔ یہ لوگ وادی القریٰ (العلاء) میں تبوک اور تیماء تک آباد تھے۔ ذات السلاسل غالبًا بنو عذرہ کے علاقے میں پیش آیا تھا۔ (معجم المعالم الجغرافیه فی السیرۃ النبویة، ص :159، معجم قبائل العرب :768)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ اسی سلسلۃ الذہب کی نویں جلد ہے۔ اس میں عمرۃ القضاء سے غزوۂ تبوک تک کے تمام اہم واقعات شامل ہیں۔ عمرۃ القضاء (7 ھ) کے اگلے سال قریشِ مکہ کے دو اہم سردار خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر چند ماہ بعد کفارِ روم کے خلاف معرکۂ موتہ برپا ہوا۔ رمضان 8 ھ میں فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار مسلمان مجاہدین کا لشکر آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ محسنِ انسانیت کی جان کے دشمن قریشِ مکہ آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ فتح مکہ کے ساتھ ہی اسلام بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف کے بعد اہلِ ثقیف کے قبولِ اسلام سے اسلام کی قوت دو چند ہوگئی۔ آپ ﷺ کی فیاضانہ رحم دلی سے جہاں ہزاروں غلاموں کو آزاد کیا گیا، وہاں نومسلموں کی ثابت قدمی کے لیے اموالِ غنیمت تقسیم کیے گئے۔ بالآخر جزیرہ نمائے عرب کی آخری حدود پر مقیم غسانیوں اور رومیوں سے لڑنے کے لیے تیس ہزار کا اسلامی لشکر تبوک پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے بابرکت شادی کا تذکرہ بھی اسی جلد میں شامل ہے۔

ISBN: 978-603-500-355-1
9786035003551

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM